انا خاتم النبیین لا نبی بعدی ۔ الحدیث
عقیدہ ختم نبوت پر علمائے اسلام کی تحقیقی کتب و رسائل کا انسائیکلوپیڈیا
عقیدۃ ختم النبوۃ
جلد پنجم
الناشر
الادارۃ لتحفظ العقائد الاسلامیۃ
کراتشی پاکستان

أنا خاتم النبيين لا نبي بعدي ۔ الحدیث
ختمِ نبوت پر اُمت علمائے اسلام کی تحقیقی کتب و رسائل کا انسائیکلوپیڈیا
عقیدہ
ختمِ نبوت
جلد پنجم
ناشر
الادارۃ لتحفیظ العقائد الاسلامیۃ
آفس نمبر 5، پلاٹ نمبر Z-111، عالمگیر روڈ، کراچی
www.aqaideislam.org
www.khatmenabuwat.com

قصیدہ بُردہ شریف

از: شیخ العرب والعجم امام محمد شرف الدین بوصیری مصری شافعی رحمۃ اللہ علیہ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اے میرے مالک و مولیٰ درود و سلامتی نازل فرما ہمیشہ ہمیشہ تیرے پیارے حبیب پر جو تمام مخلوق میں افضل ترین ہیں۔

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْكَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ
وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سردار اور ملجاء ہیں دنیا و آخرت کے اور جن و انس کے اور عرب و عجم دونوں جماعتوں کے۔

فَاقَ النَّبِیِّیْنَ فِیْ خَلْقٍ وَّ فِیْ خُلُقٍ
وَلَمْ یُدَانُوْهُ فِیْ عِلْمٍ وَّلَا كَرَمِ

آپ ﷺ نے تمام انبیاء علیہم السلام پر حسن و اخلاق میں فوقیت پائی اور وہ سب آپ کے مراتب علم و کرم کے قریب بھی نہ پہنچ پائے۔

وَكُلُّهُمْ مِّنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ مُلْتَمِسٌ
غَرْفًا مِّنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِّنَ الدِّیَمِ

تمام انبیاء علیہم السلام آپ ﷺ کی بارگاہ میں ملتمس ہیں آپ کے دریائے کرم سے ایک چلو یا باران رحمت سے ایک قطرے کے۔

وَكُلُّ اٰيٍ اَتَى الرُّسُلُ الْكِرَامُ بِهَا
فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُّوْرِهٖ بِهِمٖ

تمام معجزات جو انبیاء علیہم السلام لائے وہ دراصل حضور ﷺ کے نور ہی سے انہیں حاصل ہوئے۔

وَقَدَّمَتْكَ جَمِيْعُ الْاَنْبِيَآءِ بِهَا
وَالرُّسْلِ تَقْدِيْمَ مَخْدُوْمٍ عَلٰى خَدَمِ

تمام انبیاء علیہم السلام نے آپ ﷺ کو (مسجد اقصیٰ میں) مقدم فرمایا مخدوم کو خادموں پر مقدم کرنے کی مثل۔

بُشْرٰى لَنَا مَعْشَرَ الْاِسْلَامِ اِنَّ لَنَا
مِنَ الْعِنَايَةِ رُكْنًا غَيْرَ مُنْهَدِمِ

اے مسلمانو! بڑی خوشخبری ہے کہ اللہ ﷻ کی مہربانی سے ہمارے لئے ایسا ستون عظیم ہے جو کبھی گرنے والا نہیں۔

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا
وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

یارسول اللہ ﷺ آپ کی بخششوں میں سے ایک بخشش دنیا و آخرت ہیں اور علم لوح و قلم آپ ﷺ کے علوم کا ایک حصہ ہے۔

وَمَنْ تَكُنْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ نُصْرَتُهٗ
اِنْ تَلْقَهُ الْاُسْدُ فِيْ اٰجَامِهَا تَجِمِ

اور جسے آقائے دو جہاں ﷺ کی مدد حاصل ہو اسے اگر جنگل میں شیر بھی ملیں تو خاموشی سے سر جھکا لیں۔

لَمَّا دَعَا اللّٰهُ دَاعِيْنَا لِطَاعَتِهٖ
بِاَكْرَمِ الرُّسُلِ كُنَّا اَكْرَمَ الْاُمَمِ

جب اللہ ﷻ نے اپنی طاعت کی طرف بلانے والے محبوب کو اکرم الرسل فرمایا تو ہم بھی سب امتوں سے اشرف قرار پائے۔

سلامِ رضا

از: امامِ اہلسنّت مجدّدِ دین و ملّت حضرت علامہ مولانا مفتی قاری حافظ
امام احمد رضا محقق، محدث، قادری، برکاتی، حنفی، بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

مہرِ چرخِ نبوت پہ روشن درود
گلِ باغِ رسالت پہ لاکھوں سلام

شبِ اسریٰ کے دولہا پہ دائم درود
نوشۂ بزمِ جنّت پہ لاکھوں سلام

صاحبِ رجعتِ شمس و شق القمر
نائبِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

حجرِ اسود و کعبۂ جان و دل
یعنی مُہرِ نبوّت پہ لاکھوں سلام

جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام

فتحِ بابِ نبوّت پہ بے حد درود
ختمِ دورِ رسالت پہ لاکھوں سلام

مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضا
مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

اظہار تشکر

ادارہ ان تمام علمائے اہلسنّت،
اہل علم حضرات اور تنظیموں کا
تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے
جنہوں نے اب تک عقیدہ ختم نبوت کے
موضوع پر مواد کی تلاش اور جمع کرنے میں
ادارے کے ساتھ مخلصانہ تعاون کیا
اور باقی مواد کی تلاش میں مشغول عمل ہیں
ادارے کو ان کی مزید علمی شفقتوں کا
انتظار رہے گا۔

الادارة لتحفیظ العقائد الاسلامیة

نام کتاب	عقیدۃ ختم النبوۃ
ترتیب وتحقیق	حضرت علامہ مفتی محمد امین قادری حنفی رحمۃ اللہ علیہ
جلد	پنجم
سن اشاعت	(اول) 2007ء / ۱۴۲۷ھ (دوئم) 2012ء / 1433ھ
قیمت	-/330

14 جلدوں میں مطبوعہ کتب کی فہرست اور مکتبوں کے ایڈریس کتاب کے آخری صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

نوٹ: ''عقیدہ ختم نبوت'' کے سلسلے میں حتی الامکان سنین کے اعتبار سے کتابوں کی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ مگر طباعت کے تقاضوں کے پیش نظر بعض کتب میں اس ترتیب کو برقرار نہیں رکھا جاسکا ہے۔ (ادارہ)

ناشر: الادارة لتحفیظ العقائد الاسلامیة

آفس نمبر 5، پلاٹ نمبر Z-111، عالمگیر روڈ، کراچی

www.aqaideislam.org

www.khatmenabuwat.com

فہرست

انوار العلوم شیخ الاسلام عارف باللہ

مولانا حافظ **محمد انوار اللہ** چشتی حنفی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت فضیلت جنگ استاد سلاطین دکن و بانی جامعہ نظامیہ (حیدرآباد دکن)

- حالاتِ زندگی
- رَدِّ قادیانیت

حالات زندگی

انیسویں صدی ملک وملت کی جن ممتاز ترین اور عظیم المرتبت شخصیتوں پر فخر کرسکتی ہے ان میں ایک عہد آفریں شخصیت شیخ الاسلام حضرت مولانا حافظ محمد انوار اللہ نور اللہ مرقدہ کی ہے۔ جن کو اپنے علمی فضل وکمال کی وجہ سے نہ صرف ہند میں بلکہ جنوبی ہند میں ایک خاص امتیاز حاصل رہا اور جن کے علمی مذہبی اور قومی خدمات سے سارے عالم اسلام کو مستفید ہونے کا موقع ملا۔

خاندان اور ولادت

حضرت شیخ الاسلام کے والد محترم ابومحمد شجاع الدین بڑے متبع سنت اور عالم باعمل بزرگ تھے، دینی اور دنیاوی وجاہتوں سے مالا مال تھے۔ حضرت شیخ الاسلام کا سلسلۂ نسب والد ماجد کی طرف سے امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے اور والدہ محترمہ کی طرف سے حضرت سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ تعالی علیہ سے جاملتا ہے۔

شیخ الاسلام کی ولادت باسعادت ۴ ربیع الثانی ۱۲۶۴ھ ضلع ناندیڑ میں ظہور پذیر ہوئی۔ ان کی والدہ محترمہ فرماتی ہیں کہ جب انہیں ایک عرصے تک اولاد نہ ہوئی تو حضرت تمیم شاہ مجذوب ناندیڑی سے دریافت فرمایا۔ جس پر شاہ صاحب نے عالم فاضل لڑکے کی خوشخبری دی اور یہ کہلا بھیجا کہ اللہ سے لو لگائے رہو۔ چنانچہ شیخ الاسلام کی والدہ فرماتی ہیں کہ جب انہیں اپنے میں آثار حمل دکھائی دیئے تو خواب میں حضور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کو تلاوت کلام مجید فرماتے ہوئے دیکھا۔

ابتدائی تعلیم اور اساتذہ

حضرت شیخ الاسلام کی ابتدائی تعلیم والد محترم سے ہوئی۔ مولانا شاہ بدیع الدین رفاعی سے قرآن پاک شروع کیا، جو اس وقت کے مستند عالم تھے۔ سات سال کی عمر میں حفظِ قرآن مجید کیلئے حافظ امجد علی صاحب نابینا کے سپرد کیا گیا اور گیارہ سال کی عمر میں آپ نے قرآن پاک حفظ کر لیا۔ خوش قسمتی سے آپ کو اپنے وقت کے قابل ترین اساتذہ مل گئے تھے۔ درسی کتب کی تحصیل مولوی فیاض الدین صاحب اورنگ آبادی سے پائی۔ حدیث، فقہ، تفسیر، ادب اور معقول کی تعلیم مولانا محمد عبدالحلیم صاحب فرنگی محلی، مولانا عبدالحئ فرنگی محلی اور حضرت شیخ عبداللہ یمنی سے حاصل کی۔ اس طرح ان پاک و نیک طینت علماء نے حضرت شیخ الاسلام کو زمانے کا ایک قابل ترین شخص بنا دیا، باوجود اس قابلیت کے شیخ الاسلام کی تشنگی علم میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی بلکہ جب کبھی اور جہاں کہیں ان کو حصول علم کا کوئی مزید موقع ملا اس سے پورے طور پر استفادہ کی کوشش کی، اس طرح حضرت شیخ الاسلام علوم قرآن، حدیث، فقہ، اور علوم تصوف کے باعتبار ہمہ گیر قابلیت کے امام اور جامع الکمال ہستی کے مالک بنے۔

ازدواج وملازمت

حضرت مولانا حاجی محمد امیر الدین صاحب جو تعلقہ بنولہ میں محتسب تھے اور لوگ ان کو عالم وفاضل ہونے کی وجہ سے بڑی وقعت وعزت کی نگاہ دیکھتے تھے۔ ان کی صاحبزادی سے ۱۲۸۲ھ میں تقریباً بیس سال کی عمر میں شادی ہوئی۔ اور ۱۲۸۵ھ محکمۂ مالگزاری میں پچہتر (۷۵) روپیہ ماہوار پر خلاصہ نویس مقرر ہوئے۔ ایک مرتبہ آپ کے ہاں سودی لین دین کی مثل خلاصہ لکھنے کے لئے آئی، جس کی وجہ سے اسی دن آپ نے ملازمت سے سبکدوشی حاصل کر لی۔

درس وتدریس کاسلسلہ

ترک ملازمت کے بعد حضرت شیخ الاسلام نے درس وتدریس کا سلسلہ شروع

فرمایا۔ علمی تبحر کی شہرت سن کر دور دراز مقامات سے جوق در جوق تشنگانِ علم اس چشمۂ فیض کے کنارے جمع ہونے لگے، یہاں تک کہ شیخ الاسلام نے ۱۲۹۲ھ میں ''جامعہ نظامیہ'' کے نام سے ایک درسگاہ کی بنیاد رکھی، جس کا ڈنکا عرصۂ دراز تک برصغیر کے طول وعرض میں بجتا رہا۔

شیخ الاسلام بحیثیت استاد سلاطین دکن

۱۲۹۵ھ میں حضرت مولانا محمد زمان خان کی شہادت ہوئی، خاندانِ آصفیہ کے آصف سادس نواب میر محبوب علی خان کی تعلیم کے لئے حضرت شیخ الاسلام کی تقرری عمل میں آئی اور ۱۳۰۱ھ میں آصف سادس نے ''خان بہادر'' کے خطاب اور منصب ایک ہزاری سے سرفراز کیا۔ جب ۱۳۰۸ھ میں مدینہ طیبہ سے واپسی ہوئی تو ولی عہد آصف سابع حضرت نواب میر عثمان علی خان کے معلم مقرر کیے گئے، یہ سلسلہ تاریخ تخت نشینی آصف سابع ۷ رمضان ۱۳۲۹ھ تک جاری رہا۔ آصف سادس نواب میر محبوب علی خان صاحب دکن کا ۱۳۲۹ھ میں انتقال ہوا اور آصف سابع نواب میر عثمان علی خان کے ہاتھوں نظام آیا تو انہوں نے حضرت شیخ الاسلام کو صدارت اور احتساب کا عہدہ بخشا اور حضرت شیخ الاسلام کا لقب ''نواب فضیلت جنگ'' رکھا گیا اس طرح حضرت شیخ الاسلام کو مسائل شرعیہ اور امور دینیہ میں اختیار مل گیا اور آپ نے بہت سی اصلاحات قائم فرمائیں جن سے اپنے ملک اور اس کے باشندوں کو بڑا فائدہ پہنچا۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ سے شہزادگان اعظم جاہ و معظم جاہ کی تعلیم بھی حضرت شیخ الاسلام کے ذمے کی گئی۔

حضرت مولانا مفتی محمد رکن الدین صاحب کا کہنا ہے کہ جو کوئی حضرت شیخ الاسلام کی صحبت میں رہا ضرور فیض پایا۔ دوست واحباب تو خیر، ملازمین تک پابند صوم صلوٰۃ اور متبع شریعت ہوگئے تھے۔ حضرت آصف سادس کی تعلیم شیخ الاسلام کے ذمے بہت تھوڑے عرصے تک رہی لیکن آصف سابع نواب میر عثمان علی خان تقریباً اکیس (۲۱) سال

تک زیر تعلیم رہے۔ ظاہر ہے کہ ان میں نماز کی پابندی، سماعت قرآن سے دلچسپی، حضور اکرم ﷺ اور اہل بیت اطہار سے محبت، علوم وفنون کے اشاعت کا جذبہ، دین ومذہب کے جانب رغبت، مساکین کی امداد اور اسی قسم کے دوسرے رفاہ عامہ کاموں کی اجرائی شیخ الاسلام کی صحبت وتعلیم وتربیت ہی کے محمود اثرات ہیں جن کی وجہ سے حضرت آصف سابع کو ملک اور بیرون ملک میں مقبولیت حاصل ہوگئی۔

تعلیم سلوک اور بلاد اسلامیہ کا سفر

شیخ الاسلام کے والد ماجد کو مولانا شاہ رفیع الدین قندھاری سے خلافت حاصل تھی اس لئے انہوں نے سلوک کی ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ ظاہری و باطنی تعلیم سے فراغت کے بعد انہوں نے تین بار بلادِ اسلامیہ کا سفر کیا۔

پہلی بار ۱۲۹۴ھ میں حج کے ارادے سے مکہ معظمہ پہنچے، اس وقت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وہاں موجود تھے۔ ان سے حضرت شیخ الاسلام نے تمام سلسلوں میں بیعت کی۔ اس موقع پر بغیر کسی طلب کے حاجی صاحب نے شیخ الاسلام کو خلعت خلافت سے سرفراز کیا۔

۱۳۰۱ھ میں حجاز مقدس کا دوسرا سفر اور ۱۳۰۵ھ میں تیسرا سفر کیا۔ اور تین سال تک مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔ یہاں تمام وقت حرم محترم کے کتب خانہ میں گزرتا۔ آپ کی مایۂ ناز تصنیف ''انوار احمدی'' اسی زمانے میں یہاں لکھی گئی۔ اسی دوران قیام میں آپ نے ایک بہت بڑا علمی اور دینی کام یہ بھی کیا کہ یہاں کے قدیم کتب خانوں سے تفسیر، حدیث اور فقہ کی نادرالوجود کتابوں کی نقول حاصل کیں، جن میں علی متقی کی ''کنز العمال''، ''جامع مسانید امام اعظم''، ''جوہر النقی علی سنن بیہقی'' اور ''احادیث قدسیہ'' خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

دائرۃ المعارف کا قیام

سوانح نگار کی روایت کے مطابق شیخ الاسلام نے مدینہ منورہ کے قیام کے دوران

تین بار خواب میں حضور اکرم سید عالم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور حضور ﷺ نے خواب میں ارشاد فرمایا کہ حیدر آباد واپس جاؤ اور دین حق کی تبلیغ واشاعت کا کام انجام دو۔ جب آپ نے اپنا خواب حاجی صاحب کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے واپسی کا حکم دے دیا۔

حیدر آباد واپس آنے کے بعد حضرت شیخ الاسلام نے ۱۳۱۸ھ میں دو نہایت اہم اداروں کی بنیاد رکھی ایک کتب خانہ آصفیہ اور دوسرا مجلس دائرۃ المعارف۔ آخر الذکر ادارے نے نادر الوجود کتابوں کی طباعت واشاعت کی ایسی گرانقدر خدمت نجام دی کہ ایک عظیم مرکز اشاعتِ علم وفن کی حیثیت سے مجلس دائرۃ المعارف کو علمی دنیا میں ایک نہایت بلند مقام حاصل ہو گیا۔ اسی ادارہ سے وہ سارے قلمی نسخے زیور طبع سے آراستہ ہوئے جن کی نقلیں مدینہ طیبہ کے دوران قیام میں حاصل کی گئی تھیں۔

شیخ الاسلام بحیثیت مصنف

ایک شہرۂ آفاق اُستاد اور ایک متبحر عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ شیخ الاسلام ایک پختہ کار صاحب قلم اور ایک قادر الکلام شاعر بھی تھے، آپ عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ حضرت شیخ الاسلام کی گرانقدر تصنیفات میں یہ کتابیں شامل ہیں۔

۱......مقاصد اسلام کے گیارہ حصے
۲......حقیقۃ الفقہ کے دو حصے
۳......افادۃ الافہام کے دو حصے
۴......کتاب العقل
۵......انوار الحق
۶......خدا کی قدرت
۷......خلق افعال
۸......شمیم الانوار
۹......انوار التمجید
۱۰......مسئلۃ الربوا
۱۱......الکلام المرفوع
۱۲......انوار احمدی اور
۱۳......انوار اللہ الودود فی مسئلۃ وحدۃ الوجود۔

غرض شیخ الاسلام کی تصانیف سے ان کی علمی جامعیت صاف طور پر جھلکتی ہے وہ اپنے عہد کے علمی ہمہ دانست کے بہت اچھا نمونہ تھے۔غرض شیخ الاسلام انیسویں صدی میں دکن کے بہت بڑے عالم دین، جید صوفی منش بزرگ تھے جنہوں نے اپنے فیض علم کی روشنی سے دنیا کو خوب منور کیا اور جن کے کارنامے دکن کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

شیخ الاسلام کا وصال

حضرت شیخ الاسلام نے ترسیٹھ (۶۳) برس تک خالص علمی و مذہبی خدمت انجام دیتے ہوئے غرہ جمادی الثانی ۱۳۳۶ھ میں انتقال کیا۔جامعہ نظامیہ کے احاطے میں انہیں سپردخاک کیا گیا جو آج تک زیارت گاہ عوام وخواص ہے۔ ع

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

شیخ الاسلام کے معمولات

سوانح نگار نے حضرت شیخ الاسلام کے معمولات کی جو تفصیل بیان کی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے ظاہر و باطن کے اعتبار سے ایک نہایت صوفی بزرگ تھے اور سلف صالحین کے نقش قدم پر چلنے والوں میں سے تھے۔دن کا وقت جامعہ نظامیہ میں درس و تدریس میں گزرتا جسے وہ حبۃً للہ انجام دیا کرتے تھے۔عشاء کی نماز کے بعد فتوحات کلیہ کا درس دیتے۔راوی کے بیان کے مطابق فتوحات کے درس میں اکثر انوار و تجلیات کا نزول ہوتا، بہت سے لوگوں نے ارواح قدسیہ کی تشریف آوری کا واقعہ بیان کیا ہے۔

تہجد کی نماز سے پہلے تصنیف و تالیف کا کام کرتے۔تہجد کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد رات کے پچھلے پہر تک آرام کرتے اور پھر نماز فجر کے بعد جامعہ نظامیہ میں تشریف لے جاتے اور تدریس و افتاء، اور دعوت و ارشاد کی خدمت انجام دیتے۔یہی ان کے شب و روز کے معمولات تھے جسے زندگی کی آخری لمحے تک انہوں نے برقرار رکھا۔

شیخ الاسلام کے نام مجدّد اعظم اعلیٰ حضرت

امام احمد رضا خان کا مکتوب

حضرت مولانا معین الدین اجمیری اہلسنت کے مشہور عالمِ دین تھے اور اعلیٰ حضرت کے سیاسی حریف، ۳۵صفحات پر مشتمل ان کی ایک کتاب ہے، "**القول الاظهر فيما يتعلق بالاذان عند المنبر**"۔ جس میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ جمعہ کی اذانِ ثانی اندرونِ مسجد ہو۔ ان کا یہ رسالہ "حیدرآباد دکن" سے شائع ہوا۔ اس رسالہ کی لوح پر یہ عبارت درج تھی۔ "حسب الحکم فضیلت مآب خان بہادر مولانا مولوی حافظ حاجی محمد انوار اللہ فاروقی معین المہام امورِ مذہبی بصدر الصدور صوبہ جات دکن دامت برکاتہم بانی جامعہ نظامیہ"۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ المنان اذانِ ثانی بیرونِ مسجد کے قائل تھے۔ چنانچہ انہوں نے شیخ الاسلام مولانا انوار اللہ فاروقی علیہ رحمۃ القوی کو کئی خطوط اس لئے ارسال کئے کہ "حسب الحکم ....." کا انتساب کہاں تک درست ہے۔ اعلیٰ حضرت نے پہلا خط ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ کو روانہ کیا، جس کا جواب شیخ الاسلام نے ۳۵ دن بعد دیا جو غیر مؤرخ ہے۔ دوسرا خط ۱۸ شوال کو بھیجا گیا۔ کامل سو دن انتظارِ جواب کے بعد ۹ محرم ۱۳۳۴ھ کو اعلیٰ حضرت نے تیسرا خط ارسال کیا۔ مؤخر الذکر دونوں خط کا جواب شاید نہیں آیا۔ انہی خطوط و مراسلت کا مجموعہ ہے، "اجلی انوار الرضا"، اسے حجۃ الاسلام شہزادۂ اعلیٰ حضرت مولانا حامد رضا خان علیہ رحمۃ الحنان نے ترتیب دیا اور سن مذکورہ (یعنی ۱۳۳۴ھ) میں ہی شائع ہوا۔ ان خطوط میں سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان کا صرف پہلا مکتوب پیش کیا جا رہا ہے۔ جس سے اندازہ ہوگا کہ اعلیٰ حضرت کی شیخ الاسلام مولانا انوار اللہ فاروقی سے کیسی عقیدت تھی اور اعلیٰ حضرت کی نظر میں شیخ الاسلام کی تصانیف کی کیا اہمیت تھی اس کا اندازہ دوسرے مکتوب اعلیٰ حضرت کے اس جملے سے لگائیں جس میں آپ نے فرمایا۔ "گل

تصانیف گرامی کا شوق ہے۔ اگر بہ قیمت ملتی ہوں، قیمت سے اطلاع بخشی جائے۔ دو جلد قادیانی مخذول کے چند صفحات دیکھے تھے، ایک صاحب سے ان کی تعریف کی، وہ لے گئے۔'' (تفصیل کے لئے ملاحظہ کریں۔ ''کلیات مکاتیب رضا'')

اعلیٰ حضرت کا مکتوب ملاحظہ فرمائیں۔

از بریلی

۱۲ رمضان المبارک ۱۳۲۳ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للّٰہ

بشرف ملاحظہ والائے حضرت بابرکت جامع الفضائل لامع الفواضل شریعت آگاہ طریقت دستگاہ حضرت مولانا الحاج مولوی محمد انوار اللہ خان صاحب بہادر بالقابہ العز

سلام مسنون، نیاز مشحون ہدیہ مجلس ہمایوں

یہ سگ بارگاہِ بیکس پناہِ قادریت غفرلہ ایک ضروری دینی عرض کے لئے مکلف اوقات گرامی۔ پرسوں روز سہ شنبہ شام کی ڈاک سے ایک رسالہ ''**القول الاظہر**'' مطبوعہ حیدرآباد سرکار اجمیر شریف سے بعض احباب گرامی کا مرسلہ آیا، جس کی لوح پر حسب الحکم عالی جناب لکھا ہے۔ یہ نسبت اگر صحیح نہیں، تو نیاز مند کو مطلع فرمائیں، ورنہ طالب حق کو اس سے بہتر تحقیق حق کا کیا موقع ملے گا۔ کسی مسئلہ دینیہ شرعیہ میں استکشاف حق کے لئے نفوس کریمہ جن جن صفات کے جامع درکار ہیں، بفضلہٖ عزوجل ذات والا میں سب آشکار ہیں۔ علم وفضل، انصاف وعدل، حق گوئی، حق جوئی، حق دوستی، حق پسندی، پھر بحمدہٖ تعالیٰ غلامی خاص بارگاہِ بیکس پناہِ قادریت جناب کو حاصل اور فقیر کا منہ تو کیا قابل۔ ہاں! سرکار کا کرم شامل۔ اس اتحاد کے باعث حضرت کی جو محبت ووقعت قلب فقیر میں ہے۔ مولیٰ عزوجل

اور زائد کرے، یہ اور زیادہ امید بخش ہے۔ اجازت عطا ہو کہ فقیر محض مخلصانہ شبہات پیش کرے اور خالص کریمانہ جواب لے۔ یہاں تک حق کا مالک حق واضح کرے۔ فقیر بارہا لکھ چکا اور اب لکھتا ہے کہ اگر اپنی غلطی ظاہر ہوئی، بے تامل اعتراف حق کرے گا۔ یہ امر جاہل متعصب کے نزدیک عار، مگر عند اللہ و عند العقلاء اعزاز و وقار ہے اور حضرت تو ہر فضل کے خود اہل ہیں، **للّٰہ الحمد!** امید کہ ایک غلام بارگاہِ قادری طالب حق کا یہ مامول حضور پر نور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے مقبول ہو۔ **اللّٰھم امین بالخیر یا ارحم الراحمین۔** اگرچہ ایک نوع جرأت ہے۔ رجسٹری جواب کو ۳، کے ٹکٹ ملفوف نیاز نامہ ہیں۔

والتسلیم مع الکریم

(فقیر احمد رضا قادری)

(انجلی انوار الرضا ص ۵/۶ مطبوعہ بریلی)

اقتباسات

یہاں ہم شیخ الاسلام جامع الفضائل لامع الفواضل شریعت آگاہ طریقت دستگاہ حضرت مولانا الحاج مولوی محمد انوار اللہ خان صاحب علیہ الرحمۃ کی کتابوں سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں جس میں آپ نے قرآن پاک سے خاتم النّبیین والی آیت اور احادیث مبارکہ **اول ما خلق اللّٰہ نوری** اور **کنت نبیا وادم بین الماء والطین** سے استدلال کرتے ہوئے منکرین ختمِ نبوت اور ختمِ نبوت کے نئے معنی گھڑنے والوں کو دندان شکن جواب دیا اور فرمایا حق تعالیٰ اپنے کلام قدیم میں آنحضرت ﷺ کو خاتم النّبیین فرما چکا ہے۔ اب کونسا ایسا زمانہ نکل سکے گا کہ صفت علم وکلام باری تعالیٰ پر مقدم ہو۔ اس کے علاوہ مزید عقلی و نقلی دلائل بھی دیئے ہیں۔

ان اقتباسات میں دیگر موضوعات یہ ہیں۔ نبی پاک ﷺ کا سماع اور انبیاء کرام علیہم

اسلام کے اجسادِ پاک، نماز میں نبی کریم ﷺ کا تصور اور ندا، امتناع النظیر، ادبِ رسول ﷺ، نامِ پاک سرکار ﷺ سن کر انگوٹھے چومنا وغیرہ۔ شیخ الاسلام نے اپنی کتاب میں ان موضوعات پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے، بے ادبی کی ابتداء کب ہوئی، خوارج کی ابتداء اور فتنہ وہابیہ کیا ہے؟ اور اس کی ابتداء۔ دنیائے اسلام کی معروف شخصیت مفتی حرمِ مکہ اور دیوبندی مکتبِ فکر کے مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کے استاد احمد بن زینی دحلان مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شہرۂ آفاق کتاب ''الدرر السنیہ'' کے حوالے سے محمد بن عبدالوہاب نجدی کے حالات اور اس کے چند گمراہ کن عقائد بیان کئے ہیں اور ساتھ ہی اس کے ان عقائد کا مضبوط دلیلوں سے رد بھی کیا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام کی مایہ ناز کتاب ''انوارِ احمدی'' پر آپ کے پیرو مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اردو اور عربی دونوں زبانوں میں تقاریظ موجود ہیں۔ جو اس تعارف میں شامل کی جارہی ہیں۔

ان اقتباسات میں عنوانات قائم نہیں تھے، قارئین کی سہولت کے لئے عنوانات قائم کئے گئے ہیں۔ اور آخر میں حضرت شیخ الاسلام کی وہ تقریظ بھی شامل کی گئی ہے جو آپ نے حضرت علامہ مولانا محمد حیدر اللہ خان نقشبندی حنفی درانی کی کتاب ''درۃ الدرانی علی ردۃ القادیانی'' پر تحریر فرمائی ہے۔ یاد رہے کتاب ''درۃ الدرانی'' ہمارے اس مجموعے ''عقیدۂ ختمِ نبوت'' کی تیسری جلد میں شامل ہے۔

۱۔انوار احمدی

یہ کتاب حضور سرورِ عالم سیّد العرب والعجم باعث ایجادِ کونین رسول الثقلین سیّدنا ومولانا حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کے ذکر میلاد وفضائل آداب پر مشتمل ہے۔

محال بُودن خاتم النبیین شخص دیگر:

اب اگر بالفرض کوئی تمام ملائکہ وجن وانس وغیرہ کی عبادت کر کے یہ توقع رکھے کہ ہم بھی ایسا رتبہ حاصل کر سکتے ہیں تو کیا ممکن ہوگا؟ نعوذ باللہ من ذالک۔ یہ بھی ایک قسم کا جنون

سمجھا جائے گا خالق عالم جل شانہ ازل سے ابد تک کی فضیلت اپنے حبیب ﷺ کو عطا کر چکا ازل کا حال تو کسی قدر معلوم ہوا ابد کا حال بھی آئندہ ان شاء اللہ معلوم ہوگا۔

شمہ یہ ہے کہ جنت کی کنجیاں حضرت ﷺ ہی کے ہاتھ میں ہوں گی اور سلطنت جنت کی حضرت ﷺ ہی کو مسلّم ہے۔ پھر یہ خیال کہ کسی دوسرے کو بھی حضرت ﷺ کی سی فضیلت حاصل ہو سکتی ہے، اس خدائی میں تو اس کا ظہور ممکن نہیں، کیونکہ یہاں تو انحصار ازل وابد کا ہو گیا اب اس سے زیادہ اس خیال میں خامہ فرسائی کرنا کلمات کفر کی حکایت کرنا ہے۔ کسی مسلمان کو طمع تو در کنار خیال تک نہیں آسکتا کہ شرافت وفضیلت ذاتی میں حضرت کے ساتھ کسی قسم کی تساوی ڈھونڈے (چہ نسبت خاک را با عالم پاک)۔ اس تقریر سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دوسرے شخص کا خاتم النبیین ہونا محال ہے۔ پھر بعض لوگ (یہاں کتاب تحذیر الناس: مولوی قاسم نانوتوی کا رد کر رہے ہیں۔ مرتب غفرلہ) جو یہ کہتے ہیں کہ اگر چہ دوسرا خاتم النبیین ہونا محال وممتنع ہے مگر یہ امتناع لغیرہ ہوگا نہ بالذات جس سے امکان ذاتی کی نفی نہیں ہو سکتی کیونکہ امکان ذاتی اور امتناع لغیرہ میں کچھ منافات نہیں۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ وصف خاتم النبیین خاصہ آنحضرت ﷺ کا ہے جو دوسروں پر صادق نہیں آسکتا۔ اور موضوع لہ اس لقب کا ذات آنحضرت ﷺ ہے کہ عندالاطلاق کوئی دوسرا اس مفہوم میں شریک نہیں ہو سکتا۔ پس یہ مفہوم جزئی حقیقی ہے، اور کلیت مفہومی جو وضع سے قطع نظر کرنے میں معلوم ہوتی ہے بسبب وضع کے جاتی رہی۔ جیسا کہ عبداللہ جب کسی شخص کے لئے وضع کیا جاتا ہے جزئی حقیقی ہو جاتا ہے اور مفہوم کلی لفظ کا اس کی جزئیت میں کچھ فرق نہیں لاتا بلکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو کہ یہ مثال بھی پورے طور پر یہاں تائید نہیں دیتی اس لئے کہ عبداللہ عین وقت وضع میں برابر دوسروں پر کہا جاتا ہے بخلاف لفظ خاتم النبیین کے جب سے واضع نے اس کو وضع کیا ہے کبھی دوسرے پر اس کا اطلاق کیا ہی نہیں

اور نہ اطلاق اس کا سوائے ایک ذات کے دوسرے پر صحیح ہوسکتا ہے۔ اس لئے کہ ختم انتہا کو کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ انتہا متجزی نہیں ہوسکتی تا کہ دو شخص اس صفت کے ساتھ متصف ہوں۔ پھر جب عقل نے بہ تبعیت نقل ایک ذات کے اتصاف کو مان لیا، اس کے نزدیک محال ہوگیا کہ دوسری ذات اس صفت کے ساتھ متصف ہوسکے اور بحسب منطوق لازم الوثوق قولہ تعالٰی **مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ** (سورہ ق: ۲۹) کے جب ابدالا باد یہ لقب مختص آنحضرت ﷺ ہی کے لئے ٹھہرا تو جزئیت اس مفہوم کی ابدالا باد کے لئے ہوگئی۔ کیونکہ یہ لقب قرآن شریف سے ثابت ہے۔ جو بلاشک قدیم ہے۔

اس مفہوم کی جزئیت میں کوئی شک نہیں اور یہ بات عبداللہ میں نہیں اب اس دعویٰ کا قضیہ بنائے کہ (غیرہ علیہ السلام خاتم النبیین بالامکان) بادنیٰ تامل ثابت ہوجائے گا یہ قضیہ بحمل صحیح منعقد ہی نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ حمل جزئی حقیقی کا کلی پر صحیح نہیں اور اگر بنظر اہمال موضوع کے جزئی سمجھا جائے پھر خواہ وہ معین ہو خواہ غیر معین غیر موضوع لہ محمول کا ہوگا اور ابھی معلوم ہوا کہ محمول جزئی حقیقی ہوتو اس کا حمل دوسری جزئی پر ہرگز نہیں ہوسکتا۔ جیسا "**زید عمرو**" درست نہیں اور حمل مذکور کے عدم جواز کی دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ خاصہ کا حمل غیر ذی الخاصہ پر درست نہیں۔ جیسے "**الحمار کاتب**" یا "**غیر آدم** علیہ السلام **ابو البشر**" یا "**زیدابوزید**" یعنی زید اپنا آپ باپ ہے مثال آخری ممثل لہ پر اس وجہ سے منطبق ہے کہ عمرو مثلاً زید کا باپ ہے تو یہ صفت اس کا خاصہ ہوگی۔ پھر یہ صفت اگر غیر عمرو پر اطلاق کی جائے تو اس امر میں کہ موضوع غیر ذی الخاصہ ہے زید اور بکر دونوں برابر ہوں گے پس اطلاق ابوزید خاصہ کا اگر بکر پر صحیح ہوتو چاہیے کہ اس کی جہت سے زید پر بھی صحیح ہو کیونکہ غیر ذی الخاصہ ہونے میں دونوں برابر ہیں، **واللازم باطل فالملزوم مثله**۔ اور قطع نظر اس کے یہ تو ظاہر ہے کہ زید کا پدر حقیقی جب عمرو ہوتو یہ صفت دوسرے پر کیونکر صادق آسکے۔ **الحاصل** خاصہ ایک شے کا دوسرے

پر صادق نہیں آسکتا ورنہ وہ خاصہ، خاصہ نہ ہوگا **وھو خلف**۔ لم اس کا یہ ہے کہ محمول کو چاہیے کہ ذاتی موضوع کا ہو یا عرضی۔ اور حمل وہی صادق آتا ہے جہاں مبداء محمول کا ذاتی موضوع کا ہو جیسے **"الانسان ناطق"** یا صفت منضمہ ہو جیسے **"زید کاتب"** یا منتزعہ ہو خواہ بالا ضافت جیسے **"السماء فوقنا"**، **"الاربعة زوج"**۔ پھر جب مبداء محمول کا خاصہ کسی دوسری چیز کا ہو تو غیر ذی الخاصہ کی نہ ذاتی ہو سکے گا، نہ وصف منضمہ، نہ منتزعہ۔ اس سبب سے خاصہ کا حمل غیر ذی الخاصہ پر صحیح نہیں پس معلوم ہوا کہ خاتم النبیین کا حمل غیر آنحضرت ﷺ پر صحیح نہیں۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ نسبت حکمیہ وقت حمل پیدا ہوتی ہے، پھر حمل پیدا ہوتی ہے، پھر حمل ہی نہیں تو نسبت حکمیہ کہاں! اور جب نسبت ہی کا پتہ نہ ہو تو جہت امکان کیونکر ثابت ہو سکے۔ اس لئے کہ جہت تو نسبت کی کیفیت کا نام ہے تو ضرور ہوا کہ ثبوت کیفیت کے پہلے ثبوت نسبت ہو کیونکہ **ثبوت الشيء للشيء** فرع **ثبوت ثبت لهٗ** ہے۔ یا یوں کہئے کہ **ثبت العرش ثم انقش**۔ **الحاصل** اس سے معلوم ہوا کہ قضیہ مذکورہ غلط ہے۔

اور سنئے محمول قضیہ کا جو جزئی حقیقی ہے اگر دوسری چیز پر حمل کیا جائے تو **سلب الشيء عن نفسه** لازم آئے گا۔ دیکھو اس حمل کی نظیر بعینہ **"زید عمرو"** ہے سو جب تک زید سے زیدیت یا عمرو سے عمرویت مسلوب نہ ہو عمرویت زید میں قائم نہیں ہو سکتی۔ اور ظاہر ہے کہ **سلب الشيء عن نفسه** محال ہے۔ پھر یہ محال جو لازم آرہا ہے وقت حمل ہے یعنی ہنوز نسبت ہی کا وجود نہیں ہوا کہ محال لازم آگیا تا بہ امکان چہ رسد۔ اور علی سبیل التنزل اگر مساوق بھی ہو تو تب بھی امکان کو محل نہ ملا۔ اس تقریر سے بھی یہی ثابت ہے کہ وہ قضیہ باطل ہے، کیونکہ مستلزم محال محال ہوا کرتا ہے۔ اب اگر کہا جائے کہ یہ بھی منجملہ وجوہ امتناع لغیرہ ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ تقریر بالا سے امکان ذاتی کا وجود باطل ہو گیا اگر اس بطلان کو بھی منجملہ وجوہ امتناع لغیرہ کے تصور کر لیں تو امتناع کا پلہ خوب ہی بھاری ہو جائے گا

جس میں بطلان ذاتی یعنی امتناع ذاتی بھی شریک ہوگا۔ سو وہ دعویٰ امکان ذاتی کا کہاں رہا اور اس دعویٰ کا ابطال اس تقریر سے بھی ہوسکتا ہے کہ مفہوم خاتم النبیین کا اگرچہ کلی ہے مگر کلیت اس کی ایسی نہیں جیسے انسان وغیرہ کی ہے اس لئے کہ انسان کے افراد کثیرہ ہونے میں کوئی قباحت لازم نہیں آتی بلکہ موجود ہیں بخلاف خاتم النبیین کے کہ اس کے معنی میں کثرت صادق آ ہی نہیں سکتی جیسے مرکز یا اول یا آخر یا مبداء۔

حال مرکز کا سنیئے کہ مرکز اس نقطہ کو کہتے ہیں کہ جتنے خطوط اس سے نکل کر محیط تک پہنچیں سب آپس میں برابر ہوں۔ وہ خطوط نصف قطر دائرہ ہوں گے جن کے ملتقی کا نام مرکز ہے۔ پھر اگر ان خطوط کی ابتدا محیط دائرہ سے لے جائے تو مرکز منتہی ان خطوط کا ہوگا اور اگر مرکز سے لے جائے تو وہ مبداء ان کا ہوگا۔ بہر حال خواہ وہ مبدا ہو یا منتہی مرکز ایک نقطہ معین ہوگا جس کا فرض کرنا ہر جگہ مثل اور نقطوں کے ممکن نہیں۔ اور اسی نقطہ میں یہ صفت قائم ہوگی کہ مبداء یا منتہی ان تمام خطوط کا ہے جو نصف قطر دائرہ ہوسکیں۔ اب اگر سوائے اس نقطہ معینہ کے دوسرا نقطہ فرض کریں اور کہیں کہ ممکن ہے کہ وہ بھی مرکز اس دائرہ کا ہو تو یہ فرض محال ہوگا اس لئے کہ وہ صفت مختصہ (یعنی منتہی ان خطوط کا ہونا) دوسرے میں قائم نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ دوسرا نقطہ اس دائرہ میں جس جگہ فرض کیا جائے اصلی مرکز سے ہٹ کر ایک نصف قطر پر ہوگا تو جملہ خطوط مذکورہ کا مبدا یا منتہی ہونا تو درکنار خود اس خط کا مبدا یا منتہی نہیں ہوسکتا جس پر وہ واقع ہے۔ اس لئے کہ آخر وہ خط بھی نصف قطر ہے اور ہر نصف قطر کا مبدا مرکز حقیقی ہونا لازم ہے ورنہ خط نصف قطر نہ ہوگا۔ **الحاصل** مصداق مرکز کا اگر دوسرا فرض کیا جائے تو **انسلاخ الشیء عن لوازمه بل عن ذاته** لازم آجائے گا اور یہ محال لذاتہ ہے۔ اب اس دائرہ کے کسی نقطہ میں صلاحیت اور امکان نہیں کہ مرکز اور منتہی ان خطوط کا بن سکے۔ یہاں تک کہ اگر خود واضع اس دائرہ کا چاہے کہ کسی دوسرے نقطہ

کو اس دائرہ کا مرکز قرار دے تو نہیں ہوسکتا کیونکہ کسی میں صلاحیت ہی نہیں۔ ہاں وقت دائرہ کھینچنے کے ممکن تھا کہ جس نقطہ کو چاہتا مرکز بنا دیتا لیکن جب اس نقطہ کو معین کر چکا تو سب نقاط موجودہ وغیر موجودہ کو اس دائرہ کے مایوسی کلی حاصل ہو گئے کہ اب کوئی مرکز نہیں ہوسکتا۔ حالانکہ مرکز کوئی شے موجود فی الخارج نہیں وجود اس کا صرف علم میں ہے کیونکہ مرکز بھی ایک نقطہ ہے اور ماہیت نقطہ کی یہی ہے کہ طرف خط ہو اور ظاہر ہے کہ خود خط بالفعل موجود نہیں ورنہ ترکب سطح کا خطوط سے لازم آئے گا جو باطل ہے۔ پھر جب خط ہی کا وجود نہیں تو مرکز جو طرف اس کا ہے کہاں۔ مگر باوجود اس کے مرکز ایک معین شے ہے اس لئے اس دائرہ یا کرہ پر اطلاق دائرہ کا جب ہی ہوگا کہ نسبت محیط کی مرکز کے ساتھ ہر جہت میں برابر ہو اور اگر مرکز ہی نہ ہو جو احد المتنبین ہے تو نسبت کیسی۔ پھر جب سے کہ مرکز معین ہوا وہ صفت مختصہ اس کی یعنی منتہی جمیع خطوط مذکورہ کا ہونا بھی اس پر صادق آرہی ہے۔ ہر چند یہ صفت بھی کلی ہے مگر کلیت اس کی بھی مثل کلیت مرکز کے ہے کہ قبل تعین مصداق کے علی سبیل البدلیت مصادیق اس کے بہت سے ہوسکتے ہیں اور جب مصداق معین ہوگیا اب احتمال کثرت کا جاتا رہا۔ پس یہ صفت اگر چہ کہ علم مرکز کا نہیں مگر اختصاص میں اس درجہ کو پہنچی ہوئی ہے کہ عند الاطلاق سوائے اس مرکز کے جو جزئی حقیقی ہے دوسرے کے طرف ذہن منتقل ہو ہی نہیں سکتا اسی طرح خاتم النبیین کا مفہوم کہ عند الاطلاق سوائے اس ایک ذات خاص کے دوسرا کوئی متبادل نہیں ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ بعد تعین مصداق کے مرکز اور مبدا اور انتہا میں کثرت نہیں آسکتی اسی طرح اول و آخر سلسلہ کا مبدا اور منتہی ہوگا وہاں بھی اس قسم کی تقریر جاری ہوگی۔ چونکہ خاتم النبیین کے معنی بھی منتہائے نبیین ہے اس سبب سے یہ بھی اس قسم کی کلی ہوگی کہ بعد تعین مصداق کے جزئی حقیقی ہو جائے اور سوائے ایک ذات کے دوسرے پر صادق نہ آسکتے ہاں کلیت اس کی قبل تعین مصداق متحقق ہے کہ علی سبیل البدلیت بہت افراد پر صادق آسکتی تھی جیسے مرکز مثال مذکورہ میں۔

حضور اقدس ﷺ ازل سے وصف خاتم النبیین سے متصف ہیں:

اب یہ دیکھا جائے کہ مصداق اس کا کب سے معین ہوا سو ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ ابتدائے عالم امکان سے جس قسم کا وجود فرض کیا جائے ہر وقت آنحضرت ﷺ اس صفت مختصہ کے ساتھ متصف ہیں کیونکہ حق تعالیٰ اپنے کلام قدیم میں آنحضرت ﷺ کو خاتم النبیین فرما چکا ہے۔ اب کونسا ایسا زمانہ نکل سکے گا کہ صفت علم وکلام باری تعالیٰ پر مقدم ہو۔ پھر تعین ذات خاصہ اور اتصاف اس صفت مختصہ کے لئے وجود خارجی شرط نہیں جیسے مرکز میں ابھی معلوم ہوا اور قطع نظر اس کے خود آنحضرت ﷺ نے فرمادیا ہے اور جس کو حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے۔ **کنت نبیا وادم بین الماء والطین** یعنی ہنوز آدم علیہ السلام پانی اور کیچڑ میں تھے اور میں نبی (ﷺ) تھا۔ اب ہم یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ازل سے متصف اس صفت خاصہ کے ساتھ ہیں اور جو جو تقلبات آنحضرت ﷺ کے ہر عالم میں ہوئے ہیں اس کو ہم ایسے سمجھتے ہیں جیسے لڑکپن جوانی وغیرہ کہ ذات ہر وقت میں محفوظ ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے **وتقلبک فی الساجدین**۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے مسالک الحنفاء میں نقل کیا ہے **وقد قال ابن عباس** رضی اللہ عنہما **فی تاویل قول اللہ وتقلبک فی الساجدین ای تقلبک من اصلاب طاھرۃ من اب بعد اب الی ان جعلک نبیا**۔ اسی مضمون کو حافظ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی نے نظم میں لکھا ہے۔

تنقل احمد نور عظیم — تلالا فی جبین الساجدینا

تقلب فیھم قرنا فقرنا — الی ان جاء خیر المرسلینا

ذکرہ الامام السیوطی رحمۃ اللہ علیہ **فی مسالک الحنفاء**۔

اور حافظ العصر ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔

نبی الهدی المختار من ال هاشم	فعن فخرهم فليقصر المتطاول
تنقل فی اصلاب قوم تشرفوا	به مثل ما للبدر تلک المنازل

ذکره السيوطی رحمۃ اللہ علیہ فی المقامات السندسية۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ عالم شہادت کے پہلے بھی ذات آنحضرت ﷺ کی محفوظ تھی کیونکہ تقلب صفت ہے اور تمام اور قیام صفت کا بغیر ذات موصوف کے محال ہے۔ اس عالم میں تشریف فرما ہونے کے بیشتر آدم علیہ السلام سے پہلے بھی آنحضرت ﷺ موجود تھے جو **كنت نبيا** اور **اول ما خلق الله نوری** سے معلوم ہوا اور بعد آدم علیہ السلام کے بھی جو **وتقلبک فی الساجدين** سے معلوم ہوا۔

الحاصل وجود جزئی حضرت ﷺ کا ثابت ہے اگر چہ اطوار وجود مختلف ہوں اور حال جزئیت میں اتصاف اس صفت کے ساتھ بھی موجود رہا پھر خاتم النبیین کے جزئی حقیقی ہونے میں کیا کلام۔ اگر کہا جائے کہ اس تقریر سے خاتم النبیین مثل دوسرے اعلام کے ایک علَم ہو جائے گا تو اس میں فضیلت ہی کیا ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے علَم کی حقیقت معلوم کر لیجئے کہ ہر جماعت انسان اپنے مافی الضمیر ظاہر کرنے میں محتاج اس امر کی ہے کہ ہر چیز کے مقابلہ میں ایک لفظ مقرر کرے تاکہ جو شخص اس وضع سے واقف ہو وہ لفظ سنتے ہی سمجھ جائے کہ مقصود متکلم کا یہ ہے۔ اب اس وضع کے وقت یہ ضرور نہیں کہ اس لفظ میں کوئی معنی وصفی ہوں بلکہ حروف تہجی سے چند حروف لے کر جو لفظ ترکیب دے دیا جائے وہی علَم ہو جائے گا اور اگر کوئی لفظ معنی دار علَم ہو تو معنی سابق اس میں نہیں ہوتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تقرر علَم کا صرف اس واسطے ہے کہ اس کے کہنے سے ذات معینہ معلوم ہو جائے بخلاف صفت کے۔ سوائے ذات کے ایک دوسرے معنی پر بھی اس سے دلالت ہوتی ہے

مثلاً عالم کہ اس سے ذات مع صفت علم سمجھی جاتی ہے اور صفت کا مبداء اس ذات میں موجود ہوگا اور علَم میں یہ بات نہیں۔ اب دیکھئے کہ صفت ختم نبوت کی آنحضرت ﷺ کی ذات مبارک میں ازل سے قائم ہے جیسے ابھی مذکور ہوا مگر صفت مختصہ ہونے کی وجہ سے انحصار اس صفت کا ذات مبارک میں ہے۔ اس انحصار سے یہ لازم نہیں آتا کہ لفظ خاتم النبیین علَم ہوجائے کیونکہ یہ لفظ ذات مع الصفت پر دلالت کرتا ہے، نہ صرف ذات پر۔ **الحاصل** صفت خاتمیت آنحضرت ﷺ کے لئے ازلاً وابداً مسلّم ہوگئی۔ اب کسی دوسرے کا اتصاف اس صفت مختصہ کے ساتھ محال ہے جیسے کہ سوائے نقطہ مخصوصہ کے متصف بصفت مرکزیت ہونا کسی دوسرے لفظ کا دائرہ خاص میں محال ہے۔ اب ہم ذرا ان صاحبوں سے پوچھتے ہیں کہ اب وہ خیالات کہاں ہیں جو **کل بدعة ضلالة** پڑھ پڑھ کے ایک عالَم کو دوزخ میں لے جارہے تھے۔ کیا اس قسم کی بحث فلسفی بھی کہیں قرآن وحدیث میں وارد ہے، یا قرون ثلثہ میں کسی نے کی تھی؟ پھر ایسی بدعت قبیحہ کے مرتکب ہوکر بحسب واقع کیا استحقاق پیدا کیا اور اس مسئلہ میں جب تک بحث ہوتی رہے گی اس کا گناہ کس کی گردن پر۔ دیکھیے حدیث شریف میں وارد ہے **فی المشکوۃ وعن جریر** رضی اللہ عنہ **قال قال رسول اللّٰہ** ﷺ **من سن فی الاسلام سنة سیئة کان علیه وزرها ووزر من عمل بها من بعده من غیر ان ینقص من اوزارهم شیٔ** (الحدیث: رواہ مسلم)۔ یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو شخص اسلام میں برا طریقہ نکالے تو علاوہ اس جرم ارتکاب کے جتنے لوگ اس کے بعد اس پر عمل کرتے رہیں سب کا گناہ اس کے ذمہ ہوگا اور ان کے گناہ میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)۔ انتہی

بھلا جس طرح حق تعالیٰ کے نزدیک صرف آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں، ویسا ہی اگر آپ کے نزدیک بھی رہتے تو اس میں کیا نقصان تھا؟ کیا اس میں بھی کوئی شرک

وبدعت رکھی تھی جو شاخسانے نکالے گئے۔ یہ تو بتلایئے کہ ہمارے حضرت ﷺ نے آپ کے حق میں ایسی کونسی بدسلوکی کی تھی جو اس کا بدلہ ایسے طور پر کیا جارہا ہے کہ فضیلت خاصہ کا مسلّم ہونا مطلقاً ناگوار ہے۔ یہاں تک کہ جب دیکھا کہ خود حق تعالیٰ فرمارہا ہے کہ آپ سب نبیوں کے خاتم ہیں کمال تشویش ہوئی کہ ہائے فضیلت مختصہ ثابت ہوئی جاتی ہے جب اس کے ابطال کا کوئی ذریعہ دین اسلام میں نہ ملا فلاسفہ معاندین کی طرف رجوع کیا اور امکان ذاتی کی شمشیر دودم ان سے لے کر میدان میں آ کھڑے ہوئے۔ افسوس ہے اس ذہن میں یہ بھی نہ سوچا کہ معتقدین سادہ کو انتظار اس خاتم فرضی کا کس قدر کنوئیں جھکائے گا مقلدین سادہ کے دلوں پر اس تقریر معقولی کا اتنا تو ضرور اثر ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی خاتمیت میں کسی قدر شک پڑ گیا گو دقایق معمولی کو نہ سمجھے ہوں۔ چنانچہ بعض اتباع نے اس بنا پر الف ولام خاتم النبیین سے یہ بات بنائی کہ حضرت ﷺ ان نبیوں کے خاتم ہیں جو گزر چکے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ آئندہ جو انبیاء پیدا ہوں گے ان کا خاتم کوئی اور ہوگا؟ (معاذ اللہ)۔ اس تقریر نے کہاں تک پہنچا دیا کہ قرآن کا انکار ہونے لگا۔ ذرا سوچئے تو کہ آنحضرت ﷺ کے روبرو خاتم النبیین ہونے میں یہ احتمالات نکالے جاتے تو کس قدر حضرت ﷺ پر شاق ہوتا۔

حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ہوتے تو حضور ﷺ ہی کی اتباع کرتے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف توراۃ کے مطالعہ کا ارادہ کیا تھا اس پر آنحضرت ﷺ کی حالت کیسی متغیر ہوگئی کہ چہرۂ مبارک سے آثار غضب پیدا تھے اور باوجود اس خلق عظیم کے ایسے صحابی رضی اللہ عنہ جلیل القدر پر کیسا عتاب فرمایا کہ جس کا بیان نہیں، جو لوگ مذاق تقرب واخلاص سے واقف ہیں اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اگر خود موسیٰ علیہ السلام میری نبوت کا زمانہ پاتے تو سوائے میری اتباع کے ان سے کچھ نہ بن پڑتی۔ دیکھ لیجئے وہ روایت مشکوۃ

شریف میں ہے۔ یعنی روایت ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے توراۃ کا نسخہ لا کر عرض کی یارسول اللہ ﷺ یہ توراۃ کا نسخہ ہے۔ حضور ﷺ خاموش ہو گئے۔ وہ لگے پڑھنے۔ ادھر چہرہ مبارک متغیر ہونے لگا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر کہا۔ اے عمر رضی اللہ عنہ تم تباہ ہو گئے کیا چہرہ مبارک کو نہیں دیکھتے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ دیکھتے ہی کہنے لگے۔ میں پناہ مانگتا ہوں خدا اور رسول کے غضب سے۔ ہم راضی ہیں اپنے پروردگار اور دین اسلام اور اپنے نبی حضرت محمد ﷺ سے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، قسم ہے اللہ کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر موسیٰ علیہ السلام تم میں ظاہر ہوتے اور تم لوگ مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی کرتے تو ضرور گمراہ ہو جاتے، اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت زندہ ہوتے اور میری نبوت کے زمانہ کو پاتے تو میری ہی اطاعت کرتے۔ اور روایت احمد و بیہقی میں **وما وسعه الا اتباعي** ہے یعنی سوائے میری اتباع ان سے کچھ بن نہ پڑتی۔ اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے صحابی باخلاص کی صرف اتنی حرکت اس قدر ناگوار طبع غیور ہوئی تو کسی زید و عمرو کی اس تقریر سے جو خود خاتمیت میں شک ڈال دیتی ہے، کیسی اذیت پہنچتی ہوگی۔ کیا یہ ایذا رسانی خالی جائے گی، ہرگز نہیں۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے **اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا** (سورۃ الاحزاب: ۵۷) ترجمہ: جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ کو اور اللہ کے رسول کو لعنت کرے گا ان کو اللہ دنیا اور آخرت میں اور مہیا کر رکھا ہے ان کے واسطے ذلت کا عذاب۔

نسأل الله تعالى توفيق الادب وهو ولي التوفيق

سماعت النبی ﷺ وانبیاء علیہم السلام کے اجساد:

روایات کثیرہ سے ثابت ہے کہ ایک فرشتہ تمام روئے زمین کے درود سنتا ہے اور خدمت میں آنحضرت ﷺ کے عرض کرتا ہے اور اس کو ویسی ہی سماعت دی گئی ہے جیسے ان

دو فرشتوں کو دی گئی ہے جو اس کام پر مقرر ہیں کہ درود پڑھنے والوں کے حق میں دعائے خیر کیا کریں جن کا حال احادیث سے معلوم ہوتا ہے، جب اتنی احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ بعض فرشتوں کے پاس قُرب وبُعد یکساں ہے اور آن واحد میں ہر شخص کی آواز برابر سنتے ہیں تو اب اہل ایمان کو آنحضرت ﷺ کے احاطہ علمی میں شک کا کیا موقع ہوگا؟ اس لئے مبنی شک و انکار کا یہی تھا کہ اس میں شرک فی الصفت لازم آتا ہے۔ پھر جب آنحضرت ﷺ کے خدام میں یہ صفت موجود ہے تو چاہیے کہ خود آنحضرت ﷺ میں بطریق اولیٰ بوجہ اتم ہو۔ چنانچہ خود آنحضرت ﷺ نے اس کی تصریح فرمادی **کما فی الطبرانی** **لیس من عبد یصلی علیّ الا بلغنی صوته قلنا یارسول اللّٰہ** ﷺ **وبعد وفاتک قال وبعد وفاتی ان اللّٰہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء** (ذکرہ ابن حجر المکی فی الجواہر المنظم) ترجمہ: فرمایا جو کوئی مجھ پر درود بھیجتا ہے اس کی آواز سنتا ہوں۔ صحابہ نے عرض کیا، کیا آپ کی وفات کے بعد بھی یارسول اللہ ﷺ۔ فرمایا ہاں خدائے تعالیٰ نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ انبیاء کے اجساد کو کھائے۔ رہی یہ بات کہ جب حضرت خود سنتے ہیں تو پھر درود وسلام پہنچانے پر جو اتنے عظیم الشان و کثیر التعداد فرشتے مقرر ہیں جن کا حال کچھ معلوم ہوا اور کچھ معلوم ہوگا اس سے کیا فائدہ؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ آخر حق تعالیٰ کے حضور میں بھی اعمال بذریعہ ملائک پیش ہوا کرتے ہیں اور باوجود اس کے صفت علمیہ کا انکار ممکن نہیں۔ **حاصل** یہ کہ شے واحد کے حصول علم کے طریقے اگر متعدد مختلف ہوں تو کچھ قباحت لازم نہیں آتی بلکہ اس سے کمال قدرت وعظمت الٰہی معلوم ہوتی ہے اسی طرح آنحضرت ﷺ کے علم کے بھی دو طریقے ٹھہرائے گئے ہیں، ایک یہ کہ صفت علمیہ جو کمال نشاء انسانی ہے عطا کی گئی تاکہ اس کے حاصل کرنے میں افضل مخلوقات کی احتیاج ملائک کے طرف نہ ہو جو فی الحقیقت خدام آپ ﷺ کے ہیں۔ دوسرا طریقہ یہ کہ عظیم الشان ملائک

اس خدمت پر مامور کئے گئے جس سے شان مصطفائی اور تزک فرمان روائی اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تمام انبیاء و ملائک پر آشکار ہو جائے اور وہ خصوصیت و عظمت جو ازل سے سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت مرعی ہو رہی ہے جس کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام نام مبارک کو اپنے انجاح مرام کا وسیلہ اور ذریعہ ٹھہرایا کئے بعد نشاء عنصری حضرت ﷺ کے بھی سب پر مشہود و منکشف ہو جائے۔ امر اول یعنی علم بلاواسطہ کی نسبت یہ بھی ایک قرینہ ہے کہ عموماً اموات کا سماع قریب سے بدلائل ثابت ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں روایت ہے کہ جو کفار بدر کے کنویں میں ڈال دیئے گئے تھے ان کے طرف جب آنحضرت ﷺ نے خطاب فرمایا کہ **هل وجدتم ما وعد ربكم حقا** یعنی کیا تم نے اپنے رب کے وعدے کو سچا پالیا۔ صحابہ نے عرض کیا، کیا آپ مُردوں کو پکارتے ہیں یارسول اللہ ﷺ فرمایا ہاں **ما انتم باسمع منهم ولكن لايجيبون** یعنی تم لوگ ان سے زیادہ نہیں سنتے۔

اور سوائے اس کے سماع موتی کے باب میں کئی روایات و آیات وارد ہیں۔

الحاصل جب عموماً اہل قبور قریب سے سنتے ہیں تو چاہیے تھا کہ قبر شریف کے پاس اگر کوئی شخص سلام عرض کرے تو اس کی اطلاع کے واسطے فرشتہ کا توسط نہ ہوتا۔ حالانکہ یہ سلام بھی فرشتہ ہی کے ذریعہ سے پہنچتا ہے چنانچہ تصریحاً فرماتے ہیں **ما من عبد يسلم عليَّ عند قبرى الا وكل الله بها ملكا يبلغنى** (رواہ فی الشعب کذا فی مسالک الحنفاء)۔ ترجمہ: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو بندہ مجھ پر سلام کرے گا میری قبر کے پاس تو ایک فرشتہ مقرر ہوگا کہ وہ سلام مجھ کو پہنچا دیا کرے گا۔ اور کنز العمال میں اسی حدیث کو اس طور سے روایت کیا ہے **ما من عبد يسلم عليَّ عند قبرى الا وكل الله به ملكا يبلغنى وكفى امر اخرته ودنياه وكنت به شهيدا يوم القيمة** (هب عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ) ترجمہ: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو بندہ عرض کرے گا مجھ پر سلام میری قبر کے پاس

تو حق تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر فرمائے گا جو وہ سلام مجھ کو پہنچائے گا اور کافی ہوگا اس کے دنیا وآخرت کے کاموں کے لئے اور میں اس کا گواہ بنوں گا قیامت کے دن۔ اور قول بدیع میں امام سخاوی نے لکھا ہے۔ **وفی السمعونیات بسند ضعیف عن ابی ہریرة** رضی اللہ عنہ **ایضًا مرفوعًا من صل عليَّ عند قبری و کل بها ملک یبلغنی و کفی امر دنیاہ و اخرته و کنت له یوم القیٰمة شھیدا و شفیعا**۔ ترجمہ: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھے گا تو ایک فرشتہ مجھے وہ پہنچائے گا جو اس کام کے لئے مقرر رہوگا اور کفایت کرے گا وہ اس کے دنیا وآخرت کے کاموں کو اور میں قیامت کے دن اس کا گواہ ہوں گا اور شفاعت کروں گا۔ اور روایت ہے کہ ایک شخص قبر شریف کے پاس آ کر سلام عرض کیا کرتا تھا حسن بن حسین نے اس کو فرمایا کہ تو اور وہ شخص جو اندلس میں ہو برابر ہیں۔ یعنی آنحضرت ﷺ کو علم دونوں کا برابر ہے۔ چنانچہ اس کو بدیع میں نقل کیا ہے **قد روی ان رجلا ینتاب قبر النبی** ﷺ **فقال الحسن بن حسین یا ھذا اما انت و رجل بالاندلس سواء**۔

فائدہ: اس سے ظاہر ہے کہ جو لوگ مقامات دور دراز سے آنحضرت ﷺ پر سلام عرض کیا کرتے ہیں وہ بھی حضوری سے محروم نہیں ہیں۔ اب رہی وہ حدیث شریف جو فرماتے ہیں کہ اگر کوئی میری قبر کے پاس مجھ پر سلام کرے تو میں سنتا ہوں اور دور سے ملائک پہنچاتے ہیں تو بعد ان دلائل کے جواب اس کا آسان ہے اس لئے کہ اس میں نفی سماع کی تصریح نہیں ہے۔ ایک طریقہ علم کا فرمادیا جس میں سامعین کو استبعاد بھی نہ ہو اور مقصود بھی حاصل ہوجائے۔ چونکہ عادت شریف تھی کہ حتی الامکان بحسب عقول وفہم سامعین کے کلام فرمایا کرتے تھے اور پہلے سے فرشتوں کی عظمت سامعین کے اذہان میں جمی ہوئی تھی اور ان کی وسعت علم کا کسی کو استبعاد نہ تھا اس لئے برعایت بعض سامعین ارشاد فرمایا کہ جو درود

پڑھا جائے فرشتہ پہنچا دیا کرتا ہے۔ فہم سامعین کی روایت دوسری حدیثوں سے ثابت ہے چنانچہ زرقانی شرح مواہب میں روایت ہے۔ **حدثوا الناس بما یعرفون اتریدون ان یکذب اللہ ورسولہ** (رواہ الدیلمی عن علی ورفعہ وہو فی البخاری موقوف علیہ)۔ ترجمہ: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ بیان کرو تم لوگوں سے وہ باتیں جو وہ پہچانتے ہو۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور رسول (ﷺ) کی تکذیب ہو جائے .... یعنی ایسی باتیں کہنا چاہیے کہ مخاطب کی سمجھ میں آسکیں اور اسی مضمون کی مؤید یہ بھی حدیث ہے جو زرقانی میں مروی ہے **وروی الحسن بن سفیان عن ابن عباس** رضی اللہ تعالی عنہما **یرفعہ امرت ان اخاطب الناس علی قدر عقولھم قال الحافظ وسندہ ضعیف جدا لا موضوع**۔ ترجمہ: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ حکم کیا گیا میں کہ خطاب کروں لوگوں سے ان کی عقلوں کے موافق۔ انتہی

اس وجہ سے جو وقائع شب معراج میں آنحضرت ﷺ نے ملاحظہ فرمائے ہر شخص سے بیان نہ فرمایا بلکہ ہر ایک کو اس کے حوصلے کے موافق خبر دی۔ چنانچہ توفیق احادیث معراج میں صاحب مواہب نے اسکی تصریح کی ہے۔ **الحاصل** کسی مصلحت سے آنحضرت ﷺ نے اس موقع میں علم ذاتی کی تصریح نہ فرمائی جو دوسری احادیث میں مصرح ہے، ورنہ سمجھ میں نہیں آتا کہ حق تعالی ایک فرشتہ کو تو اس قدر علم سے سرفراز کرے اور خاص اپنے حبیب علیہ الصلوۃ والسلام کو اس سے ممتاز نہ فرمائے بسبب غرابت مقام کے اسی پر اقتصار کیا گیا۔ یہاں کلام اس میں تھا کہ تمام روئے زمین پر جس قدر درود پڑھے جاتے ہیں سب کو ایک فرشتہ سنتا ہے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اسی وقت عرض کر دیتا ہے۔ اور یہ طریقہ سوائے اس کے ہے جو عرش سے ہو کر حضور ﷺ کی خدمت میں درود گزارا جاتا ہے اور سوائے اس کے علیحدہ فرشتے بھی مقرر ہیں جو درود حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے۔ **من صلی علی صلوۃ جارنی بھا ملک فاقول**

بلغه عنی عشرا وقل لهٗ لو كان من هذه العشرة واحدة لدخلت معی الجنة وحلت لک شفاعتی (رواه ابوموسیٰ المدنی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ذکرہ فی الوسیلۃ العظمیٰ)۔ ترجمہ: فرمایا رسول ﷺ نے جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھے ایک فرشتہ وہ درود میرے پاس لاتا ہے پس میں کہتا ہوں کہ میری طرف سے دس درود اس کو پہنچا اور کہہ دے اگر ان دس میں سے ایک بھی ہوتو تو میرے ساتھ جنت میں داخل ہو جائے اور میں تیری شفاعت کروں۔ اور اسی طرح سلام پہنچانے کے لئے بھی کئی فرشتے مقرر ہیں کہ ہمیشہ اسی تلاش میں پھرا کرتے ہیں پھر جہاں کسی نے سلام عرض کیا فوراً گزران دیتے ہیں چنانچہ مسالک الحنفاء میں روایت ہے عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال انّ للّٰہ ملائكته سياحين يبلغونی عن امتی السلام (رواہ احمد والنسائی والدارمی والبیہقی وابن حبان والحاکم فی صحیحھما وقال صحیح الاسناد) ترجمہ: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ حق تعالیٰ نے کئی فرشتے مقرر کیے ہیں کہ سیاحت کیا کرتے ہیں اور پہنچاتے ہیں مجھ کو سلام میری امت کا۔

پس معلوم ہوا کہ جیسے درود گزارنے جانے کے دو ذریعے ہیں اسی طرح سلام عرض ہونے کے بھی دو ذریعے ہیں ایک جبرئیل علیہ السلام دوسرے یہ ملائک۔ مناسب اس مقام کے اور بہت سی حدیثیں صحیح وضعیف وغیرہ ہیں۔ منجملہ ان کے دو تین حدیثیں یہاں بیان کی جاتی ہیں ہر چند بعض محدثین نے ان میں کلام کیا ہے، مگر ہم اتباع ان محدثین کا کرتے ہیں جنہوں نے ان کو روایت کیا ہے۔ قسطلانی رحمہ اللہ علیہ نے مسالک الحنفاء کی اس حدیث کو نقل کیا۔ عن انس بن مالک عن النبی ﷺ قال من صلی علی صلوة تعظيما الحقی جعل اللّٰه من تلک الكلمة ملكا جناح لهٗ فی المشرق وجناح له فی المغرب و رجلاه فی تخوم الارض وعنقه ملتوية تحت العرش يقول اللّٰه تعالٰی لهٗ صل علٰی عبدی كما صلی علٰی نبیّ فهو يصلی

علیه الٰی یوم القیٰمة (رواہ ابن شاہین فی الترغیب والدیلمی فی مسند الفردوس وابن بشکوال وہذا حدیث منکر)۔
ترجمہ فرمایا رسول ﷺ نے کہ جو شخص مجھ پر ایک درود پڑھے میرے حق کی تعظیم کے واسطے تو حق تعالیٰ اس کلمہ سے ایک فرشتہ ایسا پیدا کرتا ہے کہ ایک بازو اس کا مشرق میں ہوتا ہے اور ایک مغرب میں اور پاؤں زمین کے نیچے اور عرش کے نیچے اس کی گردن جھکی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو فرماتا ہے کہ تو درود پڑھ اس میرے بندے پر جیسا کہ اس نے میرے نبی ﷺ پر درود پڑھا تو وہ قیامت تک اس پر درود پڑھتا رہے گا۔ روایت کیا اس کو ابن شاہین نے اپنی کتاب ترغیب اور دیلمی نے فردوس میں اور ابن بشکوال نے۔ اور یہ روایت بھی مسالک الحنفاء میں ہے وعن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ ان الله اعطانی ما لم یعط احدا من الانبیاء وفضلنی علیهم وجعل لامتی فی الصلوة علی افضل الدرجات وعند قبری ملکا یقا ل لهٗ منطوش رأسهٗ تحت العرش ورجلاه فی تخوم الارض السفلی ولهٗ ثمانون الف جناح فی کل جناح ثمانون الف ریشة تحت کل ریشة ثمانون الف زغبة تحت کل زغبة لسان یسبح الله تعالٰی وبحمدهٖ ولیستغفر لمن یصلی علیّ من امّتی ومن لدن رأسهٗ الٰی بطون قدمیه افواه ولسن وریش وزغب لیس فیه موضع شبرالا وفیه لسان یسبح الله تعالٰی ویحمدهٗ ویستغفر لمن یصلی علی من امّتی حتّٰی یموت (رواه ابن بشکوال وهو غریب منکر بل لوائح الوضع لائحة علیه) فرمایا رسول ﷺ نے کہ حق تعالیٰ نے مجھے دو رتبے دیئے ہیں جو کسی نبی کو نہ ملے اور مجھ کو سب نبیوں پر فضیلت دی۔ اور اعلیٰ درجے مقرر کئے میری امت کے لئے مجھ پر درود پڑھنے میں متعین فرمایا میری قبر کے پاس ایک فرشتہ جس کا نام منطوش ہے اس کا سر عرش کے نیچے اور پاؤں منتہائے زمین اسفل ہیں اور اس کے اسی ہزار بازو میں اسی ہزار پر اور نیچے ہر پر کے

اسی ہزار رو نگٹے اور ہر رو نگٹے کے نیچے ایک زبان ہے جس سے تسبیح وتحمید اللہ تعالیٰ کی کیا کرتا ہے اور اس شخص کے لئے دعائے مغفرت کیا کرتا ہے جو میرا امتی مجھ پر درود پڑھے اس کے سر سے بدن کے نیچے تک تمام منہ اور زبانیں اور پر اور رو نگٹے ہیں کہیں بالشت بھر جگہ اس میں ایسی نہیں کہ جس میں زبان نہ ہو اور اس کا کام یہ ہے کہ تسبیح اور تحمید اللہ تعالیٰ کی اور طلب مغفرت ان لوگوں کے حق میں کیا کرے جو مجھ پر درود پڑھا کرتے ہیں مرنے تک۔ (روایت کیا ابن بشکول نے)

نماز میں رسول اللہ ﷺ کا تصور اور ندا:

اب یہاں یہ امر پیش نظر ہے کہ اس سلام کی کس قدر وقعت ہے جو عین نماز میں ضروری ٹھہرایا گیا، حالانکہ نماز عبادت محضہ ہے اور ظاہر ہے کہ عبادت میں توجہ صرف معبود حقیقی کی طرف چاہیے اگر کہا جائے کہ وہ سلام جو التحیات میں پڑھا جاتا ہے یعنی **السلام علیک ایھا النبی** اس سے خطاب مقصود نہیں بلکہ حکایت ہے شب معراج کی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں التحیات کا کوئی مطلب ہی نہ ہوا صرف الفاظ ہی رہ گئے نہ **التحیات للّٰہ** سے تمام تحیّات اللہ تعالیٰ کے لئے ہونے کا اعتراف ہوا، نہ **اشھد ان لاالٰہ الا اللّٰہ** سے توحید پر شہادت ہوئی۔ حالانکہ جب رسول اکرم ﷺ نے التحیات کی تعلیم فرمائی یہ نہ کہا کہ شب معراج میں اس قسم کا مخاطبہ ہوا تھا اور بطور حکایت اس کو پڑھنا چاہیے۔ حدیث تعلیم التحیات کی یہ ہے جس کو ابن تیمیہ نے منتقی الاخبار میں روایت کیا ہے۔

عن ابی مسعود ﷺ قال علمنی رسول اللّٰہ ﷺ التشھد کفی بین کفیہ کما یعلمنی السورۃ من القراٰن التحیات للّٰہ والصّلوات والطّیبات السّلامُ علیک ایّھا النّبی ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ السلام عَلَینا وعلی عبادِ اللّٰہ الصالحین اشھَد ان لا الٰہ الا اللّٰہ واشھدُ ان محمداً عَبدُہٗ وَرسولہ۔ رواہ الجماعۃ وفی لفظ ان النبی ﷺ قالَ اِذَا قعد احدکم فی الصلوۃِ فَلْیَقُلْ

التحیاتُ للّٰہِ وذکرَہٗ وفیه عندَ قولِہٖ وَعَلٰی عبادِ اللّٰہ الصّٰلِحین فَاِنَّکُمْ اذا فعَلْتُمْ ذالکَ فقد سلّمتُم علی کل عبد للّٰہ صالح فی السماءِ وَالارضِ وفی اٰخرہٖ ثم یتخیر من المسألۃِ ماشاء متفق علیه وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال کُنَّا نقولُ قبلَ اَنْ یفرض عَلَیْنَا التشھدُ السلام علی اللّٰہِ السَّلامُ علی جبرئیلَ ومیکائیلَ فقال رسولُ اللّٰہ ﷺ لاتَقُولُوا ھکذا ولکن قولوا التحیات للّٰہِ ذکرہ الدارقطنی وقال اسنادہ صحیح وھذا یدل علی انه فرضٌ۔ ترجمہ: خلاصہ ان تینوں روایتوں کا یہ ہے کہ روایت ہے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا انہوں نے کہ تشہد فرض ہونے کے پیشتر ہم لوگ **السلام علی اللّٰہ، السلام علی جبرئیل ومیکائیل** کہا کرتے تھے۔ پس فرمایا حضور ﷺ نے کہ ایسا مت کہو، پس جب کوئی نماز میں بیٹھے تو چاہیے کہ کہے **التحیات للّٰہ** آخر تک اور سکھایا مجھ کو حضور نے یہ التحیات میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر جیسا کوئی سورۂ قرآن کا تعلیم فرماتے تھے۔ اور فرمایا کہ جب تم نے **وعلی عباد اللّٰہ الصالحین** کہا تو گویا سلام کیا تم نے ہر بندۂ صالح پر خواہ آسمان میں ہو وہ یا زمین میں، روایت کیا اس کو اہل صحاح ستہ اور امام احمد بن حنبل اور دار قطنی نے بحسب تفصیل مذکور۔ پھر کہا ابن تیمیہ نے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے **التحیات** صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر فرض تھی۔ انتہی

مخلصاً ہر چند الفاظ التحیات کے مختلف طور پر وارد ہیں مگر جن میں **السلام علیک ایھا النبیّ** آنحضرت ﷺ سے مروی ہے ان احادیث کو بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، امام احمد بن حنبل، ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق نے روایت کی ہے۔ (کما فی کنز العمال)۔ ان روایات سے کسی میں یہ بات نہیں ہے کہ وہ سلام بطور حکایت پڑھا جائے پھر جب حکایت ہونا اس کا ثابت نہ ہوا تو معنی مقصود بالذات ہوئے جس سے ثابت ہوا کہ بطور انشاء کہا جائے جیسا کہ شیخ عابد سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے طوالع الانوار شرح درّ مختار میں اس کی تصریح کی ہے۔ **کما سیجئ**

دوسری دلیل یہ ہے کہ صحابہ **السلام علی جبرئیل ومیکائیل** اور بروایت امام محمد بن حنبل **السلام علی فلان وفلان** کہا کرتے تھے آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا اور ارشاد کیا کہ جب تم **السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین** کہو گے تو تمہارا سلام تمام مقربین ومرسلین وصالحین کو پہنچ جائے گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ سلام بطور انشاء ہے، نہ بطور حکایت۔ اگرچہ یہ کہ آنحضرت ﷺ کو بھی اسی تعمیم میں سلام پہنچ سکتا تھا لیکن چونکہ اس میں کوئی خصوصیت آنحضرت ﷺ کی نہیں رہتی تھے اس لئے ضرور ہوا کہ بحسب مرتبہ آنحضرت ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر خطاب کے ساتھ سلام عرض کرے اور تکمیل تحیت کے واسطے **ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ** بھی زیادہ کرے جس سے اعتنا بالشان اس سلام کا ظاہر ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جیسا **السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین** انشاء ہے ویسا ہی **السلام علیک** بھی انشاء ہے۔

تیسری دلیل یہ ہے **السلام علیک ایھا النبی** جس میں خطاب وندا ہے متواتر ہے بتواتر لفظی اگر معنی اس سے مراد نہ لئے جائیں تو ایک قسم کا نسخ لازم آئے گا۔ پھر دلیل نسخ کو چاہیے کہ ویسی ہی قطعی ہو اور مخاطبہ شب معراج کا احادیث صحیحہ سے اگر ثابت ہو جائے جب بھی اس متواتر کا نسخ اس سے نہ ہو سکے گا اس لئے کہ ان کو وہ احادیث احاد ہوں گی جس میں قطعیت نہیں۔ دوسرا یہ کہ اس التحیات کو اس کے ساتھ کچھ نسبت نہیں غایۃ الامر یہ ہے کہ ہیئت دونوں کی ایک ہو گی لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ اس کی حکایت ہو۔ بلکہ وہاں جیسا حق تعالیٰ نے بطور انشاء فرمایا تھا ویسا ہی یہاں مصلی بطور انشاء عرض کرتا ہے۔ **الحاصل** بعد تصحیح ان احادیث کے اس متواتر کے نسخ کے لئے یہ بات ضرور ہے کہ بطور حکایت پڑھنے کے امر بتواتر ثابت کیا جائے **واذ لیس فلیس**۔

چوتھی دلیل یہ ہے کہ جب آیہ شریفہ **اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ** نازل ہوئی صحابہ نے

عرض کیا یارسول اللہ ﷺ سلام کا طریقہ تو ہم نے جان لیا صلوٰۃ کا طور ارشاد فرمایئے۔ چنانچہ درمنثور میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے۔ **واخرج ابن ابی سعید واحمد بن حمید والبخاری والنسائی وابن ماجة وابن مردویة عن ابی سعید الخدری قال قلنا یارسول اللہ ﷺ ھذا السلام علیک قد علمناہ فکیف الصلوٰۃ قال قولوا اللّٰھم صلّ علٰی محمدٍ** (الحدیث)۔ امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے قول بدیع میں لکھا ہے کہ مراد اس سلام سے جس کی نسبت صحابہ نے اپنا علم ظاہر کیا سلام تشہد ہے۔ یعنی **السلام علیک ایھا النبی حیث قال والمراد بقولھم السلام علیک فقد عرفناہ فکیف الصلوٰۃ علیک فاعلمھم ایاہ فی التشھد من قولھم السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ فیکون المراد بقولھم فکیف نصلی علیک ای بعد التشھد قالہ البیھقی**۔ اس سے ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک یہ سلام انشائے تحیت تھا اس لئے کہ **سلموا** کے امتثال میں اس کو قرار دیا تھا اور امتثال کے لئے انشاء کی ضرورت ہے حکایت مفید نہیں ہوسکتی۔

پانچویں دلیل یہ ہے کہ امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سلام عرض کرنا آنحضرت ﷺ پر کئی مواقع میں واجب ہے۔ ایک تشہد اخیر میں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دوسرا نام مبارک آپ کا سن کر تیسرا جب قبر شریف کے پاس حاضر ہو۔ **حیث قال فی القول البدیع ولیعلم انہ یرتقی درجہ التسلیم علیہ وسلم الی الوجوب فی مواضع الاول فی التشھد الاخیر نص علیہ الشافعی** رحمۃ اللّٰہ علیہ **الثانی ما نقلہ الحلیمی انہ یجب التسلیم علی النبی ﷺ کلما ذکر وفی الشفاء نقلاً عن القاضی ابی بکر بن بکر نزلت ھذہ الأیة علی النبی ﷺ فامرہ اللّٰہ اصحابہ ان تسلموا علیہ وکذالک من بعدھم امروا ان یسلموا علی النبی ﷺ عند حضورھم قبرہ وعند ذکرہ۔**

چھٹی دلیل شیخ عابد سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے طوالع الانوار شرح درّ مختار میں لکھا ہے کہ **السلام علیک ایھا النبی** کے معنی کو مقصود بالذات سمجھے اور بطور انشاء سلام عرض کرے۔ **کماقال ویقصد بالفاظ التشھد معانیھا حال کون تلک الالفاظ مراۃ له ای مقصودۃ لنفسه علٰی وجه الانشاء وکانه یحی اللّٰه تعالٰی ویسلم علٰی نبیه ﷺ بقوله السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللّٰه وبرکاته فان قیل کیف شرع ھذا اللفظ وھو خطاب بشر مع کونه منھیا فی الصلٰوۃ اجیب عن ذالک باجوبة۔** انتھٰی

نادرہ ندائے غیب کے مسئلہ میں جب استدلال **السلام علیک ایھا النبی** کے ساتھ کیا جائے تو بعض لوگ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہاں ندا مقصود نہیں بلکہ یہ حکایت ہے مخاطبہ شب معراج کی۔ پھر جو ان سے پوچھا جائے کہ کیا اس حدیث کو مانتے ہو تو کہتے ہیں کہ اگر وہ حدیث مانی جائے تو اس سے آنحضرت ﷺ کا عرش پر جانا ثابت ہوتا ہے حالانکہ سدرۃ المنتہٰی سے اس طرف جانے میں کوئی حدیث صحیح یا حسن محدثین کے پاس ثابت نہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ اگر نماز کی التحیات کو حکایت اس کی قرار دیں تو چاہیے کہ محکی عنہ کو اپنے قواعد کے موافق ثابت کریں یا مان لیں اور اگر محکی عنہ کا انکار ہے تو حکایت کا نام نہ لیں۔ اس کے کیا معنی کہ حکایت میں تو وہ زور وشور اور محکی عنہ سے بالکل انکار کیا، اس کو الف لیلٰی کی حکایت سمجھی ہے جس میں محکی عنہ سے کچھ بحث نہیں۔ **الحاصل** ہر مسلمان کو چاہیے کہ نماز میں آنحضرت ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر سلام عرض کرے اور شک نہ کرے کہ اس میں شرک فی العبادت ہوگا کیونکہ جب شارع کی طرف سے اس کا امر ہوگیا تو اب جتنے خیالات اس کے خلاف میں ہوں وہ سب بیہودہ اور فاسد سمجھے جائیں گے اس میں تعلل ایسا ہوگا جیسے ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کے سجدے میں تعلل کیا تھا۔ اب یہ

بات معلوم کرنا چاہیے کہ جب اس سلام کا یہ رتبہ ہوا کہ ایک حصہ عبادت محضہ یعنی نماز کا اس کے لئے خاص کیا گیا تو دوسرے اوقات میں ہم لوگوں کو کس قدر اہتمام و آداب چاہیے ہر چند کہ عوام الناس اس قسم کے امور سے مرفوع القلم ہیں کیونکہ ان کو تو اسی قدر کافی ہے کہ جتنا شارع نے ضروری بتایا اتنا کر دیا مگر اہل عقل و تمیز کو چاہیے کہ ایسے امور میں غور و فکر کیا کریں اور ادب سیکھیں، **العاقل تکفیه الاشارة**۔ الغرض جب کسی وقت خاص میں سلام عرض کرے تو چاہیے کہ کمال ادب کے ساتھ کھڑا ہو اور دست بستہ ہو کر **السلام علیک یا سیدنا رسول اللّٰہ السلام علیک یا سیدنا سید الاولین والآخرین** وغیرہ صیغہ جن میں حضرت ﷺ کی عظمت معلوم ہو عرض کرے۔ اب یہاں شاید کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ قیام تشبیہ بالعبادت ہے اور وہ جائز نہیں۔ تو جواب اس کا یہ ہے جب عین عبادت میں یہ سلام جائز ہو تو تشبیہ بالعبادت میں کیوں نہ ہو۔ اگر کہا جائے کہ **قوموا للّٰہ قانتین** سے معلوم ہوتا ہے کہ قیام خاص اللہ کے واسطے چاہیے تو ہم کہیں گے کہ بے شک نماز کا قیام خاص اللہ کے واسطے ہے اور اگر مطلق قیام کی اس میں تخصیص ہوتی تو لفظ **للّٰہ** کی ضرورت نہ تھی۔ خلاصہ یہ کہ اس آیہ شریفہ سے نماز کا قیام فرض ہوا نہ یہ کہ انحصار قیام کا اس میں ثابت ہوا۔ اگر یہی بات ہوتی تو کوئی قیام درست ہی نہ ہوتا حالانکہ جمہور محدثین وفقہاء کے نزدیک علاوہ اور مقاموں کے کسی کے اکرام کے واسطے کھڑے رہنا بھی درست ہے۔ چنانچہ اس مسئلہ کو حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں بشرح وبسط لکھا ہے ماحصل اس کا یہ ہے احکام قیام کے مختلف ہیں ایک وہ کہ جیسے امراء وسلاطین مثلاً بیٹھے ہوتے ہیں اور خدام واتباع ان کے تعظیماً روبرو کھڑے رہتے ہیں یہ بالاتفاق ناجائز ہے۔ دوسرا وہ کہ جیسے کوئی سفر سے آئے یا کوئی خوشخبری یا تہنیت آنے والے کو دینا ہو، ایسے مواقع میں قیام بالاتفاق جائز ہے۔ تیسرا کسی کے اکرام کے واسطے کھڑا رہنا جس کو

ہمارے محاورہ میں تعظیم کہتے ہیں یہ صورت مختلف فیہ ہے ابن قیم اور ابو عبداللہ ابن الحاج کے پاس ناجائز ہے اور امام مالک اور عمر بن عبدالعزیز اور امام بخاری اور مسلم، ابوداؤد، بیہقی، طبرانی، ابن بطال خطابی، منذری، توریشتی اور امام نووی رحمہم اللہ تعالی کے اقوال سے اس کا جواز ثابت ہے۔

کیا حضور ﷺ ہمارے بڑے بھائی ہیں؟:

اگر عام جن وانس آنحضرت ﷺ کی عظمت کو نہ مانیں تو انہیں کا نقصان ہوگا اس سے عظمت میں حضرت ﷺ کے کسی قسم کا دھبہ نہیں آسکتا۔ اب یہ دیکھنا چاہیے کہ باوجود اتنے معجزات اور کھلی کھلی دلیلوں کے کیا سبب تھا کہ کفار کو آنحضرت ﷺ کی عظمت میں کلام رہا۔ کیا بات یہ ہے کہ ہر نفس کی جبلت میں یہ بات رکھی ہوئی ہے کہ کسی نہ کسی طرح اپنے ہم جنس پر اپنی تعلّی اور بڑائی ہو۔ چنانچہ لڑکوں تک یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ اگر ان کی ہم جنس کسی لڑکے سے انہیں اچھا کہے تو خوش اور برا کہے تو ناخوش ہوتے ہیں بلکہ رونے لگتے ہیں۔ چونکہ مرتبہ رسالت کا کفار کے ذہنوں میں نہایت جلیل القدر تھا اور تصدیق رسالت میں انبیاء کی طرح ان پر فضیلت ثابت ہوتی تھی جس سے وہ اپنی کسر شان سمجھے تھے اس لئے نفوس پر ان کے یہ امر نہایت شاق ہوا اور کہنے لگے **اِن اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا** یعنی تم تو ہم جیسے بشر ہی ہو، کچھ فرشتہ نہیں جو فضیلت تمہاری مانی جائے حالانکہ ابتداء دعوت انبیاء کی صرف توحید کی طرف تھی جس کے کفار بھی مقر تھے۔ چنانچہ حق تعالی فرماتا ہے **وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ**۔ ترجمہ: اگر پوچھیں آپ کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو تو البتہ کہیں گے اللہ۔ **وقال اللّٰه تعالٰى وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ**۔ ترجمہ: اگر پوچھیں آپ ان سے کہ کس نے پیدا کیا ان کو البتہ کہیں گے اللہ۔ **وقال اللّٰه تعالٰى قُلْ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَنْ لَا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ**۔ ترجمہ: کہیے کہ آؤ طرف ایک بات کے جو برابر ہے تم میں اور ہم میں کہ نہ عبادت کریں ہم سوائے اللہ تعالی کے۔

خلاصہ یہ کہ جو بات ان کے مسلّمات سے تھی اس کو ماننا بھی ان کے نفوس پر شاق تھا کیونکہ اس سے رسالت کی تصدیق سمجھی جاتی تھی۔ پھر اگر کوئی طالب حق عاقبت اندیش انبیاء کی طرف مائل ہوتا تو اس کو بھی عار دلاتے کہ یہ مثل تمہارے کھانا کھاتے ہیں، پانی پیتے ہیں، بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں، کچھ فرشتے نہیں جو ان کی تم پر فضیلت ہو اپنے ہم جنس کی اطاعت کرنا بڑی ذلت کی بات ہے۔ **کما قال تعالٰی حکایۃً قَالُوا مَالِ ھٰذَا الرَّسُوْلِ یَاکُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ۔** ترجمہ: اور کہنے لگے یہ کیا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور پھرتا ہے بازاروں میں۔ **ایضًا فَقَالَ الْمَلَاءُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖ مَا ھٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْکُمْ وَلَوْشَاءَ اللّٰہُ لَاَنْزَلَ مَلٰئِکَۃً۔** ترجمہ: تب بولے سردار جو منکر تھے اس قوم کے یہ کیا ہے ایک آدمی ہے جیسے تم، چاہتا ہے کہ بڑائی کرے تم پر اور اگر اللہ تعالٰی چاہتا تو اتارتا فرشتے۔ **ایضًا وَقَالَ الْمَلَاءُ مِنْ قَوْمِہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ کَذَّبُوْا بِلِقَاءِ الْاٰخِرَۃِ وَاَتْرَفْنٰھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا مَا ھٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یَاکُلُ مِمَّا تَاکُلُوْنَ مِنْہُ وَیَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ۔ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَکُمْ اِنَّکُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ٥** ترجمہ: اور بولے سردار ان کی قوم کے جو منکر تھے اور جھٹلاتے تھے آخرت کی ملاقات کو جن کو آرام دیا تھا ہم نے دنیا کی زندگی میں اور کچھ نہیں یہ ایک آدمی ہے جیسے تم، کھانا کھاتا ہے جس قسم سے تم کھاتے ہو اور پیتا ہے جس قسم سے تم پیتے ہو اور اگر اطاعت کی تم نے اپنے برابر کے آدمی کی تو تم بیشک خراب ہوئے۔

الحاصل خود بینی اور خودسری نے انہیں اندھا بنا دیا تھا۔ کسی نے یہ نہ سمجھا کہ اگر خدائے تعالیٰ کسی خاص بشر کو اپنے فضل سے سب پر فضیلت دے دے تو کونسا نقصان لازم آجائے گا چنانچہ خود انبیاء علیہم السلام نے اس قسم کا جواب بھی دیا **کماقال تعالٰی قَالَتْ لَھُمْ رُسُلُھُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَمُنُّ عَلٰی مَنْ یَّشَاءُ مِنْ**

عِبَادِہٖ۔ ترجمہ: کہا اُن کو اُن کے پیغمبروں نے کہ ہم بھی بشر ہیں جیسے تم، لیکن اللہ تعالیٰ فضل کرتا ہے جس پر چاہتا ہے۔ مگر یہ جواب کب مفید ہو سکتا تھا وہاں تو مہار اختیار کی نفس امارہ کے ہاتھ تھی۔ پھر اس کو کون ضرورت تھی جو خواہ مخواہ اپنی خاص صفت تعلّی کو چھوڑ کر ذلت اختیار کرے۔ یہ تو انہیں کا کام تھا جنہوں نے پہلے پہل نفس پر ایک ایسا حملہ کیا کہ زمام اختیار کو اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ پھر اس کی اصلاح کے درپے ہوئے اور ماشاء اللہ خوب ہی اصلاح کی، یا تو وہ تھا کہ نبی کے مقابلہ میں اس کو ذلت ناگوار ہوتی تھی یا یہ حالت ہوئی کہ اپنے جنس والے ہر ادنیٰ واعلیٰ کے مقابلہ میں ہمسری کا دعویٰ نہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ ان کی صفت میں فرماتا ہے **اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ** جب مومنین کے ساتھ یہ حالت ہو تو خیال کرنا چاہیے کہ خود آنحضرت ﷺ کے ساتھ ان کا کس قسم کا معاملہ ہوگا۔ ایک بات تو ابھی معلوم ہوئی کہ سب صحابہ حضرت ﷺ کو سجدہ کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ اگر کسی کو عقل سلیم اور فہم مستقیم حاصل ہو تو سمجھ سکتا ہے کہ کس قدر عظمت آنحضرت ﷺ کی صحابہ کے پیش نظر ہو گی جس نے کمال تذلّل کو جو سجدہ کرنے میں ہے آسان کر دیا تھا۔ اب سمجھنا چاہیے کہ اس قدر عظمت آنحضرت ﷺ کی صحابہ کے دلوں میں کیونکر متمکن ہوئی حالانکہ خود آنحضرت ﷺ نے بموجب ارشاد حق تعالیٰ فرمادیا **قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ** وجہ اس کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان حضرات نے جب دیکھا کہ کفار کو آیہ شریفہ **وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ** کے مضمون کی طرف بالکل توجہ نہیں اور صرف دعویٰ ہمسری میں خراب ہوئے جاتے ہیں اس لئے برخلاف ان کے اس آیت کے مضمون کو اپنا پیش رو بنایا اور اس میں اس قدر استغراق حاصل کیا کہ گویا **اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ** کو سنا ہی نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے سجدہ پر آمادگی ظاہر کی اور حضرت ﷺ کو پھر بشریت کا مضمون یاد دلانے کی گویا ضرورت ہوئی۔ چنانچہ فرمایا کہ بشر کو بشر کا سجدہ کرنا مناسب نہیں جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

شاہ دیں رامنگر اے ناداں بطیں | کیں نظر کردہ است ابلیس لعیں
نیست ترکیب محمد لحم وپوست | گرچہ در ترکیب ہرتن جنس اوست
گوشت دارد پوست دارد استخواں | ہیچ ایں ترکیب راباشد ہماں
کاندراں ترکیب باشد معجزات | کہ ہمہ ترکیب ہا گشتند مات

اس قسم کی عظمت آنحضرت ﷺ کی جیسی صحابہ کے دلوں میں تھی ایک مدت تک مسلمانوں کے دلوں میں رہی جس کا حال اِنْ شَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی آئندہ لکھا جائے گا۔ مگر افسوس ہے کہ چندروز سے پھر وہی مساوات کا خیال آخری زمانے کے بعض مسلمانوں کے سروں میں سمایا اور گویا یہ فکر شروع ہوئی کہ وہ سب باتیں تازہ ہوجائیں، اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِثْلُکُمْ میں خوض ہوتا ہے، کبھی کہا جاتا ہے کہ ہم لوگوں کو حضور ﷺ نے بھائی کہا ہے اس لئے حضرت ﷺ بڑے بھائی ہیں، اب اس خیال نے یہاں تک پہنچا دیا ہے کہ وہ آیات واحادیث منتخب کی جاتی ہیں جن سے اُن کے زعم میں منقصت شان ہو، اور وہ احادیث کہ آنحضرت ﷺ نے براہ تواضع کچھ فرمایا ہے اپنی دانست میں ان کو کسرِ شان کے باب میں قرار دے کر شائع کی جاتی ہیں۔ ہم نے مانا کہ نقلاً وعقلاً ہر طرح سے اس مسئلہ میں زور لگایا جائے گا لیکن یہ دیکھنا چاہیے کہ انتہاء اس کی کہاں ہوگی۔ ہم یقین سمجھتے ہیں کہ آخر یہ حضرات بھی مسلمان ہیں، آنحضرت ﷺ کے رتبے کو اس سے تو ہرگز کم نہ بیان کریں گے کہ جس قدر کفار سمجھتے تھے یعنی بَشَرٌ مِثْلُنَا مگر معلوم نہیں اس سعی کا کیا نتیجہ ہوگا اتنی بات تو کافروں سے پوچھنے میں حاصل ہوجاتی ہے، اس میں نہ قرآن کی ضرورت ہے، نہ حدیث کی۔ اب اس کے ساتھ یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ ہم لوگ جو آیات واحادیث سے استدلال کر کے بیان عظمت میں آنحضرت ﷺ کے مبالغہ کرتے ہیں انتہا اس کی کہاں ہوگی۔ یہ بات ہر جاہل سے جاہل جانتا ہے کہ حضور ﷺ مخلوق اور بشر ہیں اور حق تعالیٰ خالق ہے۔

اب انتہا اس مبالغے کی یہی ہوگی کہ حضور ﷺ کا رتبہ قریب مرتبہ مسجودیت کے سمجھا جائے گا وہ بھی اس وجہ سے کہ ایک عالم آپ کو سجدہ کرتا تھا اور صحابہ بھی سجدہ کرنے کے لئے مستعد ہوگئے تھے، غرض اس مبالغے کی حدود ہوگی جو صحابہ کی حسن عقیدت تھی۔ اب ہم سے یہ نہیں ہوسکتا کہ جس راہ کو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مدت العمر طے کیا اور جس مقام پر عمر بھر سر لگائے رہے جہاں سے وہ فتحیاب ہوئے اس مقام کو چھوڑ دیں اور اس راہ میں رجعۃ القہقری کرکے وہ راستہ چلیں جو کفار کی حد اعتقاد کو یعنی اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا کو پہنچادے، جہاں سے کفار بڑھ نہیں سکتے۔

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی　　کیں رہ کہ تو میروی ترکستان است

کسی بزرگ نے ہم لوگوں کے اعتقاد کی شرح ایک چھوٹے سے جملے میں نہایت ہی مبسوط کی ہے کہ **"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"**۔ یقین ہے کہ اس تقریر سے اہل انصاف پر دونوں راستے اور ان کی انتہا اور حسن وقبح ہر ایک کی منکشف ہوگئی ہوگی۔ طالب راہ حق کو چاہیے کہ جب کسی کو اپنا رہبر بنائے تو پہلے اس امر کی بخوبی تحقیق کرلے کہ کونسی راہ لے جائے گا۔ اگر بے چارے جاہل کوتاہ نظر سے دریافت نہ کرسکیں تو معذور ہیں مگر اہل امتیاز انداز کلام اور طرز بیان سے معلوم کرسکتے ہیں کہ وہ شخص کس راہ کی آمادگی کررہا ہے۔ مثلاً کسی نے وہ حدیث پڑھی جس میں آنحضرت ﷺ نے متاخرین کو اپنا بھائی فرمایا ہے، یہاں ایک تو وہ شخص ہوگا کہ مارے شرم کے سر ہی نہ اٹھا سکے گا کیونکہ اگر کوئی اچھی طرح آنکھیں مل کر اپنی حالت کو دیکھے تو معلوم ہو کہ کس قدر آلودۂ عصیان ہے۔ اسی کتاب میں بخاری شریف کی روایت سے ثابت ہوچکا ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جب کبھی اپنے احوال پر نظر ڈالتے، نفاق کا خوف آجاتا۔ معلوم نہیں کہ باوجود ان سچی بشارتوں کے کس چیز نے انہیں خوف میں ڈال رکھا تھا، جب ان حضرات کا یہ حال ہو تو پھر کس کا منہ ہے جو کچھ دعویٰ

کر سکے، غرض کہ بھائی سمجھنا تو کہاں ایسے خیالات کبھی تو نسبت غلامی سے بھی خجالت پیدا کئے دیتے ہیں، چنانچہ کسی بزرگ نے کہا ہے۔

ع نسبت خود بسگت کردم و بس منفعلم

منشا اس کا اگر دیکھئے تو صرف یہی ہے کہ نقشہ اپنے سارے اعمال کا آنکھوں کے سامنے کھنچ گیا ہے جس سے ندامت کے پورے پورے آثار دل میں نمایاں ہیں۔ اور قریب ہے کہ دروازہ توبہ کا کھل جائے اور کبھی اشفاق و مراحم، شفیع المذنبین کا تصور ادائی شکریہ میں مصروف کر دیتا ہے کہ ہر چند ہم میں قابلیت نہیں مگر شان رحمۃ للعلمینی ہے کہ اس درجہ قدر افزائی کی ایسے آقائے مہربان پر قربان ہونا چاہیے کہ ہم جیسے غلاموں کو بھی یاد کیا اور اس سرفرازی کے ساتھ جو دوسروں کو نصیب نہیں۔

الحاصل اس حدیث شریف کے ذکر کرتے وقت اس شخص کی کچھ کیفیت ہی اور ہے اور وہ نورانیت کے آثار مرتب ہیں جو عموماً اعمال پر غالباً مرتب ہوسکیں، اس قسم کے قدر افزائیوں کا لطف وہی لوگ جانتے ہیں جن کو بارگاہ نبوی ﷺ کے ساتھ خاص قسم کی نسبت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بار آنحضرت ﷺ سے عمرہ ادا کرنے کی اجازت چاہی، حضور ﷺ نے اجازت دے کر فرمایا کہ اے بھائی اپنی دعا میں ہمیں نہ بھولیو، وہ فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد مجھ میں اس قدر اثر کیا کہ اگر تمام روئے زمین میری ملک ہو جائے تو ان الفاظ کے مقابلے میں میرے پاس وہ کچھ چیز نہیں۔ **کما فی کنز العمال عن عمر** رضی اللہ عنہ **قال استاذنت النبی** ﷺ **فی العمرة فاذن لی وقال لاتنسنا اخی من دعائک اوقال اشرکنا یا اخی فی دعائک کلمته ما احب ان لی بها ما طلعت علیه الشمس۔** (وابن سعد حم دت حسن صحیح ع و الشاشی ص ق) بظاہر یہ ارشاد آقا ﷺ کا کوئی ایسی بڑی بات نہیں، صرف دعا کرنے کو فرمایا تھا مگر اس کی وقعت

کا اندازہ سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہی دل کر سکتا تھا کہ تمام روئے زمین کی سلطنت ایک طرف تھی اور اس مختصر کلمہ کی شان دل ربائی ایک طرف۔ غرض اس حدیث مذکورہ بالا کو سن کر ایک شخص کے دل کی وہ حالت ہوگی جو خارج از بیان ہے اور ایک شخص وہ ہوگا کہ اسی حدیث شریف سے یہ بات نکالے گا کہ اخوۃ امر اضافی ہے تقدم و تاخر زمانہ کے اعتبار سے، اگر فرق ہے تو بڑے چھوٹے کا یعنی حضرت ﷺ بڑے بھائی ہوئے اور ہم چھوٹے بھائی (نعوذ باللہ من ذالک)۔ ایسے شخص کو اس حدیث شریف سے اسی قدر حصہ ملا کہ سر میں ہمسری سمائی اور یہ خیال بڑھتا چلا یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اِنْ كُنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ تک پہنچا دیا۔ اب یہ شخص اس ذہن میں ہوگا کہ جہاں خود پہنچا ہے اوروں کو بھی وہیں پہنچا دے۔ شاید اسکے خیال میں یہ کبھی نہ آیا ہوگا کہ ہم کہاں اور شان رحمۃ للعالمین و سید المرسلین کہاں؟ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ اکثر اکابر و سلاطین خادموں اور غلاموں کو بھائی کہہ دیا کرتے ہیں بلکہ خود احادیث میں وارد ہے کہ تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں۔ اگر بادشاہ کہنے سے یا اس حدیث سے خدام اور غلام اپنے آقا کو بھائی کہنے لگیں تو ظاہر ہے کہ نہایت بے ادب و احمق سمجھے جائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باوجود اس قرابت کے جو اظہر من الشمس ہے اپنے کو حضور ﷺ کی غلامی کے ساتھ منسوب کیا۔ چنانچہ مستدرک میں حاکم نے روایت کیا ہے **عن سعید بن المسیّب قال لما ولی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ خاطب الناس علی منبر رسول اللّٰہ ﷺ فحمد اللّٰہ واثنی علیه ثم قال ایها الناس انی قد علمت انکم تونسون منی شدة وغلظة و ذٰلک انی کنت مع رسول اللّٰہ ﷺ فکنت عبده وخادمه و کان کما قال اللّٰہ تعالٰی بالمؤمنین رحیما فکنت بین یدیه کالسیف المسلول الا ان یغمدنی اوینها فی عن امر فاکف والا اقدمت علی الناس لمکان لنیته هذا حدیث صحیح الاسناد**۔ ترجمہ: روایت ہے سعید بن مسیّب

رضی اللہ عنہ سے کہ جب سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مسند نشین خلافت ہوئے رسول اللہ ﷺ کے منبر پر خطبہ پڑھا کہ آپ لوگ جو لوگ مجھ میں شدت اور سختی دیکھتے ہو، اس کا سبب یہ ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کا غلام اور خادم تھا چونکہ حضرت ﷺ رحیم تھے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا** اور لوگ حضرت ﷺ کی نرمی کی وجہ سے جرأت کرتے تھے اس سبب سے میں حضرت ﷺ کے روبرو مثل شمشیر برہنہ کے رہتا، اگر میان کرتے اور منع فرمادیتے تو باز رہتا تھا، ورنہ پیش قدمی کرتا۔ کہا حاکم نے کہ حدیث صحیح ہے۔

اگر کسی قرابت کا اطلاق آنحضرت ﷺ پر درست ہوتا تو البتہ والد اور پدر بزرگوار کہنے کے لئے ایک وجہ تھی، کیونکہ ازواج مطہرات کو حق تعالیٰ نے امہات المومنین فرمایا ہے، **كَمَا قَالَ اللّٰهُ تعالىٰ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ** اس صورت میں حضرت ﷺ سب کے والد ٹھہرے، جس کی وجہ سے یہ شرافت ازواج مطہرات کو حاصل ہوئی، باوجود اس کے کہ حق تعالیٰ نے اس قرابت کی بھی نفی فرمادی۔ **كَمَا قَالَ اللّٰهُ تعالىٰ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا**۔ ترجمہ: نہیں ہیں محمد ﷺ باپ کسی کے تمہارے مردوں میں لیکن رسول ہیں اللہ تعالیٰ کے اور ختم کرنے والے ہیں تمام نبیوں کے۔

دیکھئے باوجود قرینہ قطعیہ کے حضور ﷺ کا والد ہونا ناگوار ہے تو اخوۃ کی تساوی کیونکر گوارا ہوگی۔ ارباب بصیرت سمجھتے ہوں گے کہ **وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا** میں حضور ﷺ کے علو شان کی طرف کیسا لطیف اشارہ ہے اس وجہ سے **لٰكِنْ** جو استدراک کے لئے آتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوۃ کی نفی میں کسی قسم کا توہم پیدا ہوتا تھا جو اس سے دور کیا گیا اور یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت محمد ﷺ کسی مرد کے باپ نہ تھے یہاں توہم کا کوئی محل نہیں رہا۔ کسی متبنیٰ کے باپ ہونا تو اس میں بھی کوئی توہم نہیں ہوسکتا کیونکہ متبنیٰ لینے والے کو

بھی عرف میں باپ کہا کرتے تھے پھر جب صراحۃً اس کی نفی ہوگئی تو معلوم ہوگیا کہ یہ اطلاق شریعت میں درست نہیں۔ اس میں توہم کو کیا دخل جو ولٰکِنْ رَسُوْلَ اللّٰہِ سے دفع کیا جارہا ہے اور ان صفات کی تصریح سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ توہم حضرت ﷺ کے منصب رسالت سے متعلق ہے تا ابوۃ و رسالت میں مناسبت ہو ورنہ اس کی یہ مثال ہوگی ماکان زیدٌ ابا عمرو ولٰکنہ کاتبٌ بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہر شخص کے نزدیک اپنے باپ کی وہ وقعت ہوا کرتی ہے کہ عالی سے عالی اسی کا مرتبہ سمجھا کرتا ہے اس سبب سے یا ازواجہٗ امھاتھم وغیرہ اسباب سے صحابہ آنحضرت ﷺ کو بجائے والد سمجھتے ہوں گے جب حق تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت ﷺ کسی کے باپ نہیں تو اب ایک قسم کا توہم پیدا ہوا کہ پھر کیا سمجھنا چاہیے۔ ارشاد ہوا کہ لٰکِن اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں پھر یہاں یہ شبہ پیدا ہوا کہ مخلوقات میں باپ سے زیادہ اور کیا رتبہ ہوگا تو گویا اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے کہ باپ کا کس قدر رتبہ ہوتا اور رسول اللہ ﷺ کا کس قدر۔ مطلب یہ ہوا کہ ان دونوں مرتبوں میں کوئی نسبت نہیں۔ پہلے خیال کو چھوڑ دو اور حضرت ﷺ کو انہی مراتب کے ساتھ متصف سمجھو اور فرق مراتب کو اللہ تعالیٰ پر سونپ دو، وہی ہر چیز کو جانتا ہے تمہاری عقلیں ان امور میں نہیں پہنچ سکتیں۔

هذا ماظهر لی و اللّٰه اعلم بمراده

ادب رسول ﷺ:

حق تعالیٰ فرماتا ہے یَا ایھا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوْا انْظُرْنَا۔

ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے مت کہو رَاعِنَا اور کہو انْظُرْنَا۔ درّ منثور نے اس آیت کی تفسیر میں روایتیں نقل کی ہیں۔ (اصل کتاب میں اس مقام پر عربی عبارت بھی ہے طوالت کے خوف سے عربی عبارت حذف کر کے صرف اردو ترجمے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ ۱۲ مرتب) ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ

سے روایت ہے کہ بعض یہود جب حضرت ﷺ سے کلام کرتے تو اثنائے کلام میں لفظ راعنا کہا کرتے تھے جس کے معنی یہ ہیں کہ ہماری بات کی مراعات کیجئے اور سماعت فرمایئے۔ مسلمانوں نے سمجھا کہ شاید یہ کوئی عمدہ بات ہے اور اہل کتاب اس کو انبیاء کی تعظیم میں کہا کرتے ہیں اس لئے اس کا استعمال شروع کیا مگر اس وجہ سے کہ یہ کلمہ لغت یہود میں دشنام کے محل میں بھی مستعمل تھا حق تعالیٰ نے اس سے منع فرمادیا، پھر تو مسلمانوں نے یہ حکم دے دیا کہ جس سے یہ کلمہ سنو اس کی گردن مارو۔ اس کے بعد کسی یہودی نے یہ کلمہ نہ کہا۔

حاصل یہ کہ ہر چند صحابہ اس لفظ کو نیک نیتی سے تعظیم کے محل میں استعمال کیا کرتے تھے مگر چونکہ دوسری زبان میں گالی تھی، حق تعالیٰ نے اس کے استعمال سے منع فرمادیا۔ اب یہاں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس لفظ میں کنایۃً بھی توہین مراد نہ تھی بلکہ صرف دوسری زبان کے لحاظ سے، اس کا استعمال ناجائز ٹھہرا تو وہ الفاظِ ناشائستہ جس میں صراحۃً کسر شان ہو کیونکر جائز ہوں گے۔ اگر کوئی کہے کہ مقصود ممانعت سے یہ تھا کہ یہود اس لفظ کو استعمال نہ کریں، تو ہم کہیں گے کہ یہ بھی ہوسکتا ہے مگر اس میں شک نہیں کہ نہی صراحۃً خاص مومنین کو ہوئی، جن کے نزدیک یہ لفظ محض تعظیم میں مستعمل تھا جس میں نہ یہود کا ذکر ہے، نہ ان کی لغت کا۔ اگر صرف یہی مقصود ہوتا تو مثل اوران کی شرارتوں کے اس کا ذکر بھی یہیں ہو جاتا۔ صرف مومنین کو مخاطب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے الفاظ نیک نیتی سے بھی استعمال کرنا درست نہیں۔ پھر سزا اس کی یہ ٹھہرائی گئی کہ جو شخص یہ لفظ کہے خواہ کافر ہو یا مسلمان، اس کی گردن ماردی جائے بالفرض اگر کوئی مسلمان بھی یہ لفظ کہتا تو اس وجہ سے کہ وہ حکم عام تھا بیشک مارا جاتا اور کوئی یہ نہ پوچھتا کہ تم نے اس سے کیا مراد لی تھی۔ اب غور کرنا چاہیے کہ جو الفاظ خاص توہین کے محل میں مستعمل ہوتے ہیں آنحضرت ﷺ کی نسبت استعمال کرنا خواہ صراحۃً ہو یا کنایۃً، کس درجہ قبیح ہوگا۔ اگر صحابہ کے روبرو جن کے نزدیک

راعنا کہنے والا مستوجب قتل تھا کوئی اس قسم کے الفاظ کہتا تو کیا اس کے قتل میں کچھ تأمل ہوتا یا یہ تاویلات بار دہ مفید ہو سکتیں؟ ہرگز نہیں۔ مگر اب کیا ہو سکتا ہے سوائے اس کے کہ اس زمانے کو یاد کر کے اپنی بے بسی پر رویا کریں۔ اب وہ پرانے خیالات والے پختہ کار کہاں، جن کی حمیت نے اسلام کے جھنڈے مشرق و مغرب میں نصب کر دیے تھے، ان خیالات کے جھلملاتے ہوئے چراغ کو آخری زمانے کی ہوا دیکھ نہ سکی۔ غرض میدان خالی پا کر جس کا جی چاہتا ہے کمال جرأت کے ساتھ کہہ دیتا ہے۔ پھر اس دلیری کو دیکھئے کہ وہ گستاخیاں اور بے ادبیاں جو قابل سزا تھیں انہی پر ایمان کی بنا قائم کی جا رہی ہے۔ جب ایمان یہ ہو تو بے ایمانی کا مضمون سمجھنے میں البتہ غور و تأمل درکار ہے۔

حضور ﷺ کے نام پر انگوٹھے چومنا:

نام مبارک کی برکت کو دیکھئے۔ (اصل کتاب میں اس مقام پر عربی عبارت بھی ہے طوالت کے خوف سے عربی عبارت حذف کر کے صرف اردو ترجمے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ ۱۲ مرتب) ترجمہ: وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص نہایت گنہگار تھا، جس نے سو برس تک حق تعالیٰ کی نافرمانی کی، جب اس کا انتقال ہوا تو اس کو لوگوں نے مزبلہ میں پھینک دیا، جہاں نجاست ڈالی جاتی تھی، ساتھ ہی موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ اس شخص کو وہاں سے نکال لاؤ اور اس پر نماز پڑھو۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا، اے رب بنی اسرئیل گواہی دیتے ہیں کہ وہ شخص سو برس تیری نافرمانی کرتا رہا، ارشاد ہوا۔ یہ سچ ہے لیکن اس کی عادت تھی کہ جب توراۃ کو کھولتا اور محمد ﷺ کے نام کو دیکھتا تو بوسہ دے کر اس کو آنکھوں پر رکھ لیا کرتا تھا، اس لئے میں نے اس کی شکر گزاری کی اور اس کو بخش دیا، اور ستر حوریں اس کے نکاح میں دیں۔ انتہی

اب یہاں کس کس چیز کا بیان کیا جائے اگر ان بزرگوار کی بے باکی کو دیکھئے تو موسیٰ علیہ السلام کے سے نبی کے وقت میں عمر بھر نافرمانی کر کے ایمان سلامت لے جانا بغیر

کسی تائید باطنی کے ایک امر خطرناک ہے اور اگر خوش اعتقادی کو سوچئے تو باوجود اس ظاہری بے گانگی اور معاصی کے کبھی یہ خیال نہ آیا کہ ایسے عملوں کے ساتھ اس قسم کے ادب سے کیا ہوگا اور سابقہ ازلی کی طرف نظر بڑھائی جائے تو کیسا مقبول ذریعہ قائم کیا گیا کہ سو برس کے گناہ ایک طرف رکھے رہے اور اس سے وہ کام نکالا گیا کہ تمام عمر کی جانفشانی سے نکلنا دشوار ہو۔ اگر اس ادب کی وقعت کا خیال کیا جائے تو حق تعالیٰ کو غضب میں لانے والا عمر بھر کے اعمال پر سبقت کر کے سب کو بخشوا لینا اسی کا کام تھا۔ غرض کہ جب ادب کا یہ رتبہ ہو کہ گزشتہ امت والوں کو اس خوبی کے ساتھ سرفراز کرادے تو ہم خاص غلاموں کو اس سے کس قدر توقع ہوگی۔ اس پر بھی اگر ہم نام مبارک کو دیکھ کر اور سن کر کبھی بوسہ نہ لیں تو اتنا ضرور چاہیے کہ حق تعالیٰ سے اس کی توفیق طلب کریں۔ اگر فضل الٰہی شامل حال ہو اور ہم لوگ حضرت ﷺ کا نام مبارک سن کر تقبیل کیا کریں تو اِنْ شَآءَ اللّٰہُ برکات دارین کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ چونکہ یہ مسئلہ اس زمانے میں مختلف فیہ ہو رہا ہے اس لئے کسی قدر اس میں بحث کی جاتی ہے، اِنْ شَآءَ اللّٰہُ امید ہے کہ اہل انصاف کو اس سے حظ وافر نصیب ہوگا۔

تفصیل روح البیان میں قہستانی کی شرح کبیر اور محیط اور قوت القلوب وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ جب مؤذن **اشهد انّ محمّدا رسول الله** کہے تو سننے والے کو مستحب ہے کہ **صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ** ﷺ کہے اور دوسرے بار میں انگوٹھوں کے ناخن آنکھوں پر رکھے اور **قرة عيني يا رسول الله** کہہ کر یہ دعا پڑھے **اللّٰهم متّعني بالسمع والبصر**۔ اور محیط میں لکھا ہے کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کا نام پاک مؤذن سے سن کر انگوٹھوں کے ناخن اپنی آنکھوں پر رکھے۔ اور مضمرات میں لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب جنت میں آنحضرت ﷺ کی ملاقات کے مشتاق ہوئے حق تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے جمال کو ان کے دونوں ابہام کے ناخنوں میں جلوہ گر فرمایا انہوں نے اس پر بوسہ دے کر اپنی آنکھوں پر ملا۔

بے ادبی کی ابتداء:

دین میں ادب کی نہایت ضرورت ہے اور جس کسی کی طبیعت میں گستاخی اور بے ادبی ہو، ضرور ہے کہ تدین میں اس کے کچھ نہ کچھ علت ہوگی۔ سبب اس کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کے مقابلے میں گستاخانہ انداز میں **انا خیر منہ** کہا اور ابدالآباد کیلئے مردود بارگاہ کبریائی ٹھہرا۔ اسی وقت سے آدمیوں کی عداوت اس کے دل میں جمی اور ان کی خرابی کے درپے ہوا۔ **کما قال ولاغوینھم اجمعین۔** اقسام کی تدابیر پر سوچیں مگر اس غرض کو پوری کرنے میں اس سے بہتر کونسی تدبیر ہوسکتی ہے جس کا تجربہ خود اسی کی ذات پر ہو چکا ہے یعنی دعویٰ انانیت اور ہمسری بزرگان دین۔ جب دیکھا کہ گستاخی اور بے ادبی کو مردود بنانے میں نہایت درجہ کا اثر اور کمال ہے اس لئے **ان انتم الاّ بشرٌ مثلنا** کی عام تعلیم شروع کردی۔ چنانچہ ہر زمانے کے کفار، انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں یہی کہا کرتے تھے۔ اب اس کلام کو دیکھئے تو اس میں بھی وہی بات ہے جو **انا خیرٌ منہ** میں تھی اور اگر کسی قدر فرق ہے تو وہ بھی بے موقع نہیں کیونکہ تابع ومتبوع کی ہمتوں میں اتنا فرق ضرور ہے جس پر تفاوت درجات ودرکات مرتب ہو۔ غرض کہ انبیاء علیہم السلام نے ہزار ہا معجزے دکھائے مگر کفار کے دلوں میں ان کی عظمت اس نے جمنے نہ دی۔ پھر جن لوگوں نے ان کی عظمت کو مان لیا اور مسلمان ہوئے ان سے کسی قدر اس کو مایوسی ہوئی، کیونکہ ان سے تو وہ بے باکی نہیں ہوسکتی تھی جو کفار سے ظہور میں آئی، یہاں اس فکر کی ضرورت ہوئی کہ وہ چیز دکھائی جائے جو دین میں بھی محمود ہو۔ آخر یہ سوچا کہ راست گوئی کے پردے میں یہ مطلب حاصل ہوسکتا ہے۔ پس یہاں سے دروازہ بے ادبی کا کھول دیا، اب کیسی ہی ناشائستہ بات کیوں نہ ہو، اس لباس میں آراستہ کرکے احمقوں کے فہم میں ڈال دیتا ہے اور کچھ ایسا بے وقوف بنا دیتا ہے کہ راست گوئی کی دھن میں نہ ان کو کسی بزرگ کی

حرمت وتوقیر کا خیال رہتا ہے نہ اپنے انجام کا اندیشہ۔ چنانچہ کسی بے وقوف نے خود آنحضرت ﷺ سے کہا آپ جو یہ مال بانٹتے ہیں اس میں عدل وانصاف کیجئے۔ چنانچہ بخاری شریف میں (اصل کتاب میں اس مقام پر عربی عبارت بھی ہے طوالت کے خوف سے عربی عبارت حذف کر کے صرف اردو ترجمے پر اکتفا کیا گیا ہے۔۱۲ مرتب) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے، کہ ایک بار ہم لوگ حضور ﷺ کے پاس حاضر تھے اور آپ ﷺ کچھ مال تقسیم فرمارہے تھے کہ ذوالخویصرہ آیا جو قبیلہ بنی تمیم سے تھا اور کہا یارسول اللہ ﷺ عدل کیجئے، حضور ﷺ نے فرمایا تیری خرابی ہو جب میں ہی عدل نہ کروں تو پھر کون کرے گا اور جب میں نے عدل نہ کیا تو تو محروم اور بے نصیب ہو گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ حکم دیجئے کہ اس کی گردن ماروں۔ فرمایا جانے دو اس کے رفقاء ایسے لوگ ہیں کہ ان کی نماز اور روزوں کے مقابلے میں تم لوگ اپنی نماز وروزوں کو حقیر سمجھو گے وہ قرآن پڑھیں گے لیکن ان کے گلے سے نیچے نہ اترے گا، وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے کہ باوجود یہ کہ اس جانور کے پیٹ کی آلائش وخون میں سے پار ہوتا ہے مگر نہ اس کے پیکان میں کچھ لگا ہوتا ہے، نہ اس کے بندن میں جس سے پیکان باندھا جاتا ہے، نہ لکڑی میں، نہ پر میں۔ نشانی ان کی یہ ہے کہ ان میں ایک شخص سیاہ فام ہوگا جس کی ایک بازو مثل عورت کی پستان کے یا مثل گوشت پارہ کے حرکت کرتی ہوگی وہ لوگ اس وقت نکلیں گے جب لوگوں میں تفرقہ ہوگا۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس حدیث کو میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے اور یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے ان لوگوں کو قتل کیا اور میں بھی سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ تھا۔ انہوں نے بعد فتح کے حکم کیا کہ اس شخص کی تلاش کی جائے جس کی خبر حضور ﷺ نے دی تھی۔ چنانچہ اس کی لاش لائی گئی دیکھا میں نے کہ جتنی نشانیاں اس کی حضور ﷺ نے کہی تھیں سب اس میں موجود تھیں۔ انتہی

الحاصل شیطان نے اس احمق کے ذہن میں یہی جمایا کہ عدل بیشک عمدہ شے ہے اگر صاف صاف حضور ﷺ سے اس بارہ میں کہہ دیا جائے تو کیا مضائقہ۔ اس بے وقوف نے یہ نہ خیال کیا کہ بات تو چھوٹی ہے، مگر بہ نسبت شان نبوی کتنی بڑی بے ادبی ہوگی اور انجام اس کا کیا ہوگا۔ چنانچہ اسی بے ادبی پر واجب القتل ہوگیا تھا مگر چونکہ آنحضرت ﷺ کو منظور تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ سے اپنے تمام مشربوں کے ساتھ مارا جائے اس لئے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی درخواست کے اس وقت اغماض فرمایا۔ چنانچہ اس حدیث سے ظاہر ہے۔ (اصل کتاب میں اس مقام پر عربی عبارت بھی ہے طوالت کے خوف سے عربی عبارت حذف کر کے صرف اردو ترجمے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ ۱۲ مرتب) نبیط ابن شریط سے روایت ہے کہ جب فارغ ہوئے علی رضی اللہ عنہ اہل نہروان کے قتل سے کہا کشتوں میں اس شخص کو تلاش کرو جب ہم نے خوب ڈھونڈا تو سب کے آخر میں ایک شخص سیاہ فام نکلا جس کے شانہ پر ایک گوشت پارہ مثل سر پستان کے تھا یہ دیکھتے ہی علی رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ اکبر قسم ہے خدا کی نہ مجھے جھوٹی خبر دی گئی، نہ میں اس کا مرتکب ہوا۔ ایک بار ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے اور حضرت ﷺ غنیمت کا مال تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور کہا اے محمد (ﷺ) عدل کیجئے کہ آج آپ نے عدل نہیں کیا۔ حضرت ﷺ نے فرمایا تیری ماں تجھ پر روئے جب میں عدل نہ کروں تو پھر کون عدل کرے گا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا اس کو قتل نہ کروں؟ فرمایا نہیں چھوڑ دو اس کو قتل کرنے والے کوئی اور شخص ہیں۔ علی رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر کہا صدق اللہ۔ انتہی

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ سب سے پہلے وہی شخص قتل کیا گیا اس لئے کہ اس کی لاش سب لاشوں کے نیچے تھی۔ اب دیکھئے کہ اس ایک گستاخی نے اس شخص کو کہاں پہنچا دیا اور وہ کثرت عبادات اور ریاضت اس کی کس کام پر آئی جس کی تصریح اس حدیث میں ہے۔ (اصل کتاب میں اس مقام پر عربی عبارت بھی ہے طوالت کے خوف سے عربی عبارت حذف کر کے صرف اردو

ترجے پر اکتفا کیا گیا ہے۔۱۲مرتب) ترجمہ: روایت ہے ابی برزہ رضی اللہ عنہ سے، کہیں سے دینار آنحضرت ﷺ کے پاس آگئے تھے، اس کو تقسیم فرمانا شروع کیا اور آپ ﷺ کے پاس ایک شخص سیاہ فام تھا، سر کے بال کترایا ہوا اور سفید کپڑے پہنا ہوا، جس کے دونوں آنکھوں کے بیچ میں اثر سجدے کا نمایاں تھا، چاہتا تھا کہ آنحضرت ﷺ کچھ عنایت فرمادیں مگر کچھ نہ دیا، روبرو آکر سوال کیا کہ کچھ عنایت نہ فرمایا داہنے طرف سے آکر سوال کیا جب بھی کچھ نہ ملا، بائیں طرف سے آکر مانگا کچھ نہ ملا، پیچھے سے آکر سوال کیا جب بھی کچھ نہ پایا۔ کہا اے محمد (ﷺ) آج آپ نے تقسیم میں عدل نہ کیا۔ حضرت محمد ﷺ اس بات پر بہت خفا ہوئے اور شدت غضب سے تین بار فرمایا خدا کی قسم مجھ سے زیادہ عدل کرنے والا تم کسی کو نہ پاؤ گے۔ پھر فرمایا یہ ان لوگوں سے ہے، جو تم پر مشرق کی طرف سے نکلیں گے وہ قرآن پڑھیں گے لیکن وہ ان کے گلوں سے نیچے نہ اترے گا اور وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسا کہ تیر شکار سے نکل جاتا ہے، پھر نہ لوٹیں گے دین کی طرف اور دست مبارک سینے پر رکھ کر فرمایا نشانی ان کی یہ ہے کہ سر کے بال منڈوایا کریں گے ہمیشہ وہ لوگ نکلتے رہیں گے یہاں تک کہ آخر دجال کے ساتھ ہوں گے۔ پھر تین بار فرمایا کہ جب تم ان کو دیکھو تو قتل کر ڈالو وہ لوگ تمام مخلوقات سے بد تر ہیں، یہ جملہ تین بار فرمایا۔ روایت کیا اس کو امام احمد، نسائی، ابن جریر طبرانی اور حاکم نے۔ انتہی

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ وہ شخص نہایت عابد تھا کہ کثرت صلوٰۃ سے پیشانی میں اس کی گھٹا پڑ گیا تھا۔ غرض کہ ان احادیث میں تامل کرنے کے بعد ہر شخص معلوم کر سکتا ہے کہ باوجود کثرت عبادت اور ریاضت شاقہ کے وہ شخص اور اس کے ہمخیال جو واجب القتل اور بدترین مخلوقات ٹھہرے وجہ اس کی سوائے بے ادبی اور گستاخ طبعی کے اور کوئی نہ نکلے گی۔

خوارج کی ابتداء:

اب اس قوم کا حال سنئے جس کی نسبت آنحضرت ﷺ نے اس بے ادب کے

اصحاب سے فرمایا ہے۔ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ کامل میں لکھا ہے کہ ابتداء اس گروہ یعنی خوارج کی یہ ہوئی کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں طرفین سے ہزار ہا صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین شہید ہوئے آخر یہ ٹھہرا کہ دونوں طرف سے دو شخص معتمد قرار پائیں جو موافق کتاب وسنت کے کوئی ایسی تدبیر نکالیں کہ لڑائی موقوف ہو اور باہمی جھگڑے مٹ جائیں، چنانچہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے ابو موسیٰ عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے اور طرفین سے عہد نامہ لکھا گیا، پھر اشعث بن قیس نے اس کاغذ کو لے کر ہر ہر قبیلے میں سنانا اور اس کا اشتہار دینا شروع کیا۔ جب قبیلہ بنی تمیم میں پہنچے عروہ بن اویہ تمیمی نے سن کر کہا کہ اللہ کے امر میں آدمیوں کو حکم بناتے ہیں، سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی حکم نہیں کر سکتا۔ یہ کہہ کر اشعث بن قیس کے سواری کے جانور کو تلوار ماری اور اس پر سخت جھگڑا ہوا، جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی فرمایا بات تو سچی ہے مگر مقصود اس سے باطل ہے۔ اگر وہ لوگ سکوت کریں تو ہم ان پر مصیبت ڈالیں گے اور اگر گفتگو کریں تو ان پر دلیل قائم کریں گے اور اگر مقابل ہوں تو ہم ان سے لڑیں گے۔ یہ سنتے ہی یزید بن عاصم محاربی اُٹھ کھڑا ہوا اور خطبہ پڑھا۔ جس کا ترجمہ یہ ہے حمد اللہ تعالیٰ کو سزاوار ہے جس سے ہم مستغنی نہیں ہو سکتے۔ یا اللہ پناہ مانگتے ہیں ہم تجھ سے کہ اپنے دین میں دناءت اور کم ہمتی کو عمل میں لائیں کیونکہ اس میں مداہنت ہے اللہ کے امر میں اور ذلت ہے جو اللہ تعالیٰ کے غصے کی طرف لے جاتی ہے، اے علی رضی اللہ عنہ کیا ڈراتے ہو تم ہم کو قتل سے، آگاہ رہو قسم ہے اللہ کی میں امید رکھتا ہوں کہ ماریں گے ہم تم کو تلواروں کی دھار سے تب تم جانو گے کہ ہم میں سے کون مستحق عذاب ہے۔ پھر اس کے بھائی نکلے اور خوارج کے ساتھ مل گئے اسی طرح روز بروز جمعیت ان کی بڑھتی چلی گئی۔ ایک روز سب عبداللہ بن وہب راسبی کے گھر میں جمع ہوئے

اور اس نے خطبہ پڑھا جس میں دنیا کی بے ثباتی اور خواہش دنیا کی خرابیاں اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ضرورت بیان کی، پھر کہا کہ اس شہر کے لوگ ظالم ہیں، ہمیں ضرور ہے کہ پہاڑوں یا دوسرے شہروں کی طرف نکل جائیں تا کہ ان گمراہ کرنے والی بدعتوں سے ہمارا انکار ثابت ہو جائے اس کے بعد حرقوص ابن زہیر کھڑا ہوا اور خطبہ پڑھا۔ کہ لوگو! متاع اس دنیا کی بہت تھوڑی ہے اور جدائی اس سے قریب ہے، کہیں زینت اور تازگی اس کی تمہیں اسی میں مقام کرنے پر آمادہ نہ کرے اور طلب حق انکار ظلم سے نہ پھیرے اور یہ آیت پڑھی **اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ** یعنی اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے۔ اس خطبے کے بعد حمزہ ابن سنان اسدی نے کہا اے قوم رائے وہی ہے جو تم نے سوچی مگر اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ایک شخص مقرر ہو جو متولی تمامی امور کا ہو سکے۔ سب نے زید بن حصین طائی پر اتفاق کیا، مگر اس نے امارت کو قبول نہ کیا، پھر حرقوص ابن زہیر پر سب کی رائے قرار پائی، اس نے بھی انکار کیا۔ اسی طرح حمزہ بن سنان اور شریح ابن اوفی عبسی نے بھی انکار کیا، پھر سب نے عبداللہ بن وہب کی طرف رجوع کیا، جب اس نے دیکھا کہ کوئی قبول ہی نہیں کرتا بجبوری قبول کیا، اور کہا خدا کی قسم مجھے اس امارت کے قبول کرنے میں مطلقاً کوئی خواہش دنیوی نہیں اور نہ موت سے خوف ہے کہ اس سے باز رہوں، غرض کہ میں نے صرف اللہ کے واسطے قبول کیا ہے۔ اگر اس میں مر جاؤں تو کچھ پروا نہیں۔ پھر سب شریح ابن اوفی عبسی کے گھر جمع ہوئے، اس مجلس میں ابن وہب نے کہا اب کوئی شہر ایسا دیکھنا چاہیے کہ ہم سب اسی میں جمع ہوں اور اللہ تعالیٰ کا حکم جاری کریں۔ کیونکہ اہل حق اب تمہی لوگ ہو۔ سب نے بالاتفاق نہروان کو پسند کیا اور روانہ ہو گئے پھر سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے ان کو نامہ لکھا جس کا ترجمہ یہ ہے۔ **بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم** طرف سے عبداللہ علی امیر المومنین کے زید بن حصین اور عبداللہ بن وہب اور ان

کے اتباع کو معلوم ہو کہ وہ دو حکم جن کے فیصلے پر ہم راضی ہوئے تھے انہوں نے کتاب اللہ کے خلاف کیا اور بغیر اللہ کی ہدایت کے اپنی خواہشوں کی پیروی کی، جب انہوں نے قرآن وسنت پر عمل نہیں کیا، اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ اور سب اہل ایمان ان سے بری ہو گئے۔ تم لوگ اس خط کو دیکھتے ہی ہماری طرف چلے آؤ تاکہ ہم اپنے اور تمہارے دشمن کی طرف نکلیں اور اب ہم اپنی پہلی اسی پہلی بات پر ہیں۔ انتہی

اس نامہ کے جواب میں انہوں نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو لکھا کہ اب تمہارا غضب خدا کے واسطے نہیں ہے اس میں نفسانیت شریک ہے اب بھی اگر اپنے کفر پر گواہی دیتے ہو اور نئے سرے سے توبہ کرتے ہو تو دیکھا جائے گا ورنہ ہم نے تم کو دور کر دیا کیونکہ اللہ تعالی خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا (نعوذ باللہ من ذلک) انتہی

فتنۂ وہابیہ:

وہابی بھی جن کا فتنہ مدتوں ملک عرب میں رہا غالباً یہ وہی فرقہ ہے جس کی طرف اس حدیث شریف میں اشارہ ہے۔ **عن ابنِ عمر** رضی اللہ عنہ **قال قال رسول اللہ** ﷺ **اللّٰھم بارک لنا فی شامِنا وفی یمننا قال قالوا وفی نجدنا فقال قال اللّٰھم بارک لنا فی شامِنا وفی یمننا قال قالوا وفی نجد نا قال قال ھنالک الزلازل والفتن وبھا یطلع قرن الشیطان** (رواہ البخاری) ترجمہ: روایت ہے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہ ایک بار آنحضرت ﷺ نے دعا کی کہ الٰہی ہمارے شام اور یمن میں برکت دیجیو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی اور ہمارے نجد میں مقصود یہ کہ نجد کو بھی حضرت ﷺ دعا میں شریک فرمالیں۔ پھر وہی دعا کی کہ الٰہی ہمارے شام اور یمن میں برکت دیجیو۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے نجد کے لئے عرض کی حضرت ﷺ نے فرمایا وہاں زلزلے اور فتنے ہیں اور وہاں شیطان کا سینگ نکلے گا۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے) انتہی

اس حدیث شریف سے بتصریح معلوم ہوا کہ نجد سے فتنے برپا ہوں گے اور اوپر کی حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ مشرق سے نکلیں گے اگرچہ شرق عام ہے کہ ہندوستان بھی مدینہ طیبہ کے شرق ہی میں واقع ہے مگر مدینہ طیبہ کے عام وخاص لوگ نجد ہی کو شرق اور وہابیوں کو شرقی کہا کرتے ہیں، جن کی اقامت ملک نجد میں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ان حدیثوں سے وہابیوں کا فتنہ مراد ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے ان کی علامتیں بیان فرمائیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ مشرق سے نکلیں گے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا، اور ایک یہ کہ بات نہایت ہی عمدہ کہیں گے جیسا کہ ارشاد ہے۔ (اصل کتاب میں اس مقام پر عربی عبارت بھی ہے طوالت کے خوف سے عربی عبارت حذف کر کے صرف اردو ترجمے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ ۱۲ مرتب) ترجمہ: روایت ہے ابن مسعود سے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ نکلیں گے آخر زمانہ میں بیوقوف لوگ۔ بات نہایت اچھے لوگوں کی سی کہیں گے اور قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا جو شخص اُن سے ملے چاہیے کہ اُن کو قتل کر ڈالے کیونکہ اُن کے قتل میں ثواب ہے۔ انتہی

ظاہر ہے کہ اُن کا دعویٰ یہی تھا کہ شرک و بدعت کو مٹاتے ہیں اور ایک علامت یہ ہے کہ وہ لوگ مسلمانوں کو قتل کریں گے چنانچہ اس حدیث شریف سے ظاہر ہے۔ (اصل کتاب میں اس مقام پر عربی عبارت بھی ہے طوالت کے خوف سے عربی عبارت حذف کر کے صرف اردو ترجمے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ ۱۲ مرتب) ترجمہ: روایت ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ نکلے گی ایک قوم میری امت سے کہ قرآن پڑھیں گے مگر اُن کے حلق سے نہ اترے گا، قتل کریں گے وہ اہل اسلام کو۔ خوشخبری ہے اس کو جس نے انہیں قتل کیا اور جس کو انہوں نے شہید کیا۔ جب کوئی شاخ ان کی نکلے گی حق تعالیٰ اس کو قطع کر دے گا۔ (روایت کیا اس کو امام احمد نے) انتہی

یہ بات ثابت ہے کہ ہزار ہا مسلمانوں کو اُن لوگوں نے قتل کر کے حرمین شریفین اور تمامی ملک عرب پر تسلط کر لیا تھا اب بے باکی کو ان کے دیکھئے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے وَمَنْ

يُرِدْ فِيهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ جو شخص مسجد حرام میں شرارت سے کجروی کرنا چاہے چکھائیں گے ہم اس کو عذاب دردناک۔

حافظ محی السنۃ بغوی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر معالم التنزیل میں اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کرتے ہیں **ان تقتل فيه من لايقتلك اوتظلم من لايظلمك** یعنی **الحاد بظلم** یہ ہے کہ قتل کرے تو اس شخص کو جو تجھ کو نہ مارے یا ظلم کرے تو اس پر جو تجھ پر ظلم نہ کرے۔ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے **لوان رجلاهم بخطية لم يكتب عليه مالم يعلمها ولوان رجلاهم بقتل رجل بمكة وهو بعدن اوببلاد اخراذاقه الله من عذاب اليم**۔ اگر کوئی کہیں گناہ کا قصد کرے تو جب تک اس کا وقوع نہ ہو گا گناہ لکھا نہ جائے گا۔ بخلاف اس کہ جو شخص مکہ میں رہتا ہو تو اس کے قتل کے قصد پر عذاب الیم چکھایا جائے گا، اگرچہ کہ قصد کرنے والا عدن میں ہو یا دوسرے شہر میں۔ اور مدینہ طیبہ کی نسبت ارشاد ہے۔ **عن عائشه رضی الله تعالیٰ عنها قالت سمعت سعداً قال سمعتُ النَّبِیَّ ﷺ یقولُ لا یکید اهل المدینة احد الا انماع الملح فی الماء۔** (رواہ البخاری) یعنی بخاری شریف میں روایت ہے سعد سے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو شخص مدینہ والوں کے ساتھ مکر و حیلہ کرے تو ایسا گلے گا جیسا نمک پانی میں پگھلتا ہے۔ ابن حجر رضی اللہ عنہ فتح الباری میں اس حدیث کے تحت میں مسلم کی روایت نقل کرتے ہیں کہ **قال رسول الله ﷺ لايريد احد اهل المدينة بسوء الا اذابه الله فی النار ذوب الرصاص اوذوب الملح فی الماء۔** یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو شخص مدینہ والوں کو برائی پہنچانے کا ارادہ کرے گا گلائے گا اس کو حق تعالیٰ دوزخ میں مثل سیسہ کے یا جیسے نمک پانی میں گھلتا ہے۔

جب مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں قتل اور برائی کے ارادہ پر یہ سزائیں ہوں تو

جنہوں نے وہاں قتل عام کیا اور وہ وہ اذیتیں پہنچائیں جس سے ہزارہا لوگ جلاوطن ہو گئے ان کا کیا حال ہوگا۔ اور ایک علامت اس قوم کی یہ کہ قرآن پڑھیں گے جیسا کہ کئی حدیثوں سے یہ بات معلوم ہو چکی۔ قرآن شریف پڑھنے کا اس قوم میں اس قدر اہتمام تھا کہ دلائل الخیرات کے صدہا نسخے جلا دیئے تا کہ اس کا وقت بھی تلاوت قرآن ہی میں صرف ہو جیسا کہ درر السنیہ میں مذکور ہے۔ ایک علامت یہ ہے کہ اس قوم میں جو کوئی داخل ہو اس کے پھرنے کی توقع نہیں۔ (اصل کتاب میں اس مقام پر عربی عبارت بھی ہے طوالت کے خوف سے عربی عبارت حذف کر کے صرف اردو ترجمے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ ۱۲ مرتب) جیسا کہ روایت ہے حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ آخر زمانہ میں ایک قوم نکلے گی وہ قرآن پڑھیں گے مگر وہ اُن کے حلق سے نہ اترے گا اسلام سے وہ ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے پھر نہ پھریں گے اسلام کی طرف۔ علامت ان کی یہ ہے کہ سر منڈایا کریں گے یہ قوم ہمیشہ خروج کرتی رہے گی یہاں تک کہ آخر دجّال کے ساتھ ہوں گے جب کبھی تم اُن سے ملو، ان کو قتل کر ڈالو کیونکہ وہ کل آدمیوں اور جانوروں سے بدتر ہیں۔ (روایت کیا اس کو ابن شیبہ اور امام احمد نسائی طبرانی اور حاکم نے)

اس میں شک نہیں کہ کوئی باطنی نکبت اس فرقہ میں ضرور ہے جس کی وجہ سے مخبر صادق ﷺ نے فرمایا کہ پھر وہ دین میں نہ آئیں گے مگر بظاہر ایک وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ حمایت توحید اور دفع شرک و بدعت کے غرور میں محبوبان بارگاہ الٰہی کی نہ صرف توہین کرتے ہیں بلکہ مثل اصول دین کے تعلیم و تعلم میں اس کو داخل کرتے ہیں جس کی وجہ سے غیرت الٰہی ان کو تباہ کر دیتی ہے۔ اور ایک علامت یہ کہ بنی تمیم سے ہونا جیسا کہ درر السنیہ میں کتاب جلاء الظلام سے نقل کیا ہے، کہ ظن غالب ہے کہ محمد ابن عبدالوہاب ذوالخویصرہ تمیمی کی اولاد سے ہوگا جس کی خبر آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں دی ہے۔ (اصل کتاب

میں اس مقام پر عربی عبارت بھی ہے طوالت کے خوف سے عربی عبارت حذف کر کے صرف اردو ترجمے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

(مرتب) روایت ہے حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے فرمایا نبی ﷺ نے کہ اس شخص کے خاندان یا نسل میں ایک قوم ہوگی کہ وہ قرآن پڑھیں گے مگر ان کے حلق سے نہ اترے گا دین سے وہ ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے وہ مسلمانوں کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے اگر میں ان کو پاتا تو قتل کرتا مثل قوم عاد۔ (روایت کیا اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے)

اس حدیث شریف سے ثابت ہے کہ ذوالخویصرہ قبیلہ بنی تمیم سے تھا اور ابن عبدالوہاب بھی تمیمی ہے۔ تعجب نہیں کہ اس کی نسل سے ہو اور اگر نہ بھی ہو تو ہم خاندان ہونے میں شک نہیں اور ایک علامت یہ ہے کہ سر کے بال منڈوایا کریں گے جیسا کہ کئی حدیثوں سے ابھی معلوم ہو چکا۔

پھر قول عبدالرحمٰن اہدل مفتی زبید کا نقل کیا کہ ابن عبدالوہاب کے رد میں کوئی کتاب لکھنے کی ضرورت نہیں صرف یہ نشانی کافی ہے جس کی خبر مخبر صادق ﷺ نے دی ہے کہ "سر منڈوایا کریں گے"۔ کیونکہ اس شخص نے جیسا سر منڈوانے میں اہتمام کیا تھا کسی فرقہ میں نہ ہوا اس نے دستور ٹھہرا دیا تھا کہ جو شخص اپنی ملت میں داخل ہو اس کو سر منڈوانا ضرور ہے یہاں تک کہ عورتوں میں بھی یہ حکم جاری کر دیا تھا۔ ایک روز کسی عورت نو گرفتار سے بحسب عادات سر منڈوانے کو کہا اس نے جواب دیا کہ عورتوں کے سر کے بال اور مردوں کی داڑھیاں برابر ہیں اگر مردوں کو داڑھیاں منڈوائی جائیں تو عورتوں کے سر کے بال منڈوانا بجا ہوگا یہ سن کر مبہوت ہو گیا اور کچھ جواب نہ دے سکا۔

الحاصل علامات مذکورہ بالا سے ثابت ہے کہ مخبر صادق ﷺ فرقہ وہابیہ کے نکلنے کی خبر دے چکے ہیں اور جو علامتیں بیان فرمائیں سب اس میں پائی گئیں۔ الدرر السنیہ

میں کئی اور حدیثیں نقل کی گئی ہیں جن میں علامتیں اس گروہ کی مذکور ہیں اور وہ سب علامتیں ان میں پائی گئیں۔ احادیث مذکورہ سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ فرقہ خوارج کی وہ ایک شاخ ہے مگر اس وجہ سے کہ نئے طور پر اس کا خروج ہوا اس لئے اس کا نام جداگانہ قرار پایا اور اس کے بانی کی طرف منسوب کیا گیا اسی وجہ سے یہ لوگ محمدی کہلاتے ہیں مگر محتاط علماء نے جب دیکھا کہ عوام الناس ان کو ضرور گالیاں دیں گے اور اس میں توہین لفظ نام مبارک ہوگی اس لئے محمد ابن عبدالوہاب کے نام سے جزو دوم کی طرف منسوب کر کے باختصار لفظ وہابی مقرر کیا۔ غرض وہابی اور محمدی کے یہاں ایک معنی ہیں۔

محمد ابن عبدالوہاب کا مجملاً حال یہ ہے کہ ۱۱۱۱ھ میں وہ پیدا ہوا اور بعد کسی قدر تحصیل علم کے سن ۱۱۴۳ھ میں اپنے خیالات فاسد کو رواج دینے کے واسطے خطہ نجد میں گیا پہلے صرف اسی بات پر زور دیا کہ اس زمانہ میں شرک ہر طرف پھیل گیا ہے اور اسلام کی حالت روز بروز گھٹتی جارہی ہے اس وقت ہر مسلمان پر واجب ہے کہ توحید کو رواج دینے اور شرک کو مٹانے کی فکر کرے چونکہ یہ دعویٰ قابل تسلیم تھا لوگ اس کے دام میں پھنسنے لگے۔ چنانچہ ۱۱۵۰ھ میں اس کی شہرت ہوئی اور ''درعیہ'' اس کے اطراف و جوانب کے لوگ اس کے تابع ہوگئے اور روز بروز ترقی ہونے لگی جب کسی قدر مجمع ہوگیا جہاد پر آمادہ ہوا اور اپنے ہواخواہوں کو جمع کر کے لیکچر دیا کہ سوائے اس خطہ کے اس وقت کل روئے زمین پر شرک پھیلا ہوا ہے اور سوائے تم چند شخصوں کے جتنے لوگ آسمان کے تلے ہیں سب مشرک ہیں اب ہم کو ضرور ہے کہ جہاد کر کے مشرکوں کو قتل کریں تمہیں یاد رہے جو کوئی مشرک کو قتل کرتا ہے اس کے لئے جنت ہے پھر سب سے بیعت لے کر جہاد کا حکم دیا۔ یہ فتنہ ایک مدت تک رہا اس قوم نے ہزارہا مسلمانوں کو شہید اور جلاوطن کر دیا اور حرمین شریفین پر قبضہ کر کے

کئی سال بالاستقلال حکمرانی کی آخر ۱۲۲۷ھ میں بحکم سلطان محمود، حرمین وغیرہ سے نکالے گئے مادہ تاریخ ان کے اخراج کا ''**قطع دابر الخوارج** (۱۲۲۷ھ)'' ہے اس فتنہ کی کسی قدر تفصیل اور حال اُن مصیبتوں کا جو اہل حرمین شریفین پر گزریں شیخ دحلان مکی نے الدرر السنیہ میں لکھا ہے۔ اس فرقہ کو بھی مثل خوارج کے عمل مین نہایت اہتمام تھا یہاں تک کہ تارک فرض کو کافر حلال الدم سمجھتے اور توحید میں ان کو اس قدر غلو تھا کہ یا رسول اللہ کہنے والے اور بزرگوں سے مدد مانگنے والے کو کافر سمجھتے۔ ابن عبدالوہاب ہر جمعہ کے خطبہ میں کہا کرتا کہ جو شخص نبی ﷺ کا توسل کرے وہ کافر ہے اور زیارت قبور نا جائز سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ایک قافلہ ''احسا'' سے مدینہ طیبہ کو آنحضرت ﷺ کی زیارت کے لئے گیا تھا واپسی کے وقت جب ''درعیہ'' پہنچا جہاں وہ تھا اس نے ان کی یہ سزا ٹھہرائی کہ داڑھیاں سب کی منڈوائی جائیں اور گدھوں پر اس رسوائی کے ساتھ سوار کئے جائیں کہ دم کی طرف منہ ہو اور یہی حالت ''احسا'' تک رہے جہاں ان کا گھر ہے تاتشہیر ہو جائے کہ جو شخص آنحضرت ﷺ کی زیارت کو جائے اس کی یہ سزا ہے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ بدعت سے ان لوگوں کو اس قدر احتراز تھا کہ صد ہا دلائل الخیرات اور دوسرے علوم کی کتابیں جلا دی گئیں اس میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ نابینا اذان کے بعد منارہ پر باآواز بلند درود شریف پڑھا کرتے تھے ابن عبدالوہاب نے اس کو منع کیا جب انہوں نے نہ مانا، قتل کر ڈالا۔ اور کہا کسی عورت کے گھر سے رباب کی آواز درود کی آواز سے بہتر ہے جو مناروں پر پڑھا جائے اور مولود شریف کسی کو پڑھنے نہ دیتا، صرف ونحو وفقہ وغیرہ علوم کے مطالعہ سے منع کرتا اس کا قول تھا کہ اصل شریعت ایک تھی ان لوگوں کو کیا ہوا جو اس میں چار مذہب کر دیئے، کبھی کہتا کہ قول ائمہ اربعہ بالکل قابل اعتبار نہیں اور کبھی کہتا وہ تو حق پر تھے مگر اُن کے اتباع کتابیں تصنیف

کرکے خود گمراہ ہوئے اور لوگوں کو گمراہ کیا۔ شیخ سلیمان بن سحیم حنبلی نے جو معاصر ابن عبدالوہاب کے ہیں ایک استفتاء کیا جس کا جواب علامہ احمد بن علی قتیانی نے دیا ہے۔ استفتاء میں لکھا ہے کہ ابن عبدالوہاب نے یہاں اقسام کی بدعتیں نکالیں اور لوگوں کو گمراہ کرنے پر کمر باندھی، منجملہ ان کے چند یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ پر ہر جمعہ کے دن اور رات میں درود پڑھنے سے منع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ایک ایسی بدعت ہے کہ اس سے آدمی دوزخی بن جاتا ہے۔ دلائل الخیرات اور روض الریاحین کے کئی نسخے اس نے جلا دیئے۔ اس کا قول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے نام پر سیدنا کہنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ کبھی جو قدرت ہوگی، قبہ شریف کو آنحضرت ﷺ کے ڈھادے گا، زید بن خطاب رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھ والے صحابہ کی قبروں کو کھدوا ڈالا، غرض کہ اس کی بے باکیاں اور گستاخیاں کوئی شمار وحساب نہیں رکھتے، اس سے بڑھ کر کیا ہو کہ خود آنحضرت ﷺ کی نسبت کمال بے ادبی کے الفاظ کہتا ہے اور سن کر چپ رہتا ہے، چنانچہ رسول کے معنی طارش کہتا ہے جو ان لوگوں کی زبان میں ہرکارہ کو کہتے تھے اور اس کی اتباع کہتے تھے کہ جو اس عصا سے کام نکلتا ہے وہ بھی ان سے نہیں نکلتا، اور وہ ایسی باتیں سن کر خوش ہوتا اور سوائے اس کے صدہا خرافات ان لوگوں کے زبان زد تھے، یہ فرقہ نجد میں اب تک موجود ہے۔ اہل انصاف غور کر سکتے ہیں کہ کون مسلمان ایسا ہوگا کہ ان اعتقادوں کو پسند کرے گا۔

اس کتاب پر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی اردو اور عربی دونوں زبانوں میں تقریظ موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

تقریظ
انوار احمدی کے سلسلے میں
حضرت شیخ المشائخ مولانا حاجی شاہ امداد اللہ چشتی حنفی مکی رحمۃ اللہ علیہ

بعد الحمد والصلوۃ۔ ان دنوں میں ایک عجیب وغریب کتاب لاجواب مسمّٰی ''بانوار احمدی'' مصنفہ حضرت علامہ زماں وفرید دوراں عالم باعمل وفاضل بے بدل جامع علوم ظاہری وباطنی عارف باللہ مولوی محمد انوار اللہ حنفی وچشتی سلمہ اللہ تعالی فقیر کی نظر سے گزری اور بلسان حق ترجمان مصنف علامہ کی اوّل سے آخر تک بغور سنی تو اس کتاب کے ہر ہر مسئلہ کی تحقیق محققانہ حقانی میں تائید ربانی پائی گئی کہ اس کا ایک ایک جملہ اور فقرہ امداد مذہب اور مشرب اہل حق کی کررہا ہے اور حق کی طرف بلاتا ہے۔

اللہ تعالی اس کے مصنف کے علم اور عمل اور عمر میں برکت دے اور نعماء عرفانی اور دولت قربت ربانی سے مشرف فرما کر مراتب عالیہ کو پہنچادے اور اس کتاب کو مقبول کرے تا کہ طالبان حق اس سے مستفید ہوتے رہیں۔

آمین یارب العالمین وصلّی اللّٰہ تعالٰی علٰی سیّدنا ومولانا محمد والہٖ واصحابہٖ اجمعین.

فقیر حقیر

امداد اللہ حنفی چشتی عفی اللہ عنہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد لله الذى هدانا بمصداق من اراد الله به خيرا يفقهه فى الدين والصلوٰة والسلام على من بشرنا بمقبوليته اتفاق العلمين وعلٰى اله واصحابه الطاهرين المطهرين والائمة المجتهدين المطاعين

اما بعد فيقول الفقير امداد الله الحنفى مذهبًا والچشتى مشربًا والتهانوى مثوا المكى موطنا جعله الله المدينة المنورة مدفنا رانى سمعت هذا الكتاب من اوله الٰى اخر بحث الادب ووجدته موافقًا للسنة السنية فسمّيته "بالانوار الاحمدية" وانما هذا مذهبى وعليه مدار مشربى يقبله المقبولين وجعله ذخيرة ليوم الدين آمين وبارک الله فى علم المصنف القمقام وشرفه بنعمه حسن الختام آمين بجاه طه ويٰسين

جاء بالنور فوقه نور — المصنف كاسمه انوار

ارجو ان تنفع دلائله — مطمئن القلوب بالاذكار

(حضرت مولانا) فقیر امداد اللہ چشتی

۱۲۷۸ھ

توہین نبی علیہ السلام کی سزا:

نبی ﷺ کی تعظیم وتوقیر میں حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا. لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا.** یعنی اے پیغمبر(ﷺ) ہم نے تم کو بھیجا احوال بتانے والے اور خوشی اور ڈر بتانے والے، تا کہ تم لوگ اے مسلمانو! یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور رسول کی تعظیم وتوقیر واجلال کرو اور صبح وشام اس کی پاکی بیان کرو۔

اگر **تُسَبِّحُوْهُ** کی ضمیر ذات خداتعالیٰ کی طرف راجع ہے تو ظاہر ہے کہ وہ تمام عیوب سے منزہ ہے اور اگر سیاق کلام اور انتشار ضمائر کے لحاظ سے نبی ﷺ کی طرف راجع ہو تو حضرت ﷺ کی تنزیہ وہی ہوگی جو حضرت ﷺ کی مناسب حال ہو، یعنی بے دین جو حضرت ﷺ پر الزام لگاتے ہیں کہ آپ بھی ہم جیسے ایک معمولی آدمی تھے، کوئی فضیلت آپ میں نہ تھی، یا ساحر تھے وغیرہ وغیرہ، ان سب نقائص سے آپ پاک ہیں۔ جب خدائے تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کی تعظیم وتوقیر کرنے کا ہمیں حکم دیا اور حضرت ﷺ نے تعلیم کی کہ عین نماز میں **ایھا النبی** کہہ کر اپنے دل میں مجھے پکارو اور خطاب کر کے **السّلام علیکَ** کہو، تو اب ہمیں کس کا خوف ہے۔ شعر

گر طمع خواہد زمن سلطانِ دیں　　　خاک بر فرقِ قناعت بعد ازیں

اگر خوف ہے تو ان لوگوں کو ہے جو نہ خدا کی مانیں اور نہ رسول کی۔ خدائے تعالیٰ نے تعظیم وتوقیر کرنے کو فرمایا جس سے مقصود آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر کرانی ہے، اس صورت میں آپ کی توہین خدائے تعالیٰ کی توہین ہوگی۔ دیکھئے خدائے تعالیٰ کو منظور تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم وتوقیر ہو تو فرشتوں کو حکم ہوا کہ ان کو سجدہ کریں، چونکہ یہ مقربین بارگاہ

تھے، فوراً بے چوں وچراں سب سجدے میں گر پڑے اور ابلیس گو پرانا عابد تھا، مگر جنگلی تھا، کہنے لگا کہ حضرت کہاں شانِ مسجودیت اور کجا آدم بے چارے۔ ابھی مٹی پانی میں پڑے لوٹ رہے تھے۔ بھلا یہ کیونکر ہو سکے کہ سجدہ جو خاص شانِ کبریائی کے شایاں ہے اور ان کو روبرو کیا جائے آخر اس توہین کا جو نتیجہ ہوا، ظاہر ہے۔ یہ تو ہر مسلمان جانتا ہے اور قرآن شریف سے بھی ثابت ہے کہ شیطان آدمی کا جانی دشمن ہے اور اس کو منظور ہے کہ کسی طرح آدمیوں کو دوزخی اور کافر بنا دے، یوں تو بہت سے طریقے گمراہ کرنے کے اسے یاد ہیں، مگر خاص طریقہ اس کو ایک ایسا معلوم ہے جس میں حتماً کامیابی ہو، کیونکہ اس کا ذاتی تجربہ ہے وہ مؤثر ثابت ہو گیا ہے، وہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کو جن حضرات کی تعظیم وتوقیر کرانا منظور ہے ان کی توہین کی جائے اور اس کا ذریعہ یہ کہ شرک کے مضامین میں موشگافیاں کر کے اس کا دائرہ ایسا وسیع کیا جائے کہ اس تعظیم وتوقیر میں شرک کی جہت قائم ہو جائے۔ یہ طریقہ اس نے ان لوگوں کے لئے خاص کر رکھا ہے جن کو عبادت اور فضیلت ذاتی پر گھمنڈ ہو۔ کیونکہ ان کی نظروں میں سوائے اللہ کے کسی کی عظمت نہیں ہوتی، کیسا ہی معزز شخص ہو ان کو حقیر دکھائی دیتا ہے۔ دیکھئے حضرت آدم علیہ السلام جیسے معزز شخصیت کو ابلیس نے حقیر سمجھا، اپنی عبادت وموحد ہونے پر گھمنڈ کیا اور ان کی تعظیم نہ کر کے ابدالآباد کے لئے ملعون ٹھہرا۔ بخلاف اس کے جو لوگ اپنے آپ کو گنہگار سمجھ کر اپنی بخشش کی فکر میں رہتے ہیں پہلے ان کی نظر مقبولانِ بارگاہِ الٰہی پر پڑتی ہے اور اپنے آپ کو اُن کے مقابلے میں ذلیل سمجھ کر صدقِ دل سے ان کی تعظیم وتوقیر اس خیال سے کرتے ہیں کہ شاید کبھی ان کی توجہ ہمارے حال پر مبذول ہو جائے اور بارگاہِ الٰہی میں ہماری طرف سے بطور شفاعت کچھ عرض کر دیں تو ان کی سفارش سے ہماری دینی اور دنیاوی مقاصد بآسانی حل ہو جائیں۔ کیونکہ صحیح حدیثوں سے یہ ثابت ہے کہ حق تعالیٰ ان کی دل شکنی نہیں چاہتا، وہ خدائے تعالیٰ کو ارحم الراحمین ضرور جانتے ہیں

مگر جہاں توجہ رحمت کے اور اسباب ہیں ایک یہ بھی سبب قوی ہے کہ مقبولان بارگاہ ان سے راضی ہوں اور یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آنحضرت ﷺ کے روبرو ایسے بیٹھتے تھے کہ کوئی غلام بھی اپنے آقا کے ساتھ ایسی عاجزی نہیں کرتا، اس کے چند نظائر ہم احادیث سے انوار احمدی میں ذکر کر چکے ہیں۔

عرس بزرگان دین:

شاید یہاں یہ اعتراض کیا جائے گا کہ اولیاء اللہ کی زیارت کو جا کر ان سے مرادیں مانگتے ہیں، یہ شرک ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اپنی حاجت روائیوں کے واسطے شفاعت طلب کرنا تو کسی طرح شرک نہیں ہوسکتا۔ اب رہا یہ کہ وہ سنتے ہیں یا نہیں۔ سو یہ مسئلہ دوسرا ہے اس کے دلائل کتب کلامیہ میں مذکور ہیں۔ اتنا تو قرآن شریف سے بھی ثابت ہے کہ خدا تعالیٰ ان کو لوگوں کی باتیں سنا سکتا ہے۔ **کما قال اللہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ** یعنی تم مُردوں کو نہیں سنا سکتے اور اللہ جس کو چاہتا ہے سناتا ہے۔ جب یہ ثابت ہے کہ حق تعالیٰ ان کو زائرین کی باتیں سناتا ہے جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے تو دور رہنے والوں کے دل کی باتیں بھی اُن کو سنا دے تو کیا تعجب ہے۔ پھر قطع نظر اس کے وہ سنیں یا نہ سنیں، جب حق تعالیٰ کو یہی منظور ہے کہ ان کو نیک نام کرے، جیسا کہ ابھی معلوم ہوا، تو جن امور میں لوگ ان سے شفاعت چاہتے ہیں خود ان کی حاجت روائیاں کردے تو کیا بعید ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باوجودیکہ صدہا سال گذر گئے ہیں مگر اولیاء اللہ کی قبروں پر میلے لگے رہتے ہیں، اگر لوگوں کی مرادیں ان کے طفیل میں حاصل نہ ہوتیں تو کس کو غرض تھی کہ مشقتیں اٹھا کر اُن کی زیارتوں کو جائے اور ہزاروں روپیہ ایصال ثواب کے لئے خرچ کرے۔ یہ فقط ان کی مقبولیت کا اثر ہے ورنہ صدہا سلاطین مر گئے اور اپنا نام باقی رکھنے کے لئے لاکھوں روپیوں کے گنبدوں میں مدفون ہوئے مگر کوئی اُن کو

پوچھتا بھی نہیں۔ صحیح حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب حق تعالیٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دیتا ہے۔ انتہی۔ چنانچہ اس کے یہی اسباب ہوتے ہیں کہ لوگوں کی مرادیں ان کے طفیل میں حاصل ہونے لگتی ہیں جب خدا تعالیٰ اپنے دوستوں کا حامی ہو تو اُن کی توہین کرنے اور مسلمانوں کو اُن کی تعظیم و توقیر کرنے سے مشرک بنانا کس قدر حق تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہوگا۔

قابل توجہ: افادۃ الافہام میں ہم لکھ آئے ہیں کہ ہر زمانے میں اس قسم کے لوگ (گمراہ، بے دین۔ مرتب غفرلہ) بہ کثرت ہوا کرتے ہیں، ان کے واقعات بھی لکھے گئے ہیں۔ جن سے ظاہر ہے کہ کیسی کیسی تدابیر سے انہوں نے مسلمانوں کو تباہ کیا، پچھلے زمانوں میں اتفاقاً کوئی شخص ایسا نکلتا تھا اب تو بقول شخصے ڈربہ کھل گیا ہے۔ ہر طرف سے یہی ہانک پکار ہے کہ آج یہ نکلا اور کل وہ نکلا۔

قابل توجہ یہ بات ہے کہ جس کا اثر پڑتا ہے ہمارے سنی حضرات ہی پر پڑتا ہے، قادیانی، نیچر وغیرہ نے عام دعوت کی اور کر رہے ہیں مگر نہ کوئی اہل یورپ نے ان کی بات مانی، نہ ہندوؤں نے، نہ اور کسی اسلامی فرقے نے۔ خدا ہماری جماعت کو سلامت رکھے، یہی حضرات سخی ہیں کہ ہر ایک کی مراد پوری کرتے ہیں اور وقتاً فوقتاً ان کے شریک حال ہو کر ان کا ایک گروہ بنا دیتے ہیں۔ عقل سے معذور ہوں تو ہوں بے تعصب اور منصف اس درجے کے کہ جس نے کچھ کہہ دیا اس کو کمال غور سے دیکھیں گے اور بے علمی اور کم عقلی سے جواب نہ سوجھے تو اسی کا نام انصاف رکھ دیں گے کہ وہ مان لیا جائے۔ ادھر جاہلوں کو شکار کرنے کے ہتھکنڈے ہاتھ لگ گئے ہیں، وہ ایسے دام بچھاتے ہیں کہ خواہ مخواہ ان میں پھنس جائیں، اگر علم ہو تو ان کی مکاریوں اور جعل سازیوں کا جواب دے سکیں۔ پھر عقل پر ناز ہے کہ ہم ہر چیز کو خوب سمجھ سکتے ہیں، اگر کچھ خرچ کر کے ایمان خریدا ہوتا ہے تو اس کے

کھو جانے کا کچھ غم ہوتا۔ وہ تو باپ دادا کی کمائی تھی، مال میراث کی طرح بے دریغ لٹا دینی کوئی مشکل بات نہیں، اگر ایک روپیہ کوئی دھوکہ دے کر لے جائے تو پھر عمر بھر یاد رکھیں مگر کوئی پھسلا کر ایمان لے جائے تو اس کی کچھ پرواہ نہیں۔

۳۔ مقاصد الاسلام (حصہ اول)

حضور ﷺ نور ہیں:

بشری الکرام فی عمل المولد والقیام مقاصد الاسلام میں فرماتے ہیں کہ مبداء کائنات سرور موجودات ﷺ فرماتے ہیں کہ **انا من نور اللّٰہ وکل شیٔ من نوری** یعنی میں اللہ کے نور سے بنا اور ہر چیز میرے نور سے پیدا ہوئی۔ وہی نور ہے جس کی طرف اس آیۂ شریفہ میں اشارہ ہے **اللّٰہ نور السمٰوات والارض مثل نورہٖ کمشکوۃ فیھا مصباح** اور ارشاد ہے **قد جاء کم من اللّٰہ نور** یہی مقدس نور ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں آیا ان کو مسجود ملائکہ بنایا، یہ وہ نور ہے کہ ساکنان ظلمت کدہ عدم کو اس کا قابل بنایا کہ انوار وجود کا اقتباس کر سکیں۔

حضور ﷺ سیّد الانبیاء ہیں:

آپ باعث ایجاد عالم و آدم ہیں جو کہ **لولاک لما خلقت الافلاک** اور **لولاک لما خلقت** سے ظاہر ہے، نبوت جو سلطنت خدائی میں اعلیٰ درجے کا منصب ہے اس کا سلسلہ آپ ﷺ ہی سے شروع ہوا جیسا کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں **کنت نبیًّا وادم بین الماء والطین** اور ایک روایت میں ہے کہ **کنت نبیًّا وادم بین الروح والجسد** یعنی میں اس وقت نبی تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام ہنوز پیدا نہیں ہوئے تھے۔ پھر انبیاء گویا آپ کے امتی بنائے گئے، کیونکہ آپ پر ایمان لانے کا صرف حکم ہی نہیں بلکہ

نہایت شدومد سے اقرار لیا گیا، کما قال اللّٰہ واذ اخذ اللّٰہ میثاق النّبیین لما اٰتیتکم من کتابٍ وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ قال ء اقررتم واخذتم علٰی ذٰلکم اصری قالوا اقررنا قال فاشھدوا و انا معکم من الشاھدین۔ یعنی جب لیا اللہ نے اقرار نبیوں کا کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا کتاب اور علم پھر آئے تمہارے پاس رسول (ﷺ) جو سچ بتادے اس کو جو تمہارے پاس ہے تو البتہ ایمان لاؤ اس پر اور البتہ مدد دینا اس کو فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور لیا تم نے اس پر بھاری عہد میرا، کہا انہوں نے اقرار کیا ہم نے۔ فرمایا تو اب شاہد رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ شاہد ہوں۔

اس سے ظاہراً تمام انبیاء علیہم السلام کا حضور ﷺ کے امتی ہونا معلوم ہوتا ہے، اسی وجہ کل انبیاء علیہم السلام قیامت میں حضور ﷺ کے جھنڈے کے نیچے رہیں گے اور شب معراج حضور ﷺ کی شان تمام انبیاء علیہم السلام کو بتلادی گئی، چنانچہ سب کے امام آپ ہی بنائے گئے اور سب نے آپ کی اقتدا کی، کل انبیاء علیہم السلام کا یہ حال ہو تو ان کی امتوں کے امتی ہونے میں کیا تامل۔ اسی وجہ سے فرماتے ہیں کہ بعثت الی النّاس کافۃً یعنی انسانوں کی طرف میں مبعوث ہوا ہوں، اور حق تعالیٰ فرماتا ہے وما ارسلناک الاّ کافۃ للنّاس بشیراً ونذیراً یعنی ہم نے آپ (ﷺ) کو سب انسانوں کے واسطے بھیجا، خوشی اور ڈر سنانے کو۔

حضور ﷺ کا مثل ممکن ہی نہیں:

حضور ﷺ کا نام مبارک محمد ﷺ علی مساہ تمام عالم ملکوت والسمٰوات میں لکھا ہوا ہے، مقصود اس سے ظاہر ہے کہ اہل ملکوت وغیرہم معلوم کرلیں کہ تمام عالم میں حضور ﷺ سے زیادہ کوئی اللہ کا محبوب نہیں، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے یہی خیال کرکے آنحضرت ﷺ کے نام کے وسیلہ سے مغفرت چاہی۔

اب یہ دیکھ لیجئے کہ یہ نام مبارک حضرت محمد ﷺ کے لئے کیوں تجویز فرمایا گیا،
بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو حمد نہایت محبوب اور مرغوب ہے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے
اسی وجہ سے قرآن شریف کی ابتدا **الحمد للہ ربِّ العلمین** سے ہے جس کے معنی یہ ہیں
کہ ہر طرح کی حمد خدا ہی کو سزاوار ہے جو تمام جہان کا پروردگار ہے۔ اور نماز جو تمام عبادتوں
میں اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے اس کی ابتداء بلکہ ہر رکعت کی ابتدا میں **الحمد** پڑھنے کا حکم
ہے اور اہل ایمان جب جنت میں جائیں گے حمد کرتے ہوئے جائیں گے۔ **کما قال اللہ
تعالیٰ واخر دعواھم ان الحمد للہ ربِّ العلمین** یعنی آخر پکارنا ان کا یہ ہے کہ
سب تعریف واسطے اللہ کے ہے جو پروردگار سارے جہان کا ہے۔

اب دیکھئے کہ تمام حمد جب اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں جن کا مطلب یہ ہوا کہ
سب حامد ہیں اور اللہ تعالیٰ محمود ہے تو اللہ تعالیٰ کے محمد (ﷺ) یعنی حمد کردہ شدہ ہونے میں
کیا تامل۔ باوجود اس کے یہ پیارا لقب حق تعالیٰ نے ازل سے حضرت محمد ﷺ کے لئے
خاص فرمایا اور ابتدائی تکوین عالم سے عالم ملکوت میں اس کی شہرت دی تاکہ اہل ملکوت پر یہ
منکشف ہو جائے کہ جس لفظ کے معنی کا مصداق جناب باری ہو وہ لفظ جن کے لئے تجویز
کیا گیا وہ ضرور ایسے ہوں گے کہ عالم میں ان کا نظیر نہ ہوگا۔ اس سے بکمال وضاحت یہ بات
ثابت ہوگئی کہ عالم میں حضرت ﷺ کا مثل نہیں ہوسکتا، کیونکہ اب ممکن نہیں کہ کوئی دوسرا شخص
ازل سے محمد ہوسکے۔ اور اس سے یہ بھی صاف طور پر معلوم ہوا کہ جتنی تعریف وتوصیف
آنحضرت ﷺ کی کی جائے وہ باعث خوشنودی الٰہی ہے کیونکہ اس لقب کے عطا کرنے سے
اور کیا مقصود ہوسکتا ہے۔ اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ اشعار نعتیہ سے خوش ہوتے تھے جس
کا منشا خوشنودیٔ الٰہی تھا۔ النجۃ السویہ میں لکھا ہے کہ حضرت ﷺ کی امت کا لقب کتب سابقہ
میں حمادین ہے۔ تعجب نہیں کہ اس لقب سے اس طرف بھی اشارہ ہو کہ اپنے نبی محمد ﷺ کی

حمد وہ کثرت سے کریں گے اگر چہ یہ کہ آپ ﷺ کے بہت سارے نام ہیں مگر چونکہ یہ پیارا نام حق تعالیٰ کو نہایت محبوب ہے اس لئے ایمان سے اس کو کمال درجے کا تعلق ہے۔ چنانچہ انجۃ السویہ میں لکھا ہے کہ کافر جب تک محمد رسول اللہ نہ کہے اس کا ایمان صحیح نہیں، اور بجائے اس کے احمد کہنا کافی نہیں ہوسکتا۔ اس میں سرّ یہی ہے کہ ایمان لانے ہی کے وقت آدمی سمجھ جائے کہ حضرت ﷺ قابل حمد وثناء ہیں اور حمد زبان ودل سے کیا کرے اور اسی میں بیہقی کی روایت نقل کی ہے کہ ایک جگہ محدثین کا مجمع تھا، یہ مسئلہ پیش ہوا کہ عرب کے اشعار میں کونسا شعر عمدہ ہے سب کا اتفاق سیّدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اس شعر پر ہوا۔

وشق له من اسمه ليجلّهٗ　　فذوا العرش محمود وهذا محمّد

(یعنی حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی جلالت شان بتلانے کے لئے ان کا نام

اپنے نام سے مشتق کیا، چنانچہ حق تعالیٰ محمود ہے اور ہمارے نبی کریم محمد ﷺ ہیں)

میلاد النبی ﷺ کی برکتیں:

جس رات آپ ﷺ پیدا ہوئے ملائکہ آپ کو خلیفۃ اللہ کہتے تھے۔ دیکھئے حق تعالیٰ نے ملائکہ سے حضرت آدم علیہ السلام کے باب میں فرمایا تھا **انّی جاعل فی الارض خلیفة** جس سے ظاہر ہے کہ ان کی خلافت صرف زمین سے متعلق تھی، لیکن فرشتے چونکہ افلاک وغیرہ میں دیکھتے تھے کہ حضور ﷺ کا نام مبارک حق تعالیٰ کے نام مقدس کے ساتھ ہر جگہ مکتوب ہے۔ اس لئے انہوں نے ان کو علی الاطلاق خلیفۃ اللہ کہہ دیا اور فی الارض کی قید جو حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت میں ملحوظ تھی، نہیں لگائی۔ فرشتوں کی اس گواہی سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کل ملکوت میں خلیفۃ اللہ ہیں۔ اسی وجہ سے تمام آسمانوں کے ملائک اس خلیفۃ اللہ کے سلام کے لئے روز میلاد حاضر ہوئے جن کا نزول اجلال تمام عالم کے حق میں رحمت تھا جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **وَمَا اَرسلناک الاَّ رَحمَةً للعٰلمین**۔ جب

آپ رحمت مجسم ہوکر اس عالم میں تشریف لائے تو کون ایسا شقی ہوگا کہ نزول رحمت سے خوش نہ ہو۔ روایت ہے کہ تمام عالم میں اس روز ہر طرف خوشی تھی مگر شیطان کو کمال درجہ کا غم تھا جس سے زار زار روتا تھا، جبرئیل علیہ السلام اس کی یہ حالت دیکھ کر نہ رہ سکے اور ایک ایسی ٹھوکر اس کو ماری کہ عدن میں جا پڑا۔ غرضیکہ جس طرح میلاد شریف کا غم کمال شقاوت کی دلیل ہے اس کی مسرت کمال سعادت کی دلیل ہوگی، جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہے جو کنز العمال وغیرہ میں مذکور ہے کہ ابولہب کو جب ثویبہ (ثویبہ ۱۲ مرتب) نے جو اس کی لونڈی تھی خبر دی کہ تمہارے بھائی عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے لڑکا پیدا ہوا، اس کو اس خبر فرحت اثر سے نہایت خوشی ہوئی اور اس بشارت کے صلہ میں اس کو آزاد کر دیا، ابولہب کے مرنے کے بعد کسی نے اس کو خواب میں دیکھا اور حال دریافت کیا تو اس نے معذب ہونے کا حال بیان کر کے کہا کہ ہر دوشنبہ کی رات اس خوشی کے صلہ میں جو محمد (ﷺ) کے پیدا ہونے میں ہوئی تھی مجھ سے عذاب کی تخفیف ہو جاتی ہے اور میری انگلیوں سے پانی نکلتا ہے جس کو چوسنے سے تسکین ہوتی ہے۔ دیکھئے جب ایسا ازلی شقی جس کی مذمت میں ایک کامل سورۃ تبت یدا ابی لھب نازل ہے میلاد شریف کی مسرت ظاہر کرنے کی وجہ سے ایک خاص قسم کی رحمت کا مستحق ہوا اور وہ بھی کہاں عین دوزخ میں، تو خیال کیا جائے کہ آپ ﷺ کی امتیوں کو اس اظہار مسرت کے صلہ میں کیسی کیسی سرفرازیاں ہوں گی۔ اسی مضمون کو حافظ شمس محمد بن ناصر الدین دمشقی رحمۃ اللہ علیہ نے نظم میں لکھا ہے۔

اذا کان ھذا کافراً جاء ذمه	وتب یداہ فی الجحیم مخلدا
اتی انه فی یوم الاثنین دائما	یخفف منه للسرور باحمدا
فماالظن بالعبد الذی کان عمرہ	باحمد مسروراً ومات موحدا

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر چند ولادت شریف ایک معین دوشنبہ کے روز ہوئی مگر اس کا اثر ہر دوشنبہ میں مستمر ہے اس لحاظ سے اگر ہر دوشنبہ اظہار مسرت کے لئے خاص کیا جائے تو بے موقع نہ ہوگا۔

کم سے کم سال میں ایک بار تو اظہار مسرت ہونا چاہیے اسی وجہ سے حرمین شریفین میں روز روز دوازدہم شریف نہایت اہتمام سے ہوتا ہے یہاں تک کہ اس روز اور عیدوں کی طرح خطبہ پڑھا جاتا ہے اور تمام مسلمان خوشیاں مناتے ہیں خصوصاً مدینہ طیبہ میں تو دور دور سے قافلے چلے آتے ہیں اور مراسم عید ادا کئے جاتے ہیں اور مکہ معظمہ میں ایک لطف خاص قابل دید یہ کہ ہر فرقے اور حرفے کے لوگ مسجد الحرام سے قبہ مولد النبی ﷺ میں جوق جوق ممتاز ہو کر جاتے ہیں اور وہاں مولود شریف پڑھ کر شیرینی وغیرہ تقسیم کرتے ہیں اور بمصداق **ما راہ المسلمون حسناً فھو عند اللّٰہ حسن** مورد تحسین ہوتے ہیں۔ شیخ نجم الدین غیطی رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ مولود شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت اور ابتدائے نبوت اور ہجرت اور مدینہ شریف میں داخل ہونا اور وفات شریف یہ سب امور دوشنبہ کے روز واقع ہوئے۔ آپ ﷺ کے معاملات میں یہ ایسا روز ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام کے حق میں جمعہ تھا ان کی پیدائش زمین پر اترنا، توبہ کا قبول ہونا اور وفات سب جمعہ کے دن ہوئے۔ اس وجہ سے ایک ساعت جمعہ میں ایسی ہے کہ جو دعا اس میں کی جائے قبول ہوتی ہے تو خیال کرو کہ سید المرسلین ﷺ کی ساعت ولادت میں اگر دعا قبول ہو تو کونسی تعجب کی بات ہوگی۔

علماء نے اختلاف کیا ہے کہ میلاد شریف کی رات افضل ہے یا شب قدر؟ جن حضرات نے میلاد شریف کی رات کو افضل کہا ہے ان کے دلائل یہ ہیں کہ **لیلۃ القدر** کی فضیلت اس وجہ سے ہے کہ ملائکہ اس میں اترتے ہیں جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے ارشاد فرمایا **لیلۃ القدر خیر من الف شھر تنزل الملائکۃ والروح فیھا**۔ اور شب میلاد میں سید الملائکہ والمرسلین ﷺ کا نزول اجلال عالم میں ہوا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ فضیلت شب قدر میں نہیں آسکتی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ شب قدر آنحضرت ﷺ کو دی گئی اور شب میلاد میں خود

آپ ﷺ کا ظہور ہوا، جس کی وجہ سے شب قدر کو فضیلت حاصل ہوئی اور ظاہر ہے کہ جو چیز ذات سے متعلق ہو بہ نسبت اس چیز کے جو عطا کی گئی افضل ہو گی۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ شب قدر کی فضیلت صرف آپ ﷺ کی امت سے متعلق ہے اوروں کو اس سے کوئی تعلق نہیں اور شب میلاد تمام موجودات کے حق میں نعمت ہے اس لئے کہ اس میں رحمۃ للعلمین کا ظہور ہے جو کل موجودات کے حق میں نعمت عظمیٰ ہے۔ یہ بات دوسری ہے کہ جس طرح ابولہب کے حق میں ہر دوشنبہ کی رات میں برکت مکرر ہوتی ہے۔ ہر دوشنبہ کی رات یا ہر تاریخ ولادت کی رات میں وہ فضیلت مکرر ہوتی ہے یا نہیں۔ مگر اس میں شک نہیں کہ نفس شب قدر سے شب میلاد افضل ہے۔

اب مولود شریف کے جواز اور استحباب کی دلیلیں سنیے۔ نجم الدین غیطی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ ہر سال مولود شریف معین روز میں کرنے کی اصل بخاری اور مسلم کی روایت سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ جب حضرت ﷺ مدینہ منورہ تشریف لے گئے دیکھا کہ یہود عاشورہ کے روز روزہ رکھا کرتے ہیں اس کی وجہ ان سے دریافت کی انہوں نے کہا کہ یہ روزہ وہ ہے کہ اس میں خدائے تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نجات دی اس لئے اس کے شکریہ میں عاشورہ کے روز ہم لوگ روزہ رکھا کرتے ہیں، آپ نے فرمایا **نحن احق بموسٰی منکم** یعنی تم سے زیادہ ہم اس کے مستحق ہیں۔ چنانچہ آپ نے بھی اس روز روزہ رکھا اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی اس کا حکم فرمایا اس سے ظاہر ہے کہ جب کوئی اعلیٰ درجے کی نعمت کسی معین روز میں حاصل ہوئی ہو اس کی ادائی شکر اس روز کے نظیروں میں کرنا مسنون ہے اور چونکہ کوئی نعمت رحمۃ للعلمین ﷺ کی ولادت باسعادت سے افضل نہیں ہو سکتی اس لئے بہتر ہے کہ اس شکریہ میں اقسام کی عبادتیں مثل صدقات اور اطعام وطعام وغیرہ روز میلاد شریف ادا کی جائیں۔

ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ سے پیشتر حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کے قریب قریب جواز مولود پر استدلال کیا ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ دوسری اصل مولود شریف یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خود بنفس نفیس اپنا عقیقہ ادا فرمایا باوجود یہ کہ روایات سے ثابت ہے کہ آپ کے جد امجد عبدالمطلب نے ساتویں روز آپ کا عقیقہ کیا تھا اور یہ بھی ثابت ہے کہ عقیقہ دوبارہ نہیں کیا جاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت محمد ﷺ کو اس اعادۂ عقیقہ سے یہ معلوم کرنا منظور تھا کہ اعلیٰ درجہ کی نعمت پر اگر اعادۂ شکر کیا جائے تو بہتر ہوگا۔ اس لئے میلاد شریف کے روز اظہار شکر میں کھانا کھلانا اور اظہار مسرت کرنا مستحب ہے۔

رسالہ **اتمام النعمة الكبرىٰ على العالم بمولد مصطفىٰ** ﷺ میں حافظ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ مولود شریف کی اصل خود آنحضرت ﷺ سے ماثور ہے۔ مولود کی فضیلت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اس میں ادغام شیطان اور سرور اہل ایمان ہے۔ انتہی۔ آپ نے دیکھ لیا کہ ان علماء کی تصریحات سے ظاہر ہے کہ جس سے اس کا مسنون اور مستحب ہونا ثابت ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے صوم عاشورہ سے استدلال کیا ہے، اس میں غور کیجئے کہ باوجودیکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کامیابی ایک معین عاشورہ میں ہوئی تھی۔ مگر تمام سال کے ایام میں صرف اسی روز کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اس نعمت کا شکریہ اسی روز مکرر ہر سال ادا کیا جائے۔ جس سے ثابت ہے کہ گو واقعہ مکرر نہیں مگر اس کی برکت کا اعادہ ضرور ہوتا ہے جس پر دلیل یہ ہے کہ ہر دوشنبہ میں ابولہب کے لئے اس کی برکت کا اعادہ ہوتا ہے۔

بعض علماء نے یہاں پر یہ کلام کیا ہے کہ صوم عاشورہ منسوخ ہو گیا ہے اس لئے اس کی فضیلت باقی نہیں رہی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رمضان شریف کے روزوں کی فرضیت

کے بعد اب کسی روزے کی فرضیت نہ رہی۔ اس سے صوم عاشورہ کی علت جو حضرت ﷺ کے پیش نظر تھی اس میں کوئی فرق نہیں آیا، اس لئے کہ اس کے منسوخ کرنے کے وقت حضرت ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ **نحن لسنا احق بموسٰی منکم** جس طرح روزہ رکھنے کے وقت **نحن احق بموسٰی منکم** فرمایا تھا اور نہ یہ فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ گزر کر ایک زمانہ ہوگیا ہر سال اس کا لحاظ رکھنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس میں اعادہ معدوم نظر آتا ہے پھر باوجود اس روزے کے منسوخ ہونے کے احادیث میں اس کے فضائل وارد ہیں، جس سے ثابت ہے کہ روزے کا حکم فرمانے کے وقت جو فضیلت ملحوظ تھی وہ اب بھی ملحوظ ہے اور یہ بات مسلّم ہے کہ فضائل منسوخ نہیں ہوسکتے۔ اس لئے شیخ الاسلام کے استدلال پر اس کے منسوخ ہونے کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا اور اگر تسلیم کرلیا جائے کہ اس روزے کی فضیلت بھی منسوخ ہوگئی تو بھی کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نجات کی بے حد خوشی اگر ہو تو ان لوگوں کو ہوگی جن کو ان کے امتی ہونے کا دعویٰ تھا یعنی یہود کو، ہمیں اس کی کیا ضرورت۔ اگر انبیائے سابق کے اس قسم کے واقعات کی خوشی ہم پر لازم ہو تو ہفتے کے تمام ایام انہی خوشیوں میں صرف ہوجائیں گے۔ آنحضرت ﷺ کو اس روزے سے صرف امت کو توجہ دلانا مقصود معلوم ہوتا ہے کہ جب ہم ایک نبی کی نجات پر شکریہ ادا کرتے ہیں تو تم کو ہماری ولادت کی بے حد خوشی کرنی چاہیے مگر طبع غیور کو صراحۃً یہ فرمانا گوارہ نہ تھا کہ ہمارے میلاد کے روز تم لوگ روزہ رکھا کرو بلکہ خود ہی اس شکریہ میں روز دوشنبہ ہمیشہ روزہ رکھا کرتے تھے اور اس کی وجہ اس وقت تک نہیں بتائی کہ کسی نے نہیں پوچھا۔ اس لئے کہ بغیر استفسار کے بیان کرنا بھی طبع غیور کے مناسب حال نہ تھا۔ یہ بات مسلم شریف کی اس روایت سے ظاہر ہے کہ جب حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ آپ دوشنبہ کا روزہ کیوں رکھا کرتے ہیں؟ فرمایا وہ میری ولادت کا روز ہے اور اس روز مجھ پر قرآن نازل ہوا۔ انتہی

اب غور کیجیے کہ جب خود بدولت ہمیشہ روز میلاد میں شکریہ کا روزہ رکھا کرتے تھے تو ہم لوگوں کو کس قدر اس شکریہ کی ضرورت ہے اس لئے کہ حضرت ﷺ کا وجود ہم لوگوں کے حق میں نعمت عظمٰی ہے اور اگر یہی لحاظ ہوتا کہ اپنی ولادت کا شکریہ ضرور تھا تو فرما دیتے کہ ہر شخص اپنی ولادت کے روز شکریہ کا روزہ رکھا کرے۔ حالانکہ کسی روایت میں یہ وارد نہیں ہوا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس میں عمومی نعمت کا لحاظ تھا اور اس سے صرف تعلیم امت مقصود تھی کہ اس نعمت عظمٰی کا شکریہ ہر ہفتے میں ادا کیا جائے۔ مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے طیبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ جس روز نبی ﷺ کا وجود اس عالم ہوا اور کتاب عنایت ہوئی تو روزہ کے لئے اس روز سے بہتر اور کونسا روز ہو سکتا ہے۔ غرض کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ میلاد مبارک کا شکریہ ہر ہفتے میں ادا کیا جائے پھر اگر سال میں بھی ایک بار اس نعمت عظمٰی کا شکریہ ادا نہ کیا جائے تو کس قدر بد نصیبی اور بے قدری ہے۔ غرض کہ تکرار زمانہ نے گو اعادہ معدوم نہیں مگر ابتدائی فضیلت اس میں ضرور ملحوظ ہوتی ہے۔ دیکھئے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جب مذبوح ہونے سے بچائے گئے جس کے سبب سے حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کو خوشی ہوئی ہر سال اس خوشی کا اعادہ ہوا کرتا ہے۔ اس سے بڑھ کر کیا ہو کہ اس دن عید ہوتی ہے اور اس واقعہ کے پیش نظر ہو جانے کے لئے جس قسم کے افعال و حرکات ان حضرات اور حضرت بی بی ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے صادر ہوئے اس قسم کے حرکات کے ہم لوگ حج میں مامور ہیں۔ چنانچہ حضرت سیدہ ہاجرہ رضی اللہ تعالی عنہا نے پانی کی تلاش میں صفا و مروہ میں سات چکر کئے تھے ہم کو بھی حکم ہے کہ اس وسیع میدان میں سات چکر کیا کریں، میلین اخضرین کے مقام میں وہ دوڑیں تھیں ہمیں بھی وہاں دوڑنے کا حکم ہے اس طرح اور بہت سے افعال ہیں جن سے وہ اصلی واقعہ پیش نظر ہو جاتا ہے۔ اب اگر مولود شریف کے وقت سید المرسلین ﷺ کی تشریف فرمائی مسلمانوں کے پیش نظر ہو اور تعظیم کے

لئے اُٹھ کھڑے ہوں تو ایسی کونسی بے موقع حرکت ہوگئی جس سے لعن طعن کیا جاتا ہے اور اقسام کے الزام لگائے جاتے ہیں۔

بخاری شریف کی کتاب الانبیاء میں روایت ہے جس کا ملخص یہ ہے کہ سفر غزوہ تبوک میں جبکہ آنحضرت ﷺ کا گزر مقام حجر پر ہوا تو آپ ﷺ کو بذریعہ وحی وہاں کے حالات پر اطلاع ہوئی اور فرمایا کہ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی فلاں کنویں کا پانی پیا کرتی تھیں قوم نے اس کو اس وجہ سے قتل کر ڈالا کہ وہ ایک روز میں سب پانی پی جاتی تھی، حضرت صالح علیہ السلام نے بہت منع کیا مگر انہوں نے نہ مانا اس پر عذاب نازل ہوا اور سب ہلاک کئے گئے اب تم لوگ اس کنویں پر اترو جو اونٹنی کے لئے خاص تھا اور دوسرے کنویں کے پانی سے احتراز کرو، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے عرض کیا کہ ہم نے تو اس کنویں کے پانی سے آٹا گوندھ لیا ہے، فرمایا خمیرہ اور بچا ہوا پانی سب پھینک دو اور اس کنویں کا پانی لو جو اونٹنی کے لئے خاص تھا، پھر فرمایا کہ اس قوم کی سکونت گاہ میں جب پہنچو تو روتے ہوئے وہاں سے جلد گزر جاؤ اور اگر رونا نہ آئے تو بتکلف روؤ، اس خوف سے کہ کہیں تم پر ان کا عذاب نہ ہو جائے۔ چنانچہ جب اس قوم کے مکانات پر پہنچے تو آنحضرت ﷺ نے چادر مبارک سے اپنا سر مبارک ڈھانپ لیا، اور اونٹنی کو دوڑا یا، یہاں تک کہ اس وادی سے نکل گئے۔ (یہ خلاصہ ان روایتوں کا ہے جو بخاری اور فتح الباری اور تفسیر ابن جریر وغیرہ میں مذکور ہے) اس طرح مسلم وغیرہ کی روایتوں سے ثابت ہے کہ حج میں وادی محسر جہاں اصحاب فیل ہلاک ہوئے تھے وہاں سے جلد گزر جانا مسنون ہے۔ اب غور کیجیے کہ حضور ﷺ پر اس مقام میں جو خوف طاری ہوا اور سب کو رونے کا حکم فرمایا اور آپ بھی نہایت تفع کی حالت میں چادر مبارک سے سر ڈھانکے ہوئے نہایت جلدی سے اس مکان سے نکل گئے کیا یہ خیال ہو سکتا ہے کہ ان برگزیدگان حق پر

اس وقت سچ مچ عذاب اتر تا، وہ بھی ایسی حالت میں کہ صرف خوشنودیٔ خدا اور رسول کی غرض سے راہ خدا میں جان دینے کو چلے جارہے ہیں اور تنہا ہی نہیں بلکہ خود نبی کریم ﷺ کے ہمرکاب تھے جن کی شان میں وارد ہے **ما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم** یعنی حق تعالیٰ ان لوگوں پر عذاب نہیں کرتا جن میں آپ ہیں، پھر حضرت ﷺ کو اس خوف سے کیا تعلق جو خود بھی جلدی سے وہاں سے گزر گئے، کیا ضعیف الایمان بھی اس موقع میں ناشائستہ خیال کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پھر یہ تمام آثار جو اصلی واقعہ کے وجود کے وقت مرتب ہونے کے لائق ہیں اس وقت کیوں ظہور میں آئے۔ کیا اس وقت اس قوم پر عذاب اتر رہا تھا جس کے دیکھنے سے یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر کوئی شخص بیباکانہ اس مقام میں چلا جائے تو اندیشہ ہے کہ مبتلائے عذاب ہو جائے، اس لئے کمال خضوع سے روتے ہوئے جانے کی ضرورت ہوئی، تاکہ حق تعالیٰ اس عذاب سے بچالے۔ اس سوال کا جواب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ صرف اصلی واقعہ اس وقت پیش نظر ہو گیا تھا جس پر آثار خوف مرتب ہوئے پھر یہ آنحضرت ﷺ نے اپنی رائے سے بھی نہیں فرمایا کہ اس ویران مقام میں کیونکر معلوم ہوا کہ اونٹنی کا کنواں کونسا اور قوم کے کنویں کونسے ہیں جس سے پانی پینے کی ممانعت ہوئی بلکہ یہ سب وحی سے معلوم ہونے کی باتیں ہیں۔ اس سے ثابت ہے کہ یہ سب تعلیم الٰہی تھی۔ اب فرمائیے کہ اس وقت جو صرف اصل واقعہ کے پیش نظر ہونے سے حکم تھا کہ خوف و خضوع ظاہر کریں اسی طرح میلاد شریف کے پیش نظر ہونے کے وقت آثار فرحت و تعظیم ظاہر کئے جائیں تو خدا اور رسول کی مرضی کے مخالف ہونے کی کیا وجہ۔ کیا یہ حدیث صحیح نہیں ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ **قوموا لسید کم** غرض کہ یہ ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا کہ میلاد شریف کے وقت جو قیام کیا جاتا ہے وہ شرک یا مکروہ ہے۔

ردِ قادیانیت

۱...... انوار الحق: (۱۳۲۲ھ، اردو)

مرزا قادیانی دجال کی تائید میں لکھی جانے والی کتاب ''تائید الحق (مصنفہ مولوی حسن علی صاحب)'' کے جواب میں یہ کتاب لکھی گئی اور اس کے ضمن میں مرزا کی کتاب ''ازالۃ الاوہام'' کے بعض مباحث پر حسبِ ضرورت بحث کی گئی ہے۔اور مرزا قادیانی کے اوہام اور وساوس کا بڑی خوبصورتی سے رد کیا گیا ہے۔ یہ کتاب شیخ الاسلام کی شہرۂ آفاق کتاب ''افادۃ الافہام'' کے بعد لکھی گئی۔

۲...... مفاتیح الاعلام: (اردو)

حضرت شیخ الاسلام نے مرزا قادیانی کی کتاب ''ازالۃ الاوہام'' کے رد میں شہرۂ آفاق کتاب ''افادۃ الافہام'' تحریر فرمائی، ''مفاتیح الاعلام'' اس کتاب کی فہرست ہے جو بجائے خود ایک قیمتی کتاب ہے۔اس کتاب کے مضامین میں شامل ہیں۔ مرزا صاحب کے دھوکا دینے والے اقرار و اقوال، فضائل و کمالات کے دعوے، بذریعہ الہام خدا نے ان سے کہا، مرزا صاحب کے اوصاف و حالات، خلاف بیانی، قسمیں، وعدہ خلافی، فتنہ انگیزی، اخلاقی حالت، دنیاداری، اس زمانے میں نبی کی ضرورت ثابت کرنے اور نبی بننے کی تدبیر، عیسیٰ بننے، وحی اتارنے، امام مہدی بننے کی تدابیر، اپنی اولاد میں عیسویت قائم کرنے کی تدبیر، خارق عادات معجزوں سے سبکدوشی کی تدبیر، الہاموں کی تدبیر، قرآن کی تحریف کی تدبیر، خاتم الانبیاء بننے کی تدبیر، پیسہ پیدا کرنے کی تدبیر، مرزا صاحب کے استفادات، حیلے، واقعات میں تصرف، امور غیبیہ مثل کشف والہام وغیرہ، آیتوں کا مصداق بدل دینا، آیتوں سے جھوٹا استدلال، مخالفت رسول اللہ ﷺ واہل اسلام وغیرہ۔

۳...... افادة الافهام: (اردو)

مرزا قادیانی کی ایک کتاب کا نام "ازالۃ الاوہام" ہے لیکن حقیقت میں اوہامِ باطلہ کا بدترین مرقع ہے۔ امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے متعدد علماء نے اس کا جواب لکھا اور شیخ الاسلام حضرت علامہ مولانا انوار اللہ خان نے "افادۃ الافہام" تحریر فرمائی۔ افادۃ الافہام کی بڑی سائز کی دو جلدیں پہلے شائع ہو چکی ہیں، جلد دوم کے آخر میں سنِ تصنیف اس شعر سے لیا گیا ہے۔

اہل حق کو ہے مژدہ جاں بخش قادیانی کا رد خوش اسلوب
ہے معلی یہ اس کا سال طبع ہوئی تردید اہلِ باطل خوب

۱۳۲۵ھ

ردِّ قادیانیت پر کام کرنے والے حضرات دونوں جلدوں کی صرف فہرست ہی ملاحظہ کرلیں تو عش عش کر اٹھیں گے کہ شاید ہی مرزائیت کا پھیلایا ہوا کوئی ایسا وہم ہو جس کا اس کتاب میں جواب موجود نہ ہو۔ مرزا قادیانی کے اوہامِ باطلہ کا قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دیا گیا ہے۔ جگہ جگہ قادیانی کو اس کی اپنی تحریروں کی زنجیر میں جکڑا گیا ہے۔ تحریر میں کہیں تلخی نام کی کوئی چیز آپ کو نہیں ملے گی۔ دلائل گرم، الفاظ نرم کا حسین و جمیل مرقع ہے۔ اللہ رب العزت کی حضور خاتم النبیین ﷺ کے صدقے حضرت شیخ الاسلام کی تربت پر کروڑوں رحمتیں ہوں، جنہوں نے مرزا قادیانی کو چاروں شانے چت کیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شیخ الاسلام، مرزا قادیانی دجال کی تردید میں قدرت کا عطیہ تھے۔ کتاب کو لکھے ہوئے ایک صدی گزر چکی ہے اس کے بعد اس عنوان پر کئی کتابیں لکھی گئیں مگر یہ حرفِ آخر کا درجہ رکھتی ہے۔

حضرت شیخ الاسلام کی تحریر کی گئی وہ تقریظ جو آپ نے حضرت علامہ مولانا محمد حیدر

اللہ خان نقشبندی حنفی درانی کی کتاب ''درۃ الدرانی علیٰ ردۃ القادیانی'' پر تحریر فرمائی ہے۔

''تقریظِ جلیل''

حضرت علامہ مولانا الحاج **محمد انوار اللہ** فاروقی

(بانی جامعہ نظامیہ حیدرآباد دکن)

میں نے متفرق مقامات اس کتاب لاجواب کے دیکھے۔ جس سے یقین کرتا ہوں کہ اہل انصاف جب اس کو دیکھیں گے مذہب قادیانی ان کی نظروں میں بالکل بے وقعت ہوجائے گا۔ حق تعالیٰ اس کے مصنف ادام اللہ فیوضہ کو جزائے خیر دارین میں عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد انوار اللہ

استاد حضور پرنور ہزہائینس

نظام الملک آصف جاہ بہادر

والی ریاست حیدرآباد دکن

مَفَاتِیحُ الاَعلَامُ

تصنیفِ لطیف

انوار العلوم شیخ الاسلام عارف باللہ
مولانا حافظ محمد انوار اللہ چشتی حنفی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت فضیلت جنگ استاد سلاطین دکن و بانی جامعہ نظامیہ
(حیدرآباد دکن)

فہرست مضامین مَفَاتِیحُ الاَعْلَامُ

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامدا و مصلیا و مسلما

اہل اسلام کی خدمت میں گذارش ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی کتاب ''ازالۃ الاوہام'' ایک مبسوط کتاب ہے جس کے تقریباً ہزار صفحے ہوں گے اگر اس کا جواب لکھا جائے تو کئی جلدوں میں ہوگا۔ تضیع اوقات کے خیال سے علماء نے اس کی طرف توجہ نہیں کی لیکن اس عاجز نے **ما لا یدرک کله لا یترک کله** پر عمل کر کے اس کے چند ضروری اور قابل توجہ مباحث پر بحث کی ہے جس کے مضامین کی فہرست یہ ہے۔ اور بمناسبت مقام چند فوائد زیادہ کیے گئے ہیں۔

رموز فہرست:

''ق'' قرآن شریف کیلئے

''ح'' حدیث شریف کیلئے

''م'' مرزا صاحب کے قول کیلئے

''ل'' ازالۃ الاوہام مؤلفہ مرزا صاحب کیلئے

''ی'' براہین احمدیہ مؤلفہ مرزا صاحب کیلئے

''ع'' عصائے موسیٰ مؤلفہ منشی الٰہی بخش صاحب کیلئے

''ک'' الذکر الحکیم مؤلفہ ڈاکٹر مولوی عبدالحکیم صاحب کیلئے

''س'' مسیح الدجال مؤلفہ ڈاکٹر صاحب ممدوح کیلئے

''ص'' افادۃ الافہام کے حصہ اول کے صفحہ کیلئے

''ف'' افادۃ الافہام کے حصہ دوم کے صفحہ کیلئے

واضح ہو کہ منشی الٰہی بخش صاحب مؤلف عصائے موسیٰ وہ شخص ہیں کہ مدتوں مرزا صاحب کی رفاقت کر چکے ہیں اور مرزا صاحب نے ان کی تعریف ''ضرورۃ الامام'' میں اس طرح کی ہے۔ بے شر انسان، نیک بخت، متقی، پرہیز گار ہیں۔ اور فرمایا ہے کہ ابتداء سے ہمارا ان کی نسبت نیک گمان ہے۔ اور اخیر پر یہ دعا فرمائی ہے کہ خدائے پاک اس کے ساتھ ہو۔ (ع ۳۴)

اور ڈاکٹر صاحب ممدوح کی نسبت مرزا صاحب ''اول المومنین'' فرمایا کرتے تھے اور ان کی نکتہ چینیوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور قبول فرمایا کرتے تھے ان کے ذہن کو نہایت رسا اور فہم کو نہایت سلیم فرمایا کرتے تھے۔ (ک ۳۱)

مرزا صاحب نے ان کی تفسیر کی بھی تعریف کی کہ نکات قرآنی خوب بیان کئے ہیں، نہایت عمدہ ہے، شیریں بیان ہے، دل سے نکلی اور دلوں پر اثر کرنے والی ہے، فصیح و بلیغ ہے۔ (ک ۵۴)

مرزا صاحب کے دھوکا دینے والے اقرار و اقوال:

(م) فلسفی قانون قدرت سے اوپر اور ایک قانون قدرت ہے۔ (ف ۳۴۴)

(م) نیچریوں کو خدا اور رسول کے قول کی عظمت نہیں۔ (ص ۵۲)

(م) جو بات نیچریوں کی سمجھ میں نہیں آتی محال کہہ دیتے ہیں۔ (ص ۲۷۱)

(م) عقل سے حکمت وقدرت الٰہی کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔ (ص ۷۷)

(م) نبی ﷺ خاتم الرسل ہیں۔ (ص ۱۱)

(م) بجز خاتم المرسلین ﷺ کے کوئی ہادی و مقتدا نہیں۔ (ص ۲۸۷)

(م) محبت حضرت کی ضروری ہے۔ (ص ۱۱)

(م) وحی رسالت منقطع ہے۔ (ص ۱۰)

(م)قرآن مکمل ہے اس کے بعد کسی کتاب کی ضرورت نہیں۔(ص ۱۰)

(م)قرآن کا ایک لفظ کم وزائد نہیں ہوسکتا۔(ص ۱۱)

(م)قرآن کی خبر قطعی ہے۔(ص ۴۲)

(م)بغیر قرآن کے واقعات معلوم نہیں ہوسکتے۔(ص ۱۰۳)

(م)ہماری نجات قرآن پر موقوف ہے۔(ی ۹۲)

(م)شریعت فرقانی مکمل اور مختتم ہے۔(ی ۱۰۹)

(م)قرآن کی حافظ ہزار ہا تفسیریں ہیں۔(ی ۱۱۰)

(م)مومن کا کام نہیں کہ تفسیر بالرائے کرے۔(ل ۳۲۸)

(م)تفسیروں کی وجہ سے قرآن کا محرف ہونا محال ہے۔(ص ۱۱)

(م)نصوص ظاہر پر محمول ہیں۔(ف ۱۱۷)

(م)نئے معنی گھڑ لینا الحاد وتحریف ہے۔(ص ۶۵)

(م)قرآن کے خلاف الہام کفر ہے۔(ص ۱۸۵)

(م)نیا الہام شریعت کا نازل ہونا محال ہے۔(ی ۱۱۱)

(م)الہام، مخالف شریعت حقہ ہو نہیں سکتا۔(ی ۲۳۵)

(م)کشف میں شیطان کی مداخلت ہوتی ہے۔(ص ۱۸۵)

(م)انجیل الہامی کتاب نہیں اسی نے لوگوں کو گمراہ کیا۔(ص ۴۸)

(م)عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتر کر گمراہی کو نیست ونابود کردیں گے۔(ص ۱۵)

(م)میں برخلاف تعلیم اسلام کے کسی اور نئی تعلیم پر چلنے کے لیے مجبور نہیں کرتا۔(ص ۲۸۷)

(م)سوائے مسئلہ نزول عیسیٰ کے کسی مسئلے میں مجھے خلاف نہیں۔(ص ۳۰۹)

(م)بخاری اور مسلم کو میں مانتا ہوں۔(ف ۲۱۷)

(م)ضعیف حدیث بھی اعتبار کے قابل ہے۔(ف ۱۳۵)

(م)جو حدیث قرآن کو بسط سے بیان کرے قابل قبول ہے۔(ف ۳۴۳)

(م)سلف کی شہادتیں خلف کو ماننی پڑتی ہیں۔(ف ۱۶)

(م)امام سیوطی خود آنحضرت ﷺ سے تصحیح احادیث کر لیتے تھے۔(ف ۲۹۹)

(م)مسیح کے نزول کا عقیدہ دین کا رکن نہیں۔(ل ۱۴۸)

(م)میں تمہاری طرح ایک مسلمان ہوں۔(ص ۲۸۷)

(م)میں اپنے مخالفوں کو کاذب نہیں کہتا۔(ص ۲۳۸)

(م)مسلمانوں کا مشرک ہونا محال ہے۔(ص ۱۱، ی ۱۱۰)

(م)مسلمانوں کا تزلزل ممکن نہیں۔(ی ۱۱۰)

(م)جھوٹ کہنا شرک ہے۔(ی ۲۵۰)

فضائل وکمالات کے دعوے:

(م) میں واصل حق ہوں وقت واحد میں روبخلق وخالق ہوں سیر الی وفی اللہ سے فارغ ہوں۔(ص ۴۴)

(م)حقائق ومعارف قرآن خوب جانتا ہوں۔(ص ۵۶، ف ۱۰۲)

(م)خلیفہ ہوں، خلافت الٰہی مجھے عطا ہوئی۔(ص ۲۱، ف ۵۱)

(م)مجدد ہوں۔(ف ۵۲)

(م)آنحضرت کا نائب ہوں۔(ف ۵۲)

(م)حارث ہوں جو امام مہدی کی مدد کو نکلے گا۔(ف ۵۲)

(م)مہدی ہوں۔(ف ۵۳)

(م)امام الزماں ہوں۔(ف۱۴)

(م)امام حسین سے مشابہت رکھتا ہوں۔(ص۳۰۲)

(م)امام حسین سے افضل ہوں۔(ف۵۳)

(م)صدیق اکبر سے افضل ہوں۔(ع۱۴۷)

(م)کرشن جی ہونے کا بھی دعویٰ ہے۔(ف۵۶)

(م)مثیل آدم ونوح ویوسف وداؤدموسیٰ وابراہیم ہوں۔(ف۵۳)

(م)ظلی طور پر محمد مصطفیٰ ﷺ ہوں۔(ف۵۳)

(م)معراج حضرت کا کشفی طور پر تھا ایسے کشفوں میں تجربہ کار ہوں۔(ف۱۹۴)

(م)بعض نبیوں سے افضل ہوں۔(ع۱۴۷)

(م)عیسیٰ سے بہتر ہوں۔(ف۵۳)

(م)آنحضرت سے افضل ہونے کا بھی کنایۃً دعویٰ ہے۔(ع۱۴۸)

(م)قرآن اٹھالیا گیا تھا ثریا سے اس کو میں نے لایا ہے۔(ف۲۹۷)

(م) میرے مسیح ہونے کا سارا قرآن مصدق ہے اور تمام احادیث صحیحہ شاہد ہیں۔(ص۲۳۷)

(م)حقیقت انسانیت پر فنا طاری ہوگئی اس لیے میں آیا ہوں۔(ص۷۰)

(م)میں اللہ کا نبی اور رسول ہوں۔(ف۵۳)

(م)خدا نے مجھے بھیجا ہے۔(ص۲۸۶)

(م)خدا نے قرآن میں جو فرمایا ہے **مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد** سووہ رسول میں ہوں۔(ف۵۳)

(م)سچی وحی مجھ پر اترتی ہے۔(ف۵۳)

(م)میرے معجزے انبیاء کے معجزوں سے بڑھ کر ہیں۔(ف ۵۳)

(م)میری پیشگوئیاں نبیوں کی پیشگوئیوں سے زیادہ ہیں۔(ف ۲۵۱)

(م)میرے معجزوں کا انکار سب نبیوں کے معجزوں کا انکار ہے۔(ف ۲۵۱)

(م)میرا منکر کافر اور مردہ ہے۔(ف ۵۴)

(م)میرے فعل پر اعتراض کرنا کفر ہے۔(ف ۵۵)

(م)جو میری مخالفت کرے وہ دوزخی ہے۔(ف ۵۱)

(م)میرے منکر پر سلام نہ کرنا چاہیے۔(ف ۲۵۱)

(م)میرے منکر کے پیچھے نماز حرام ہے۔(ف ۲۵۱)

(م)کل مسلمان جو میرا اقرار نہیں کرتے اسلام سے خارج ہیں۔(س ۵)

(م)میری جماعت دوسرے مسلمانوں سے رشتہ ناطہ کرے تو وہ میری جماعت سے خارج ہے۔(س ۵)

(م)میری تکذیب کی وجہ سے خدا نے طاعون بھیجا۔(ف ۵۴)

(م)میرے امتی پر عذاب نہ ہوگا۔(ص ۲۲)

(م)میرا امتی جنتی ہے۔(ص ۲۲)

(م)ان کے مریدان کو خاتم الانبیاء لکھتے ہیں۔(ص ۳۰۲)

(م)ان کے خاندان کو خاندان رسالت اور ان کی بیوی کو ام المومنین لکھتے ہیں۔(س ۴۱)

(م)الہام ہوا کہ ابن مریم میری اولاد میں ہے۔(ف ۵۶)

(م)الہام ہوا کہ آسمان سے اترنے والا ابن مریم میرا بیٹا ہے۔(ف ۵۶)

(م)اس فرزند کا آسمان سے اترنا اللہ کا اترنا ہے۔(ف ۵۶)

ان الہاموں کا حاصل مطلب یہ ہوا کہ ابن مریم کلمۃ اللہ روح اللہ جو آسمان سے اترنے والا ہے، وہ میرا بیٹا ہے۔ مرزا صاحب نے جب سے عیسویت کا دعویٰ کیا ہے اہل

اسلام ان کو تنگ کرتے تھے کہ احادیث سے ثابت ہے کہ عیسیٰ موعود ابن مریم روح اللہ کلمۃ اللہ ہوں گے جس سے وہ بمقتضائے طبیعت کمال غضب میں تھے ہر چندان کو جادوگر وغیرہ قرار دیا مگر اس سے بھی تسکین نہ ہوئی اس لیے کہ عام طور پر کفار انبیاء کو ساحر کہا ہی کرتے تھے البتہ اب غصہ کسی قدر فرو ہوا ہوگا کیونکہ اب کھلے طور پر کہہ دیا کریں گے کہ جس عیسیٰ کو تم موعود کہتے ہو، وہ میرا بیٹا ہے۔ عقلاء اگر گالی بھی دیتے ہیں تو اس تدبیر سے کہ اس کو مدلل بنادیتے ہیں دیکھ لیجئے اب اگر کوئی ان کی عیسویت نہ مان کر عیسیٰ علیہ السلام کا نام لے لے تو صاف کہہ دینگے کہ وہ تو میرا بیٹا ہے اور اگر کسی نے کچھ کہا تو جواب آسان ہے کہ اس میں میرا کیا قصور خود تمہارے خدا نے ایسا ہی فرمایا ہے اور اس کا ماننا تم پر فرض ہے اور حدیثوں کا جواب تو پہلے ہی ہو چکا کہ نبی ﷺ کو اس کشف میں غلطی ہوئی۔

(م) خدا مجھ سے قریب ہو کر باتیں کرتا ہے۔ (ف ۵۳)

(م) خدا مجھ سے باتیں کرنے کے وقت منہ سے پردہ اتار دیتا ہے۔ (ص ۲۹۸)

(م) خدا مجھ سے ٹھٹے کرتا ہے۔ (ص ۲۹۸)

(م) کن فیکون مجھ کو دیا گیا ہے۔ (ف ۵۳)

(م) جس سے میں خوش ہوں خدا خوش ہے اور جس سے میں ناراض ہوں اس سے خدا بھی ناراض ہے۔ (س ۴۵)

(م) میرے الہام دوسروں پر حجت ہیں۔ (ص ۱۶۳)

بذریعہ الہام خدا نے ان سے کہا:

(م) یا ایھا المدثر (ص ۳۴)

(م) یرفع اللہ ذکرک (ص ۳۴)

(م) تیرے اگلے پچھلے گناہوں کی مغفرت ہوگئی۔ (ص ۲۰)

(م) **انا فتحنا لک فتحا مبینا**۔ (ص ۳۴)

(م) **اعمل ماشئت** یعنی جو جی چاہے کر۔ (ص ۲۰)

(م) **یا احمد انا اعطیناک الکوثر** (ی ۵۱۷)

(م) **لولاک لما خلقت الافلاک** یعنی تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو نہ پیدا کرتا۔ (س ۱۱)

(م) تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔ (س ۱۱)

(م) تیرے دین کے آنے سے دین باطل و نابود ہوگیا۔ (ص ۳۴)

(م) جو دعا تو کرے گا میں قبول کروں گا۔ (ص ۲۱۵)

(م) تو میری اولاد کے ہم رتبہ ہے۔ (ف ۵۳)

(م) تو **اشجع الناس** ہے۔ (ی ۲۴۱)

(م) تیرا نام تمام ہوگا میرا نام ناتمام رہے گا۔ (ی ۲۴۲)

(م) عرش پر خدا تیری حمد کرتا ہے۔ (س ۱۱)

(م) **وما ارسلنک الا رحمة للعلمین**۔ (ی ۵۰۶)

(م) ان کے خدا نے ان سے کہا کہ تمام مسلمانوں سے قطع تعلق کرو۔ (ک ۹)

مرزا صاحب کے اوصاف و حالات:

مرزا صاحب کے خاندان میں حکومت رہی ہے جس کے وہ طالب ہیں۔ (ص ۷)

چنانچہ مرزا صاحب کے بھائی مرزا امام الدین صاحب لال بیگیوں کی امامت اور مامور من اللہ ہونے کے مدعی ہیں۔ (ع ۳۰۸)

نشو و نما مرزا صاحب کی مذاہب باطلہ کی کتابیں دیکھنے میں ہوئی جس کا یہ نتیجہ ہوا (ص ۹)

مرزا صاحب سید احمد خان صاحب سے بھی زیادہ عقلمند نکلے۔ (ص ۸)
قرآن واسلام کی توہین اخباروں کے ذریعہ سے کی جاتی ہے۔ (ک ۷)
مرزا صاحب کا باطل پر ہونا انہیں کے الہام سے ثابت ہوگیا۔ (ص ۱۷۷)
خود مرزا صاحب نے اپنے مردود وملعون و کافر و بے دین و خائن ہونے کا فیصلہ کردیا۔ (ص ۲۱۷)
قوائے شہوانیہ وغضبانیہ کے غلبے کے وقت قرآن کی مخالفت کرنا مرزائی دین میں امر مسنون ہے۔ (ص ۲۰۸)
لکھا ہے کہ مرزائیوں میں جو پہلے آوارہ، بدچلن، رنڈی باز، راشی تھے اب بھی ویسے ہی ہیں فیضان صحبت کچھ بھی نہیں۔ (ک ۳۰)
مرزائیوں میں بجائے پرستش باری تعالیٰ کے گویا مرزا صاحب کی پرستش قائم ہوگئی اور تسبیح و تقدیس وتحمید وتمجید قریب قریب مفقود ہوگئی۔ (ک ۱)
عام طور پر مرزائیوں کا یہ مذاق ہوگیا ہے کہ مسیح آیا اور مسیح مرگیا یہاں تک کہ ایک صاحب نے تو صاف کہہ دیا کہ جس حمد کے ساتھ مرزا صاحب کا ذکر نہ ہو وہ شرک ہے۔ (ک ۲۵)

اس شرک کے معنی یہ تو نہیں ہوسکتے کہ خدا کے ساتھ ان کو شریک کرنا ہے۔ اس لیے کہ ان کا ذکر نہ ہونا تو عین توحید الٰہی ہے۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ان کے حمد مقام میں خدا کی حمد مرزا صاحب کی توحید میں فرق ڈالنے والی ہے جو عین شرک ہے حضرات کیا اب بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ مرزا صاحب کون ہیں؟

لکھا ہے کہ مرزا صاحب کے مشرکانہ الہام یا تو کثرت مشک وعنبر وسڑکنیا ودیگر محرکات ومفرعات کا نتیجہ ہے جو آپ ہمیشہ بکثرت استعمال کرتے رہتے ہیں یا مرض ہسٹریا کا نتیجہ ہے جس میں آپ مدت سے مبتلا ہیں کیونکہ اس مرض سے فاسد خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ (ک ۵۱)
یہ ڈاکٹر صاحب کی تشخیص ہے اور علماء کی تشخیص یہ ہے کہ **حب الدنیا راس کل خطیئۃ**.

خلاف بیانی:

مرزا صاحب نے جو لکھا ہے کہ چار سو نبیوں کی پیشگوئی جھوٹی نکلی۔ سو اس کا غلط ہونا تورات وغیرہ سے ثابت ہو گیا کہ وہ بت پرست اور مندروں کے پجاری تھے۔ (ع ۲۳۷)

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے ہاتھ پر آنحضرت ﷺ نے خواب میں بیعت کی۔ حالانکہ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ میں نے حضرت کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ (ع ۳۵۷)

مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو مجدد سرہندی کے طفیل سے خلیل اللہ کا مرتبہ ملا۔ حالانکہ مجدد صاحب تصریح کرتے ہیں کہ حضرت ﷺ کی کمال متابعت سے کمال حاصل ہوا اور حضرت ﷺ کے خادم سے بڑھ کر اپنے کو کوئی رتبہ حاصل نہیں۔ (ع ۳۵۷)

الہام بیان کیا کہ قادیان میں طاعون نہ آئے گا پھر جب وہاں کے چوہڑوں میں طاعون کی کثرت ہوئی تو اس سے انکار کر گئے۔ (ص ۲۲۳)

قسم کھا کر کہا کہ خدا نے مجھ سے فرمایا کہ اگر مرزا احمد بیگ کی لڑکی کا نکاح کسی دوسرے سے ہو جائے تو تین سال کے اندر اس کا شوہر اور باپ مر جائیں گے۔ حالانکہ دوسرے کے ساتھ نکاح بھی ہوا اور سالہا سال سے وہ خوش و خرم ہیں۔ (ص ۲۰۵)

لکھا ہے کہ مسیح اپنے وطن گلیل میں جا کر مرے اور یہ بھی لکھا کہ وہ کشمیر میں آ کر مرے ان دونوں میں سے ایک بات ضرور خلاف واقع ہے بلکہ دونوں۔ (ص ۲۸۰)

موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی درمیانی مدت چودہ سو سال لکھا ہے حالانکہ سولہ سو سترہ سال ہے۔ (ف ۴۵)

ان کا دعویٰ ہے کہ میرے سوا کسی مسلمان نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کیا حالانکہ کرمیتہ یہ دعویٰ کر چکا ہے۔ (ف ۵۴۰)

اپنی نشانی قرار دی کہ حج بند ہو گیا حالانکہ کسی سال بند نہیں ہوا۔ (ع ۳۹۴)

مولوی ثناء اللہ صاحب کے مقابلے میں ایک پیشگوئی بھی ثابت نہ کر سکے جس سے ظاہر ہے کہ پیشگوئیوں کے وقوع کے کل دعوے خلاف واقع ہیں۔ (ف ۲۴۹)

ان کے سوائے اور بہت ہیں چنانچہ منجملہ ان کے چند صفحات ذیل میں مذکور ہیں۔

(ف ۴۷، ف ۸۲، ف ۱۰۷، ف ۱۲۴، ف ۱۴۴، ف ۱۶۹، ف ۲۹، ف ۳۱۸، ص ۱۸۱، ص ۱۸۶)

اشتہار میں غلط مشتہر کیا کہ محمد حسین صاحب نے اپنی نسبت جو فتویٰ لکھا تھا اس کو منسوخ کیا۔ (ص ۲۱۴)

اشتہار دیا کہ براہین احمدیہ کے تین سو جزو تیار ہیں چنانچہ اس کی پیشگی قیمت بھی وصول کر لی اور تخمیناً پینتیس جزو چھاپ کر ختم کر دیا۔ (ف ۴۰)

ایک مقدمہ ان پر دائر ہوا اس میں اپنی براءت کے لیے غلط بیانات وخلاف واقعات چھپوا کر پیش کیے جس میں بعض پیشگوئیوں مشتہرہ وزبانی سے بھی انکار فرمایا۔ (ع ۲۶۱)

انہوں نے کشف الغطا میں لکھا ہے کہ انیس (۱۹) سال سے سرکار گورنمنٹ کی خدمت کر رہا ہوں پھر آٹھ مہینے کے بعد ستارہ قیصر میں چھاپ دیا کہ تیئیس سال سے خدمت کر رہا ہوں۔ (ع ۴۷)

آتھم کے معاملے میں سر اجلاس عدالت میں اپنی خلاف بیانی کا اقرار کر لیا (ص ۱۸۹)۔

اس کے بعد ان کا وہ قول بھی ملاحظہ ہو جو فرماتے ہیں کہ جھوٹ شرک ہے۔

قسمیں:

قسم کھائی کہ اب کسی سے مباحثہ نہ کریں گے اس کے بعد اعلان دیا کہ علماء مباحثہ کے لیے آئیں اور جب آئے تو گریز کیا۔ (ص ۲۳۴)

(م) کہا کہ پندرہ مہینے میں مسٹر آتھم مرے گا اور جہنم میں ڈالا جائے گا خدا کی قسم ہے کہ اللہ

جل شانہ ایسا ہی کرے گا پھر وہ مدت گذر گئی اور وہ نہ مرا۔ (ص ۱۶۶)

(م) خدائے تعالیٰ کی قسم ہے کہ میں اس بات میں سچا ہوں کہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا کہ مرزا احمد بیگ کی دختر کلاں کا رشتہ اس عاجز سے ہوگا۔ اور اگر دوسرے سے ہوا تو تین سال کے اندر اس کا شوہر اور باپ مرجائے گا۔ حالانکہ نکاح ہوکر پندرہ سولہ سال ہو گئے اور اب تک شوہر زندہ اپنی زوجہ کے ساتھ خوش وخرم ہے۔ (ص ۲۰۵،۹۴)

(م) خدایا میں تجھے گواہ کرتا ہوں کہ اگر تین سال میں کوئی ایسا نشان تو نہ دکھلائے جو انسان کے ہاتھوں سے بالاتر ہوتو میں اپنے آپ کو مردود ملعون کافر بے دین اور خائن سمجھوں گا پھر باوجودیہ کہ کوئی ایسا نشان ظاہر نہ ہوا مگر اب تک وہ اپنے کو ملعون وکافر وغیرہ نہیں سمجھتے۔ (ص ۲۱۷)

(م) حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میری دعائیں تیس ہزار کے قریب قبول ہو چکی ہیں مگر ضرورت کے وقت ایک بھی اثر ندارد۔ (ع ۲۹۱)

مہدی کی حدیث اپنے پر منطبق کرنے کی غرض سے حاضرین جلسہ کی فہرست مرتب کر کے بکمی وزیادتی تین سو تیرہ (۳۱۳) نام کی تکمیل فرضی طور پر کردی۔ (س ۱۹)

فرماتے ہیں مجھے دنیا کے بے ادبوں اور بدزبانوں سے مقابلہ پڑتا ہے اس لیے اخلاقی قوت اعلیٰ درجے کی دی۔ (س ۲۰)

اس کے بعد فہرست ان کی گالیوں کی بھی عصائے موسیٰ میں پڑھ لیجئے۔

ڈاکٹر عبدالحکیم خان صاحب کی تفسیر کی غایت درجے کی تعریفیں اخباروں میں چھپوائیں۔ (ک ۵۳۔س ۱۹)

اب اسی تفسیر کی نسبت اخبار میں شائع فرماتے ہیں کہ میں نے اس تفسیر کو کبھی نہیں پڑھا۔ (س ۲۰)

الہام:

الہام ہوا کہ وہ زمانہ بھی آنے والا ہے کہ حضرت مسیح نہایت جلالت کے ساتھ دنیا میں اتریں گے اور گمراہی کو نیست و نابود کردیں گے۔ اس کے بعد جب منظور ہوا کہ ان کے آنے کا جھگڑا ہی مٹادیا جائے اور مسیح موعود خود بن جائیں تو کہہ دیا کہ خدا نے مجھے بھیجا اور خاص الہام سے ظاہر کیا کہ مسیح ابن مریم فوت ہو چکا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ موقع موقع پر الہام بنالیا کرتے ہیں۔ (ص ۱۴۔۲۶۸)

الہام **فبشرنی ربی بموتہ فی ست سنۃ**۔ یہ الہامی عبارت غلط ہے اس لیے وہ الہام رحمانی نہیں ہوسکتا۔ (ص ۱۹۱)

الہام ہوا کہ قادیان میں طاعون نہ آئے گا اور ہوا یہ کہ طاعون سے قادیان ویران ہوگیا۔ (ص ۲۲۳)

الہام ہوا کہ اول لڑکا ہوگا جس کا حلیہ بھی بیان کیا گیا تھا لیکن لڑکی ہوئی۔ (ع ۴۰)

الہام پر بشیر موعود کی بشارتیں اشتہاروں میں چھپوائی گئیں اور بہت سا روپیہ مہدو غیرہ بنوانے کے لیے منظور بھی کیا گیا۔ لیکن بغیر تکمیل بشارتوں کے اس کا انتقال ہوگیا۔ (ع ۴۱)

کل پیشگوئیوں کا ابطال مولوی ثناء اللہ صاحب نے کردیا جس کا مفصل حال رسالہ الہامات مرزا میں مذکور ہے۔

قل یا ایھا الکفار والا الہام جھوٹا ہے اس لیے کہ خود فرماتے ہیں کہ میں مخالفین کو کاذب نہیں سمجھتا۔ (ص ۲۴۵۔۲۳۸)

(م) مجھے خبر کی گئی ہے کہ جو میرے مقابلے میں کھڑا ہو وہ ذلیل اور شرمندہ ہوگا مگر مسٹر آتھم کے مقابلے سے معلوم ہوا کہ مرزا صاحب ہی ذلیل ہوئے۔ (ف ۸۳، ص ۱۶۸)

میاں عبدالحق کے مقابلے میں مباہلے کے وقت بھی مرزا صاحب ذلیل ہوئے۔ (ص ۲۳۸)

مرزا احمد بیگ صاحب کے مقابلے میں بھی ذلیل ہوئے۔ (ص ۱۹۴)

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے مقابلے میں بھی ذلیل ہوئے۔ (ص ۲۱۳)

مولوی ثناء اللہ صاحب کے مقابلے میں بھی ذلیل ہوئے۔ (ص ۲۲۶)

مولوی عبدالمجید صاحب کے مقابلے میں بھی ذلیل ہوئے۔ (ص ۲۳۷)

علمائے ندوہ کے مقابلے میں بھی ذلیل ہوئے۔ (ص ۲۳۵)

مسٹر کلارک کے مقابلے میں بھی ذلیل ہوئے۔ (ص ۱۸۱)

پیر مہر علی شاہ صاحب کے مقابلے میں نہ آنے سے بھی ذلیل ہوئے۔ (ع ۴۱۷)

مولوی عبدالحق صاحب غزنوی نے اعلان دیا کہ مرزا صاحب مع تیس ہزار حواریئین دعا کریں کہ عبدالکریم (جو مرزا صاحب کے اعلیٰ درجے کے مؤید اور دوست ہیں) ان کی ایک آنکھ اور ٹانگ صحیح ہو جائے۔ اور ہم دعا کریں گے کہ اس کو تاحین حیات خدا کانا اور لنگڑا ہی رکھے اور ہم چالیس روز پیشتر ہی پیشگوئی کرتے ہیں کہ وہ ایسا ہی رہے گا۔ اس موقع میں بھی مرزا صاحب کو سخت ذلت ہوئی کہ وہ لنگڑے اور کانے ہی رہے۔ (ع ۴۱۵)

حالانکہ ازالۃ الاوہام صفحہ ۱۱۸ میں لکھا ہے، کہ دعائیں اپنی انہی کے حق میں قبول ہوئی ہیں جو غایت درجے کا دوست ہو۔

والد مولوی محمد حسین کی میعاد موت ایک سال ٹھہرائی تھی وہ غلط ثابت ہوئی۔ (ع ۴۱)

اشتہار دیا کہ اس سال بارش ہوگی اگر بارش نہ ہوگی تو ہمارے مریدوں پر رحمت نازل ہوگی۔ اس کا ظہور اس طرح ہوا کہ بارش کا خوب امساک ہوا اور مریدوں پر رحمت یہ ہوئی کہ ڈپٹی کمشنر صاحب لاہور کی نوٹس پر رات بھر اشتہار مرہم عیسیٰ کو بازاروں گلیوں کوچوں سے اتارنے میں حیران وسرگرداں رہے۔ (ع ۳۷۸)

پیر سید مہر علی صاحب اور علمائے ندوہ وغیرہم کے مقابلے میں نہ آنے اور گریز کر جانے سے

ثابت ہوا کہ الہام **سنلقی فی قلوبھم الرعب** یعنی خدا نے ان سے کہا کہ ان لوگوں کے دلوں میں ہم رعب ڈالدیں گے۔ جھوٹا ثابت ہوا اور نیز **اشجع الناس** والا الہام بھی جھوٹا ہوگیا۔ (ل ۱۹۳)

آتھم وغیرہ کے مقابلے میں ذلیل ہونے سے ثابت ہوا کہ الہام **ینصرک اللہ فی مواطن** یعنی اللہ تیری مدد کرے گا ہر مقام میں، جھوٹا ہے۔ (ل ۱۹۶)

(م) الہام ہوا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم بھاری جماعت ہیں یہ لوگ سب بھاگ جائیں گے اور پیٹھ پھیر لیں گے۔ اب تک اس کا ظہور نہ ہوا۔ مخالفین کے حملے تو روز افزوں ہیں خود مرزا صاحب ہی کی جماعت کے بعض افراد مثل ڈاکٹر محمد عبدالحکیم خان صاحب ان کے مقابل میں ہوکر حملے پر حملے کر رہے ہیں جن کا جواب وہ دے نہیں سکتے اور آئندہ بھی اس کے ظہور کی توقع نہیں اس لیے کہ اب تو وہ زمانہ آ گیا ہے کہ یاس کے الہامات ہونے لگے ہیں۔ (ل ۶۳۴)

اسی طرح اس الہام کے سچے ہونے کا بھی موقع گذر گیا ہم عنقریب نشانیاں دکھلائیں گے حجت قائم ہوجائے گی اور فتح کھلی کھلی ہوگی۔ (ل ۶۳۳)

الہام ہوا کہ عنموائیل اور بشیر نام اپنے گھر لڑکا پیدا ہوگا، سخت ذہین اور فہیم ہوگا، علوم ظاہری و باطنی سے پر کیا جائے گا، صاحب شوکت و دولت ہوگا، قومیں اس سے برکت پائیں گی اور خواتین مبارکہ سے نسل بہت ہوگی۔ پھر خوشخبری شائع کی کہ وہ مولود مسعود پیدا ہوگیا ہے اور اس کے عقیقے میں ضرورت سے زیادہ دھوم دھام ہوئی مگر وہ سب پیشگوئیاں رکھی رہیں اور طفولیت ہی میں اپنے ناشاد پدر بزرگوار کو وہ داغ لگا گئے۔ (س ۲۳)

مرزا صاحب نے ۱۸۹۸ء میں پیشگوئی کی جس کا ماحصل یہ کہ ۱۹۰۰ء میں طاعون پنجاب میں پھیلے گا مگر مرزا صاحب کی تخمین میں خوبصورت پیشگوئی تھی خطا ہوئی اور اس کے بعد دو سال تک ملک میں امن رہا۔ (س ۳۵)

مرزا احمد بیگ صاحب کی لڑکی کے نکاح کے باب میں الہام جھوٹا ثابت ہوا۔ (۲۰۱)

دعا:

ابھی معلوم ہوا کہ مولوی عبدالحق صاحب ہی کی دعا عبدالکریم صاحب کے کانے اور لنگڑے رہنے کے باب میں قبول اور مرزا صاحب کی دعا قبول نہیں ہوئی۔

سید امیر شاہ صاحب رسالدار میجر کو مرزا صاحب نے عہد نامہ لکھ دیا کہ ایک سال میں ان کو فرزند ہونے کے لیے دعا کروں گا۔ اگر اس مدت میں نہ ہوا تو میری نسبت جس طور کا بد اعتقاد چاہیں اختیار کریں۔ اور پانسو روپے بھی دعا کرنے کے واسطے وصول کر لیے اور سال بھر کمال جدوجہد سے دعا بھی کی مگر قبول نہ ہوئی۔ (ع ۴۱)

بشیر فرزند کی صحت کے لیے کئی اقسام کی دوائیں اور بے حد دعائیں کی گئیں مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ (ع ۱۹۹)

آتھم والی دعا میں مرزا صاحب کے ساتھ تمام جماعت مریدین بھی مصروف رہی مگر قبول نہ ہوئی اور آتھم ہی کی دعا قبول ہوگئی۔ (ع ۱۹۹)

مرزا احمد بیگ صاحب کے لڑکی کے نکاح کے باب میں ہزار ہا مریدوں سے مسجدوں میں دعائیں کرائیں تو خود بدولت کی اضطراری دعاؤں کا کیا حال ہوگا مگر کوئی قبول نہ ہوئی۔ (ص ۱۹۵)

عبدالکریم صاحب کی آنکھ اور ٹانگ درست نہ ہونے کے باب میں مولوی عبدالحق صاحب ہی کی دعا قبول ہوئی اور باوجود تحدی کے مرزا صاحب کی دعا قبول نہ ہوئی۔

پیر سید مہر علی صاحب کو بذریعہ اشتہار اطلاع دی کہ اگر ایک ہفتے میں اپنے قصور کی معافی نہ چاہی اور چھپوانے کے لیے خط نہ بھیجا تو پھر آسمان پر میرا اور ان کا مقدمہ دائر ہوگا مگر انہوں نے کچھ پرواہ نہ کی اور ان کا کچھ نقصان بھی نہ ہوا۔ (ع ۴۳)

مرزا صاحب سرکار کی جانب سے روک دیئے گئے کہ کسی پر بددعا نہ کریں دعا کر کے اس مزاحمت کو بھی نہیں اٹھا سکتے۔ (ص ۲۱۵)

جن جن مقابلوں اور معرکوں میں مرزا صاحب کو ذلتیں ہوئیں ان کا سبب یہی ہے کہ ان کی دعائیں ضرورت کے وقت قبول نہیں ہوتیں اور خدائے تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے کہ وہ ذلیل ہوں اس موقع میں ان کا وہ دعویٰ بھی پیش نظر رہے کہ خدا ان سے بے پردہ ہوکر باتیں اور ٹھٹے کرتا ہے۔ اور بارہا کہا کہ ہر دعا تیری قبول کروں گا۔

تدیُّن:

اپنی غرضیں پوری کرنے کی غرض سے قرآن کی آیتوں میں تعارض پیدا کرتے ہیں۔ (ف۲۸۳۔۲۹۵)

قیامت کا انکار (ف۲۵۲)

باوجود فرض ہونے کے اب تک حج کو نہیں گئے۔ (س۱۷)

زکوٰۃ کا مال اپنی کتابوں کی قیمت میں لیتے ہیں۔ لوگوں کے مال میں اقسام کی بدعنوانیاں بعض مریدین نے حج فرض کو جانے کا مشورہ لیا تو فال دیکھ کر کہہ دیا کہ مناسب نہیں۔ (ع۲۳۲)

اپنی اہلیہ ثانیہ کی خاطر سے شرعی وارثوں کو محروم الارث کرنے کی غرض سے جائداد کو اہلیہ ہی کے پاس رہن رکھا۔ (ع۲۳۲)

زیور طلائی مردوں کو پہننے کی اجازت۔ (ع۳۱۸)

تقویت اعصاب وغیرہ کے لیے انگریزی وہ دوائیں کھاتے ہیں جن میں شراب ہوتی ہے۔ (ع۴۴۴)

پہلی اولاد دو پسران کو بلا دلیل شرعی عاق اور محروم الارث کر دیا۔ (ص۲۰۰)

اپنی خواہش نفسانی پوری کرنے کی غرض سے خدا کی طرف سے جھوٹا پیام پہنچا دیا۔ (ص۱۹۴)

اپنی بیوی کی خاطر خدا کی مخالفت (ص۲۰۰)

وعدہ خلافی:

پیر سید مہر علی شاہ صاحب چشتی کو بذریعہ اشتہار اطلاع دی کہ مباحثے کے لیے چالیس علماء کے ساتھ جن کے نام بھی لکھے تھے لاہور میں آئیں اگر میں حاضر نہ ہوا تب بھی کاذب سمجھا جاؤں۔ شاہ صاحب تو بحسب دعوت مع علماء لاہور تشریف لائے۔ مگر مرزا صاحب نے پہلو تہی کی آخر بذریعہ اشتہارات ان کو اطلاع دی گئی مگر اس پر بھی صدائے برنخاست جب کئی روز کی اقامت کے بعد شاہ صاحب واپس تشریف لے گئے تو مرزا صاحب نے اشتہار دیا کہ تشریف لے گئے تو مرزا صاحب نے اشتہار دیا کہ شاہ صاحب نے چال بازی کی (ع ۴۱۷)

بذریعہ اشتہار وعدہ کیا کہ کوئی شخص ایسا مفتری علی اللہ دکھائے جس نے تیئیس (۲۳) سال کی مہلت پائی ہو تو ہم اس کو پانچ سو روپیہ انعام دیں گے۔ اس پر حافظ محمد یوسف صاحب نے ایک فہرست پیش کی مگر ایفا ندارد۔ (ف ۱۱۱)

سراج منیر وغیرہ رسالے چھاپنے کا وعدہ کیا مگر ایفا ندارد۔ (ف ۴۱)

بذریعہ اشتہار وعدہ کیا کہ اگر علماء قادیان کے قریب مباحثے کے لیے ایک مجلس مقرر کریں تو قرآن و حدیث و عقل و آسمانی تائیدات اور خوارق و کرامت کی رو سے میں ان کو اس قاعدے سے اپنی شناخت کرادوں گا جو سچے نبیوں کی شناخت کے لیے مقرر ہے مگر جب علمائے ندوہ نے مباحثے کے لیے خط لکھا تو جواب ندارد۔ (ص ۲۳۴۔۲۳۵)

براہین احمدیہ کی نسبت وعدہ کیا کہ اس سے مجادلات کا خاتمہ ہو جائے گا مگر یہ وعدہ بھی غلط ثابت ہوا۔ (ص ۱۰)

مولوی ثناء اللہ صاحب کو دعوت دی کہ اگر قادیان میں آکر کسی پیشگوئی کو جھوٹی ثابت کردیں تو ایک لاکھ پندرہ ہزار روپے دونگا جب وہ قادیان گئے تو خوب مغلظات سنائیں اور مناظرے کی نوبت ہی نہ آنے دی۔ (ص ۲۲۶)

وعدہ کیا کہ اگر آتھم پندرہ مہینے میں نہ مرے تو میرا منہ کالا کیا جائے اور میرے گلے میں رسا ڈالا جائے اور مجھ کو پھانسی دیجائے باوجودیکہ اس مدت کے بعد بھی وہ زندہ رہا مگر انہوں نے منہ کالا کرنے کی بھی اجازت نہ دی۔(ص ۱۶۷)

فتنہ انگیزی:

حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **والفتنة اشد من القتل** یعنی فتنہ قتل سے بھی سخت تر ہے۔
مرزا صاحب ضرورۃ الامام میں لکھتے ہیں کہ حق تعالیٰ جوفرماتا ہے۔ **اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم** اس کی روسے انگریز ہمارے اولی الامر میں داخل ہیں اس لیے میری نصیحت اپنی جماعت کو بھی ہے کہ دل کی سچائی سے ان کے مطیع رہیں۔اس کے بعد مسلمان کی جھوٹی شکایت کرتے ہیں کہ مسلمان انگریزوں کے برخلاف بغاوت کی کھچڑی پکاتے رہتے ہیں۔(ع ۲۶۷)
مرزا صاحب ستارہ قیصر میں لکھتے ہیں کہ دو عیب اور غلطیاں مسلمانوں میں ہیں۔ایک تلوار کے جہاد کو اپنے مذہب کا رکن سمجھتے ہیں دوسرا خونی مسیح اور خونی مہدی کے منتظر ہیں مسلمانوں کے جہاد کا عقیدہ مخلوق کے حق میں بداندیشی ہے۔میرا گروہ خطرناک وحشیانہ عقیدہ چھوڑ کر ایک سچا خیر خواہ گورنمنٹ کا بن گیا مقصود یہ کہ سب مسلمان گورنمنٹ کے بد خواہ ہیں ان کو سزا دیجائے۔(ع ۷۳)
مرزا صاحب تمام مسلمانوں کو آئے دن اپنی طرف سے خونی مہدی اور خونی مسیح کا منتظر ٹھہرا کر اور صرف خود اور جماعت چند مریدین کو خیر خواہ سرکار قرار دیکر دوسرے تمام مسلمانوں کو بگاڑنے اور سزا دلانے کے لیے درخواستیں بھیجتے رہتے ہیں۔(ع ۲۳۶)
غدر کے واقعہ میں جو بے رحمیاں اور ظلم ہوئے ان کا فوٹو کھینچ کر پیش کر دیا اور علمائے اسلام کے ذمہ یہ الزام لگا دیا کہ یہ سب کچھ ان کے فتوؤں سے ہوا۔(ف ۷۲)

اخلاقی حالت:

کیسی ہی ذلت کی صفت ہو جب وہ مرزا صاحب میں آتی ہے تو قابل افتخار ہو جاتی ہے۔ چنانچہ زمینداری کی انہوں نے ذلت بیان کی اور اسی کو اپنے لیے باعث افتخار وتکبر قرار دیا۔ (ص ۲۱۲)

اپنی بیوی کی خاطر۔ قطع رحمی کی۔ پہلی اولاد کو عاق کر دیا۔ (ص ۲۰۰)

پیرانہ سری میں ایک لڑکی سے نکاح کرنے کی غرض سے جھوٹ کہا۔ خدا پر افتراء کیا۔ جھوٹی قسم کھائی الہام بنالیا بے گناہ بہو کو طلاق بدعی دلانے کی کوشش کی۔ فرزند کو محروم الارث کر دیا قطع رحمی کی۔ (ص ۲۰۹)

کسی کے مقابلے میں مغلوب ہو کر شرمندہ ہوتے ہیں اور خصم پر غصہ نہیں نکال سکتے تو تماشہ بینوں کو گالیاں دینے لگتے ہیں۔ جیسا کہ آتھم کے واقعہ سے ظاہر ہے۔ (ص ۱۷۴)

علماء ومشائخین کو گالیاں دینے میں مرزا صاحب کو ایسی مشاقی ہوگئی ہے کہ ہر وقت نئی تراش و خراش ہوتی رہتی ہے۔ مثلاً اندھیرے کے کیڑو، جھوٹ کا گوہ کھایا۔ رئیس الدجالین، ذریت شیطان، **عقب الکلب، غول الاغوال**، کھوپڑی میں کیڑا، مرے ہوئے کیڑے، لومڑی ہامان، **الھا لکین، علیھم فعال لعن اللہ الف الف مرۃ** اور خنزیر، کتے، حرام زادہ، ولد الحرام، اوباش، چوہڑے، چمار، زندیق، ملعون وغیرہ تو معمولی الفاظ بے تکلف اور بے اختیار نکل آتے ہیں۔ جیسا کہ عصائے موسیٰ اور مسیح الدجال سے ظاہر ہے۔

مرزا صاحب کو حق تعالیٰ نے بذریعہ الہام فرمایا **انا زوّجنکھا**، یعنی مرزا احمد بیگ کی لڑکی کے ساتھ تیرا نکاح کر دیا۔ مگر مرزا سلطان محمد صاحب اس لڑکی کو نکاح کر کے لے گئے اور بفضلہ تعالیٰ اب تک ان کے بطن سے گیارہ بچے بھی ہو چکے ہیں (ص ۲۹)

مرزا صاحب کو چونکہ آنحضرت ﷺ کی مثلیت کا دعویٰ ہے چنانچہ **وما ارسلنک الارحمۃ للعلمین** وغیرہ فضائل کے بھی الہام ان کو ہو گئے ہیں اس لیے یہ الہام بھی ہوا

جیسا کہ آنحضرت ﷺ پر زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بارے میں یہ وحی ہوئی تھی زَوَّجْنٰکَهَا جو من یقنت کے دوسرے رکوع میں ہے یعنی حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے فرمایا کہ ہم نے زینب کا نکاح تم سے کردیا چنانچہ اسی وحی کی بناء پر آنحضرت ﷺ بغیر اطلاع کے ان کے مکان میں تشریف لے گئے۔ اور وہی نکاح کافی سمجھا گیا اور پیام اور ایجاب وقبول اور گواہوں کی ضرورت نہ ہوئی کیوں نہ ہو جب خدائے تعالیٰ خود نکاح کردے تو اس کے تصرف کے مقابلے میں کس کا تصرف نافذ ہوسکتا ہے۔ مگر یہاں معاملہ بالعکس ہوگیا۔ اب یہاں حیرانی یہ ہے کہ مرزا صاحب کا الہام تو بالکل یقینی ہے۔ جس میں ان کو ذرا بھی شک نہیں اور قرآن کے مطابق ان کا نکاح صحیح بھی ہوگیا جس کی وجہ سے وہ مرزا صاحب کی اعلیٰ درجے کی منکوحہ کہلائیں۔ اور مشاہدہ ہے کہ کیسا ہی غریب آدمی ہو اگر کوئی اس کی جورو کو لیجائے تو کچھ نہیں تو سرکار میں وہ ضرور دعوے کرے گا مگر مرزا صاحب نے طلب زوجہ کا دعویٰ بھی نہ کیا یہاں تک کہ گیارہ بچے اس بیوی کے ہوگئے۔ اگر سرکار میں یہ دعویٰ کیا جاتا تو ضرور کامیابی ہوتی کیونکہ الہام مرزا صاحب کا خود دوسروں پر حجت ہے پھر افرادامت نے ضرور شور مچایا ہوگا کہ ام المومنین کو ہم کسی جابر غاصب کے قبضے میں ہرگز دیکھ نہیں سکتے۔ اس پر بھی مرزا صاحب راضی برضا ہوکر اغماض۔ حلم وتدبر وخوش خلقی کو کام فرمایا۔ پھر مرزا صاحب ازالہ حیثیت عرفی کے دعوے بھی علماء پر کیا کرتے ہیں آخر یہ ازالہ بھی اس سے کم نہیں کیونکہ یہ تو ملک کا ازالہ تھا۔ بہرحال جب ہم اس واقعے کے دونوں پہلو پر نظر ڈالتے ہیں تو عجیب پریشانی ہوتی ہے مگر جب غامض نظر سے دیکھتے ہیں تو یہ ہرگز نہیں کہہ سکتے جو صاحب عصائے موسیٰ نے لکھا ہے کہ ضعف وناتوانی کی یہ حالت ہے کہ ان میں اتنی بھی قدرت نہیں کہ اپنی منکوحہ آسمانی پر قبضہ کرسکیں۔ (ع ۳۶۸)

اس لئے کہ ان کا اشجع الناس ہونا الہام سے ثابت ہے کہ گووہ کیسا ہی ہو آخر الہام ہے کسی مناسبت سے ہوا ہوگا اور یہ ممکن نہیں کہ کوئی شجیع اس قسم کا عار گوارا کرے اس لیے ہم یقیناً کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے صرف کسی مصلحت سے وہ الہام بنالیا تھا اگر کسی کو اس میں کلام ہو تو مرزا صاحب کو قسم دیکر پوچھ لے کہ کیا زَوَّجْنٰکَهَا کہہ کر خدا نے اس بیوی کا نکاح ان کے ساتھ کر دیا تھا وہ ہرگز قسم نہ کھا سکیں گے۔ اس سے یہ بات بداہتاً ثابت ہے کہ مرزا صاحب ہر موقع میں الہام بنالیا کرتے ہیں۔ مرزا صاحب جس وقت اپنی فراغت سے آ بیٹھتے ہیں تو سوائے خودستائی خودنمائی تکفیر عالم اور عالمگیر سب وشتم کے اور کچھ گفتگو ہی نہیں ہوتی۔ (ص ۱۵)

ڈاکٹر صاحب نے نظائر پیش کر کے لکھا ہے کہ یہاں تک یہ تو صاف طور پر ثابت ہو چکا کہ مرزا صاحب سخت عیار مسرف، کذاب، خائن، آرام پسند، شکم پرور، بدفہم، بدعقل، تنگ ظرف، بے حیا، مغلوب الغضب، متکبر، خود پسند، خودستا، شیخی باز، بدچلن، سنگدل، فحش گو، اور بدظن انسان ہیں۔ (ص ۴۱)

خود حکیم نور الدین صاحب نے مرزا صاحب سے کہہ دیا کہ یہ لوگ یہاں آ کر بجائے درست ہونے کے زیادہ خراب ہوجاتے ہیں اور آپس میں ذرا بھی پاس اور لحاظ نہیں رکھتے ہیں لہذا یہ سالانہ جلسہ بند کیجئے اور مریدوں کا اس طرح جمع ہونا بند فرمائے۔ (ص ۴۲)

حکیم الامت کی گواہی سے مرزا صاحب کی صحبت کا اثر معلوم ہوا کہ لوگ زیادہ خراب ہوتے ہیں ڈاکٹر مولوی محمد عبدالحکیم صاحب نے اپنی بیویاں اور تمام متعلقین کے کھانے پینے میں کمی کر کے اپنی ذاتی آمدنی سے ہزار ہا روپے مرزا صاحب کی تائید میں خرچ کئے اور مقروض ہوئے جس کو خود مرزا صاحب اول المومنین فرمایا کرتے تھے لیکن جب بعض اصلاحات ضروری کی انہوں نے تحریک کی تو اس قدر بگڑے کہ خدا کی پناہ۔ (ک ۳۱)

دنیاداری:

زمینداروں اور کھیتی کرنے والوں میں ہونے کا افتخار۔ (ص ۲۱۲)

امیرانہ بلکہ شاہانہ خوراک لباس وفرش وفروش ومکانات وباغات جائداد زیور رکھتے ہیں اور عیش وعشرت میں مستغرق ہیں۔ (ف ۳۷)

اپنی اور اپنے اہل بیت کی تصویریں بیچ کر روپیہ حاصل کرنا اور اقسام کے چندے ماہواری اور موقت وغیر معمولی وغیرہ میں دائمی استعمال کرنا۔ (ف ۳۸)

مرزا صاحب کی حالت دنیاداری نے ان کے اس الہام کو باطل کردیا۔ **کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل** اگر خدا نے ان سے کہا تھا تو بے خان ومان مثل عیسیٰ کے رہتے۔ (ی ۳۴۲)

طرح طرح کے چندوں کا بار مریدوں کی حیثیت سے بڑھ کر ان پر ڈالا جاتا ہے اور ان غریبوں کے خون سے کیوڑا، عنبر، مشک، بید مشک، مفرحات ومقویات کی بھرمار رہتی ہے بیوی سونے کے زیورات سے لدگئی۔ مکانات وسیع ہوگئے۔ قورما پلاؤ با فراط کھایا جاتا ہے اور حکم جاری کیا گیا ہے کہ جو شخص تین ماہ تک چندہ ادا نہ کرے وہ جماعت سے خارج کیا جائے گا۔ (س ۴۲)

چندے وغیرہ کا روپیہ قوم سے لیکر بیوی صاحبہ کے سپرد کردیتے ہیں پھر نہ اس کا حساب نہ نگرانی۔ (ک ۴۹)

تدابیر

عام کامیابیوں کی تدبیر:

براہین احمدیہ میں بمقابلہ آریہ وغیرہ وحی کی ضرورت ثابت کی۔ (ی ۸۴)

وحی منقطع نہیں کیونکہ وحی اور الہام ایک ہیں اور الہام منقطع نہیں۔ (ص ۱۶۲ ی ۲۱۵)

الہام قطعی اور یقینی ہے۔ (ص ۱۶۳)

الہام دوسروں پر حجت ہے۔ (ص ۱۶۳)

ہمارا دعویٰ الہام سے پیدا ہوا۔ (ص ۱۶۲)

ہر شخص کو حسن ظن کی ضرورت ہے۔ (ی ۱۰۶)

(م) الہام اور کشف کو سنکر چپ ہونا چاہیے۔ (ص ۲۸۸)

الہام الٰہی و کشف صحیح ہمارا موید ہے۔ (ص ۲۸۸)

اس زمانے میں نبی کی ضرورت ثابت کرنے کی تدبیر:

جب دل مردہ ہو جائیں اور ہر کسی کو جیفہ دنیا ہی پیارا دکھائی دیتا ہے۔ اور ہر طرف سے روحانی موت کی زہرناک ہوا چل رہی ہو تو ایسے وقت خدا کا نبی ظہور فرماتا ہے۔ (ی ۵۳۷، ۵۳۵)

جب یہ ظلمت اپنے اس انتہائی نقطے تک پہنچ جاتی ہے جو اس کے لیے مقرر ہے تو صاحب نور اصلاح کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ (ی ۵۳۹)

خلاصہ یہ کہ آنحضرت ﷺ کے ظہور کے وقت ایسی ظلماتی حالت پر زمانہ آ چکا تھا جو حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ھو الذی یصلی علیکم وملائکتہ لیخرجکم من الظلمات الی النور**۔ (ی ۵۴۰)

اس وقت بجز دنیا اور دنیا کے ناموں اور دنیا کے آراموں اور دنیا کی عزتوں اور دنیا کی راحتوں اور دنیا کے مال و متاع کے اور کچھ ان کا مقصود نہیں رہا تھا۔ (ی ۵۴۹) (جیسا کہ مرزا صاحب کے حالات موجودہ سے ظاہر ہے)

اسی طرح جب گمراہی اپنی حد کو پہنچ جاتی ہے اور لوگ راہ راست پر قائم نہیں رہتے تو اس حالت میں بھی وہ ضرور اپنی طرف سے کسی کو مشرف بوحی کر کے اور اپنے نور خاص کی روشنی عطا فرما کر ضلالت کی تاریکی کو اس کے ذریعے سے اٹھاتا ہے۔ (ی ۵۵۴)

ضرورت کے وقتوں میں کتابوں کا نازل کرنا خدائے تعالیٰ کی عادت ہے۔ (ی ۵۵۶)

اس کے بعد مرزا صاحب نے کوشش کر کے اپنے زمانے کو اس زمانے کا مشابہ اور مثیل ثابت کیا جس میں آنحضرت ﷺ کے نبی ہونے کی ضرورت ہوئی تھی چنانچہ فرماتے ہیں۔ اس زمانے میں ظلمت عامہ اور تامہ پھیل گئی ہے۔ (ف ۷۱)

مگر اس کے دیکھنے کی ہر آنکھ میں صلاحیت نہیں چشم خفاش چاہیے مسلمانوں کی یہ حالت ہو گئی کہ بجز بدچلنی اور فسق و فجور کے ان کو کچھ یاد نہیں۔ (ف ۷۲)

جس طرح یہود کے دلوں سے توریت کا مغز اور بطن اٹھایا گیا تھا اسی طرح قرآن کا مغز اور بطن مسلمانوں کے دلوں سے اٹھایا گیا۔ (ل ۲۹۲)

خدا نے قرآن میں فرمایا کہ ۱۸۵۷ء میں میرا کلام اٹھایا جائے گا۔ (ف ۷۲)

قرآن زمین پر سے اٹھالیا گیا۔ (ف ۷۲)

اس موقع پر مرزا صاحب کو ان سب باتوں کے بھولنے کی بھی ضرورت ہوئی جو براہین میں لکھا تھا کہ شریعت فرقانی مکمل و مختتم ہے۔ قرآن کی ہزار ہا تفسیریں حافظ ہیں مسلمانوں کا تزلزل ممکن نہیں۔ وغیر ذالک۔

نبی بننے کی تدبیر:

الہام ہوا **هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله**(ل ۱۹۲) یعنی خدا نے ان سے کہا کہ اللہ ہی نے اپنے رسول (غلام احمد قادیانی) کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ تمام دینوں پر اس کو غالب کر دے۔ اور الہام ہوا **قل جاء کم نور من الله فلا تکفروا ان کنتم مؤمنین**.(ل ۱۹۳)

یعنی خدا نے ان سے کہا کہ کہہ دے (اے غلام احمد) کہ اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نور آیا ہے سو تم اگر مسلمان ہو تو اس کا انکار مت کرو اور الہام ہوا کہ دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہیں کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا۔ (ل ۲۳۳)

الہام ہوا کہ **قل جاء الحق وزھق الباطل** یعنی حق آیا اور باطل نابود ہوگیا۔ اور الہام ہوا **کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی الا ان حزب اللہ ھم الغالبون** (ل۱۹۷)
یعنی خدا لکھ چکا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب ہوں گے یاد رکھو کہ اللہ ہی کا گروہ غالب ہے اور الہام ہوا **قل انی امرت و انا اول المؤمنین** (ل۱۹۲)
یعنی خدا نے ان سے کہا کہ اے غلام احمد ان لوگوں سے کہہ دے کہ میں مامور ہوا ہوں اور میں ایمانداروں میں پہلا شخص ہوں یعنی ان کی نبوت اور ان کے دین پر ان کے ایمان کے بعد ان کی امت ایمان لائے گی کیونکہ پہلے نبی کو اپنی نبوت پر ایمان لانے کی ضرورت ہے جیسا کہ حق تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے **قل انی امرت و انا اول المؤمنین** ان کے اس الہام سے ظاہر ہے کہ ان کے دین کے کارخانہ کی ابتداء مستقل طور پر ان سے ہوئی ورنہ وہ ہمارے دین میں **اول المؤمنین** نہیں ہو سکتے۔ اگرچہ مرزا صاحب تواضع کی راہ سے یہ بھی فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کا ظِلّ ہوں مگر ان کی امت کے کامل الایمان افراد ہرگز باور نہیں کرسکتے وہ ضرور کہیں گے ظِلّ کیسا وہ تو ایک مہمل اور بے اصل چیز ہے۔ ہمارے اعلیٰ حضرت چیز دیگر ہیں ان کو وہ بات حاصل ہے کہ (نعوذ باللہ) خود نبی ﷺ کو حاصل نہ تھی وہاں جبرائیل کا واسطہ تھا یہاں خود خدا بے پردہ ہوکر باتیں کرتا ہے۔ چنانچہ اپنے روبرو سے ان کو نذیر اور رسول بنا کر بھیج دیا ہر کہ شک آرد کافر گردد چنانچہ خود مرزا صاحب نے فرمادیا کہ میرا منکر کافر ہے۔ اسی وجہ سے ان کا خاتم الانبیاء ہونا مسلم ہو چکا ہے جیسا کہ تحریرات سے ظاہر ہے۔ مگر ہمارے نبی ﷺ کے امتیوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ اگر مرزا صاحب سچے دل قسم کھا کر بھی کہیں کہ میں ظِلّی نبی ہوں جب بھی وہ قابل قبول نہیں اس لیے کہ ہمارے نبی ﷺ نے صاف فرمادیا ہے کہ میرے بعد جو رسول یا نبی ہونے کا دعویٰ کرے وہ کذاب ہے دجال ہے یہ کبھی نہیں فرمایا کہ ظِلّی نبی یا رسول ہونے کا دعویٰ کرے تو مضائقہ نہیں۔

عیسیٰ بننے کی تدبیر:

مسیح کے آنے کا بیان قرآن میں اجمالاً اور احادیث میں تصریحاً ہے۔ (ص ۳۱)

اور احادیث اس باب میں متواتر ہیں۔ (ص ۲۷۱)

مگر نبی ﷺ نے جو فرمایا ہے کہ وہ آسمان سے اتریں گے۔ اور دمشق کے منارے کے پاس اتریں گے۔ اور دجال کو قتل کریں گے جو یہودی ہوگا۔ اور ان کے سوا جو علامات مختصہ مرزا صاحب میں نہیں پائی جاتیں وہ قابل تاویل بلکہ غلط ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کو کشف میں (نعوذ باللہ) غلطی ہوگئی تھی اور عیسیٰ اور دجال اور یاجوج و ماجوج کی حقیقت حضرت پر کھلی نہ تھی۔ (ف ۱۱۵)

(عیسیٰ و دمشق وغیرہ) ظاہر پر محمول نہیں سب کے سب پیشگوئی پر ایمان لائے تھے۔ (ص ۲۸۱)

اگر دمشق والی حدیث ماننی ضروری ہے تو اس سے مراد اصلی دمشق نہیں بلکہ قادیان ہے۔ (ص ۳۸۳)

رہا مینار سو وہ تو مرزا صاحب نے قادیان میں بنا ہی لیا۔ (ف ۱۱۷)

مرزا صاحب نے مسیح موعود بننے کے دو طریقے اختیار کئے ایک مثیل مسیح ہونا اس کی تدبیر یہ کہ پہلے تو کل علماء مثیل انبیاء ہیں۔ (ص ۲۸)

پھر الہام سے خدا نے خاص طور پر نوح اور ابراہیم اور موسیٰ وغیرہ انبیاء کا مثیل ان کو بنا دیا۔ (ف ۵۳)

پھر الہام ہوا کہ روحانی طور پر وہ مسیح ہیں۔ (ص ۱۶)

اگرچہ مسیح علیہ السلام اپنے وقت مقررہ پر آجائیں گے۔ (ص ۱۴)

مگر ان کا مثیل جو موعود ہے وہ مرزا صاحب ہیں (ص ۳۱)

دوسرا طریقہ یہ کہ جس نبی کا کوئی مثیل ہوتا ہے خدا کے نزدیک اس کا وہی نام ہوتا ہے یعنی خدا کے نزدیک مرزا صاحب کا نام عیسیٰ ابن مریم ہے۔ (ص ۴۷۳)

بلکہ خدا نے ان کا نام عیسیٰ رکھ کر براہین احمدیہ میں چھپوا کر مشہور بھی کر دیا۔ (ص ۲۶)

پھر الہام ہوا کہ عیسیٰ ابن مریم تو فوت ہو گیا۔ اور یہ بھی الہام ہوا کہ **جعلناک المسیح ابن مریم** یعنی ہم نے تجھ کو مسیح ابن مریم تو بنا دیا۔ اور الہام ہوا کہ **یا عیسٰی انی متوفیک ورافعک الٰی وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الٰی یوم القیامۃ ھوالذی ارسل رسولہ بالھدٰی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ.**

اس عبارت کا ترجمہ خود مرزا صاحب نے لکھا ہے اے عیسیٰ میں تجھے وفات دوں گا اور اپنی طرف اٹھاؤں گا اور وہ جو تیرے تابع ہوئے ہیں انہیں ان دوسرے لوگوں پر جو تیرے منکر ہیں قیامت کے دن تک غالب رکھوں گا خدا وہ قادر ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچائی دیکر بھیجا تا کہ سب دینوں پر حجت کی رو سے اس کو غالب کرے۔ یہ وہ پیشگوئی ہے جو پہلے سے قرآن شریف میں انہیں دنوں کے لیے لکھی گئی۔ (ل ۱۶۲)

مطلب اس کا ظاہر ہے کہ **انی متوفیک ورافعک** میں جو جھگڑے ہو رہے ہیں، فضول ہیں، نہ اصل عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے اس کو تعلق ہے، نہ ان کے رفع سے۔ بلکہ اس میں یہ خبر دی گئی ہے کہ مرزا صاحب مر کے اٹھائے جائیں گے (مگر دفن بھی کئے جائیں گے یا نہیں اس کی خبر نہیں دی گئی) اور جو لوگ ان کی عیسویت کا انکار کرتے ہیں۔ وہ قیامت تک مرزائیوں کے مغلوب رہیں گے۔ ایک الہام کی جوڑ لگانے سے پوری آیت مرزا صاحب کے قبضے میں آ گئی اور خدا کے کہنے سے ان کو معلوم ہو گیا کہ حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو قرآن کے ذریعے سے جو خبر دی کہ **اذقال اللہ یا عیسٰی انی متوفیک ورافعک** جس کا مطلب یہ سمجھا گیا تھا کہ خود عیسیٰ علیہ السلام سے خدائے تعالیٰ نے بطور

پیشگوئی فرمایا تھا کہ تم اٹھائے جاؤ گے سو وہ (نعوذ باللہ) غلط تھا۔ دراصل وہ پیشگوئی انہیں دنوں کے لیے تھی کہ مرزا صاحب مریں گے یہ تو قرآن سے انکی عیسویت کا ثبوت تھا اب احادیث سے بھی اس کا ثبوت لیجئے۔ الہام ہوا **لا مبدل لکلمات اللہ انا انزلناہ قریبا من القادیان و بالحق انزلناہ وبالحق نزل صدق اللہ و رسولہ** جس کا ترجمہ مرزا صاحب خود لکھتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے ان وعدوں کو جو پہلے سے اس کے پاک کلام میں آ چکے ہیں کوئی بدل نہیں سکتا یعنی وہ ہرگز ٹل نہیں سکتے اور اس کے بعد فرماتا ہے ہم نے اس مامور کو مع اپنی نشانیوں اور عجائبات کے قادیان کے قریب اتارا اور سچائی کے ساتھ اتارا اور سچائی کے ساتھ اترا اور اس کے رسول کے وعدے جو قرآن و حدیث میں تھے آج سچے ہوئے۔ (ل ۱۹۲)

یعنی جو قرآن میں مرزا صاحب کے قادیان میں اترنے سے وہ سب وعدے پورے ہو گئے۔ یہ خبر خود خدا نے مرزا صاحب کو دی۔ اگرچہ عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا مرزا صاحب کو مسلم نہیں مگر مسلمانوں کے اعتقاد کے لحاظ سے ان کو بے باپ کے بھی بننا ضرور تھا۔ اس لیے فرماتے ہیں کہ مثالی طور پر بھی عاجز عیسیٰ ابن مریم ہے جو بغیر باپ کے پیدا ہوا کیا تم ثابت کر سکتے ہو کہ اس کا کوئی باپ روحانی ہے کیا تم ثبوت دے سکتے ہو کہ تمہارے سلاسل اربعہ میں کسی سلسلے میں یہ داخل ہے پھر اگر یہ ابن مریم نہیں تو کون ہے۔ (ل ۶۵۹)

یہ بات تو سچ ہے کہ مرزا صاحب بے پیرے ہیں مگر اتنی بات تو کل ملحدوں اور بے دینیوں پر بھی صادق آتی ہے پھر کیا مرزا صاحب اس کا ثبوت دے سکتے ہیں کہ ان کا کوئی باپ روحانی ہے یا سلاسل اربعہ میں کے کسی سلسلے میں داخل ہیں پھر کیا ان کو بھی اس سوال میں شامل فرمالیں گے کہ وہ ابن مریم نہیں تو کون ہیں۔

وحی اتارنے کی تدبیر:

مرزا صاحب نے یہ تو دیکھ لیا کہ مخالفین کی کوششوں سے بعض مسلمان عیسائی اور مرزائی وغیرہ ہو جاتے ہیں مگر یہ نہیں دیکھا کہ علمائے اسلام کے وعظ ونصائح سے ہر طرف لاکھوں مختلف ادیان والے جوق درجوق اسلام میں داخل ہوتے جاتے ہیں جیسا کہ اخباروں سے ظاہر ہے باوجود اس کے اس زمانے کو خالص کفر کا زمانہ قرار دیکر لکھتے ہیں کہ جب گمراہی اپنی حد کو پہنچ جاتی ہے تو خدائے تعالیٰ ضرور اپنی طرف سے کسی کو مشرف باوحی کر کے بھیجتا ہے۔(ی ۵۵۴)

اور ضرورت کے وقتوں میں کتابوں کا نازل کرنا بھی خدائے تعالیٰ کی عادت ہے۔(ی ۵۵۶)

اور اس کی علت یہ لکھتے ہیں کہ ممکن نہیں کہ خدا پتھر کی طرح خاموش رہے۔(ی ۲۹۴)

اور الہام کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔(ی ۲۰۳)(مگر مدعیوں کی وہاں تک رسائی نہیں)

پھر اس الہام سے اپنے پر وحی کا اترنا ثابت کیا **قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی** یعنی کہ اے غلام احمد کہ میں صرف تمہارے جیسا ایک آدمی ہوں مگر مجھ پر وحی آتی ہے(ی ۵۱۱)

مرزا صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ جن علامات الٰہیہ کا نام ہم وحی رکھتے ہیں۔ علمائے اسلام اپنے عرف میں الہام بھی کہا کرتے ہیں(ص ۱۶۲)

جس کا مطلب یہ ہوا کہ صرف نام کا فرق ہے دراصل اپنی وحی الہام ہی ہے جو اوروں کو بھی ہوا کرتا ہے مگر جب خدا نے ان کو یہ کہنے کا حکم کیا کہ مجھ پر وحی اترتی ہے تو اب کس کا خوف ہے صاف کہہ دیتے کہ یہ وہ وحی نہیں جو اور ملہموں کو بھی ہوا کرتی ہے بلکہ یہ وہ وحی ہے جو خاص پیغمبر خدا ﷺ پر اترتی تھی کیونکہ خدائے تعالیٰ نے اس باب میں مجھ پر بھی وہی وحی کی جو پیغمبر ﷺ پر کی تھی یعنی **قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی** مگر جو بات بنائی ہوئی ہوتی

ہے کتنی بھی جرات سے کہی جائے اندرونی کمزوری کے آثار اس پر نمایاں ہو ہی جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ لکھتے ہیں کہ وحی رسالت بجہت عدم ضرورت منقطع ہے۔(ی ۲۱۵)
خود کہتے ہیں کہ خدا نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے اور اپنے پر وحی کا اترنا بھی خدا کے کلام سے ثابت کرتے ہیں۔ اور گمراہی حد کو پہنچنے سے رسول اور وحی اور کتاب آسمانی کا اترنا مقتضائے وقت بتلاتے ہیں تو اب وحی رسالت میں کون سی کسر رہ گئی مگر یہ بھی ایک قسم کا دھوکا ہے دراصل ان کو وحی رسالت ہی کا دعویٰ ہے اس لیے کہ بہ تصریح کہہ رہے ہیں کہ اپنی وحی قطعی اور دوسروں پر حجت ہے۔(ص ۱۶۳)
اور ظاہر ہے کہ یہ قوت سوائے وحی رسالت کے اوروں کے الہاموں میں نہیں یہ تو سب ان کے دعوے ہیں مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی وحی میں بالکل اشتباہ نہیں اور مرزا صاحب کے اکثر بلکہ کل الہام جھوٹے ثابت ہوئے تو عقل خداداد صاف حکم کر دیتی ہے کہ یہ سب ان کے داؤ پیچ ہیں۔

امام مہدی بننے کی تدبیر:

امام مہدی کے خروج کے باب میں احادیث جو وارد ہیں متواتر ہیں جس کی تصریح محدثین نے کی ہے ان میں مصرح ہے کہ امام مہدی عیسیٰ علیہ السلام سے پیشتر نکلیں گے اور جب عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے تو وہ امام مہدی کی اقتدا کریں گے۔(ف ۱۵۶)
مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ وہ سب حدیثیں غلط ہیں (ف ۱۵۹)
عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں کوئی مہدی نہ ہوگا (ف ۱۶۱)
اور ممکن ہے کہ امام محمد کے نام سے کوئی مہدی آ جائے (ف ۱۶۲)
البتہ حدیث **لا مھدی الا عیسیٰ** لائق اعتبار ہے (ف ۱۶۱)

حالانکہ محدثین نے تصریح کی ہے کہ یہ حدیث ضعیف، منکر، منقطع، مجہول ہے (ف ۱۶۱)
غرض کہ اس تدبیر سے اتنا ثابت ہوا کہ مرزا صاحب کے زمانے میں کوئی مہدی نہیں ہوسکتا مگر منصب مہدویت فوت ہوئے جاتا تھا۔ اس لیے اس کی یہ تدبیر کی جو لکھتے ہیں کہ احادیث نبویہ کا لب لباب یہ ہے کہ تم جب یہود بن جاؤ گے تو تم میں عیسیٰ ابن مریم آئے گا۔ (یعنی غلام احمد قادیانی) اور جب تم سرکش ہو جاؤ گے تو محمد بن عبداللہ ظہور کرے گا جو مہدی ہے اور یہ نام اس کا اللہ کے نزدیک ہوگا اور دراصل وہ مثیل محمد ﷺ کا ہے (ف ۱۶۶)
اور اپنا مثیل ہونا اس طور پر ثابت ہے کہ بار بار احمد کے خطاب سے مخاطب کر کے خدا نے **ظِلّی** طور پر مجھے محمد مصطفیٰ ﷺ قرار دیا (ف ۵۳)
الحاصل گو نام اپنا غلام احمد ہے مگر اللہ کے نزدیک محمد ابن عبداللہ نام ہے جو مہدی موعود ہے۔
جلسہ تعطیلات دسمبر ۱۸۹۰ء میں جو لوگ قادیان میں جمع ہوئے تھے ان کی فہرست میں نے خود تیار کی تھی جو دافع الوسواس میں شائع ہوئی بعد ازاں جو حدیث کدع آپ کو معلوم ہوئی جس میں یہ ذکر ہے کہ مہدی اپنے اصحاب کو جمع کرے گا ان کی تعداد اہل بدر کے مطابق (۳۱۳) ہوگی اور ان کے نام مع سکونت وغیرہ ایک کتاب میں درج کرے گا۔ تب اپنی اصل فہرست میں تراش خراش کر کے (۳۱۳) ناموں کی فہرست انجام آتھم میں شائع کر دی بعض نام پہلی فہرست میں سے نکال دیے اور بعض نئے نام ایزاد کر دیئے۔ (س ۱۹)

حارث بننے کی تدبیر:

حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص حارث نام امام مہدی کی تائید کے لیے لشکر لیکر ماوراء النہر سے روانہ ہوگا جس کے مقدمۃ الجیش پر ایک سردار ہوگا جس کا نام منصور ہوگا ہر مسلمان پر اس کی نصرت ضروری ہے۔ (ف ۱۷۴)

مرزا صاحب نے دیکھا کہ عیسیٰ اور مہدی تو بن گیا مگر روپیہ فراہم کرنے کی اب تک کوئی دستاویز ہاتھ نہ آئی۔ البتہ حارث کو نصرت دینے کا حکم ہے یہاں داؤ چل سکتا ہے کہ نصرت سے مراد چندے ہیں اس لیے فرمایا کہ الہام سے مجھ پر ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ حارث جس کا ذکر حدیث میں ہے اس کا مصداق یہی عاجز ہے (ف ۵۲)

اور اگر ظاہری معنی دیکھتے ہو تو حارث زمیندار کو کہتے ہیں اور میں زمیندار ہوں (ف ۱۷۵)

اگر چہ میں ماوراء النہر سے لشکر لیکر نہیں نکلا مگر میرے اجداد تخمیناً چار سو برس کے پیشتر ایک جماعت کثیر کے ساتھ سمرقند سے بابر بادشاہ کے پاس دلی کو آئے تھے۔ (ف ۱۷۸)

اس میں شک نہیں کہ دسویں گیارہویں پشت میں مرزا صاحب کا گو خیالی وجود نہ سہی مگر کسی احتمالی قسم کا وجود تو ضرور تھا۔ بہر حال مرزا صاحب حارث بھی ہیں اور ماوراء النہر سے بھی لشکر لیکر نکل آئے۔ اب رہ گیا یہ کہ اس لشکر کا سردار منصور نام ہوگا سو اس کی تدبیر ہے کہ آسمانوں پر منصور کے نام سے وہ پکارا جاتا ہے (ف ۱۸۰)

یہاں مرزا صاحب نے لشکر کا نام تو لے لیا۔ مگر اس کے ساتھ ہی خلجان پیدا ہو گیا کہ کہیں بغاوت کا الزام قائم نہ ہو جائے اس لیے گورنمنٹ کو سمجھانے کی یہ حکمت عملی کی کہ اگر چہ اس منصور کو سپہ سالار کے طور پر بیان کیا ہے۔ مگر اس مقام میں در حقیقت جنگ وجدل مراد نہیں بلکہ ایک روحانی فوج ہوگی کہ اس حارث کو دیجائے گی جیسا کہ کشفی حالت میں اس عاجز نے دیکھا (ف ۱۸۰)

مطلب یہ کہ حدیث میں جو لفظ رایات سود اور مقدمۃ الجیش وغیرہ لوازم لشکر مذکور ہیں وہ حضرت کے کشف کی (نعوذ باللہ) غلطی تھی۔

اور امام مہدی کی تائید کی غرض سے حارث کے نکلنے کی تدبیر یہ کی کہ آل محمد سے اتقیائے مسلمین جو سادات قوم ہیں اور شرفائے ملت ہیں اس وقت کسی حامی دین کے محتاج ہیں (ف ۱۸۲)

لیجئے مرزا صاحب اب خاصے حارث ہیں اور مسلمانوں پر ان کی مدد واجب ہے چنانچہ اسی وجہ سے کئی شاخیں چندے کی کھولی گئیں۔ (ف ۱۷۷)

اپنی اولاد میں عیسویت قائم کرنے کی تدبیر:

براہین احمدیہ میں مرزا صاحب نے ایک الہام لکھا جس میں خدا نے ان کو یا مریم کہہ کر پکارا۔ (ص ۲۲)

اسی بناء پر لکھتے ہیں کہ اس مسیح کو بھی یاد رکھو جو اس عاجز کی ذریت میں ہے جس کا نام ابن مریم رکھا گیا ہے اس لیے کہ خود مریم ہیں۔ (ص ۲۲)

اور لکھتے ہیں کہ قطعی اور یقینی پیشگوئی میں خدا نے ظاہر کر رکھا ہے کہ میری ذریت سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کو کئی باتوں میں مسیح سے مشابہت ہوگی وہ آسمان سے اترے گا۔ (ف ۵۶)

اور لکھتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں تیری ذریت کو بڑھاؤں گا۔ اور تیرے خاندان کی تجھ سے ہی ابتدا اقرار دیجائے گی ایک اولوالعزم پیدا ہوگا وہ حسن اور احسان میں تیرا نظیر ہوگا وہ تیری نسل سے ہوگا فرزند دلبند گرامی وارجمند **مظہر الحق و العلا کان اللہ ینزل من السماء**(ف ۵۶)

واضح رہے کہ مرزا صاحب کو جس طرح یا مریم کا خطاب ہوا اسی طرح یا عیسیٰ کا بھی خطاب ہوا جیسا کہ ابھی معلوم ہوا ان الہاموں کی رو سے مرزا صاحب میں مریم اور عیسیٰ دونوں کی حقیقت صنفیہ جمع ہے جس کا کشف ان کو ہوا جب ایسی با حرمت حقیقتوں کے اجتماع سے فرزند دلبند پیدا ہو تو اس کے احترام صاحبزادگی میں کیا کلام تعجب نہیں کہ اپنے زمانے میں وہ ثالث ثلثہ کا مصداق بن جائے۔ بہر حال مرزا صاحب ہی فقط عیسیٰ نہیں بلکہ ان کی اولاد میں بہت سے عیسیٰ ہونے والے ہیں اور یہ سلسلہ بہت دور تک خیال کیا گیا ہے جیسا کہ اس

الہام سے ظاہر ہے **یاتی علیک زمان مختلف بازواج مختلفۃ تری نسلا بعیدا.** (ل ۶۳۵)

یعنی تجھ پر ایک زمانہ مختلف آئے گا **ازواج مختلفۃ** کیساتھ اور دیکھ لے گا تو دور کی نسل کو **ازواج مختلفۃ** سے غالباً اس الہام کی طرف اشارہ ہے۔ **یا احمد اسکن انت و زوجک الجنۃ** (ص ۲۱،۱۸)

جس کے معنی خود بتلاتے ہیں کہ زوج سے مراد اپنا تابع ہے اگرچہ الہامات مختلفہ سے **ازواج مختلفہ** کا ثبوت ملتا ہے مگر نسل بعید کی توجیہہ غور طلب ہے ممکن ہے کہ بعید سے ملہم کی مراد **بعید عن العقل** ہو۔ ہمیں اس میں کلام نہیں کہ حقائق مختلفہ کا اجتماع کیونکر جائز رکھا گیا مگر ہم یہ پوچھتے ہیں کہ جب ایسے **بعید عن العقل** امور جائز رکھے جاتے ہیں تو عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر جانا اور وہاں مثل فرشتوں کے رہنا کیوں مستبعد اور قابل انکار سمجھا جاتا ہے۔

خارق عادات معجزوں سے سبکدوشی کی تدبیر:

مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کر کے یہ تو کہہ دیا کہ میرے معجزے تمام انبیاء کے معجزوں سے بڑھ کر ہیں۔ (ف ۵۳)

مگر چونکہ ممکن نہ تھا کہ کوئی خارق العادت معجزہ دکھلاتے اس لیے فرمایا کہ کھلے کھلے معجزے ہرگز وقوع میں نہیں آسکتے۔ (ص ۸۰)

اور انبیاء کے معجزے منکروں کے مشابہ محجوب الحقیقت ہیں۔ (ص ۷۰)

پرانے معجزے مثل کتھا کے ہیں جس کا ایمان عیسائیوں اور یہودیوں اور ہندوؤں کی طرح صرف قصوں اور کہانیوں کے سہارے پر موجود ہو (یعنی معجزوں پر) اس کے ایمان کا کچھ ٹھکانہ نہیں۔ (ص ۲۶۷،۲۶۶)

پھر جن معجزوں کا ذکر قرآن شریف میں ہے ان کو مسمریزم قرار دیا۔ (ص ۵۴)

اور لکھا کہ یہ کام قابل نفرت ہے اس لیے میں اس کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ (ص ۲۹۹)

اس کے بعد معجزوں کی دو قسمیں کیں ایک نقلی جن کو کتھا قرار دیا دوسرے عقلی یعنی داؤ پیچ اور عقلی معجزے ایسے یقینی ہیں کہ محجوب الحقیقت یعنی نقلی معجزے ان کی برابری نہیں کر سکتے۔ (ی ۴۶۷)

پھر مدعیان نبوت و مہدویت وغیرہ کے کارناموں سے مدد لیکر طبیعت کے خوب سے جوہر دکھائے اور لکھا کہ خوارق عادات ہم بھی دکھا سکتے ہیں مگر ان کے ظہور کے لیے یہ شرط ہے کہ طالب صادق کینہ و مکابرہ چھوڑ کر بہ نیت ہدایہ صبر و ادب سے انتظار کرتا رہے۔ (ل ۴۳)

جس سے مقصود ہو یہ کہ نہ کوئی ایسا مودّب ملے نہ وہ معجزہ ظاہر ہو۔ پھر چار سو بت پرستوں کو نبی قرار دیکر ان کی کشف کی غلطیاں ثابت کیں بلکہ خود آنحضرت ﷺ کے کئی کشفوں کو غلط قرار دیا۔ (ص ۲۶۷)

تا کہ اپنے کشفوں اور الہاموں کی غلطیاں قابل اعتراض نہ ہوں۔ الحاصل خارق العادات معجزوں کو محال بتا کر صرف داؤ پیچ میں معجزوں کو محدود کر دیا۔ اور اس میں بھی گریز کا موقع لگا رکھا کہ اگر کوئی داؤ نہ چلے تو اسی قسم کی غلطیوں میں شریک کر لیا جائے۔

الہاموں کی تدبیر:

ایسی شرطیں لگا دینی کہ جن سے گفتگو کو گنجائش ملے جیسے آتھم پندرہ مہینے میں مرے گا بشرطیکہ رجوع الی الحق نہ کرے۔ (ص ۱۶۶)

قرائن سے کام لینا جیسے لیکھرام کی بدزبانیوں سے یقین ہو گیا کہ مسلمان اس کے دشمن ہو گئے مارا جائے گا الہام ہو گیا کہ چھ برس میں اس پر عذاب نازل ہو گا جو خارق العادت ہے۔

مناسب حال ایک طویل مدت قرار دینا جیسے لیکھرام، اور آتھم کی موت کی مدت بالائی تدابیر

سے کام لینا مثلاً آتھم کو وہ دھمکیاں دیں کہ وہ بھاگا پھر اسی کا نام **رجوع الی الحق** رکھ دیا اور مرزا احمد بیگ کی لڑکی سے نکاح کے باب میں یہ خیال کیا کہ خوشامدوں اور داؤ پیچ سے کام نکل آئے گا۔ (ص ۱۹۴)

پہلو دار الفاظ کا استعمال جیسے ہاویہ اور **رجوع الی الحق** آتھم والے الہام میں اگر وقوع ہو گیا تو مقصود حاصل ہے ورنہ احتمالی دوسرا پہلو موجود ہے اسی طرح **عفت الدیار محلها و مقامها** کے معنی پہلے طاعون کے لکھے پھر جب زلزلے ہونے لگے تو اس کے وہی معنی مشتہر کر دیئے۔ (ص ۴۰)

داؤ پیچ سے کام لینا جیسا کہ مولوی محمد حسین صاحب والے الہام میں دھوکا دیکر ایک فتویٰ حاصل کیا اور اس کی تطبیق ان پر کر دی۔ (ص ۲۱۱) خلاف واقع باتیں گھڑ لینی جیسا کہ مولوی محمد حسین کی ذلت والے الہام میں عزت کی چیزوں کو بھی ذلیل قرار دیں۔

بالائی تدابیر سے عاجز کرنا مثلاً تین برس میں ایک رسالہ اعجاز احمدی لکھ کر اس غرض سے بھیجا کہ پانچ روز میں اس کا جواب دو جو ممکن نہ تھا اور اعلان دیدیا کہ یہ معجزہ ہے۔ (ص ۲۱۸)

ابتدا میں کمال جرأت اور انتہا میں گریز جیسا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی نسبت پیشگوئی کی کہ پیشگوئیوں کی پڑتال کے لیے وہ ہرگز نہ آئیں گے اگر آئیں تو ایک لاکھ پندرہ ہزار روپے ان کو دیے جائیں گے اور جب آ گئے تو گالیاں دیکر گریز کر گئے۔ (ص ۲۲۶)

بعض الہاموں کا ایک جز ثابت ہوتا ہے اور اکثر حصہ غلط اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیاطین بھی ان کو خبر دیتے ہیں (ص ۴۰)

جس طرح ابن صیاد نے بجائے دخان، دخ کی خبر دی تھی۔ کبھی تخمینے سے الہام بنایا گیا جو غلط نکلا مثلاً دیکھا کہ طاعون ملک میں پھیل رہا ہے الہامی پیشگوئی کر دی کہ دو سال میں طاعون پنجاب میں آ جائے گا مگر نہ آیا۔ (ص ۳۵)

خاتم الانبیاء بننے کی تدبیر:

الہام ہوا یا احمد (ی ۲۴۲)

اور فرماتے ہیں میں مثیل محمد ﷺ ہوں۔ اور فرماتے ہیں میں ظلی طور پر محمد ﷺ ہوں۔ (ف ۵۳)
پھر ان الہاموں کی بھر مار کردی جو آنحضرت ﷺ کی خصوصیات سے ہیں مثلاً **وما ارسلناک الا رحمة للعلمین**۔ (ی ۵۰۶)

لولاک لما خلقت الافلاک، یا ایہا المدثر، انا فتحنا لک فتحا مبینا، زَوّجنٰکھا وغیرہ الہامات مذکورہ۔

مرزا صاحب کو حضرت کی ظلیت کا دعویٰ ہے اور اسی بنا پر حضرت کی خصوصیات کے بھی مدعی ہیں۔ مگر یہ امر مشاہد ہے کہ ظل میں کوئی بات اگر ظاہر ہوتی ہے تو اسی قسم کی ہوتی ہے۔ جو اصل یعنی **ذی الظِل** میں محسوس ہو مثلاً حرکت اور شکل میں وجہ پھر اس کے کیا معنی حضرت کی خصوصیات کا تو دعویٰ ہے اور امور محسوسہ بالکلیہ مفقود ایک ہی بات دیکھ لیجئے کہ وہاں دنیا سے من جمیع الوجوہ اجتناب مشاہد تھا اور یہاں ہمہ وجوہ انہماک واستغراق محسوس ہے۔ مرزا صاحب نے خاتم النبیین بننے کا ایک طریقہ یہ بھی نکالا کہ میں فنا فی الرسول ہوں۔ (ل ۵۷۵)

مگر عقل سلیم اس کو بھی ہرگز قبول نہیں کرسکتی اس لیے کہ مرزا صاحب اپنی بیوی کی رضا جوئی میں ہمہ تن مستغرق ہیں چنانچہ اقسام کے چندے اسی غرض سے کیے جاتے ہیں کہ جو روپیہ حاصل ہو ان کو پہنچے سونے کے زیوروں سے ان کو لاد دیا فرزندوں کو محروم کرکے اپنے املاک پر ان کو قابض کردیا حالانکہ اس قسم کی کوئی بات ہمارے نبی ﷺ میں نہیں پائی گئی۔ الغرض یہ استغراق وانہماک ان کا بہ آواز بلند کہہ رہا ہے کہ مرزا صاحب فنا فی الرسول تو ہرگز ہو نہیں سکتے۔

پیسہ پیدا کرنے کی تدبیر

یوں تو جتنی تدابیر اور کارروائیاں مرزا صاحب کی ہیں سب سے مقصود اصلی اور علت غائی یہی ہے جس پر ان کی طرز معاشرت گواہ ہے۔ (ف ۳۷)

مگر ان میں سے چند وہ تدابیر لکھی جاتی ہیں جن کو اس مسئلے سے زیادہ خصوصیت ہے۔ باوجود یکہ مرزا صاحب کو عیسٰی اور مہدی اور امام الزماں اور مجدّد اور محدّث وغیرہ ہونے کا دعویٰ ہے جن کے مدارج دین میں نہایت اعلیٰ ہیں مگر انہوں نے روپیہ فراہم کرنے کی غرض سے حارث یعنی کسان بننے کو بھی قبول کرلیا۔ ہر چند حارث کے معنی وہ زمیندار لکھتے ہیں مگر کتب لغت سے اس کی غلطی ثابت ہے۔ چنانچہ غیاث و نفائس وغیرہ میں معنی مصرح ہیں حارث بمعنی مزارع ہے جس کو ہندی میں کسان کہتے ہیں اور کسان ایک ایسی ذلیل قوم ہے کہ زمینداروں کے نوکروں کے نزدیک بھی ان کی کوئی وقعت نہیں، اقسام کی تصویریں اپنی اور اپنے اہل بیت کی اور خاص جماعت کی اترواکر بیچتے ہیں جس سے لاکھوں روپے کی آمدنی متصور رہے۔ (ف ۳۸)

منارۃ المسیح جس میں گھڑی اور لالٹین لگائی گئی اس کی تعمیر کے لیے دس ہزار روپے کا چندہ کیا گیا۔ (ف ۳۷)

مسجد اور مدرسے کے لیے چندہ جیسا کہ اخبار الحکم سے ظاہر ہے کتابوں کی پیشگی قیمت وصول کرلی جاتی ہے اور کتاب ندارد (ف ۳۸)

ایک کتاب کے دونام رکھ کر دونوں کی قیمت وصول کی جاتی ہے۔ (ف ۴۱)

پریس کا غذات اور کاپی نویس کے واسطے ڈھائی سو روپے ماہانہ کا چندہ۔ (ف ۴۲)

کتاب کی قیمت لاگت سے تگنی چوگنی رکھی جاتی ہے۔ (ف ۴۳)

دعاء کی اجرت پیشگی لیجاتی ہے اور اثر ندارد (ف ۴۳)

اموال واملاک وزیورات وغیرہ کی زکوۃ دینے کی ترغیب وترہیب اس غرض سے کی جاتی

ہے کہ اپنی تصنیفات اس سے خریدی جائیں۔(ف ۴۲)

تمام چندہ مع زکوۃ بلا حساب مرزا صاحب ہی کے پیٹ میں ہضم ہو رہا ہے۔(س ۱۵)

پھر جب اہالیان سیالکوٹ نے آمد و خرچ کے انتظام کیلئے کمیٹی کی درخواست کی تو طیش میں آ کر جواب دیا گیا میں کسی کا خزانچی ہوں پھر جب مہمانوں کو تکلیف ہونے کی شکایت ہوئی تو جواب دیا گیا بھٹیارا ہوں۔(س ۱۵)

مرزا صاحب کا حکم ہے کہ جو لنگر میں چندہ نہ دے وہ اسلام سے خارج ہے۔(ک ۲۷)

قیمت کتب وغیرہ وصول کر کے اشتہار دلوا دیا کہ امام وقت وخلیفۃ اللہ کو نبیوں بقالوں تنگ دلوں زر پرستوں کے حساب سے کیا کام گو وہ مال غنیمت تھا۔(ف ۴۳)

فرماتے ہیں **ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا**۔ اس کی معنی یہ ہیں خدا جس کو چاہتا ہے حکومت عنایت کرتا ہے اور جس کو حکمت دی اس کو بہت سا مال دیا گیا۔(ی ۴۱۷)

اور فرماتے ہیں۔ دوسرا حصہ انبیاء اور اولیاء کی عمر کا فتح میں اقبال میں دولت میں بمرتبہ کمال ہوتا ہے۔(ی ۲۵۴)

یہ تدبیر قابل ملاحظہ ہے کیونکہ کوئی مرید اور امتی مرزا صاحب کا ایسا نہیں جس کو مرزا صاحب کی حکمت اور ولایت بلکہ نبوت کا اقرار نہیں۔ اس لیے ان پر فرض ہوگا کہ جس طرح انہوں نے دمشق کا مینار قادیان میں بنوا کر اپنے نبی کی عیسویت کی تکمیل کی اسی طرح اپنے نبی کے آخری حصہ عمر میں بہت سا مال دے کر دولت کے درجہ کمال تک ان کو پہنچا دیں گے تاکہ اپنے نبی کی حکمت اور ولایت کی تکمیل ہو جائے مگر یاد رہے کہ یہ منارۃ المسیح نہیں کہ دس بارہ ہزار روپے سے کام چل جائے اگر دس بیس لاکھ روپیہ بھی مرزا صاحب کی نذر کریں تو بھی اس زمانے کے لحاظ سے وہ بہت سا مال اور دولت بمرتبہ کمال نہیں ہو سکتی اس زمانے میں ادنیٰ مہاجن کروڑہا روپے کا مالک ہے۔ اس موقع میں ہم سچی پیشگوئی

کرتے ہیں کہ مرزا صاحب مال و دولت میں ہرگز اس یہودی کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتے جو اس زمانے میں دولتمندی میں کامل سمجھا گیا جس کا حال اخباروں میں درج ہے۔

ایک مقبرے کی بنیاد ڈالی جس کا نام بہشتی مقبرہ رکھا اور اس میں دفن ہونے کی یہ شرط لگائی کہ دفن ہونے والا اپنی جائداد کے دسویں حصے کی وصیت کر دے۔ (ک ۵۲)

اب ایسا کوئی شقی ہوگا کہ اس حقیر بضاعت کو دینے میں دریغ کر کے ہمیشہ کے لیے بہشت کا حصہ خرید نہ کرے۔ اس کے بعد صرف ایک الہام کی ضرورت ہے کہ جو اس بہشتی مقبرے میں دفن نہ ہو وہ دوزخی ہے اور وہ غالباً اس عرصے میں ہو گیا ہوگا یا آئندہ موقع پر ہو جائے گا۔

مرزا صاحب کے استفادات:

یوں تو مرزا صاحب کی طبیعت خود جدت پسند اور اختراعات پر قادر ہے مگر اس سے انکار ہو نہیں سکتا کہ ہر فن میں ابتداء اساتذہ سے استفادے کی ضرورت ہے۔ البتہ کثرت ممارست و مزاولت سے جب ملکہ پیدا ہوتا ہے تو پھر کسی کی تقلید کی ضرورت نہیں رہتی اسی وجہ سے براہین احمدیہ اور ازالۃ الاوہام کی تصنیف کے زمانے کی نسبت ان دنوں کی کارروائیاں مرزا صاحب کی روز افزوں ترقی کر رہی ہے جیسا کہ الحکم وغیرہ سے ظاہر ہے۔ اب ہم ان کے ابتدائی زمانے کی چند تقلیدیں بیان کرتے ہیں۔

حیلے:

ابن تومرت نے ونشریسی کو جو ایک فاضل جید تھا ایک مدت تک دیوانہ بنا رکھا پھر موقع پر اس کو عالم بنا کر ہزاروں مسلمانوں کو تباہ کیا۔ (ص ۳۳۴)

اسحٰق کئی سال گونگا رہ کر ایک دوا کے استعمال سے نبی بن بیٹھا (ص ۳۲۱)

رسالہ ''الہامات مرزا'' میں مرزا صاحب کی کارروائیاں قابل دید ہیں جن کی نظیریں متقدمین میں بھی مل نہیں سکتیں ان کی پیشگوئیاں ملاحظہ ہوں۔

واقعات میں تصرف:

یوزاسف مدعی نبوت نے ابراہیم علیہ السلام کے واقعات مندرجہ قرآن میں تصرف اور الٹ پھیر کرکے ان کو مجوسی قرار دیا۔ اسی طرح مرزا صاحب عیسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں تصرف کرکے ان کو ساحر قرار دیتے ہیں۔ (ص ۱۲۶)

عزلت ریاضت اظہار تقدس:

پولس مقدس عیسائیوں کے دین کو خراب کرنے کی غرض سے سلطنت چھوڑ کر فقیر بن گیا۔ (ص ۳۲۲)

خوزستانی اپنے قرابت دار کو امام زماں بنانے کے لیے زہد و تقویٰ میں اپنے کو بے نظیر ثابت کیا۔ (ص ۳۲۵)

اسحٰق نبوت حاصل کرنے کی غرض سے دس برس گونگا اور کسمپرسی کی حالت میں مشقتیں گوارا کرتا رہا۔ (ص ۳۲۴)

فاضل ونشریسی ابن تومرث کو امام زماں ثابت کرنے کے لئے ایک مدت دراز پاگل اور دیوانہ بنا رہا۔ (ص ۳۳۴)

چنانچہ یہ سب اپنے اپنے مقاصد میں کامیاب بھی ہوئے۔ مرزا صاحب نے بھی ایک مدت دراز غزلت اختیار کی۔ جس میں براہین احمدیہ کی تصنیف اور مذاہب باطلہ کی کتابیں اور ان کی کامیابیوں کے طریقے دیکھتے اور تدبیریں سوچتے رہے اور وہ تقدس ظاہر

کیا کہ غیر مقلد علماء کو بھی اپنے الہام منوا کر چھوڑا گو وہ لوگ ایک مدت کے بعد ان کی غرض پر مطلع ہو کر علیحدہ ہو گئے۔

امور غیبیہ مثل کشف والہام وغیرہ:

ہر زمانے میں چھوٹے دغل باز ہوا کرتے ہیں جن کا کام اظہار امور غیبیہ مثل کشف الہام وغیرہ کے چل نہیں سکتا جو صرف حسن ظن سے مان لیے جاتے ہیں۔ اگر حسن ظن کرنے والوں سے پوچھا جائے کہ ان کا کشف والہام تو نہ محسوس ہے نہ عقل سے اس کا ثبوت ہو سکتا ہے تو ان سے سوائے اس کے کچھ جواب نہ ہو سکے گا کہ ایسے مقدس شخص کیوں جھوٹ کہیں گے۔

اسی وجہ سے پہلے ان لوگوں کو اپنا تقدس ذہن نشین کرانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مرزا صاحب جو تحریر فرماتے ہیں کہ ہمارا دعویٰ الہام الٰہی کی رو سے پیدا ہوا۔ (ص ۱۲۶)

سو یہ کوئی نئی بات نہیں پولس نے سلطنت چھوڑنے کا سبب اسی کشف کو بنایا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے تشریف لا کر مجھ پر لعنت کی اور میری بصارت چھین لی جس سے میں ان کی حقانیت کا قائل ہو کر فقیر ہو گیا۔ (ص ۳۱۷)

الحق اخرس نے جو اپنی نبوت ایک بڑی قوم میں قائم کر لی اسی کشف کی بدولت تھا کہ کشفی حالت میں فرشتوں نے نبی بنا دیا۔ (ص ۳۲۲)

ونشریسی نے اسی کشف کے ذریعہ سے تقریباً لاکھ مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔ (ص ۳۳۵)

فرقہ بزیغیہ کے سب لوگ قائل تھے کہ ہم اپنے اپنے اموات کو ہر صبح وشام دیکھ لیا کرتے ہیں۔ (ص ۳۵۰)

مرزا صاحب اور ان کے مریدوں کے بھی دعوے ہیں کہ خواب میں ان کی حقانیت کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ اور بعض مریدوں کے خواب میں آنحضرت ﷺ خود فرمایا کرتے ہیں کہ مرزا مسیح موعود اور خلیفۃ اللہ ہیں ان کی تصدیق فرض ہے۔ (ص ۳۵۱)

تعلیم من اللہ:

مرزا صاحب متعدد مقاموں میں الہام وغیرہ کی رو سے فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ خود ان کو قرآن کی تعلیم کرتا ہے۔ (ص ۳۲۳)

مرزا صاحب تو ذی علم شخص ہیں اخرس اور ونشریسی نے تو اس دعوے کو اعجاز کے طور پر ثابت کر دکھایا تھا۔ (ص ۳۲۳۔۳۲۴)

عقلی معجزے:

ابن تومرت نے فریب اور دغابازی کا نام معجزہ رکھا۔ (ص ۲۳۱)

بہافرید نے ایک قمیص چین سے لا کر اس کو معجزہ قرار دیا۔ (ص ۳۲۹)

اسحٰق اخرس نے نئی قسم کا روغن منہ پر لگا کر اس کو معجزہ قرار دیا۔ (ص ۳۲۲)

سلیمان مغربی کبوتروں کے ذریعہ سے پوشیدہ خط بھیج کر ہر شخص کا فرمائشی کھانا اپنے گھر سے منگواتا اسی عقلی معجزے سے لوگ اس کے معتقد تھے۔ (ص ۱۳۷)

مرزا صاحب ایسی ہی بدنما تدابیر کا نام عقلی معجزے رکھ کر ان کو اپنی نبوت کی دلیل قرار دیتے ہیں۔ (ص ۷۰)

اسود عنسی مدعی نبوت نے گدھے کے اتفاقی طور پر گرنے کو اپنا معجزہ قرار دیا تھا۔ اسی طرح مرزا صاحب بھی اتفاقی امور مثل طاعون وغیرہ کو معجزہ قرار دیتے ہیں۔ (ص ۱۳۲)

جو کلیں امریکہ یورپ وغیرہ میں ایجاد ہوتی ہیں وہ بھی انہیں کا معجزہ ہے۔ (ص ۱۳۴)

فرماتے ہیں حجاز ریلوے اپنی عیسویت کی علامت ہے۔ (ص ۱۳۴)

پیش گوئی:

ابن تومرت نے پیشگوئی کے وقوع کو اپنے امام الزماں ہونے کی دلیل قرار دیا

تھا۔(ص ۳۳۲)

مرزا صاحب کی پیشگوئیاں باوجودیکہ سچی ثابت نہیں ہوتیں مگر ان کو اپنی نبوت کا معجزہ قرار دیتے ہیں۔(ص ۳۲۳)

مامور من اللہ ہونا:

اخرس نے اپنا مامور من اللہ ہونا فرشتوں کے قول سے ثابت کیا تھا۔(ص ۳۲۳)

مرزا صاحب ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ خود خدا نے بالمشافہ ان کو یہ حکم دیدیا ہے۔(ص ۲۸۹)

امام الزماں:

مغیرہ نے پہلے امام الزماں ہونے کا دعویٰ کیا تھا لیکن بالآخر اس کی نبوت تسلیم کر لی گئی۔(ص ۳۴۰)

اسی بناء پر مرزا صاحب ضرورۃ الامام صفحہ ۲۴ میں لکھتے ہیں کہ امام الزماں کے لفظ میں نبی رسول، محدّث، مجدّد سب داخل ہیں یعنی یہ سب مدارج خود بدولت میں موجود ہیں۔ اسی وسعت کے لحاظ سے مرزا صاحب اب اسی لقب سے ذکر کئے جاتے ہیں مگر معلوم نہیں کہ مرزا صاحب انہیں چند معنوں پر کیوں قناعت فرماتے ہیں ابوالخطاب اسدی نے تو اس لفظ کے معنے میں الوہیت کو بھی داخل کر لیا تھا۔ چنانچہ اس کا قول ہے کہ امام الزماں پہلے انبیاء ہوتے ہیں پھر اللہ ہو جاتے ہیں (ص ۳۴۰)

مرزا صاحب بھی نبوت سے ایک درجہ اور ترقی کر گئے ہیں۔ چنانچہ خدا کی اولاد کا ہم رتبہ اپنے کو بتلاتے ہیں اب صرف ایک ہی زینے کی کسر رہ گئی ہے مقنع کے گروہ کا عقیدہ ہے کہ

دین فقط امام الزماں کی معرفت کا نام ہے۔ (ص ۳۴۸)

مرزا صاحب کا گروہ اس سے بھی ترقی کر گیا ہے اس لیے کہ ان میں کے بعض حضرات نے علی روس الاشہاد کہہ دیا کہ جس حمد کے ساتھ مرزا صاحب کا ذکر نہ ہو تو وہ شرک ہے۔ (ک ۳۵)

احمد کیال نے اپنی قوت علمی کے لحاظ سے امام الزماں ہونے کی۔ یہ شرط لگائی کہ وہ عالم آفاق و انفس کو بیان کرے اور آفاق کو اپنے نفس پر منطبق کر دکھائے مگر مرزا صاحب ضرورۃ الامام میں اس کی چھ شرطیں بیان فرما کر لکھتے ہیں کہ وہ سب شرطیں مجھ میں موجود ہیں اس لیے میں امام الزماں ہوں۔ شرطیں یہ ہیں۔

۱......قوت اخلاقی۔ ناظرین سے توقع کی جاتی ہے کہ تھوڑی محنت گوارا کر کے اسی فہرست میں مرزا صاحب کی خوش اخلاقی کا حال ملاحظہ فرمالیں جس سے **اذا فات الشرط فات المشروط** خود پیش نظر ہو جائے گا۔

۲......امامت یعنی پیش روی کی قوت، مگر یہ ایک عام قوت ہے جو کافروں کے اماموں میں بھی پائی جاتی ہے کیونکہ اس باب میں وہ پیش رو رہا کرتے ہیں کہ نہ خدا کی بات مانی جائے نہ رسول کی بلکہ دین میں طعن و تشنیع ہوا کرے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **وان نکثوا ایمانھم من بعد عھد ھم و طعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمۃ الکفر انھم لا ایمان لھم** یعنی اگر وہ عہد شکنی کریں اور تمہارے دین میں طعن کریں ان کے اماموں کو قتل کر ڈالو۔ اب غور کیجئے کہ مرزا صاحب ہمارے دین میں کس قدر طعن کرتے ہیں کہ خود ہمارے نبی ﷺ کی غلطیاں پکڑتے ہیں اور تمام محدثین و صحابہ و تابعین وغیرہم کو مشرک قرار دیتے ہیں وغیر ذالک اب وہ مسلمانوں کے امام کیونکر ہو سکتے ہیں۔ قیامت کے روز ہر گروہ اپنے امام کے ساتھ ہو گا۔ خواہ مسلمان ہو یا کافر چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **یوم ندعوا کل اناس**

بامامهم اور نیز حق تعالیٰ و ما امر فرعون برشید یقدم قومه یوم القیمة فاوردهم النار یعنی فرعون اپنی قوم کے آگے آگے رہ کر ان کو دوزخ میں پہنچا دے گا۔ الحاصل پیش روی کی قوت مرزا صاحب کے مفید مدعا نہیں۔

۳...... **بسطة فی العلم** مرزا صاحب کی علمی غلطیوں کی فہرستیں لکھی گئی جن کا اب تک جواب نہ ہوا ان کے سوا متفرق غلطیاں اور بھی ہیں۔ یہ شرط بھی فوت ہے۔ (ص ۲۱۴)، (۳۱۹)

۴...... کسی حالت میں نہ تھکنا اور نہ ناامید ہونا اور نہ سست ہونا۔ جتنے جھوٹے امامت ونبوت وغیرہ کا دعویٰ کرنے والے گزرے سب کی یہی حالت تھی۔ چنانچہ اسی کتاب کے ملاحظہ سے ظاہر ہوگا کہ بعضوں نے جان تک دیدی مگر اپنے دعووں سے نہ ہٹے۔

۵...... قوت اقبال علی اللہ یعنی مصیبتوں کے وقت خدا کی طرف جھکتے ہیں جن کی دعاؤں سے ملاء اعلیٰ میں شور اور ملائکہ میں اضطراب پڑ جاتا ہے۔ مرزا صاحب کی دعاؤں کا حال بھی ملاحظہ فرمالیا جائے کہ کیسی کیسی مصیبتوں اور ضرورتوں کے وقت ان کی کوئی دعا قبول نہ ہوئی اور ان کے مخالفوں کی ہر دعا قبول ہوگئی۔

۶...... ''کشوف والہام کا سلسلہ'' الہاموں کا بھی حال ملاحظہ فرمالیا جائے کہ کس قدر غلط اور خلاف واقع ہوا کرتے ہیں۔

<u>رسالت منقطع نہیں:</u>

ابومنصور نے یہ بات نکالی کہ رسالت کبھی منقطع نہیں ہوسکتی۔ (ص ۳۲۱)

مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ ممکن نہیں کہ خدا پتھر کی طرح خاموش رہے۔ (ص ۲۹۴)

<u>وحی:</u>

آیت شریفہ **و اوحی ربک الی النحل** کو صحابہ وتابعین وغیرہ ہم ہمیشہ پڑھا کرتے تھے

مگر کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ہم پر وحی اترتی ہے۔سب سے پہلے مسلیمہ کذاب نے دعویٰ کیا کہ مجھ پر وحی اترتی ہے۔(ص ۱۲۷)

اس کے بعد بحسب ضرورت جھوٹے نبیوں میں یہ سنت جاری ہوگئی۔مسلیمہ کذاب نے پورا مصحف اپنے وحیوں کا لکھا تھا جو مسجع تھا مرزا صاحب نے بھی ایک کتاب مسجع لکھ کر جس طرح قرآن معجزہ ہے اس کو اپنا معجزہ کہتے ہیں جس کا نام ہی **اعجاز المسیح** رکھا ہے۔(ص ۱۲۸)

نبوت:

مسلیمہ کذاب نبی ﷺ کی نبوت کو مان کر اپنی نبوت کا بھی دعویٰ کرتا تھا(ص ۱۲۸)

اسحٰق اخرس کا قول ہے کہ فرشتوں نے اس کو خبر دی کہ نبی ﷺ پچھلے انبیاء کے خاتم تھے اور تم اس ملت کے نبی ہو جس کا مطلب یہ ہوا کہ خاتم الانبیاء کے بعد کوئی مستقل نبی نہیں ہوسکتا اس لیے ظلی نبی ہو۔مرزا صاحب بھی اسی طرح نبی ﷺ کو خاتم الانبیاء تسلیم کر کے نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں۔

صلوات:

سجاح مدعیہ نبوت نے جب مسلیمہ کذاب کے ساتھ نکاح کیا تو کمال مسرت کی حالت میں اس کو **صلی اللہ علیک** کہا (ص ۳۲۳) یہی کلمہ مرزا صاحب کی امت بھی ان کے نام کے ساتھ استعمال کرتی ہے۔

معارف قرآنی:

مغیرہ نے قرآن کے معارف جو لکھے ہیں قابل دید ہیں مثلاً آیۃ شریفہ **انا عرضنا الامانۃ**

میں جو امانت مذکور ہے وہ یہ تھی کہ علی کرم اللہ وجہہ کو امام ہونے نہ دینا۔ اس کو انسان یعنی ابوبکر اور عمر نے اٹھالیا کیونکہ وہ ظلوم وجہول تھے۔ (ص ۲۴۰)

سید احمد خان صاحب نے بھی قرآن کے معارف دل کھول کر بیان کئے کہ جبرائیل اور ابلیس صرف انسانی قوتوں کے نام ہیں اور نبی ایک قسم کے دیوانے کو کہتے ہیں وغیر ذلک۔ (ص ۳۴۴)

احمد کیال کی معارف دانی سب سے بڑی ہوئی تھی کیونکہ علم میں بھی وہ ید طولیٰ رکھتا تھا۔ (ص ۳۵۲)

مرزا صاحب نے بھی اس قسم کے معارف بہت سارے لکھے ہیں چنانچہ **سورہ انا انزلنا** کے معارف سے ثابت کردیا کہ امریکہ اور یورپ میں جتنی کلیں ایجاد ہوئیں وہ سب اپنی نشانیاں ہیں اور آیت شریف **مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد** سے مراد میں ہوں وغیر ذلک اگر انصاف سے دیکھا جائے تو مرزا صاحب کا دعویٰ درست ہے آدمی دماغ پریشانی کرکے محنت اٹھائے اور اس سے کوئی نفع حاصل نہ کرے تو وہ بھی ایک قسم کی یاوہ گوئی ہے۔

عقلی استدلال:

پولس مقدس نے عقلی دلیل پیش کی کہ خدا نے تمام جانور آدمیوں کو ہدیہ بھیجا ہے سب کو قبول کرنا اور کھانا چاہیے سب نے اس دلیل کو قبول کرلیا اسی طرح اور بھی عقلی دلیلیں پیش کرکے دین عیسائی کو بدل دیا۔ (ص ۸۲)

مرزا صاحب بھی ایسی ہی عقلی دلیلیں پیش کرتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کرہ زمہریر سے بچ کر آسمانوں پر کیونکر گئے اور اگر وہاں وہ زندہ ہیں تو ان کے کھانے پینے اور پاخانے کا کیا انتظام ہے۔

آیتوں کا مصداق بدل دینا:

خوارج آیتوں کی شان نزول اور مصداق بدل دیا کرتے تھے چنانچہ ان کا قول ہے کہ آیہ شریفہ **و من یشری نفسه ابتغاء مرضات الله** ابن ملجم قاتل علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں نازل ہوئی۔(ص ۳۵۹)

اسی طرح مرزا صاحب آیۃ **برسول یاتی من بعدی اسمه احمد** وغیرہ کو اپنی شان میں قرار دیتے ہیں۔

آیتوں سے جھوٹا استدلال:

ابومنصور نے قولہ تعالٰی **لیس علی الذین آمنوا وعملوا الصالحات جناح فیما طعموا اذا ما اتقوا** سے استدلال کیا کہ ہر چیز حلال ہے اس لیے کہ اس سے نفس کی تقویت ہے۔(ص ۳۴۱)

اسی طرح مرزا صاحب سورہ **انا انزلنا** سے اپنے مامور من اللہ ہونے کا استدلال کرتے ہیں اس قسم کے استدلالوں میں مرزا صاحب کو ملکہ حاصل ہے۔

اپنی تعلّی:

ابن تومرت فخر کرتا تھا کہ میری جماعت میں ایک ذلیل شخص یعنی ونشریشی کا سینہ مثل نبی ﷺ کے فرشتوں نے شق کر کے قرآن وحدیث وعلوم لدنیہ سے بھر دیا۔(ص ۳۳۳)

ابوالخطاب اسدی کا قول تھا کہ میری جماعت میں ایسے بھی لوگ ہیں جو جبرائیل اور میکائیل سے افضل ہیں۔(ص ۳۴۹)

مرزا صاحب نے اس قسم کی سخاوت تو نہیں کی مگر اپنی ذاتی تعلّی کی غرض سے یہ تو لکھ دیا کہ

نبی ﷺ نے کشف میں غلطیاں کھائیں اور صدہا انبیاء کے کشف غلط ثابت ہوئے بخلاف اپنے کشف کے کہ غلطی کا احتمال ہی نہیں اس لیے کہ خدائے تعالیٰ منہ سے پردہ ہٹا کر صاف طور سے باتیں کیا کرتا ہے۔ (ص ۲۹۸)

اسی وجہ سے ان کے الہام دوسروں پر حجت ہیں۔ (ص ۱۶۳)

احمد کیال جو امام الزماں کہلاتا تھا اس کا دعویٰ تھا کہ میں عالم کی تکمیل کے واسطے آیا ہوں اور میرا نام قائم رکھا گیا اب تک جو متضاد کیفیتیں عالم میں تھیں اب وہ سب باطل ہو جائیں گی اور روحانی جسمانی پر غالب ہو جائے گا یعنی قیامت قائم ہو گی (ص ۳۵۲)

مرزا صاحب بھی کہتے ہیں کہ اگر میں نہ ہوتا تو آسمان ہی پیدا نہ ہوتا س اا اور خدا نے ان سے فرمایا کہ تیرا نام تمام ہو گا اور میرا نام تمام نہ ہو گا س اا اور فرماتے ہیں قرآن اٹھ گیا تھا ثریا میں سے اسے لایا ہوں۔ (ص ۲۹۷)

احمد کیال کا قول تھا کہ انبیاء اہل تقلید کے پیشوا تھے اور قائم یعنی خود اہل بصیرت کا پیشوا ہے۔ (ص ۳۵۳)

اور یہ بھی کہتا تھا کہ میں تمام عوالم کا جامع ہوں۔ (ص ۳۵۳)

مرزا صاحب نے دیکھا کہ درخت پہاڑ اور جانور وغیرہ کے جامع ہونے سے کیا فائدہ اس لیے ان میں سے وہ چند امور کے لیے جو مفید اور بکار آمد ہوں مثلاً عیسویت موسویت نبوت رسالت مجذ دیت امامت وغیرہ اور پیشوا ایسی امت کا ایسا ہے جو قطعی جنتی ہے۔ (ص ۲۱)

قدرت:

عمیر تیان مدعی نبوت کمال افتخار سے کہتا تھا کہ اگر میں چاہوں تو اس گھاس کو ابھی سونا بنا دوں۔ (ص ۵۷)

مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ عیسیٰ کہ معجزے عمل مسمریزم سے تھے اگر یہ عمل قابل نفرت نہ ہوتا تو ان اعجوبہ نمائیوں میں ان سے کم نہ رہتا۔ (ص ۵۷)

مغیرہ کا دعویٰ تھا کہ میں اسم اعظم جانتا ہوں اس سے مردوں کو زندہ کرسکتا ہوں۔ (ص ۳۴۰)

بنان ابن سمعان تمیمی کا دعویٰ تھا کہ میں اسم اعظم کے ذریعہ سے زہرہ کو بلالیتا ہوں۔ (ص ۳۴۷)

مرزا صاحب کا دعویٰ ہے کہ مجھے تو کن فیکون دیا گیا ہے۔ (ف ۵۳)

یعنی جس معدوم کو چاہوں کن کہہ کر موجود کرسکتا ہوں اور اجابت دعا دی گئی جو کچھ خدا سے مانگتا ہوں فوراً مل جاتا ہے۔ (ص ۳۴۵)

خدا کی صاحبزادگی:

فیثا غورث کا دعویٰ تھا کہ میں اپنے خدا کا بیٹا ہوں۔ مرزا صاحب نے مقصود پر نظر کرکے فرمایا کہ میں خدا کی اولاد کا ہم رتبہ ہوں کیونکہ پرستش رتبے ہی کے لحاظ سے ہوا کرتی ہے۔ (ص ۳۰۵)

چنانچہ یہاں تک تو نوبت پہنچ گئی ہے کہ جس حمد کے ساتھ مرزا صاحب کا ذکر نہ ہو وہ شرک ہے۔

خدا کو دیکھنا:

مغیرہ مدعی نبوت کا کنایۃً دعویٰ تھا کہ میں نے خدا کو دیکھا ہے۔ (ص ۳۴۰)

مرزا صاحب کا بھی یہی دعویٰ ہے کہ خدا سے باتیں کرتے وقت وہ خیال کرتے ہیں کہ گویا

خدا کو دیکھ رہے ہیں اور اس وقت خدا کسی قدر پردہ اپنے روشن چہرے سے اتار دیتا ہے۔(ص ۲۹۸)

مرزا صاحب نے یہ تو نہیں لکھا کہ اس وقت میری آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں اس سے کنایۃ یہ دعویٰ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اس روشن چہرے کو وہ دیکھ ہی لیتے ہیں۔

تکفیر:

اخرس کا قول ہے کہ جو شخص بعد نبی ﷺ کے مجھ پر ایمان نہ لائے وہ کافر ہے۔(ص ۳۲۴)
مرزا صاحب بھی یہی فرماتے ہیں کہ میرا منکر کافر ہے۔ خوارج کبار صحابہ کی تکفیر کرتے تھے(ص ۳۵۷)
مرزا صاحب بھی صحابہ کے اعتقادات مرویہ کو شرک بتاتے ہیں۔

اعداد حروف:

مرزا صاحب کو ناز ہے کہ وہ اعداد حروف سے اپنے مطالب ثابت کرتے ہیں حالانکہ اس کا موجد فرقہ باطنیہ ہے جو اسلام سے خارج سمجھا جاتا ہے۔

ناموں میں تصرف:

ذکرویہ ابن یحییٰ اپنا نام محمد ابن عبداللہ ظاہر کرکے مہدی موعود بنا اس لیے کہ احادیث میں امام مہدی کا یہی نام وارد ہے۔(ص ۳۲۵)
مرزا صاحب کہتے ہیں کہ میرا نام بھی اللہ کے نزدیک مہدی بھی ہے اور عیسیٰ بھی ہے اس لیے میں مہدی بھی ہوں اور عیسیٰ بھی ہوں ابو منصور کا قول تھا کہ میتہ اور لحم خنزیر وغیرہ چند اشخاص

کے نام تھے جن کی محبت حرام تھی اسی طرح صلوٰۃ، صوم، زکوٰۃ اور حج چند اشخاص کے نام تھے جن کی محبت واجب تھی اس لیے نہ کوئی چیز حرام نہ کوئی عبادت فرض۔ (ص ۳۴۱)

سید احمد خان صاحب بھی جبرائیل اور ابلیس وشیاطین آدمی کے قویٰ کا نام رکھ کر فرشتوں اور شیاطین کے وجود سے منکر ہو گئے۔ (ص ۲۴۳)

مرزا صاحب نے اسلام کو یتیم کا لقب دیکر زکوٰۃ لینے کا استحقاق ثابت کیا کیونکہ وہ اسلام کو پرورش کر رہے ہیں۔ اور نیز قادیان کا نام دمشق رکھ کر عیسیٰ کا اس میں اترنا ثابت کر دیا اور گورنمنٹ اور پادریوں کا نام دجال رکھ کر بڑے دجال کی نشاندہی سے سبکدوش ہو گئے۔

تحریک قوائے انسانی:

باطنیہ قائل ہیں کہ ہر زمانے میں نبی اور وصی کی تحریک سے نفوس اور اشخاص شرائع کے ساتھ متحرک ہوتے ہیں۔ (ص ۳۵۶)

مرزا صاحب اسی بناء پر اپنے زمانہ ولادت سے یہ تحریکیں ثابت کرتے ہیں۔

بروز:

مرزا صاحب جو مسئلہ بروز کے قائل ہیں سو انہوں نے اس مسئلہ میں فیثاغورس کی پیروی کی ہے۔ (ص ۳۰۴)

یہ چند تقلیدیں بطور مشتے نمونہ از خروارے لکھی گئیں اگر مرزا صاحب کی تصانیف بغور دیکھی جائیں اور مدعیان نبوت وامامت والوہیت وغیرہ کے احوال اقوال پیش نظر ہوں تو اس کی نظیریں بکثرت مل سکتی ہیں۔ عقلمند طالب حق کے لیے جس قدر لکھی گئیں وہ بھی کم

نہیں حق تعالیٰ بصیرت عطا فرمائے۔

تعارض:

لکھتے ہیں کہ قرآن کا مبدل ہونا محال ہے کیونکہ ہزارہا تفسیریں اس کی موجود ہیں ص ۱۱۱ اور ظاہر ہے کہ تفسیریں معنوی تحریف سے روکتی ہیں ورنہ یوں فرماتے کہ لاکھوں قرآن موجود ہیں۔ پھر انہیں تفاسیر کی نسبت لکھتے ہیں کہ وہ فطرتی سعادت اور نیک روشی کے مزاحم ہیں انہوں نے مولویوں کو خراب کیا۔ (ف ۲۲)

لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کا شرک اختیار کرنا خدا کی پیشگوئی کی رو سے محال ہے اور ان کا تنزل ممکن نہیں۔ (ص ۴۳ ی ۱۱۰)

پھر لکھتے ہیں کہ میرا منکر کافر اور مردہ اور اسلام سے خارج ہے یعنی اب کل مسلمان کافر ہو گئے (ف ۵۴، ص ۵)

لکھتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام دنیا میں اتریں گے اور گمراہی کو نیست و نابود کر دیں گے۔ (ص ۱۵)

پھر لکھتے ہیں کہ مسیح فوت ہو گیا اور یہ دونوں الہام ہیں یعنی خدا نے ان سے کہا۔ (ص ۲۶)

لکھتے ہیں میں اپنے مخالفوں کو کاذب نہیں سمجھتا۔ (ص ۲۳۸)

پھر لکھتے ہیں وہ مسلمان ہی نہیں بلکہ کافر اور اسلام سے خارج ہیں۔

لکھتے ہیں میں تمہاری طرح ایک مسلمان ہوں۔ (ص ۲۸۷)

پھر لکھتے ہیں کہ میں رسول اللہ ہوں نیا دین لایا ہوں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بلکہ بعض انبیاء سے افضل ہوں۔ (ع ۱۴۷)

فرماتے ہیں مجھے اخلاقی قوت اعلیٰ درجے کی دی گئی۔ (س ۴۰)

مگر علماء کو گالیاں اتنی دیتے ہیں کہ ان کی ایک فہرست مرتب ہو گئی۔ (ع ۱۴۴)

لکھتے ہیں کہ بغیر قرآن کے عقل سے واقعات نہیں معلوم ہو سکتے (ص ۱۰۴/۷۷)

اور مخالف قرآن وانا جیل عیسیٰ علیہ السلام کے صلیب پر چڑھنے اور بھاگ جانے کا واقعہ دل سے گھڑ لیا۔ (ل)

لکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کھلی کھلی نشانیاں ہرگز نہیں دکھاتا۔ اور اس کے بھی قائل ہیں کہ معجزہ شق القمر دکھایا گیا۔ (ص ۱۲۳)

لکھتے ہیں کہ ہر پیشگوئی آنحضرت ﷺ پر کھولی گئی تھی۔ پھر لکھتے ہیں کہ حضرت پر ابن مریم اور دجال وغیرہ کی حقیقت نہیں کھولی گئی۔ (ص ۲۶۷)

لکھتے ہیں کہ مسلم شریف کی حدیث بخاری میں نہ ہونے کی وجہ سے قابل اعتبار نہیں اور ایک مجہول فارسی قصیدہ قابل وثوق ہے۔ (ص ۲۷۲)

لکھتے ہیں کہ کہ انجیلوں میں کوئی لفظی تحریف نہیں۔ پھر لکھتے ہیں کہ یہ انجیلیں مسیح کی انجیلیں نہیں اور ایک ذرہ ہم ان کو شہادت کے طور پر نہیں لے سکتے۔ (ص ۲۷۷)

لکھتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول پر صحابہ کا اجماع نہیں اگر ہو تو تین چار سو صحابہ کا نام لیا جائے۔ مگر چودھویں صدی کے شروع مسیح آنے پر اجماع ہے کیونکہ شاہ ولی اللہ صاحب اور نواب صدیق حسن خان صاحب کی رائے ہے کہ شاید چودھویں صدی کے شروع میں مسیح اتر آئیں۔ (ص ۲۸۲۔۲۸۱) یعنی ان دو رایوں سے اجماع منعقد ہو گیا۔

لکھتے ہیں احادیث اگر صحیح بھی ہوں تو مفید ظن ہیں **والظن لا یغنی من الحق شیئاً** یعنی ان سے کوئی حق بات ثابت نہیں ہو سکتی۔ (ف ۹)

پھر لکھتے ہیں کہ ایک حصہ کثیرہ دین کا احادیث ثابت ہے۔ (ف ۱۱)

لکھتے ہیں کہ جو حدیث بخاری میں نہ ہو وہ قابل اعتبار نہیں (ف ۱۴)

اور خود مسند امام احمد ابو داؤد و ترمذی و ابن ماجہ و ابن خزیمہ و ابن حبان کی حتیٰ کہ فردوس دیلمی

وغیرہ کی حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں۔(ف۲۶،ف۶۸)

بخاری شریف وغیرہ کے راویوں میں یہ احتمال نکالتے ہیں کہ ممکن ہے کہ انہوں نے قصداً یا سہواً جھوٹ کہہ دیا ہوا اور اپنی حدیث کا ایک ہی راوی ہے اور اس کی تعدیل کنھیا لال، مراری لال اور بوٹا وغیرہ سے کراتے ہیں۔(ف۱۷)

بڑے دجّال کے باب میں احادیث صحیحہ وارد ہیں کہ وہ پانی برسائے گا اور خوارق عادات اس سے ظہور میں آئیں گے اس پر لکھتے ہیں کہ یہ اعتقاد شرک ہے کیونکہ اس سے **انما امرہ ان یقول له کن فیکون** اس پر صادق آجائے گا اور اپنی نسبت کہتے ہیں کہ مجھے بھی کن فیکون دیا گیا ہے۔(ف۵۸)

اذ قال اللہ یاعیسٰی ابن مریم انت قلت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ قال ماضی کا صیغہ ہے اور اس کے اوّل اذ موجود ہے جو خاص ماضی کے واسطے آیا ہے اور جب انہوں نے لکھا کہ مجھے وحی ہوئی **عفت الدیار محلها و مقامها** اور اس کے معنی یہ ہیں کہ عمارتیں نابود ہو جائیں گی تو اس پر اعتراض ہوا کہ عفت ماضی کا صیغہ ہے تو جواب میں لکھتے ہیں کہ ماضی بمعنی مستقبل آتی ہے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام وغیرہم پر ان کے حملے:

سوائے اپنی تالیفات کے امام غزالی وغیرہ کی تالیفات قابل التفات نہیں۔(ع۱۹)

مسلمان مشرکانہ خیال کے عادی ہیں۔(ص۲۶۷)

حقیقت انسانیہ پر فنا طاری ہوگئی۔(ف۷۲)

تمام مسلمان اسلام سے خارج ہیں۔(ص۱۲۹)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک معمولی انسان تھا جوش میں آکر غلطی کھائی۔(ع۱۳۸)

ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ مفسرین نے حق تعالیٰ کی استاذی کا منصب اپنے لیے قرار دیا۔ (ص ۳۴۶)

نواس پر اوران کی روایت پر جو عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بارے میں مسلم شریف میں مروی ہے اقسام کے حملے۔ (ف ۱۳۷)

جائز ہے کہ حدیثوں کے راویوں نے عمداً یا سہواً خطا کی ہو۔ (ص ۲۷۰)

بخاری اور مسلم میں بھی حدیثیں موضوع ہیں۔ (ف ۱۴۹)

احادیث اگر صحیح بھی ہوں تو مفید ظن نہیں جس سے کوئی بات ثابت نہیں ہوسکتی۔ (ص ۲۷)

تفسیریں بیہودہ خیالات ہیں۔ (ف ۲۲)

انبیاء کے معجزے مکروں کے مشابہ محجوب الحقیقت ہیں۔ (ص ۷۰)

انبیاء سے سہو وخطا ہوتی ہے۔ (۲۶۷)

انبیاء پیشین گوئی میں غلطی کھاتے ہیں۔ (ص ۱۱۳)

عیسیٰ علیہ السلام سے مسمریزم سے مردے کو حرکت دیتے تھے جس کا ذکر قرآن میں ہے یعنی ساحر تھے۔ (ص ۵۴)

ابراہیم علیہ السلام نے مسمریزم سے چار پرندوں کو بلالیا تھا جس کا ذکر قرآن میں ہے۔ (ص ۶۱)

عیسیٰ علیہ السلام کو مسمریزم میں کچھ مشق تھی عیسیٰ علیہ السلام مسمریزم سے قریب الموت مردوں کو حرکت دیے تھے۔ (ص ۵۰)

مسمریزم قابل نفرت ہے ورنہ اس میں بھی میں مسیح سے کم نہ رہتا۔ (ص ۲۹۹، ص ۵۷)

عیسیٰ علیہ السلام بائیس برس اپنے باپ یوسف بخار کے ساتھ نجاری کا کام کرتے رہے اس لیے کھلونے کی چڑیاں بناتے تھے۔ (ص ۳۰۰)

عیسیٰ علیہ السلام کے دادا سلیمان علیہ السلام تھے۔ (ص ۴۲۷، ص ۳۰۰)

اگر مسیح اس زمانے میں ہوتا تو جو میں کرسکتا ہوں ہرگز نہ کرسکتا اور اللہ کا فضل اپنے سے زیادہ مجھ پر پاتا۔ (ص ۳۰۰)

چارسو انبیاء کا کشف جھوٹا ثابت ہوا۔ (ص ۱۵۵)

وہ چارسو شخص بت پرست تھے جن کا کشف غلط تھا ان کو انبیاء میں داخل کیا۔ (ع ۲۴۱)

آنحضرت ﷺ پر حقیقت عیسیٰ اور دجال اور یاجوج و ماجوج اور دابۃ الارض کی منکشف نہ ہوئی۔ (ص ۱۱۵)

حضرت ﷺ کا کلام لغو اور بے معنی۔ (۲۸۲)

حضرت ﷺ کی غلط بیانی۔ (ص ۱۴۶)

حضرت ﷺ نے جو قسم کھا کر فرمایا اس کا بھی اعتبار نہ کیا۔ (ف ۱۱۸)

حضرت ﷺ کے کشف میں غلطی۔ (ف ۳۲۷)

حضرت ﷺ کا جسم کثیف تھا۔ (ف ۱۹۴)

قرآن شریف میں جو مذکور ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مٹی سے پرندے بنا کر زندہ کرتے تھے وہ مشرکانہ خیال ہے۔ (ص ۴۶)

قرآن شریف میں جو مذکور ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے وہ مشرکانہ خیال ہے۔ (ف ۶۰)

زمین پر قیامت ہونا جو قرآن میں مذکور ہے وہ بیہودانہ خیال ہے۔ (ف ۴۵۳)

اناجیل محرفہ سے قرآن کی تکذیب۔ (ف ۹۴)

طب کی کتاب سے قرآن کا رد۔ (ص ۴۷۶)

خدائے تعالیٰ کی تکذیب۔ (ص ۱۰۲، ۱۱۸، ۳۰۷)

خدائے تعالیٰ پر غلط الفاظ کہنے کا الزام۔(ص۱۹۳)

قرآنی تعلیمات کو مردہ اسلام قرار دیا۔(ک ٦)

نشانیوں میں جھگڑنا:

حق تعالیٰ فرماتا ہے **وما یجادل فی آیات اللہ الا الذین کفرو** یعنی سوائے کافروں کے خدا کے نشانیوں میں کوئی جھگڑا نہیں کرتا۔اب دیکھیے کہ مرزا صاحب نے خدا کی نشانیوں میں کیسے کیسے جھگڑے ڈالدیے ہیں۔اب ان کو کیا کہنا چاہیے۔فرماتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام کو جو نشانیاں دی گئیں تھی اوہام باطلہ تھے۔(ص۴۲)

کافروں وغیرہ سے بڑھ کر ان میں معجزے کی کوئی طاقت نہ تھی۔(ص۴۳)

اولوالعزم انبیاء کے معجزے ایک قسم کے سحر یعنی مسمریزم تھے۔(ص۴۸،ص۵۳،ص۵۴، ص۶۷،ص۶۱)

انبیاء پیش گوئی کی تعبیر میں غلطی کھاتے تھے۔(ف۱۱۵)

خدائے تعالیٰ کھلی کھلی نشانیاں ہرگز نہیں دکھاتا۔(ص۸۰)

جس کا مطلب یہ ہوا کہ جتنی کھلی کھلی نشانیاں قرآن میں مذکور اور حق تعالیٰ آیات بیّنات فرماتا ہے وہ سب نعوذ باللہ خلاف واقع ہیں فرماتے ہیں کہ **یا عیسیٰ انی متوفیک ورافعک** جو قرآن میں ہے وہ میری نسبت ہے۔(ل۱۹۲)

انبیاء کے معجزات مکروں کے مشابہ محجوب الحقیقت ہیں۔(ص۷۰)

پرانے معجزے مثل کتھا کے ہیں جس کا ایمان عیسائیوں اور یہودیوں کی طرح قصوں اور کہانی کے سہارے ہو یعنی معجزوں پر اس کے ایمان کا کچھ ٹھکانہ نہیں۔(ص۲۶۷)

افتراء علی اللہ:

حق تعالیٰ فرماتا ہے ومن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذبا یعنی جو اللہ کی افترا کرے اس سے بڑھ کر کون ظالم۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ کافر سے بھی زیادہ تر وہ شقی ہے۔ (ص ۱۶۲)

مرزا صاحب بھی خدا تعالیٰ پر ہمیشہ افتراء کیا کرتے ہیں چنانچہ چند یہاں لکھے جاتے ہیں لکھا ہے کہ قرآن میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ ۱۸۵۷ء میں کلام اللہ آسمان پر اٹھالیا جائے گا۔ آتھم کے باب میں خدا نے کہا کہ وہ پندرہ مہینے میں مرے گا حالانکہ نہ مرا۔ (ص ۱۸۱، ف ۲۷، ص ۱۵۸، ص ۱۸۷)

لیکھرام کے باب میں خدا نے خبر دی کہ وہ خارق العادت موت سے مرے گا۔ حالانکہ ایسا نہ ہوا اور عبارت الہام غلط ہونے سے تو یقیناً افتراء ثابت ہوگیا۔ (ص ۱۹۲)

مرزا احمد بیگ صاحب کی لڑکی کے ساتھ نکاح کرنے کو خدا نے کہا بلکہ انا زوجنکھا کہ اگر نکاح بھی کردیا جو نشانی مقرر کی تھی وہ غلط نکلی اور اس لڑکی کا نکاح دوسرے سے ہوگیا۔ خدا نے قرآن میں فرمایا ہے کہ مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد سو وہ رسول میں ہوں۔ خدا نے بارہا مجھے فرمایا کہ جو دعا تو کرے میں قبول کروں گا۔ حالانکہ اشد ضرورت کے وقت ہمیشہ ان کی دعائیں رد ہوتی ہیں۔ کن فیکون خدا نے مجھ کو دیا۔ (ف ۵۳)

پھر اس کن سے کون سے خرق عادت دکھلائے۔ میں اللہ کا نبی اور رسول ہوں خدا نے مجھ کو دین حق دیکر بھیجا ہے۔ (ف ۵۳)

اور خدا منہ سے پردہ ہٹا کر باتیں اور ٹھٹے کرتا ہے خدا نے کہا کہ مسیح ابن مریم فوت ہوگیا۔

مخالفت رسول اللہ ﷺ واہل اسلام:

حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الھدیٰ و یتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولّٰی و نصله جھنم** یعنی جو مخالفت کرے رسول کی جب کھل گئی اس پر راہ ہدایت اور مسلمانوں کے رستے کے سوا دوسرا رستہ چلے تو جو رستہ اس نے اختیار کر لیا ہے ہم اس کو وہی رستہ چلائے جائیں گے اور آخر کار اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے۔ (ص ۵۲)

مرزا صاحب نے تو نبی کریم ﷺ کے ارشادات کی مخالفت کا ایک عام طریقہ اور قاعدہ ہی ایجاد کر دیا ہے۔ کہ حدیث اگر صحیح بھی ہو تو مفید ظن ہے **والظن لا یغنی من الحق شیئا** جس کی شرح فرماتے ہیں کہ ظن سے کوئی حق بات ثابت نہیں ہوتی جس سے لازم آ گیا کہ کوئی حدیث قابل اعتماد و عمل نہیں۔ بلاتردد اس کی مخالفت کی جائے اور مسلمانوں کی مخالفت کا طریقہ یہ ایجاد کیا کہ اور تو اور خود تمام مسلمانوں کا اجماع بھی کسی مسئلہ پر ہو جائے تو وہ بھی خطا سے معصوم نہیں اور ظاہر ہے کہ جس بات میں خطا کا احتمال ہو اس پر عمل پیرا ہونے کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ایسی بات قابل اعتماد و اعتقاد ہو سکتی ہے۔ پھر جو احادیث و اقوال صحابہ و تابعین و علماء ان کی غرض کو پوری نہیں ہونے دیتے ان کو اپنے مصنوعی الہاموں سے باطل ٹھہرا کر ایک ایسا طریقہ ایجاد کیا جو غیر سبیل المومنین ہے اور اس کی کچھ پروا نہ کی کہ ان احادیث و اقوال کو تمام امت مرحومہ نے قبول کر لیا ہے۔ اس کا ثبوت اسی فہرست کے مضامین میں فضائل ادعائے مرزا صاحب وغیرہ مقامات سے بخوبی مل سکتا ہے اس کی تفصیل کی حاجت نہیں۔ الغرض رسول اللہ ﷺ اور مومنین کی مخالفت کو انہوں نے اعلیٰ درجے تک پہنچا دیا۔ اس پر بھی اگر وہ مقتدا ہی مانے جائیں تو قسمت کی بات ہے۔

تَمَّتْ بِالْخَیْرِ

اِفَادَۃُ الاِفۡہَام

(حِصّہ اوّل)

تصنیفِ لطیف

انوار العلوم شیخ الاسلام عارف باللہ

مولانا حافظ محمد انوار اللہ چشتی حنفی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت فضیلت جنگ استاد سلاطین دکن و بانی جامعہ نظامیہ

(حیدرآباد دکن)

فہرست مضامین

اِفَادَۃُ الاِفۡہَامۡ (حصہ اوّل)

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلمین والصّلوۃ والسّلام علٰی سَیِّدِنا

محمد وّ آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین

اَمَّا بَعْدُ۔ مسلمانوں کا خیر خواہ محمد انوار اللہ ابن مولانا مولوی حافظ ابو محمد شجاع الدّین صاحب قندھاری دکنی اہل اسلام کی خدمت میں گزارش کرتا ہے کہ یہ امر پوشیدہ نہیں کہ جب تک آنحضرت ﷺ اس عالم میں تشریف فرما تھے فیضان صحبت اور غلبہ روحانیت کی وجہ سے تمام اہل اسلام عقائد دینیہ میں خودرائی سے مبرّا اور خودغرضی سے معرّا تھے اوراطاعت وانقیاد کا مادّہ ان میں ایسا متمکن اور راسخ تھا کہ مخالفت خدااور رسول کے خیال کا بھی وہاں گذر نہ تھا۔ پھر جب حضرت بعد تکمیل دین تشریف فرمائے عالم جاودانی ہوئے بعض طبائع میں بمقتضائے جبلّت خودسری کا خیال پیدا ہوااور عقل خود پسند پر جوقوت ایمانی کا دباؤ تھا، کم ہونے لگا اور دوسری اقوام کے علوم اپنے سبز باغ مسلمانوں کو دکھلانے لگےاور ادھر امتداد زمانے کی وجہ سے خلافت نبوت کی قوت میں بھی کسی قدر ضعف آگیا، جس سے وحدت قہری کا شیرازہ بکھر گیا، غرض اس قسم کے اسباب سے جدّت پسند طبائع نے مخالفت کی بنیاد ڈالی، کسی نے اہل حق پر عدم تدین کا الزام لگا کر کمال تقویٰ کی راہ اختیار کی جو صرف نمائش تھی اور درحقیقت وہ کمال درجے کا فسق تھا جیسے خوارج کہ جنگ باہمی وغیرہ شبہات کی وجہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور جملہ صحابہ کی تکفیر کرکے مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ ہوگئے، اور بعضوں نے امامت کے مسئلے پر زور دے کر اس جماعت سے مخالفت کی جس سے اورایک جدا فریق قائم ہوگیا، کسی نے مسئلے تنزیہ میں وہ غلو کیا کہ صفات الہیہ کا انکار ہی کر دیا اوراس جماعت سے علیحدگی اختیار کرکے ایک فرقہ بنام معتزلہ اپنے ساتھ کرلیا، بعضوں نے مسئلہ جبر وقدر میں افراط وتفریط کرکے دوفرقے اس جماعت سے علیحدہ بنا لئے۔

الغرض اس جماعت حقہ سے بہت سے لوگ علیحدہ ہو کر جداگانہ اسماء کے ساتھ موسوم ہوتے گئے، پھر جو فرقے علیحدہ ہوتے گئے عقل سے کام لیکر نئے نئے مسائل تراشتے اور ان کو اپنا مذہب قرار دیتے گئے جس کی وجہ سے بکثرت مذاہب ہو گئے لیکن ان تمام انقلابات کے وقت وہ جماعت کثیرہ جو ابتدائے اسلام سے قائم ہوئی تھی انہیں اعتقادات پر قائم رہی جو ان کو وراثتاً آباء واجداد سے پہنچے تھے انہوں نے عقل کو نقل کے تابع کر کے قرآن وحدیث کو اپنا مقتدا بنا رکھا اور تمام اعتقادات میں قدم بقدم صحابہ کی پیروی کرتے رہے۔

یہ جماعت وہی ہے جو اہل سنت و جماعت کے نام سے اب تک مشہور ہے اور جہاں آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کے تفرقے کا ذکر فرمایا وہاں اس جماعت کو اس خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ یاد کیا کہ ہر شخص کو اس میں شریک ہونے کی آرزو ہوتی ہے مگر صرف آرزو سے کیا ہوگا وہاں تو یہ شرط لگی ہوئی ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کے طریقے پر رہیں، چنانچہ ارشاد ہے **عن عبداللہ بن عمر** رضی اللہ عنہما **قال قال رسول اللہ ﷺ وتفترق امتی علی ثلث وسبعین ملة کلهم فی النار الا ملة واحدة قالوا من یارسول اللہ قال ما انا علیه واصحابی** (رواہ الترمذی) **وفی روایة احمد وابی داؤد عن معاویة ثلثان وسبعون فی النار واحدة فی الجنة** (کذا فی المشکوۃ)

یوں تو ہر مذہب والے دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم بھی صحابہ کے پیرو ہیں اور احادیث ہمارے ہاں بھی موجود ہیں مگر تحقیق کرنے سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ سوائے اہل سنت و جماعت کے یہ بات کسی کو حاصل نہیں فن رجال کی صدہا کتابیں موجود ہیں جن سے ظاہر ہے کہ علمائے اہل سنت نے جرح و تعدیل رواۃ اور تحقیق احادیث وآثار صحابہ میں کس قدر جانفشانیاں کیں جن کی وجہ سے کسی مفتری بے دین کی بات کو فروغ ہونے نہ پایا اور احادیث وآثار ان کی سعی سے اب تک محفوظ رہے اس امر کا اہتمام جس قدر علمائے اہل

سنت و جماعت نے کیا ہے اس کی نظیر نہ اُمم سابقہ میں مل سکتی ہے نہ کسی دوسرے مذہب میں یہ اہتمام اور خاص توجہ با آواز بلند کہہ رہی ہے کہ سوائے اہل سنت و جماعت کے کوئی مذہب ناجی اور مصداق حدیث کا نہیں ہوسکتا۔

یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اہل سنت و جماعت کے سوا گو تمام فرق اسلامیہ نے مسائل اعتقادیہ میں عقل کو دخل دیکر بہت سے نصوص میں اس قدر تاویلیں کیں کہ ان کو بیکار ٹھہرا دیا مگر ان میں کسی مقتدائے مذہب نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا، بلکہ سب اپنے آپ کو صرف امتی آنحضرت ﷺ کے کہتے رہے، اسی وجہ سے کل مذاہب حضرت ہی کی امت میں شمار کئے جاتے ہیں، چنانچہ حضرت نے بھی امتی کا لفظ ان کی نسبت فرما دیا ہے بخلاف ان کے بعض لوگ ایسے بھی پیدا ہوئے کہ ان کی غرض صرف مقتدا بننے کی رہی، ہر چند آنحضرت ﷺ کی نبوّت کو بھی تسلیم کرتے تھے مگر اس کے ساتھ اپنی نبوت کو بھی لگا دیا کرتے چنانچہ مسیلمہ کذاب وغیرہ باوجودیکہ حضرت کی نبوّت کے قائل تھے جیسا کہ کتب احادیث و تواریخ سے ظاہر ہے مگر خود بھی نبوّت کا دعویٰ کرتے تھے اور چونکہ نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا اس وجہ سے وہ کذاب کے نام سے موسوم ہوئے اور صحابہ وغیرہم نے ان سے جہاد کر کے ان کو مخذول کیا اور ان کا یہ دعویٰ کہ ہم نبی ﷺ کی نبوّت کی تصدیق کرتے ہیں کچھ مفید نہیں ہوا۔ جب اس قسم کے لوگوں کی ابتدا حضرت ہی کے زمانے سے ہو چکی تو پھر کیونکر ہوسکتا تھا کہ وہ سلسلہ منقطع ہو اس لئے کہ جوں جوں حضرت کے زمانہ میں دوری ہوتی ہے خرابیاں اور بڑھتی جاتی ہیں جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اس لئے حضرت نے پہلے ہی فرما دیا کہ قیامت تک اس نبوت کاذبہ کا سلسلہ جاری رہے گا اور اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو لوگ نبوت کا دعویٰ کریں گے فی الحقیقت وہ دجال جھوٹے ہیں ان کو نبوت سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ

بخاری شریف کی اس روایت سے ظاہر ہے۔ **عن ابی ھریرۃ ﷺ قال قال رسول اللہ ﷺ لاتقوم السّاعۃ حتّٰی یبعث دجالون کذابون قریب من ثلثین کلھم یزعم انہ رسول اللہ.** اس سے ظاہر ہے کہ ان تیس دجالوں کے امتی آنحضرت ﷺ کے امتی نہیں ہوسکتے کیونکہ دجّالوں کا امتی ہونا قرین قیاس نہیں پھر جب ان کے نبی، حضرت ﷺ کے امتی نہ ہوں تو ان کے امتی حضرت ﷺ کے امتی کیونکر ہوسکیں۔

غرض جو مذہب نیا نکلتا ہے اس میں داخل ہونے کے وقت نبی ﷺ کے امتیوں کو اتنا تو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ بہتر (۷۲) مذہب سے خارج نہ ہوں جن پر حضرت کے امتی ہونے کا اطلاق کیا گیا ہے کیونکہ یہ مذاہب گونا ریہ ہوں مگر مخلد فی النار نہیں اور جوان سے بھی خارج ہو اس میں داخل ہونا تو ابدالآباد کے لئے اپنی تباہی اور ہلاکت کا سامان کرنا ہے۔

اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ جب کوئی نیا مذہب نکلتا ہے تو لوگ اس کی طرف فقط مائل ہی نہیں بلکہ صدق دل سے اس کے گرویدہ ہوجاتے ہیں۔ مسیلمہ کذّاب نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو تھوڑی مدت میں ایک لاکھ سے زیادہ آدمی فراہم ہوگئے اور اس خوش اعتقادی کے ساتھ کہ جان دینے پر مستعد۔ چنانچہ لڑائیوں میں بہت سے مارے بھی گئے حالانکہ سوائے طلاقت لسانی کے جو کچھ فقرے گھڑ لیتا تھا کوئی دلیل نبوت کی اس کے نزدیک نہ تھی بلکہ معجزے کی غرض سے جو کچھ کرتا اس کا خلاف ظہور میں آتا مگر وہ کور باطن اس کا کلمہ پڑھتے اور باوجودیکہ آنحضرت ﷺ کے ہزارہا معجزات اظہر من الشمس تھے مگر ان کے اعتقادوں کو کوئی جنبش نہ ہوتی، اسی طرح اب تک یہی کیفیت دیکھی جاتی ہے کہ نئی بات اور نئے مذہب کی طرف طبیعتیں بہت مائل ہیں چنانچہ فی زماننا بھی ایک نیا مذہب نکلا ہے جس کو مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے ایجاد کیا ہے اور لوگ اس کی طرف مائل ہوئے جاتے ہیں۔

ایک زمانے تک مرزا صاحب کی نسبت مختلف افواہیں سنی گئیں کوئی کہتا تھا کہ ان کو مجددیت کا دعویٰ ہے کوئی کہتا تھا کہ مہدویت کا بھی دعویٰ ہے کوئی کہتا تھا کہ عیسیٰ موعود بھی اپنے آپ کو کہتے ہیں، ان پریشان خبروں سے طبیعت کو کسی قدر پریشانی تو تھی مگر اس وجہ سے کہ آخری زمانے کا مقتضیٰ یہی ہے کہ اس قسم کی نئی نئی باتیں پیدا ہوں طبیعت اس کی تحقیق کی طرف مائل نہ تھی یہاں تک کہ ایک شخص نے بطور ابلاغ پیام ایک اشتہار مجھ کو دکھلایا جس میں ان کو نہ ماننے والوں کی تکفیر تک تھی اس وقت یہ خیال پیدا ہوا کہ آخر اس مذہب کی حقیقت کیا ہے ان کی کسی کتاب سے معلوم کرنا چاہیے، چنانچہ تلاش کرنے سے مرزا صاحب کی تصنیف ''ازالۃ الاوہام'' ملی اور سرسری طور پر اس کو دیکھا گیا مگر مرزا صاحب کے فحوائے کلام سے معلوم ہوا کہ جب تک یہ کتاب پوری نہ دیکھی جائے ان کے مذہب کی حقیقت اور ان کا مقصود معلوم نہ ہوگا۔ اس لئے اول سے آخر تک اس کو پھر دیکھا اس سے کئی باتیں معلوم ہوئی۔

جن میں سے ایک یہ ہے کہ مرزا صاحب بڑے عالی خاندان شخص ہیں، مختصر حال ان کے خاندان کا یہ ہے کہ ان کے جد اعلیٰ بابر بادشاہ کے وقت جو چغتائی سلطنت کا مورث اعلیٰ تھا ثمر قند میں ایک جماعت کثیرہ لیکر دہلی آئے اور بہت سے دیہات بطور جاگیر ان کو دیئے گئے آپ نے وہاں بہت بڑا قلعہ تیار کیا اور ایک ہزار فوج سوار اور پیادے کے ساتھ وہاں رہتے تھے جب چغتائی سلطنت کمزور ہوئی آپ نے ایک ملک پر قبضہ کر لیا اور توپ خانہ وغیرہ فراہم کر کے بطور طوائف الملوک مستقل رئیس ہو گئے۔ مرزا گل محمد صاحب جو مرزا صاحب کے پردادا ہیں انہوں نے سکھوں سے بڑے بڑے مقابلے کئے اور تن تنہا ہزار ہزار سکھوں کے مقابلے میں کامیاب ہوئے مگر مسلمانوں کی بدقسمتی تھی کہ باوجودیکہ انہوں نے بہت کچھ کوششیں کیں کہ ایک وسیع ملک فتح کر کے اس کو دارالاسلام بنادیں مگر نہ ہو سکا۔ پھر ان کے فرزند مرزا عطا محمد صاحب کے عہد ریاست میں سوائے قادیان اور چند

دیہات کے تمام ملک قبضے سے نکل گیا اور آخر سکھوں کے جبر وتعدی سے اپنا مستقر بھی ان کو چھوڑنا پڑا۔ کئی روز کے بعد مرزا غلام مرتضیٰ صاحب مرزا صاحب کے والد دوبارہ قادیان میں جا بسے اور گورنمنٹ برطانیہ کی جانب سے حصۂ جدی سے قادیان اور تین گاؤں ان کو ملے اور گورنر کے دربار میں ان کی نہایت عزت تھی چنانچہ ان کے دربار میں ان کو کرسی ملتی تھی اور غدر میں پچاس گھوڑے اپنی ذات سے خرید کر کے اور اچھے اچھے سوار مہیا کر کے پچاس سوار سے حکومت کی مدد کی۔ گورنمنٹ کے اعلیٰ حکام بلکہ صاحبان ڈپٹی کمشنر اور کمشنران کے مکان پر آتے تھے پھر ان تاریخی واقعات کو بیان کر کے مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ اس تمام تقریر سے ظاہر ہے کہ یہ خاندان ایک معزز خاندان ہے جو شاہان سلف کے زمانے سے آج تک کسی قدر عزت موجود رکھتا ہے۔

اس تقریر سے واضح ہے کہ مرزا صاحب ایک اولوالعزم شخص خاندان سلطنت سے ہیں اور صرف ایک ہی پشت گذری ہے جو یہ دولت ہاتھ سے جاتی رہی جس کی کمال درجے کی حسرت ہونی ایک لازمۂ بشری ہے چونکہ مقتضا فطانت ذاتی کا یہی تھا کہ مجد موثل کی تجدید ہو اس لئے ایک نئی سلطنت کی انہوں نے بنیاد ڈالی۔

یہ بات قابل تسلیم ہے کہ شاہی خاندان کے خیالات خصوصاً ایسی حالت میں کہ طبیعت بھی وقاد ہو اور ذہن کی رسائی بھی ضرورت سے زیادہ ہو کبھی گوارا نہیں کر سکتی کہ آدمی حالت موجودہ پر قناعت کرے۔ بخاری شریف میں مروی ہے کہ جب ہدایت نامہ آنحضرت ﷺ کا ہرقل بادشاہ روم کو پہنچا تو اس نے ابوسفیان وغیرہ کو جو وہاں موجود تھے بلا کر حضرت کے بہت سے حالات دریافت کئے من جملہ ان کے ایک یہ بھی سوال تھا کہ آپ کے اجداد میں کوئی پادشاہ بھی گزرا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ تو اس نے کہا میں یقین کرتا ہوں کہ وہ نبی ہیں، کیوں کہ اگر ان کے اجداد میں کوئی بادشاہ ہوتا تو یہ خیال کیا جاتا کہ

اسلاف کی دولت زائل شدہ کے وہ طالب ہیں۔ یہ روایت بخاری میں کئی جگہ مذکور ہے۔

ازالۃ الاوہام جو سینکڑوں صفحات میں لکھی گئی ہے اس میں صرف ایک ہی بحث ہے کہ میں مسیح موعود ہوں اور یہ خدمت میرے اتباع خصوصاً اولاد میں ہمیشہ رہے گی اور کل مباحث اس میں صرف اسی دعوے کے تمہیدات ولوازم ورفع موانع میں ہیں۔ اس کتاب کے دیکھنے سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب کی پرزور طولانی تقریروں کا اثر بعض کمزور خوش اعتقادوں کی طبیعتوں پر ضرور پڑے گا اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ چند مباحث جس پر مرزا صاحب کی عیسویت کا مدار ہے لکھے جائیں تا کہ اہل اسلام پر یہ منکشف ہو جائے کہ اس بات میں مرزا صاحب نہ صرف مسلمانوں سے بلکہ اسلام سے مخالفت کر رہے ہیں۔

قبل بیان مقصود مرزا صاحب کے ابتدائی خیالات تھوڑے سے لکھے جاتے ہیں جو قابل غور توجہ ہیں۔ مرزا صاحب جو کام کر رہے ہیں یہ کوئی نیا کام نہیں بلکہ ابتدائے نشو ونما سے وہ ان کے پیش نظر ہے۔ چنانچہ براہین احمدیہ صفحہ ۹۵ میں وہ لکھتے ہیں۔

بہر مذہبے غور کردم بسے شنیدم بدل حجت ہر کسے
بخواندز ہر ملتے دفترے بدیدم ز ہر قوم دانشورے
ہم از کودکی سوئے این تاختم دریں شغل خود رابینداختم
جوانی ہمہ اندریں باختم دل از غیر این کار پرداختم

اور اس میں لکھتے ہیں میں سچ کہتا ہوں کہ اس تالیف سے پہلے ایک بڑی تحقیقات کی گئی اور ہر ایک مذہب کی کتاب دیانت اور امانت اور خوض و تدبیر سے دیکھی گئی انتہی۔ اس سے ظاہر ہے کہ لڑکپن سے مرزا صاحب کو یہی شغل رہا کہ تمام مذاہب باطلہ کے اقوال واحوال پر انہوں نے نظر ڈالی اور تمام کتابوں کے مضامین کو ازبر کیا اور عقلاء کے تدابیر وایجادات واختراعات میں غور وفکر کر کے ایک ایسا ملکہ بہم پہنچایا کہ کسی بات میں رکنے کی

نوبت ہی نہیں آئی۔ پوری عمر ان کی اسی کام میں صرف ہوئی اور جس طرح اولیاء اللہ دل غیر خدا سے خالی کرتے ہیں، مرزا صاحب نے اپنا دل غیر باطل یعنی حق سے خالی کیا جس پر ان کا مصرعہ موزوں ذیل میں شہادت دے رہا ہے۔

مصرع   دل از غیر این کار پرداختم

پھر یہ ادعاء کہ مرزا صاحب نے ایک مدت دراز تک خلوت نشین رہ کر تصفیہ باطن حاصل کیا۔ چنانچہ فنافی اللہ اور فنافی الرسول وغیرہ مقامات کے حاصل ہونے کا دعویٰ خود بھی متعدد مقامات اور تصنیفات میں کرتے ہیں۔ ان تقریروں سے ظاہر ہے کہ وہ خلاف واقع ہے اس لئے کہ جب پوری عمر مذاہب باطلہ کی کتابیں دیکھنے اور نئے دین کے اختراع کرنے میں گزری تو توجہ الی اللہ کا وقت ہی کب ملا۔ اور ظاہر ہے کہ جب ایسے نقوش متضادہ لوح خاطر پر منقش اور مرتکز ہوں تو ممکن نہیں کہ تصفیہ قلب ہو سکے جیسا کہ اولیاء اللہ کی کتب سے ظاہر ہے اور جب تک تصفیۂ قلب نہ ہو قلب محل الہام وتجلیات نہیں ہو سکتا جیسا کہ احیاء العلوم اور فتوح الغیب وغیرہ کتب قوم سے ظاہر ہے۔ غرض مرزا صاحب عمر بھر اسی اختراعی مذہب کے الٹ پھیر میں لگے رہے جس کا نقشہ براہین احمدیہ میں تیار کیا اور اب اس میں رنگ آمیزیاں کر رہے ہیں۔

انہوں نے نئی بنیاد اس طرح ڈالی کہ ایک کتاب مسمّی بہ **براهين احمديه على حقيقة كتاب الله والنبوة المحمديه** لکھی جس کے نام سے ظاہر ہے کہ قرآن شریف اور نبی کریم ﷺ کی نبوت کی حقیقت اس میں ثابت کی گئی اور اس کتاب کی ضرورت اس وجہ سے ثابت کی کہ اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ عقل کو بُرے طور پر استعمال کرنے سے بہتوں کی مٹی پلید ہو رہی ہے ہمارے زمانے کی نئی روشنی (خاک برفرق این روشنی) نو آموزوں کی روحانی قوتوں کو افسردہ کر رہی ہے ان کے دلوں میں بجائے خدا کی

تعظیم کے اپنی تعظیم سما گئی ہے اور بجائے خدا کی ہدایت کے آپ ہی ہادی بن بیٹھے ہیں۔ سوفسطائی تقریروں نے نوآموزوں کے طبائع میں طرح طرح کی پیچیدگیاں پیدا کردی ہیں ان کی طبیعتوں میں وہ بڑھی جاتی ہیں اور وہ سعادت جو سادگی اور غربت اور صفائی باطنی میں ہے ان کے مغرور دلوں سے جاتی رہی جن جن خیالات کو وہ سیکھے ہیں وہ اکثر ایسے ہیں جن سے لامذہبی کے وساوس پیدا کرنے والا اثر ان کے دلوں پر پڑ جاتا ہے اور فلسفی طبیعت کے آدمی بنتے ہیں اور نیز عیسائی دین ترقی کر رہا ہے چنانچہ پادری ہٹکر صاحب نے لکھا ہے کہ ستائیس ہزار سے پانچ لاکھ تک شمار عیسائیوں کا ہندوستان میں پہنچ گیا ہے یہ بات ظاہر ہے کہ جو فساد دین کی بیخبری سے پھیلا ہے اس کی اصلاح اشاعت علم دین ہی پر موقوف ہے سو اسی مطلب کو پورا کرنے کے لئے ہم نے کتاب براہین احمدیہ کو تالیف کیا ہے جس سے ہمیشہ کے مجادلات کا خاتمہ فتح عظیم کے ساتھ ہو جائے گا یہ کتاب طالبین حق کو ایک بشارت اور منکران اسلام پر حجت ہے۔ انتہی

اور براہین احمدیہ میں ایک اشتہار اس مضمون کا دیا کہ ''میں جو مصنف اس کتاب براہین احمدیہ کا ہوں یہ اشتہار اپنی طرف سے بوعدۂ انعام دس ہزار روپیہ بمقابلہ جمیع ارباب مذاہب اور ملت کے جو حقانیت قرآن مجید اور نبوت محمد مصطفی ﷺ سے منکر ہیں **اتماماً للحجة** شائع کر کے اقرار کرتا ہوں کہ اگر کوئی بحسب شرائط مندرجہ اس کو رد کرے تو اپنی جائداد قیمتی دس ہزار روپیہ پر قبض و دخل دے دوں گا''۔ ان تحریرات کے ظاہر کو دیکھ کر کون مسلمان ہوگا جو مرزا صاحب پر جان فدا کرنے کو آمادہ نہ ہو جائے۔

اور قرآن شریف کی بھی بہت سی تعریفیں اس میں کی ہیں۔ چنانچہ صفحہ ۱۰۹ میں لکھتے ہیں کہ قرآن شریف کی تعلیم بھی انتہائی درجے پر نازل ہوئی پس انہیں معنوں سے شریعت فرقانی مختتم اور مکمل ٹھہری اور پہلی شریعتیں ناقص رہیں اور قرآن شریف کے لئے

اب یہ ضرورت در پیش نہیں کہ اس کے بعد اور کتاب بھی آئے کیونکہ کمال کے بعد اور کوئی درجہ باقی نہیں۔ اور صفحہ ۲۱۵ میں لکھتے ہیں کہ وحی رسالت بجہت عدم ضرورت منقطع ہے۔ اور صفحہ ۱۱۰ میں لکھتے ہیں کہ قرآن کا محرف اور مبدل ہونا محال ہے کیونکہ لاکھوں مسلمان اس کے حافظ ہیں ہزارہا اس کی تفسیریں ہیں پانچ وقت اس کی آیتیں نمازوں میں پڑھی جاتی ہیں۔

اور نبی کریم ﷺ کی مدح میں لکھتے ہیں پس ثابت ہوا کہ آنحضرت حقیقت میں خاتم الرسل ہیں۔ اور صفحہ ۵۰۸ میں لکھتے ہیں۔ جو اخلاق فاضلہ خاتم الانبیاء ﷺ کا قرآن میں ذکر ہے وہ حضرت موسیٰ سے ہزارہا درجے بڑھ کر ہے۔ اور صفحہ ۳۰۰ میں لکھتے ہیں۔ ہاں ان نعمتوں کے حصول میں خاتم الرسل اور فخر الرسل کی بدرجہ کامل محبت بھی شرط ہے تب بعد محبت نبی اللہ کے انسان ان نوروں سے بقدر استعداد خود حصہ پالیتا ہے پھر مسلمانوں کی بھی بہت کچھ تعریفیں کی ہیں۔ چنانچہ صفحہ ۱۱۰ میں لکھتے ہیں مسلمانوں کا پھر شرک اختیار کرنا اس جہت سے ممتنعات سے ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اس بارے میں بھی پیشین گوئی کر کے آپ فرما دیا ہے **مایبدأ الباطل وما یعید** جب ان ایام میں کہ مسلمانوں کی تعداد بھی قلیل تھی تعلیم توحید میں کچھ تزلزل واقع نہیں ہوا بلکہ روز بروز ترقی ہوتی گئی تو اب کہ جماعت اس موحد قوم کی بیس کروڑ سے بھی کچھ زیادہ ہے کیونکر تزلزل ممکن ہے۔ اور لکھتے ہیں کہ عیسائی لوگ آسانی سے دوسرے مذہبوں کو نا ممکنات ظاہر کر کے ان کے پیروؤں کو مذہب سے ہٹا سکتے ہیں مگر محمدیوں کے ساتھ ایسا کرنا ان کے لئے ٹیڑھی لکیر ہے۔

اہل اسلام نے جب دیکھا کہ مرزا صاحب اسلام کے ایسے خیر خواہ ہیں کہ اپنی جائداد تک راہ خدا میں مکفول کر دی اور ایسی کتاب لکھی کہ جس کا جواب کسی دوسرے دین والے سے نہیں ہو سکتا اس لئے ان کے معتقد ہو گئے۔

اگرچہ اس کتاب کو لاجواب بنانے والی شروط کی جکڑ بندیاں ہیں جن کو علماء

جانتے ہیں مثلاً یہ کہ ہمارے دلائل کو نمبروار توڑے اور اس پر تین منصف مقبولہ فریقین بالاتفاق یہ رائے ظاہر کردیں کہ ایفائے شرط جیسا کہ چاہیے تھا ظہور میں آ گیا اور اپنی کتاب کے دلائل معقولہ جیسے ہم نے پیش کئے پیش کریں یا اس کا خمس ورنہ بصراحت تحریر کرنا ہوگا کہ بوجہ ناکامل یا غیر معقول ہونے کتاب کے اس شق کے پورا کرنے مجبور اور معذور رہے۔ پھر اس میں اقسام کے صنف بیان کئے اور یہ شرط لگائی کہ ہر صنف میں نصف یا ربع دلائل پیش کرنا ہوگا غرض ایسے قیود و شروط اس میں لگائے کہ پینسٹھ صفحے کا اشتہار ہوگیا۔ ان شروط کے دیکھنے کے بعد ممکن نہیں کہ کوئی شخص بتوقع انعام اس کے رد کا ارادہ کر سکے اسی بھروسہ پر انہوں نے جائداد مکفول کر کے مفت کرم داشتن کا مضمون پورا کیا مگر جاہلوں میں تو نام آوری ہوگئی کہ مرزا صاحب نے ایسی کتاب لکھی کہ آج تک نہیں لکھی گئی اس لئے کہ غالباً کسی کتاب کے جواب پر اتنا انعام مقرر نہ ہوا ہوگا۔ مرزا صاحب نے ایسے اعلیٰ درجے کی یہ تدبیر نکالی کہ جس کا جواب نہیں تمام مسلمانوں میں ان کی اور ان کی کتاب کی ایسی مقبولیت ہوگئی کہ تین چار روپیہ کی قیمتی کتاب کو پچیس پچیس روپیہ دے کر لوگوں نے لے لیا اور امراء نے جو بطور انعام یا طبع کتاب کے لئے دیا وہ علیحدہ ہے۔

ہر چند مرزا صاحب نے تصریح کی کہ یہ کتاب صرف قرآن شریف اور نبی کریم ﷺ کی نبوت ثابت کرنے کی غرض سے لکھی گئی مگر بحث نفس الہام اور مطلق نبوت کی چھیڑ دی گویا روئے سخن آریہ اور برھمو سماج کی طرف ہے جو منکر الہام و نبوت ہیں اور یہ ثابت کیا کہ عقل سے کچھ کام چل نہیں سکتا جب تک وحی الٰہی نہ ہو، نہ واقعات گزشتہ معلوم ہو سکتے ہیں، نہ کیفیت حشر وغیرہ، نہ مباحث الٰہیات۔ پھر یہ ثابت کیا کہ وحی قطعی چیز ہے جس کا انکار ہو نہیں سکتا اور اس پر زور دیا کہ وحی اور الہام ایک ہی چیز ہے اور اس کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کھلا ہوا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کیا سرمایہ خدا کا خرچ ہوگیا یا اس کے منہ پر مہر لگ گئی یا الہام بھیجنے

سے عاجز ہو گیا اور رسالت میں بھی عام طور پر گفتگو کی کہ وہ ہر شخص کو مل نہیں سکتی بلکہ حسب قابلیت بعض افراد کو ملا کرتی ہے دیکھئے ابتدائی دعویٰ اثبات نبوت خاصہ اور کلام خاص یعنی قرآن شریف کا تھا اور ثابت یہ کیا کہ خاص خاص لوگوں کو نبوت ملا کرتی ہے اور ہمیشہ کے لئے وحی کا دروازہ کھلا ہوا ہے چنانچہ اسی بنا پر اب ان کو یہ دعویٰ ہے کہ خدا نے مجھے رسول اور نبی بنا کر بھیجا ہے اور اپنے پر جو وحی ہوا کرتی ہے اور وہ لوگوں پر حجت ہے یہ اسی تخم کا پھل ہے جو براہین میں بویا گیا تھا۔ پھر بہت سے الہام اس میں ذکر کئے۔ ان میں بعض خوش کن جیسے وقت نزدیک رسید کہ پائے محمدیاں بر مینار بلند محکم افتاد اور بعض غرض کتاب سے بے تعلق جیسے **یا عیسیٰ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْک ورافعک الی و کذالک نبینا علی یوسف لنصرف عنه السوء یا احمد انا اعطیناک الکوثر محمد رسول اللہ والذین معه** (الآیہ) **انا فتحنالک فتحا مبینا ۔لیغفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک وماتاخر** . اور جس نبی کا نام الہام میں ذکر کیا ترجمے میں لکھا کہ اس سے مراد ''میں'' ہوں۔

چونکہ مرزا صاحب نے آریہ وغیرہ کو مخاطب کیا تھا اس لئے علماء نے خیال کیا کہ اسلام کی جانب سے اس وقت وہ بر سر مقابلہ ہیں اور مبارزت کے وقت حریف پر رعب ہونے کی غرض سے اپنے افتخار اور ''**الحرب خدعة**'' کے لحاظ سے خلاف واقع بھی کچھ بیان کرنا شرعاً وعقلاً جائز ہے اگر ان تدابیر سے خصم پر غلبہ ہو جائے اور وہ نفس الہام کو مان لے اور قرآن پر ایمان لائے تو ایک بڑا مقصود حاصل ہو جائے گا۔ رہی افراط وتفریط جو مرزا صاحب کے کلام میں ہے اس کی اصلاح ہو رہے گی اور نیز مرزا صاحب نے یہ طریقہ بھی اس میں اختیار کیا کہ الہاموں میں خوب ہی اپنی تعلیاں کر کے آخر میں لکھ دیا کہ یہ سب ہمارے نبی کریم ﷺ کے طفیل اور عنایت اور اتباع کے سبب سے ہے جس سے مسلمانوں نے یہ خیال کر لیا کہ جب اتباع کی وجہ سے ایسے کمالات حاصل ہو سکتے ہیں تو خود

آنحضرت ﷺ کے کمالات کس درجے کے ہوں گے غرض اس قسم کے اسباب سے کسی کو ان کے رد کی طرف توجہ نہ ہوئی۔ اور انہوں نے دل کھول کے الہام لکھ ڈالے اور اپنے الہامی کارخانہ کی بنیاد بخوبی قائم کر لی اگرچہ **یاعیسیٰ انی متوفیک** کے الہام سے انہوں نے اپنا مقصود ظاہر کر دیا تھا کہ خدا نے مجھے عیسیٰ کہہ کر پکارا مگر لوگوں کو دھوکا یہ ہوا کہ محمد رسول اللہ وغیرہ بھی الہاموں میں شریک ہیں اور اس کے معنی خود وہ بیان کرتے ہیں کہ ان سے مثلیت عامہ مراد ہے جیسے **علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل** میں ہے پھر جب ان کو دعویٰ ہی نہیں تو جواب کی کیا ضرورت۔ ظاہری عبارتوں کو فضول یا لغو سمجھ کر علماء نے التفات نہ کیا۔

ہر چند براہین احمدیہ میں سب کچھ کہہ گئے مگر اس ہوشیاری کے ساتھ کہ کسی کو رد کرنے کا موقع ہی نہ ملے اور عیسویت کے دعوے سے تو ایسی تبرّی کی کہ کسی کے خیال میں بھی نہ آئے کہ آئندہ وہ اس کا دعویٰ کریں گے۔ چنانچہ اسی کے صفحہ ۵۰۵ میں لکھتے ہیں الہام **عسٰی ربکم ان یرحمکم وان علتم عدنا وجعلنا جھنم للکافرین حصیرا**۔ خدائے تعالیٰ کا ارادہ اس بات کی طرف متوجہ ہے جو تم پر رحم کرے اور اگر تم نے گناہ اور سرکشی کی طرف رجوع کیا تو ہم بھی سزا اور عقوبت کی طرف رجوع کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لئے قید خانہ بنا رکھا ہے۔ یہ آیت اس مقام میں حضرت مسیح کے جلالی طور پر ظاہر ہونے کا اشارہ ہے یعنی اگر طریق رفق اور نرمی اور لطف واحسان کو قبول نہیں کریں گے اور حق محض جو دلائل واضحہ اور آیات مبیّنہ سے کھل گیا ہے اس سے سرکش رہیں گے تو وہ زمانہ بھی آنے والا ہے کہ جب خدائے تعالیٰ مجرمین کے لئے شدّت اور عنف اور قہر اور سختی کو استعمال میں لائے گا اور حضرت مسیح علیہ السلام نہایت جلالت کے ساتھ دنیا میں اتریں گے اور تمام راہوں اور سڑکوں کو خس وخاشاک سے صاف کریں گے اور کج اور ناراست کا نام ونشان نہ رہے گا اور جلال الٰہی گمراہی کے تخم کو اپنی تجلّی سے نیست ونابود کر دے گا اور یہ زمانہ اس زمانے کے لئے

بطورارہاص کے واقع ہوا ہے یعنی اس وقت جلالی طور پر خدائے تعالیٰ اتمام حجت کرے گا اب بجائے اس کے جمالی طور پر یعنی رفق واحسان سے اتمام حجت کر رہا ہے انتہی۔
مرزا صاحب نے اس الہام کے معنی میں صاف وصریح طور پر یہ بتلادیا کہ عیسیٰ موعود آئندہ آنے والے ہیں اور میں عیسیٰ موعود نہیں ہوں بلکہ بطور پیش خیمہ ہوں اور ان کی سواری نہایت کروفر سے آئے گی اور گمراہی کو وہ بالکل نیست ونابود کر دیں گے۔ اب دیکھئے کہ براہین احمدیہ میں کیسے حزم واحتیاط سے کام لیا اور کس طرح پہلو بچا بچا کر گفتگو کی کہ کسی کو پتا ہی نہ لگے کہ آئندہ وہ کیا کرنے والے ہیں پھر جب وہ کتاب تمام ہوگئی اور خالی الذہن علماء نے اس کی توثیق بھی کی اور بہت سے مسلمانوں نے ان کو اپنا مقتدا مان لیا جس سے پورا اطمینان ان کو ہو گیا اور رقم کافی اس کتاب کی بدولت مل گئی اس وقت آریہ وغیرہ کو چھوڑ کر مسلمانوں پر الٹ پڑے اور ان کو پکڑ لیا کہ تم سب نے میری کتاب کی توثیق کی ہے اور مجھے عیسیٰ موعود مان لیا ہے اب اگر انکار کرو گے تو تم سب کافر ملعون بے دین دوزخی ہو۔ اس وقت مسلمانوں کی آنکھ کھلی کہ یہ کیا ہو گیا ہم نے تو براہین احمدیہ کو یہ سمجھا تھا کہ اس سے کافر مسلمان ہوں گے نئی روشنی والے فلسفہ کی ظلمت سے نکل کر اپنے قدیم دین کی تصدیق کریں گے مگر وہ تو مسلمانوں ہی کو کافر بنانے لگی خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم۔ ہماری وہ ساری خوشیاں اور انتظار کہ کفار پر حجت قائم ہوگئی اب وہ مسلمان ہوئے جاتے ہیں اور پادری مسلمان ہو کر گورنمنٹ پر اثر ڈال دیئے ہیں سب خاک میں مل گئے۔ ہزار ہا روپیہ برباد گئے شیخ چلی سمجھے گئے اور ہوا یہ کہ الٹے ہم ہی کافر بنائے گئے کیا اتنا روپیہ ہم نے اس واسطے خرچ کیا تھا کہ کافر بنائے جائیں مگر اب کیا ہوتا ہے یہ مرزا صاحب کا عقلی معجزہ تھا جو بغیر اثر کئے رہ نہیں سکتا کیونکہ آئندہ یہ بات معلوم ہوگی کہ عقلی معجزات کیسے قوی الاثر اور کم مدت میں پرزور اثر ڈالتے ہیں۔

جب مسلمانوں نے مرزا صاحب سے پوچھا کہ حضرت آپ تو براہین احمدیہ میں تمام انبیاء کے مثیل تھے جن میں ایک عیسیٰ بھی ہیں اور اس کی تصریح بھی کی تھی کہ وہ زمانہ آنے والا ہے جس میں عیسیٰ علیہ السلام بڑی شان و شوکت سے تشریف فرما ہوں گے پھر عیسیٰ علیہ السلام کے مثیل وغیرہ ہونے کی تخصیص کیسی تو اس کے جواب میں ازالۃ الاوہام صفحہ ۲۶۱ میں فرماتے ہیں۔ کہ براہین احمدیہ میں صاف طور پر اس بات کا تذکرہ کیا تھا کہ یہ عاجز روحانی طور پر وہی مسیح ہے جس کی اللہ و رسول نے پہلے سے خبر دے رکھی ہے ہاں اس بات کا انکار نہیں کہ شاید پیشین گوئیوں کے ظاہری معنوں کے لحاظ سے کوئی مسیح موعود بھی آئندہ پیدا ہو مگر فرق اس وقت کے بیان میں اور براہین احمدیہ کے بیان میں صرف اس قدر ہے کہ اس وقت بباعث اجمال الہام کے اور نہ معلوم ہونے ہر ایک پہلو کے اجمالی طور پر لکھا گیا تھا اور اب مفصل طور پر لکھا گیا انتہی۔

براہین کے الہام میں اجمال یہ تھا کہ مسیح علیہ السلام خود آ کر گمراہی کے تخم کو نیست و نابود کر دیں گے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ مسیح مر گئے اب نہ وہ آئیں گے اور نہ گمراہی کو مٹائیں گے اور ان کی جگہ میں مسیح موعود ہوں اس اجمال و تفصیل کا سمجھنا بھی ہر کسی کا کام نہیں کیونکہ اجمال و تفصیل میں مطلب دونوں کا ایک ہی ہوا کرتا ہے اور یہاں تباین و تناقض ہے۔ اور نیز ازالۃ الاوہام صفحہ ۱۹۷ میں لکھتے ہیں۔ میں نے براہین میں جو کچھ مسیح ابن مریم کے دوبارہ دنیا میں آنے کا ذکر لکھا ہے وہ صرف ایک مشہور عقیدے کے لحاظ سے ہے جس کی طرف آج کل ہمارے مسلمان بھائیوں کے خیالات جھکے ہوئے ہیں سو ظاہری اعتقاد کے لحاظ سے میں نے براہین میں لکھ دیا تھا کہ میں صرف مثیل موعود ہوں یہ بیان جو براہین میں درج ہو چکا ہے صرف اس سرسری پیروی کی وجہ سے تھا جو ملہم کو قبل از انکشاف اصل حقیقت اپنے نبی کے آثار مرویہ کے لحاظ سے لازم ہے کیونکہ جو لوگ خدائے تعالیٰ سے الہام پاتے

ہیں وہ بغیر بلائے نہیں بولتے اور بغیر سمجھائے نہیں سمجھتے اور بغیر فرمائے کوئی دعویٰ نہیں کرتے اور اپنی طرف سے کسی قسم کی دلیری نہیں کر سکتے انتہی۔

آپ نے دیکھ لیا کہ مرزا صاحب نے براہین احمدیہ میں ایک خاص الہام **وان عدتم عدنا** کا اس غرض سے بیان کیا تھا کہ اگر مرزا صاحب کی بات لوگ نہ مانیں تو جب عیسیٰ علیہ السلام جلالی طور پر آئیں گے تو وہ لوگ معذب ہوں گے، معتقدین نے اس کو یہی سمجھا تھا کہ مثل دوسری وحیوں کے مرزا صاحب پر یہ وحی بھی ہوئی ہے کیونکہ اس وقت انہوں نے کوئی اشتباہ اس میں بیان نہیں کیا اور نہ یہ فرمایا تھا کہ میں اپنی طرف سے مقلدانہ بیان کرتا ہوں۔ اور ازالۃ الاوہام میں فرماتے ہیں کہ وہ ظاہری اعتقاد کے لحاظ سے میں نے لکھا تھا یعنی وہ الہام و وحی نہ تھی اگر فی الواقع وہ وحی تھی تو جو دعویٰ مرزا صاحب اب کر رہے ہیں کہ عیسیٰ مر گئے اور میں ہی مسیح موعود ہوں اس سے لازم آتا ہے کہ وہ اپنے خدا کی تکذیب کر رہے ہیں جس نے پہلے وحی بھیجی تھی اور نیز یہ کہنا کہ میں نے اپنی طرف سے لکھدیا تھا جھوٹ ثابت ہوگا حالانکہ جھوٹ کہنے کو انہوں نے شرک لکھا ہے۔ اور نیز یہ کہنا کہ ملہم اپنی خودی سے کچھ کہہ نہیں سکتا خلاف واقع ہے اس لئے کہ ازالہ کی تقریر سے ثابت ہے وہ الہام اپنی خودی سے بنالیا تھا اور اگر فی الواقع وہ الہام نہ تھا تو براہین احمدیہ میں اس کو الہاموں میں داخل کرنا خلاف واقع اور اس کے الہام ہونے کا دعویٰ جھوٹا تھا۔ غرض ان دونوں کتابوں سے ایک کتاب جھوٹی ضرور ثابت ہوتی ہے اور علی سبیل البدلیت دونوں کتابیں ساقط الاعتبار ہوگئیں جس سے مرزا صاحب کے کل دعاوی قطعاً بے اعتبار ہوگئے۔

الحاصل جو ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں کہ مسیح کے دوبارہ دنیا میں آنے کا ذکر جو براہین میں لکھا تھا وہ مشہور اعتقاد کے لحاظ سے تھا اس سے ظاہر ہے کہ براہین میں یہ لحاظ رکھا گیا تھا کہ کوئی ایسی بات نہ لکھی جائے جس سے لوگوں کو توحش ہو اور مقصود فوت ہو جائے

اسی وجہ سے مسلمانوں کی بہت سی تعریفیں بھی کیں کہ قیامت تک وہ مشرک اور گمراہ نہیں ہوسکتے تا کہ اس قسم کی ابلہ فریب چالوں سے جب وہ پورے طور سے اپنے دام میں آجائیں گے اور اپنے نامزد ہونے کی وجہ سے زوجیت متحقق ہوجائے گی تو خود ان کو دوسری طرف جانے سے حیا مانع ہوگی۔ کیونکہ براہین احمدیہ صفحہ ۴۹۶ میں یہ الہام لکھتے ہیں۔ کہ **یا احمد اسکن انت وزوجک الجنة** یعنی اے احمد تو اور جو شخص تیرا تابع ہو رفیق ہے جنت میں۔ انتہی

مرزا صاحب نے براہین احمدیہ میں سوائے عیسویت کے اور بہت سے امور کی بنیادیں ڈالیں جو مختصراً یہاں لکھی جاتی ہیں۔

۱......اپنی ضرورت اس الہام سے **ففهمناها سليمان** (براہین احمدیہ:۵۲۱) جس کا مطلب یہ بتلایا کہ طریقہ حال کے لوگوں پر مشتبہ ہوگیا ہے اس عاجز سے پوچھ لیں۔

ابھی براہین کی عبارتوں سے معلوم ہوا کہ شریعت فرقانی مختتم اور مکمل ہے کسی نئے الہام کی ضرورت نہیں اور مسلمان قیامت تک گمراہ اور متزلزل نہیں ہوسکتے پھر مرزا صاحب کی کیا ضرورت؟ قرآن وحدیث سے جو طریقہ معلوم ہوا وہ تو ظاہر ہے اب نیا طریقہ سوائے اس کے کہ مرزا صاحب اپنی طرف سے ٹھہرائیں اور کیا ہوسکتا ہے اگر وہ طریقہ دین سے خارج ہوگا تو باطل ہے اور اگر داخل ہوگا تو بہتّر (۷۲) مذہب میں سے کوئی ایک مذہب ہوگا پھر مرزا صاحب کے اس طریقے کے بتلانے کی ضرورت ہی کیا؟ اور اس مدت میں سوا ایک مسئلہ عیسویت یا اس کے لوازم ومناسبات کے کوئی تصنیف دیکھنے میں ہی نہ آئی جس سے معلوم ہو کہ مقصود عیسویت سے کیا ہے اور اس میں کونسی تحقیقات کی گئی۔

۲......وحی کا اپنے پر مستقل طور سے اترنا اس الہام سے **قل انما انا بشر مثلكم يوحى الى** (براہین احمدیہ:۵۱۱) یعنی اللہ نے فرمایا کہ کہو مجھ پر وحی اترتی ہے۔

۳......جو وحی اترتی ہے اس کو امت میں رواج دینا اس الہام سے **واتل عليهم ما اوحى**

الیک من ربک (براہین احمدیہ: ۲۴۲) یعنی تجھ پر جو وحی تیرے رب کی طرف سے اترتی ہے وہ ان کو پڑھ کر سنایا کر۔

مرزا صاحب کی موت کا انتظار ہے مرتے ہی ان کے خلیفہ تمام وحی متلو کو جمع کر کے فرمائیں گے کہ جس طرح قرآن محمد ﷺ کی وفات کے بعد جمع ہوا، اسی طرح یہ نیا قرآن ان کے بعد جمع کیا گیا اور اس کا منکر کافر ہے۔ مسیلمہ کذاب چونکہ قتل کیا گیا اور اس کی امت بھی مقتول و مبذول ہوئی اس لئے اس کا قرآن جس کو اس کی امت نے قبول کر لیا تھا باقی نہ رہا مگر مرزا صاحب کا قرآن تعجب نہیں کہ باقی رہ جائے۔

۴...... اپنا کعبہ جدا اس الہام سے **فاتخذوا من مقام ابراھیم مصلی** (براہین احمدیہ: ۵۶۱) اور اس الہام سے **الم نجعل لک سھولة کل امر بیت الفکر وبیت الذکر ومن دخله کان آمنا** (براہین احمدیہ: ۵۵۷) یعنی جو ان کے گھر میں داخل ہو وہ امن والا ہے اور وہ مقام ابراہیم ہے اس کو مصلی بناؤ یہ دونوں آیتیں کعبہ کی شان میں اتری ہیں۔

اس الہام میں سہولت کا جو ذکر ہے درست ہے اس سے بڑھ کر کیا سہولت ہوگی کہ صدہا ہزار ہا روپے صرف کر کے سفر کی مشقتیں اٹھا کر مکہ شریف کو جانا پڑتا تھا جب مرزا صاحب کا گھر ہی کعبہ ٹھہر گیا تو وہ سب مشقتیں جاتی رہیں اور صرف زر کثیر کی ضرورت نہ رہی اسی وجہ سے نہ مرزا صاحب نے حج کیا، نہ اب اس کی ضرورت ہے۔ اور ان کی امت کو یہ سہولت ہوگئی کہ دسمبر کی تعطیل میں جو معمولاً مجمع مریدوں کا قادیان میں ہوتا ہے وہی اجتماع حج ہو اور دسمبر ذی الحجہ قرار پایا جائے۔ ابرہہ[1] کے کعبہ کو وہ بات نصیب نہ ہوئی جو

[1] ابرہہ بادشاہ حبشہ کے اس نائب کا نام ہے جس نے خانہ کعبہ کی پرستش سے حسد کر کے یمن میں ایک بت خانہ بنوایا جس کا نام قلیس رکھا بہت کچھ اس نے اس کی پرستش لوگوں سے کرانی چاہی لیکن کسی نے بھی اس کی پوجا نہ کی آخر کار خانہ خدا کے ڈھانے کی غرض سے ہاتھیوں کی ان گنت فوج بھیجی۔ جب وہ خدا کے گھر کے پاس پہنچی تو خدا کے حکم سے پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ امنڈ آئے اور ان پر کنکریوں کا مینہ برسایا جو کنکری جس آدمی یا ہاتھی کے سر پہنچی وہ وہیں سرد ہو گیا۔ واللہ اعلم ۱۲ محمد وزیر المصحح اول

مرزا صاحب کے کعبہ کو حاصل ہے اس لئے کہ وہ ایک ایسے زمانے میں بنا تھا کہ نبی کریم ﷺ کی ولادت شریفہ اور ظہور حق کا زمانہ بہت قریب تھا اس وجہ سے وہ تباہ ہوا مرزا صاحب کا کعبہ ایسے زمانے میں بنا ہے کہ اس سے قیامت قریب ہے جس کے آثار وعلامات میں ایسے چیزوں کا وقوع ضروری ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کعبہ دیرپا رہے گا۔

۵...... خلافت الٰہی جو آدم علیہ السلام کو دی گئی تھی اپنے لئے مقرر ہونا ذیل کے الہاموں سے ثابت کرتے ہیں۔ **یا ادم اسکن انت وزوجک الجنة** (براہین احمدیہ:۴۵۶) اور ازالۃ الاوہام صفحہ ۳۹۳ میں لکھتے ہیں۔ کہ وہ آدم جس کا نام ابن مریم بھی ہے بغیر وسیلے ہاتھوں کے پیدا کیا جائے گا اسی کی طرف وہ الہام اشارہ کررہا ہے جو براہین احمدیہ میں درج ہو چکا ہے۔ **اردت ان استخلف فخلقت آدم۔**

۶...... اپنے اگلے پچھلے گناہوں کی مغفرت اس الہام سے **اعمل ما شئت فانی قد غفرت لک** (براہین احمدیہ:۵۶۰) یعنی اب جو جی چاہے کر تیرے سب گناہوں کی مغفرت میں نے کردی۔

بخاری شریف میں حدیث موجود ہے کہ قیامت کے روز جب اہل محشر بغرض شفاعت انبیاء کے پاس جائیں گے تو وہ سب اپنے اپنے گناہوں کا ذکر کرکے کہیں گے کہ آج محمد ﷺ کا کام ہے اس لئے کہ ان کے گناہوں کی مغفرت پہلے ہو چکی ہے اس الہام کی ضرورت مرزا صاحب کو بہت تھی اس لئے پیشین گوئیوں میں انہوں نے بہت سی بدعنوانیاں کیں، داؤ پیچ کئے، عہد شکنی کی، دھوکے دیئے، جھوٹ کہی، افترا کیا، جھوٹی قسمیں کھائیں، غرض کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جیسے رسالۂ الہامات مرزا میں مذکور ہیں۔ اور ان **شآء اللہ** اس کتاب میں بھی متفرق مقام سے معلوم ہوگا۔ باوجود ان حالات کے مرزا صاحب کے امتیوں کے اعتقاد میں کوئی فرق نہ آیا اس لئے کہ ان کے گناہوں کی مغفرت تو پہلے ہی ہو چکی ہے۔

۷......ان کے امتی جنتی ہونا اس الہام سے **یا احمد اسکن انت وزوجک الجنة نفخت فیک من لدنی روح الصدق.** (براہین احمدیہ:۴۹۶) یعنی اے احمد تو اور تیری زوجہ جنت میں رہو میں نے تجھ میں صدق کی روح اپنی طرف سے پھونک دی اور روح سے مراد تابع اور رفیق بتلایا۔

اب مرزا صاحب کی امت کو کس قدر خوشی ہوگی کہ وہ ام المومنین کے مقام میں ہو کر مرزا صاحب کے ساتھ جنت میں عیش کرے گی اگرچہ ظاہر الہام سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی باغ میں اپنی زوجہ کے ساتھ رہنے کا ان کو حکم ہے مگر چونکہ یہ سنا نہیں گیا کہ کسی باغ میں وہ اپنی امت کے ساتھ رہتے ہیں اس لئے اس کا مطلب یہی ہوگا کہ اس عالم میں ساری امت کے ساتھ جنت میں رہیں اور یہ ممکن بھی ہے کہ اس عالم میں قلب ماہیت ہو کر مرد عورتیں بن جائیں غرض حوصلہ افزائیاں ایسے ہی وعدوں سے ہوا کرتی ہیں۔

۸......ان کی امت پر عذاب نہ ہونا اس الہام سے **ما کان اللّٰہ لیعذبھم وانت فیھم** (براہین احمدیہ:۵۱۴) اور اس الہام سے **وما ارسلنک الا رحمة للعلمین** (براہین احمدیہ:۵۰۶) یعنی ہم نے تجھ کو عالمین کے واسطے رحمت بھیجا اور تو جس قوم میں ہے اس پر اللہ عذاب نہ کرے گا۔

۹......مسیح کا اپنی اولاد میں ہونا اس الہام سے **یامریم اسکن انت و زوجک الجنة.** (براہین احمدیہ ۴۹۶) یعنی اے مریم تو اور تیرا زوج جنت میں رہو۔ اور اس اجمال کی تفصیل ازالۃ الاوہام صفحہ ۴۱۸ میں یوں کرتے ہیں کہ اس مسیح کو بھی یاد رکھو جو اس عاجز کی ذات میں ہے جس کا نام ابن مریم رکھا گیا ہے کیونکہ اس عاجز کو براہین میں مریم کے نام سے بھی پکارا گیا انتہی۔ مقصود یہ کہ مسیحیت کا خاتمہ مرزا صاحب پر ہونے والا نہیں ہے یہ سلسلہ ان کی ذریت میں جاری رہے گا بلکہ مرزا صاحب کی تقریر سے تو ظاہر ہے کہ مسیح موعود ان کی اولاد ہی میں ہوگا کیونکہ ازالۃ الاوہام صفحہ ۲۶۱ میں لکھتے ہیں کہ اس بات کا انکار نہیں کہ شاید پیشین گوئیوں کے

ظاہری معنی کے لحاظ سے مسیح موعود آئندہ پیدا ہوا تھی۔ یہ مضمون کہ ذریت میں ان کے کوئی مسیح ہوگا الہام کے اشارۃ النص سے نکالا گیا کہ جب مرزا صاحب مریم ہوئے تو ابن مریم بھی کوئی ضرور ہوگا یعنی مرزا صاحب کا لڑکا اور عبارۃ النص سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب جنت میں کبھی مریم بنے رہیں گے اور کبھی آدم یعنی مرد اور عورت اور امت کبھی زَوْج ہوگی کبھی زوجہ اس لئے کہ وہ زوج سے مراد تابع اور رفیق فرماتے ہیں اگر چہ اس کا سمجھنا مشکل ہے لیکن بہر حال دونوں صورتیں ان کی امت کے لئے بشارت سے خالی نہیں۔

جب براہین احمدیہ میں لوگوں نے یہ الہام دیکھا ہوگا کہ حق تعالیٰ ان کو یا مریم فرماتا ہے تو کسی کو یہ خیال نہ آیا ہوگا کہ مرزا صاحب آئندہ چل کے اس الہام سے سلسلہ عیساؤں کا قائم کرلیں گے غرض کسی نے اس کو مہمل سمجھا ہوگا اور کسی نے کسی قسم کی تاویل کرلی ہوگی مگر مرزا صاحب نے اس وقت اپنے دل کا بھید اور مقصود نہیں بتایا اسی طرح اور الہاموں کا بھی حال سمجھ لیا جائے مگر مرزا صاحب نے ان تمام الہاموں کے مجموعے کو عیسویت کا دعویٰ کر کے ازالۃ الاوہام میں پیش کردیا کہ وہ سب اہل اسلام کے مقبولہ ہیں۔

ان تمام کاروائیوں کے بعد کیا عقلاً پھر یہ بات پوشیدہ رہے گی کہ براہین احمدیہ کس غرض سے تصنیف کی گئی تھی۔ علانیہ کہا جاتا ہے کہ وحی مستقل، کعبہ مستقل، خلافت الٰہی مستقل، مغفرت جملہ معاصی حاصل، ساری امت اپنی جتنی غرض، جتنے امور کلیہ مرغوبہ پیش نظر تھے سب اس میں طے کردیئے گئے۔ ایک مدت تک مرزا صاحب چپ چاپ طبیعتوں کا اندازہ کرتے ہوئے ہوشیاری سے قدم جماتے جاتے تھے اور ادھر لوگ اس غفلت میں کہ آخر الہام بھی مرتاض لوگوں پر ہوا ہی کرتے ہیں اور اس کا ظاہری معنوں پر حمل کرنا بھی ضروری نہیں، ممکن ہے کہ خواب کی سی کوئی تعبیر لی جائے، مگر مرزا صاحب نے نبوت کے دعوے کے ساتھ جب وہ تمام دعوے شروع کردیئے اس وقت لوگ چونکے اور جن کو خاتم

النبیین ﷺ کے ساتھ تعلق باقی رکھنا منظور تھا وہ علیحدہ ہو گئے یہی وجہ تھی کہ علماء نے جب تک دین کا فائدہ خیال کرتے تھے مصلحتاً ان کے الہاموں کی تکذیب نہیں کی جیسا کہ مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ ۱۹۱ میں لکھتے ہیں۔ تعجب ہے کہ مولوی محمد حسین بٹالوی ان تمام الہاموں کی اگرچہ ایمانی طور پر نہیں، مگر امکانی طور پر تصدیق کر چکے اور بدل وجان مان چکے مگر ان کو بھی منکرانہ جوش دل میں اٹھتا ہے انتہی۔ تعجب کی کوئی بات نہیں، اس وقت یہ خیال جما ہوا تھا کہ مرزا صاحب سچ مچ مسلمانوں کی طرف سے کفار کا مقابلہ کر رہے ہیں اس لئے ان الہاموں کو مصلحتاً دائرۂ امکان میں داخل کر دیا مگر وہ امکان ایسا ہے جیسے کروڑ سر کا آدمی پیدا ہونا ممکن ہے جس کا بدل وجان ماننا ممکن نہیں۔ پھر جب مرزا صاحب کا حال معلوم ہو گیا کہ مسلمانوں کے بلکہ اسلام کے دشمن ہیں اس لئے ان کو بھی مثل تمام مسلمانوں کے انکار کا جوش پیدا ہو گیا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ باوجود ان تمام دعووں کے مرزا صاحب نے نبوت مستقلہ کا دعویٰ نہیں کیا اور اپنی نبوت ورسالت کو ظلی بتاتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ یقین کیونکر کیا جائے کہ استقلال کا دعویٰ ان کے پیش نظر نہیں ہے براہین احمدیہ کی تصنیف کے زمانے میں بھی تو کوئی دعویٰ نہ تھا صرف تمہید ہی تمہید تھی مگر جب موقع مل گیا تو وہ سب تمہیدات دعووں کی شکل میں آ گئے اسی طرح بحسب ضرورت باقی دعوے بھی وقتاً فوقتاً ظہور میں آتے جائیں گے اور اس پر قرینہ بھی موجود ہے کہ ان تمام دعووں میں کہیں بھی ظلّیت کا نام نہیں لیا گیا چونکہ مقصود کامیابی ہے سو وہ لفظ طفیلیت کی بدولت ہو رہی ہے اگر مستقل نبوت کا دعویٰ کریں تو اندیشہ لگا ہوا ہے کہ کہیں کل تمہیدات اور بنی بنائی بات بگڑ نہ جائے کیونکہ اس پر کوئی مسلمان راضی نہ ہوگا کہ خاتم النبیین ﷺ کے بعد کوئی مستقل نبی ہو اور بظاہر یہ بھی ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ کوئی دوسرے فرقے والا ان کی نبوت کی تصدیق کرے اس لئے کہ ایک مدت دراز سے اشتہارات اور کتب شائع کر رہے ہیں مگر

اب تک کوئی عیسائی یا ہندو قادیانی سنا نہیں گیا یہ تو آخری زمانے والے مسلمانوں ہی کی قسمت ہے جو جوق در جوق کھنچے جاتے ہیں۔

غرض جب انہوں نے دیکھا کہ ایک بنی بنائی امت صرف لفظ طفیلی اور ظلی کہہ دینے سے اپنی امت ہو جاتی ہے تو اس لفظ کے کہنے سے کیا نقصان بلکہ قسم کے اور کئی الفاظ کہ دیئے جائیں تو بھی کیا قباحت۔ اسی وجہ سے ازالۃ الاوہام صفحہ ۱۳۷ میں لکھتے ہیں کہ ایک لفظ قرآن کا کم وزائد نہیں ہوسکتا۔ اور صفحہ ۱۳۷ میں لکھتے ہیں کہ کوئی ایسا الہام نہیں ہوسکتا جس سے قرآن میں تغیر ہو۔ اسی قسم کی اور عبارتیں بھی ہیں جن سے کمال درجہ کا تدین نمایاں ہے مگر چونکہ اغراض ذاتی ثابت کرنے میں اکثر قرآن وحدیث کی مخالفت کی ضرورت پڑتی تھی اس لئے یہ قاعدہ قرار دیا جو ازالۃ الاوہام صفحہ ۱۳۹ میں لکھا ہے کہ کشف سے معانی قرآن نئے طور سے کھلتے ہیں تو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں انتہی۔ اب قرآن میں کمی وزیادتی کی ضرورت ہی کیا آسان طریقہ نکل آیا کہ جو آیت قرآنی اپنے مقصود کے مخالف ہو اس کی معنی کشف سے بحسب ضرورت گھڑ لئے اور قرآن بلا کم وزیادت اپنی جگہ رکھا رہا۔ جیسے ایک جعلی نبی کو **حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر** (الآیہ) میں کشف سے معلوم ہوا تھا کی **میتۃ** اور **دم** وغیرہ پڑھنے سے مراد چند معین اشخاص تھے جن کے لئے حرمت کا لفظ استعمال کیا گیا۔ مردار اور سور اور خون وغیرہ سے اس آیت کو کیا تعلق یہ سب چیزیں حلال طیب ہیں۔ دیکھئے ابھی معلوم ہوا کہ مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ ۱۹۷ میں لکھتے ہیں کہ یہ بیان جو براہین میں درج ہو چکا ہے اس سرسری پیروی کی وجہ سے تھا جو ملہم کو قبل انکشاف اصل حقیقت اپنے نبی کے آثار مرویہ کے لحاظ سے لازم ہے انتہی۔ آثار مرویہ کے مضامین جو مرزا صاحب نے براہین میں لکھے ہیں اور اس کی ابھی نقل کی گئی یہی ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نہایت جلالت کے ساتھ دنیا میں اتریں گے اور الہام سے ان کو معلوم ہوا کہ وہ مر گئے

اب نہ اتریں گے اور آثار نبویہ سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام آکر کج اور ناراست کا نام ونشان دنیا میں باقی نہ رکھیں گے اور الہام ہوا کہ ایسا نہ ہوگا بلکہ عیسیٰ یعنی مرزا صاحب ایسے داؤ پیچ کریں گے کہ ان کا سمجھنا مشکل ہوگا۔

آثار نبویہ میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے وقت جلال الٰہی گمراہی کے تخم کو اپنی تجلّی سے نیست ونابود کردے گا اور الہام یہ ہوا کہ ایسا نہ ہوگا بلکہ کروڑ ہا مسلمان جو موجود ہیں وہ بھی کافر ہوجائیں گے۔ جب نبی کے ارشاد اور امتی کے الہام میں اس قدر فرق ہو کہ نبی ﷺ جس چیز کے وجود کی خبر دیں الہام اس کا عدم ثابت کرے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ نبی کی تکذیب الہام سے درست ہے پھر جب تکذیب درست ہو تو تنسیخ کونسی بڑی بات ہے بہر حال مرزا صاحب کے الہام معمولی نہیں نبوت کے رنگ میں ہیں رفتہ رفتہ بہت کچھ رنگ لانے والے ہیں۔

غرض اس قسم کے قاعدے اسی غرض سے قرار دیئے کہ مطلب برآری میں کوئی رکاوٹ نہ رہے اور خوش کن الفاظ بھی اپنی جگہ قائم رہیں پھر اگر پابندیوں سے کوئی مجبوری واقع ہو اور موقع ملجائے تو ان خوش کن الفاظ کو ہٹادینا کون سی بڑی بات ہے۔ دیکھ لیجئے۔ ازالۃ الاوہام صفحہ ۱۹۰ میں لکھتے ہیں کہ میں نے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا کہ میں مسیح ابن مریم ہوں جو شخص یہ الزام میرے پر لگاوے وہ سراسر مفتری وکذاب ہے۔ اور نیز ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں کہ میں نے براہین احمدیہ میں جو کچھ مسیح ابن مریم کے دوبارہ دنیا میں آنے کا ذکر لکھا ہے ظاہری اعتقاد کے لحاظ سے لکھا ہے، اور صفحہ ۴۱۳ میں لکھتے ہیں کہ یہ بات بہ بداہت ثابت ہے کہ ابن مریم سے وہ ابن مریم رسول اللہ مراد نہیں ہے جو فوت ہوچکا ہے۔ اور خدائے تعالیٰ کی حکمت عجیبہ پر بھی نظر ڈالو کہ اس نے آج سے قریبا دس برس پہلے اس عاجز کا نام عیسیٰ رکھا اور بتوفیق وفضل و براہین میں چھپوا کر ایک عالم میں اس نام کو مشہور کردیا اور ایک مدت دراز کے بعد خاص الہام سے ظاہر فرمایا کہ یہ وہی عیسیٰ ہے جس کے

آنے کا وعدہ تھا، خدائے تعالیٰ نے دس برس تک اس دوسرے الہام کو جو پہلے الہام کے لئے بطور تشریح تھا پوشیدہ رکھا تھا۔ اس کا مطلب ظاہر ہے کہ دس برس پیشتر اس کی تمہید کی تھی اور نیز ازالۃ الاوہام صفحہ ۵۶۱ میں لکھتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے مجھے بھیجا اور میرے پر اپنے خاص الہام سے ظاہر کیا کہ مسیح ابن مریم فوت ہو چکا ہے چنانچہ اس کا الہام یہ ہے کہ مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو چکا ہے اور اس کے رنگ میں ہو کر وعدے کے موافق تو آیا ہے **وکان وعد اللہ مفعولا**۔

آپ نے دیکھ لیا کہ ابتداء میں تمہیداً کہا گیا تھا کہ میں مثیل مسیح ہوں اور مسیح علیہ السلام بڑی شان وشوکت سے خود تشریف لانے والے ہیں اس سے کسی کو خیال بھی نہ ہوا کہ مرزا صاحب کو مسیحائی کا دعویٰ ہے اور خصوصاً ایسی حالت میں کہ وہ خود ازالۃ الاوہام صفحہ ۲۵۹ میں لکھتے ہیں کہ مثیل کہنا ایسا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے **علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل** اس کے بعد یہ الہام کتاب میں درج کر دیا کہ تو عیسیٰ ہے اس پر بھی لوگوں نے چنداں توجہ نہ کی کہ الہاموں کے اصلی ولفظی معنی لینے کی ضرورت نہیں اس کے بعد یہ الہام ہو گیا کہ عیسیٰ اب کہاں وہ تو مر گئے مسیح موعود تو ہی ہے اور لکھتے ہیں۔

اینک منم کہ حسب بشارات آمدم — عیسیٰ کجا است تا بنہد پا بہ منبرم

(ازالۃ:۱۵۸)

اور تلافی مافات اس طور سے کی گئی کہ عیسیٰ کا دوبارہ آنا ظاہری اعتقاد کے لحاظ سے کیا گیا تھا اور خدا کی قدرت ہے کہ اس آخری الہام سے دس برس پہلے خدا نے آپ کا نام عیسیٰ رکھ کر مشہور کر دیا تھا اسی طرح جب ظل اور طفیل وغیرہ الفاظ کو ہٹانا منظور ہوگا تو ایک الہام ہو جائے گا کہ ہم نے تجھے مستقل نبی کر دیا۔ اس وقت اگر پرانے خیال والا کوئی معترض چوں وچرا کرے تو کمال غیظ وغضب سے فرمائیں گے کہ تو بھی عجب بیوقوف ہے ارے میاں خدا سے بالمشافہ بات کرنے والا جس پر وحی بھی اترتی ہو اور اس کو خدا نے اپنا خلیفہ بھی بنا دیا

اورتمام قدرت اس کے قبضے میں دیدی کہ جو چاہے کُن کہہ کر کر ڈالے کہیں طفیلی ہوسکتا ہے یہ الفاظ ہم نے صرف ظاہری اعتقاد کے لحاظ سے سرسری پیروی کے طور پر لکھ دیئے تھے اور اس حکمت عجیبہ پر نظر ڈالو کہ بیس پچیس برس پہلے خدا نے اس عاجز کو تمام فضائل مذکورہ مستقل طور پر دے کر عالم میں مشہور کر دیا تھا دیکھتے ہو کہیں ان فضائل میں ظلّی اور طفیلی کا نام بھی ہے۔

مرزا صاحب کو اپنی عیسویت جو ابتداء سے پیش نظر تھی اس کے ثابت کرنے میں کیسی کیسی کاروائیاں کرنی پڑیں۔ ابتدائیوں کی گئی کہ حدیث شریف میں وارد ہے **علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل** اس لئے میں تمام انبیاء کا مثیل ہوں اور چونکہ اس میں کوئی خصوصیت ان کی نہ تھی اس لئے کہ تمام علماء اس بشارت میں شریک تھے اس وجہ سے خدا کی طرف سے پیام پہنچایا گیا کہ خاص طور پر فلاں فلاں نبی کے مثیل مرزا صاحب ہیں۔ چنانچہ وہ آیتیں الہام میں پیش کی گئیں جن میں انبیاء کے نام تھے جیسا **ففھمناھا سلیمان** اور **یاعیسٰی انی متوفیک** وغیرہ اور ان کے ترجمے میں لکھ دیا کہ اس سے مراد عاجز ہے۔ یہ کاروائی اس خیال سے کی گئی کہ حمقاء اس زوردار حکم کو ہرگز رد نہ کریں گے پہلے تو آیت قرآنی اور اس پر الہام ربانی اور جہلاء جب ان آیتوں کو قرآن میں دیکھ لیں گے اور اس کے الہامی معنی سمجھ لیں گے تو ان کو کامل یقین ہو جائے گا کہ مرزا صاحب اس پائے کے شخص ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے پہلے ہی سے ان کی خبریں قرآن میں دے رکھی ہیں کیونکہ جاہلوں کو ایسی باتوں کا یقین اکثر ہو جایا کرتا ہے۔ چنانچہ کسی گاؤں کا واقعہ ہے کہ وہاں ایک ہندو زمیندار تھا جس کا نام ابا تھا اور تعظیماً اس کو لوگ ابا جی کہتے تھے ایک معمر اور عقلمند شخص ہونے کی وجہ سے اس کی وقعت رعایا کے دل میں جمی ہوئی تھی اتفاقاً کوئی مولوی صاحب اس گاؤں میں گئے ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ حضرت ہمارے ابا جی کا بھی نام آپ کے قرآن میں ہے مولوی صاحب نے کہا ہاں موجود ہے **ابی واستکبر و کان من الکافرین**

اور اتفاقاً وہ کمبخت کانا بھی تھا یہ سنتے ہی وہاں کے لوگوں کو بڑا فخر ہو گیا کہ ہمارے کانے ایا جی کا ذکر مسلمانوں کے قرآن میں بھی موجود ہے۔

ان الہاموں میں یہ خاص طریقہ اس غرض سے اختیار کیا گیا کہ جاہلوں میں شعور وشعب ہو کہ مرزا صاحب کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ اور یہ بھی غرض تھی کہ علماء کی نظروں میں **یاعیسیٰ** والا الہام دوسرے الہاموں میں چھپا رہے اور کسی کو اس طرف توجہ نہ ہو کہ **یاعیسیٰ** کہہ کر مرزا صاحب کو خدا کا خطاب کرنا کیسا۔ پھر بتدریج خاص مثیل عیسیٰ ہونے کا دعویٰ شروع کیا چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ ۱۹۱ میں لکھتے ہیں کہ آٹھ سال سے برابر شائع ہو رہا ہے کہ میں مثیل مسیح ہوں اور اس میں لکھتے ہیں کہ اس عاجز کو اللہ تعالیٰ نے آدم صفی اللہ کا مثیل قرار دیا اور کسی کو علماء میں سے اس بات پر ذرا بھی رنج دل میں نہیں گزرا اور پھر مثیل نوح اور مثیل یوسف اور مثیل داؤد اور مثیل ابراہیم علیہم السلام قرار دیا یہاں تک نوبت پہنچی کہ بار بار یا احمد کے خطاب سے مخاطب کر کے ظلی طور پر مثیل سیّد الانبیاء ﷺ قرار دیا تو بھی کوئی جوش وخروش میں نہیں آیا اور جب خدائے تعالیٰ نے اس عاجز کو عیسیٰ یا مثیل عیسیٰ کر کے پکارا تو سب غضب میں آگئے یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کیونکہ یہ الہام براہین میں لکھا جا چکا ہے۔ اس وقت تو لوگ مرزا صاحب کو اپنے جیسے مسلمان سمجھتے تھے یہ غضب اس وقت آیا کہ انہوں نے مسلمانوں سے خارج ہو کر دوسری راہ لی اور سب کو چھوڑ کر عیسویت کی تخصیص کی اور جس وقت وہ الہام براہین میں لکھا تھا اس وقت جو نہیں پوچھا کہ اس تخصیص کی کیا وجہ؟ اس کی وجہ یہی تھی کہ مرزا صاحب سے یہ توقع کسی کو نہ تھی کہ مسلمانوں ہی کو کافر بنائیں گے کیونکہ اس وقت وہ مسلمانوں کی طرف سے کافروں کا مقابلہ کر رہے تھے غرض اس وقت صرف مثیل مسیح کہا گیا تھا اس سے کوئی تعلق نہیں کہ مسیح آنے والے بھی ہیں یا مر گئے۔ چونکہ مرزا صاحب نے براہین احمدیہ میں باور کرا دیا تھا کہ مسیح بڑی شان وشوکت

سے آئیں گے اور میں بطور پیش خیمہ ہوں اس وجہ سے مسیح علیہ السلام کی موت کی طرف کسی کی توجہ ہونے کا کوئی منشا ہی نہ تھا اس کے بعد مثیل مسیح موعود بڑھایا گیا جس سے دیکھنے میں تو یہ بات ہو کہ مسیح موعود کے مثیل ہیں اور در باطن تمہید اس کی تھی کہ لفظ موعود صفت مثیل کی قرار دیجائے چنانچہ معتقدین میں سینہ بہ سینہ یہ بات رواج پاگئی اس کے بعد لفظ مسیح کو ہٹا کر مثیل موعود کہہ دیا اور اس کے ساتھ الہام کی جوڑ لگادی کہ مسیح جو نبی تھے وہ مر گئے اور ان کی جگہ میں آیا ہوں اور مثیل موعود میں ہوں اور جتنی آیات واحادیث میں صراحۃً عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کا ذکر ہے کہہ دیا کہ اس سے میں ہی مراد ہوں۔ پھر صرف اپنے آپ ہی پر مسیحیت کو ختم نہیں کیا بلکہ انہیں پہلے الہاموں کی بنا پر یہ سلسلہ اپنی اولاد میں بھی قائم کر دیا اور اس کی دلیل یہ بیان کی کہ میرا نام براہین میں مریم بھی خدا نے رکھا ہے اس لئے ابن مریم ضرور میری اولاد میں ہوگا اور وہ الہام جو براہین میں بے تکے سے معلوم ہوتے تھے (کیونکہ مقصود اس کتاب کا صرف کفار کا مقابلہ تھا اس میں اس قسم کے الہاموں سے کیا تعلق) وہ الہام اتنی مدت کے بعد اب کام آگئے اور وہ غرض پوری ہوئی جو براہین احمدیہ کی تصنیف سے تھی۔

یہاں وہ عبارت بھی قابل دید ہے جو مرزا صاحب نے علماء کے نام سے معذرتی نیاز نامہ میں لکھا ہے۔ جو ازالۃ الاوہام صفحہ ۱۹۰ میں درج ہے اس عاجز نے جو مثیل موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے جس کو کم فہم لوگ مسیح موعود خیال کر بیٹھے آٹھ سال سے برابر شائع ہو رہا ہے کہ میں مثیل مسیح ہوں اور یہ میری طرف سے کوئی نئی بات ظہور میں نہیں آئی کہ میں نے اپنے رسالوں میں اپنے تئیں وہ موعود ٹھہرایا ہے جس کے آنے کا قرآن شریف میں اجمالاً اور احادیث میں تصریحاً بیان کیا گیا ہے کیونکہ میں تو پہلے بھی براہین میں بتصریح لکھ چکا ہوں کہ میں وہی مثیل موعود ہوں جس کے آنے کی خبر روحانی طور پر قرآن اور احادیث نبویہ میں پہلے سے وارد ہو چکی ہے انتہیٰ۔ اس عبارت پر غور کیا جائے کہ اس سے عیسیٰ علیہ السلام

کا آئندہ آنا ثابت ہوتا ہے یا مرزا صاحب کا جانشین قرار پانا۔ مرزا صاحب نے اس عبارت میں صنعت نافقا کام میں لایا ہے جس کا حال عنقریب معلوم ہوگا مولویوں کو اس میں یہ سمجھانا کہ آٹھ سال سے میں اپنے کو فقط مثیل مسیح کہہ رہا ہوں اور یہ کہ موعود یعنی مسیح موعود کا مثیل ہوں۔ کوئی نئی بات نہیں نکالی کہ وہ موعود اپنے تئیں ٹھہرایا کہ جس کے آنے کا ذکر قرآن وحدیث میں ہے وہ تو اپنے وقت پر آئیں گے جیسا کہ براہین احمدیہ سے ظاہر ہے۔

اور اسی عبارت سے معتقدین کو یہ سمجھایا کہ میں وہی مثیل ہوں جو موعود ہے اور آٹھ سال سے مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کر رہا ہوں اور یہ بات کہ اپنے تئیں وہ موعود ٹھہرایا جس کا ذکر قرآن وحدیث میں ہے کہ کوئی نئی بات نہیں نکالی قدیم سے یہی کہہ رہا ہوں کہ میں مثیل موعود ہوں میرے ہی آنے کا وعدہ قرآن وحدیث میں ہے۔

اب غور کیا جائے کہ مرزا صاحب نے اس مسئلے میں کس قدر داؤ پیچ کیے اس پر یہ ارشاد ہوتا ہے مولوی لوگ لومڑی کی طرح داؤ پیچ کیا کرتے ہیں اگر انصاف سے دیکھا جائے تو لومڑی کتنی ہی مسن ہو مرزا صاحب کو نہیں پہنچ سکتی۔

اہل سنت وجماعت (بقول مرزا صاحب) لکیر کے فقیر ہیں جو کچھ نبی ﷺ نے فرمایا ہے اس حد سے وہ خارج نہیں ہو سکتے۔ دیکھئے عیسیٰ علیہ السلام کے قیامت کے قریب آنے کی تصریح متعدد حدیثوں میں فرمائی ہے کہ آنے والے وہی عیسیٰ ابن مریم ہیں جو روح اللہ اور نبی اللہ تھے اس میں کہیں مثیل کا نام بھی نہیں۔ یہی اعتقاد تمام امت کا ابتدا سے آج تک ہے۔ جس پر ہزاروں کتابیں گواہ ہیں اب اس میں داؤ پیچ کی اہل سنت وجماعت کو ضرورت ہی کیا۔

مرزا صاحب کی تقریر سے بھی معلوم ہوا کہ مسیح موعود جس پر حدیث کی پیشین گوئیاں صادق آئیں گی وہ مرزا صاحب کی اولاد میں ہوگا جس کے مثیل مرزا صاحب ہیں جب موعود وہ ہوا تو مرزا صاحب کا موعود ہونا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ حدیث شریف میں صرف ایک مسیح

موعود ہے اگر مثلیت کی وجہ سے خود موعود ہونا چاہتے ہیں تو اولاد اس سے محروم ہو جاتی ہے مگر چونکہ مرزا صاحب نے مہر پدری سے لفظ موعود اپنے فرزند کو ہبہ کر دیا ہے تو اب اس ہبہ میں عود کرنا ان کی شان سے بعید ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ خود ہی اس سے دست بردار ہو جائیں۔ یا یوں کہیے کہ جناب مرزا صاحب نے اپنے مضامین موعودیت کو براہین میں اس طرح سے روا رکھا تھا کہ آخر عمر میں اس دعوے کا انتقال اپنی نسل کے لئے کر جائیں اور چونکہ اب مرزا صاحب کی عمر آخر ہے لہٰذا یہ دعویٰ بصراحت لکھا گیا ہے کہ ان کی اولاد میں مسیح موعود پیدا ہوگا۔

براہین احمدیہ میں جو مرزا صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ نئی روشنی والوں اور پادریوں وغیرہ مذاہب باطلہ پر یہ کتاب حجت ہوگی اور اس سے ہمیشہ کے لئے مجادلات کا خاتمہ فتح عظیم کے ساتھ ہو جائے گا چنانچہ اسی بات پر لوگوں نے زر خطیر اس پر صرف کیا جس کا حال اوپر معلوم ہوا افسوس ہے کہ یہ وعدہ غلط ثابت ہوا اس لئے کہ اس کتاب سے نہ کوئی نیچر راہ راست پر آیا نہ پادری وغیرہ مسلمان ہوئے بلکہ برخلاف اس کے بیس کروڑ سے زیادہ مسلمان جن کی نسبت خود مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے پیشین گوئی کی ہے کہ قیامت تک وہ گمراہ نہ ہوں گے مشرک اور کافر قرار پائے۔ چنانچہ ''الحکم'' میں وہ لکھتے ہیں کہ جو کوئی میری نبوت کی تکذیب کرے یا اس میں تردد کرے اس کے پیچھے نماز پڑھنی میری جماعت پر حرام اور قطعی حرام ہے کیونکہ وہ ہلاک شدہ قوم اور مردہ یعنی کافر ہے۔

الغرض تحریر سابق سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ مرزا صاحب نے براہین احمدیہ میں کمال درجے کی عیاری سے جو اسرار پوشیدہ رکھے تھے وہ بظاہر مرزا صاحب کے مقصود کے خلاف تھے۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ ضرورت کے موافق روپیہ اور ہم خیال لوگ جمع ہو گئے تو وہ اس وقت ان اسرار کے ظاہر کرنے کی طرف متوجہ ہوئے اور ایک کتاب تخمیناً ساٹھ جزو کی لکھی جس کا نام ''ازالۃ الاوہام'' رکھا اس نام سے ظاہر ہے کہ اس میں ان

خیالات کا دفعیہ ہے جو مصلحتاً ان کی عیسویت کے مخالف اس میں درج کئے گئے تھے اور اس پوری کتاب میں صرف اسی بحث پر زور دیا کہ میں مسیح موعود ہوں چونکہ ان کا مسیح موعود ہونا دو باتوں پر موقوف تھا ایک عیسیٰ علیہ السلام کی موت کا ثبوت دوسرے ان کا خدا کی طرف سے مامور ہونا۔ شق ثانی کی تمہید براہین میں مذکور ہے جس کا حال کسی قدر معلوم ہوا اگر اس نظر سے وہ کتاب دیکھی جائے جس کی خبر ہم دے رہے ہیں تو بحسب فہم وزناکت طبع معلوم ہوگا کہ کس قدر داؤ پیچ مرزا صاحب نے اس میں کئے اور امور کلیہ کو اس میں طے کر دیا مثلاً اگلے لوگوں کے برابر ہم ہو سکتے ہیں۔ الہام حجت ہے۔ سلسلہ الہام کا ہمیشہ جاری ہے۔ وحی بحسب ضرورت نازل ہوتی ہے۔ الہام و وحی ایک ہیں۔ الہام قطعی ہوتا ہے۔ الہام کی قابلیت شرط ہے۔ پھر اپنے الہام درج کئے جن میں سے چند یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ **قل جاء الحق وزھق الباطل۔ الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی بحمدک اللہ من عرشہ وبحمدک ویصلی وما کان اللہ معذبھم وانت فیھم انی معک وکن معی۔ یا عیسیٰ انی متوفیک۔ انا فتحنا لک فتحا مبینا ولو کان الایمان بالثریا لنالہٗ۔ انار اللہ برھانہٗ۔ یا احمد یرفع اللہ ذکرک ویتم نعمتہ علیک فی الدنیا والآخرۃ۔ یا ایھا المدثر قم فانذر۔** اور جو معجزات انبیاء علیہم السلام کے قرآن وحدیث میں منقول ہیں سب کو گستاخانہ طور پر کہنہ قرار دے کر عقلی معجزات کی ضرورت بتائی۔ اور لکھا کہ میں نہ آتا تو جہاں میں اندھیرا ہوجاتا۔ میرے متبعین کو غلبہ قیامت تک ہے۔ وغیرذلک۔ اور شق اول یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی موت کی بحث ازالۃ الاوہام میں کر کے اپنی عیسویت کو جمایا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ دیکھو **یا عیسیٰ** کا مجھ کو خطاب ہوا تھا اور میں رسول بھی ہوں اور خدا نے ہدایت کے لئے مجھے بھیجا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اب رہی یہ

بات کہ احادیث وغیرہ سے عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمانوں پر جانا ثابت ہے تو ان میں تاویل کر ڈالی بلکہ ساقط الاعتبار کر دیا۔ اور تفسیروں کی نسبت یہ لکھ دیا کہ بیہودہ خیالات ہیں اور لکھا کہ کوئی شخص زندہ آسمانوں پر جا نہیں سکتا۔ اور اسی بناء پر نبی ﷺ کی معراج جسمانی کا انکار ہی کر دیا۔ اور جو احادیث صحیحہ اس باب میں وارد ہیں، ان کی تغلیط کی۔ اور قولہ تعالیٰ **و اذقال الله یاعیسٰی انی متوفیک ورافعک** سے یہ استدلال کیا کہ خدائے تعالیٰ نے ان کو خبر دی تھی کہ تم مرنے والے ہو اور تم کو میں اٹھانے والا ہوں چونکہ اس آیت میں پہلے ان کی وفات کا ذکر ہے اس سے ثابت کیا کہ وفات پہلے ہوئی اور اس کو نظر انداز کیا کہ واؤ ترتیب کیلئے ہے۔ حالانکہ کئی آیتوں سے ثابت ہے کہ واؤ سے جو عطف ہوتا ہے اس میں ترتیب نہیں ہوتی اسی بنا پر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت ہے کہ اس آیہ شریفہ میں معنیٰ تقدیم و تاخیر ہے اس کی نسبت کہا کہ انہوں نے اپنے لئے خدا کی استادی کا منصب قرار دیا۔ پھر اپنے زعم میں عیسیٰ علیہ السلام کو میت قرار دے کر لکھا کہ کسی مرے ہوئے کو خدا زندہ کیا ہی نہیں حالانکہ متعدد واقعات میں ہزارہا مُردوں کو زندہ ہونا قرآن شریف سے ثابت ہے سب میں تاویلیں کر کے ان کا انکار کر دیا اور جس قدر احادیث اس باب میں وارد ہیں سب کو غلط ٹھہرایا۔ پھر اس مسئلے میں یہاں تک ترقی کی کہ قیامت میں بھی عیسیٰ علیہ السلام کا زمین پر آنا غیر ممکن بتایا اور حشر اجساد سے صاف انکار کر دیا اور دجال اور امام مہدی کے باب میں جتنی حدیثیں وارد ہیں سب کی تکذیب کی۔

غرض کہ اپنے مقاصد میں جس آیت کو حارج دیکھا سب کی تکذیب یا تحریف کر ڈالی ان کے سوا اور بہت سے مباحث ہیں جن کا ذکر موجب تطویل ہے حاصل یہ کہ براہین احمدیہ اور ازالۃ الاوہام کو خاص اپنی عیسویت اور نبوت ثابت کرنے کی غرض سے لکھا جیسا کہ الہامات مذکورہ بالا سے ثابت ہے۔

نبوت کی آرزو ابتدا میں مسیلمہ کذاب کو ہوئی اس کے بعد اکثر عقلاء کو ہوا کی اور چونکہ آیۂ شریفہ **خاتم النبیین** اور حدیث **لانبی بعدی** ان کی تکذیب کرتی تھی اس کے جواب کے لئے بہت سی تدبیریں سوچی گئیں بعضوں نے معنی میں تصرف کیا بعضوں نے یہ تدبیر کی کہ **لانبی بعدی** کے بعد **الا ان یشاء اللہ** روایت میں زیادہ کر دیا مگر کسی کی چلی نہیں گو بعض بے دینوں نے مان لیا مگر عموماً اہل اسلام ان کی تکذیب ہی کرتے رہے مرزا صاحب نے دیکھا کہ اس زمانے میں روایت کی بھی ضرورت نہیں اپنی جرأت سے **لانبی بعدی** کے بعد **لانبی ظلی** بڑھا دیا، کیونکہ وہ ظلی نبوّت کو مع جمیع لوازم موت حقیقۃً جائز رکھتے ہیں اور خوش اعتقادوں نے اس پر بھی **آمنا و صدقنا** کہہ دیا۔

قرائن قویہ سے یہ بات ثابت ہے کہ مرزا صاحب کو نبوت مستقلہ کا دعویٰ ہے مگر یہ خوف بھی لگا ہوا ہے کہ کہیں کوئی مسلمان پکڑ لے کہ وہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے تو رہائی مشکل ہوگی اس لئے انہوں نے فرار کی یہ راہ نکالی کہ ظلی کہہ کر چھوٹ جائیں گے اور یہی عقلاء کا طریقہ بھی ہے کہ **قدم الخروج قبل الولوج** کو ہمیشہ پیش نظر رکھا کرتے ہیں۔ بلکہ کتب لغت اور تفاسیر میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ بعض ہوشیار جانوروں کا بھی اس پر عمل ہے۔ چنانچہ جنگلی چوہے کی عادت ہے کہ جس زمین میں گھر بناتا ہے اس میں ایک سوراخ ایسا بھی بنا رکھتا ہے کہ اگر کوئی آفت آئے تو اس راہ سے نکل جائے۔ اس احتیاطی راستے کو عرب نافقا کہتے ہیں۔ مسلمانوں میں بھی اس قسم کے عقلاء پیدا ہو گئے تھے کہ ظاہری موافقت اہل اسلام کو جان بچانے کی راہ بنا رکھی تھی حق تعالیٰ نے ایسے عقلاء کا نام منافق رکھا جن کی نسبت ارشاد ہے **اِنَّ المنافقِیْنَ فِیْ الدَّرکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّار**. یعنی منافق کفار سے بھی بدتر ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ کے نیچے کے طبقے میں ہے۔

جس طرح نبوت کے دعوے میں مرزا صاحب نے گریز کا طریقہ نکال لیا اسی

جیسا کہ بعض بزرگوں کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے جن کا حال آئندہ معلوم ہوگا اور شیطان کا وحی کرنا بھی اس آیہ شریفہ سے ثابت ہے **قولہ تعالٰی و کذالک جعلنا لکل نبیٍّ عدواً شیاطین الانس والجن یوحی بعضھم الی بعضٍ** تعجب نہیں کہ شیطان نے وحی ان پر ٹھٹے سے اتاری ہو کہ تم سب کچھ ہو یہاں تک کہ یہ بھی کہہ دیا کہ **ان امرک اذا اردت شیئًا ان تقول لہٗ کن فیکون**. یعنی تم جو کچھ پیدا کرنا چاہو تو کن کہہ دیا کرو تو وہ چیز فوراً وجود میں آجائے گی۔ مرزا صاحب کو اس وحی کے بعد حق تھا کہ ملہم سے کہہ دیتے کہ حضرت میں نے براہین احمدیہ کس محنت سے لکھی اور اس کے صلے میں کیسی دقتوں سے روپیہ جمع کیا، لوگوں کی خوشامدیں کیں، برا بھلا کہا، عار دلائی اور لوگوں نے میرے اس وعدے کے بھروسے پر مدد دی کہ نیچر اور جملہ فرق باطلہ پر اب فتح عظیم ہو جاتی ہے میں کفار سے کہتے کہتے تھک گیا کہ مسلمان ہو جاؤ مگر اب تک کوئی مسلمان نہ ہوا، میرے ہزار ہا "کن" بیکار گئے اور جا رہے ہیں ایسا "کن" آپ ہی کو مبارک۔ میری تائید اسی قدر ہو تو کافی ہے کہ جو وعدے میں نے براہین میں کئے تھے جن پر تمام مسلمان فریفتہ ہو گئے تھے وہی پورے کرا دیئے جائیں۔

غرض ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ مرزا صاحب کے کل دعوے مجرد ہیں جن کے ساتھ کوئی دلیل نہیں جیسے اور دنیا داروں کی عادت ہے کہ جب دیکھتے ہیں کہ بغیر اس قسم کے دعووں کے کام نہیں نکلتا تو جھوٹ سچ کہہ کر کام نکال لیتے ہیں۔ مرزا صاحب نے بھی یہی کام کیا کہ اپنی خوب سی تعلیاں کیں اور براہین احمدیہ میں وعدے کئے کہ نیچریوں سے مقابلہ کرتا ہوں، پادریوں کو قائل کرتا ہوں، آریہ وغیرہ کو الزام دیتا ہوں وغیرہ وغیرہ، مگر ایفاء ایک کا بھی نہ ہوا اور اس ذریعے سے مسلمانوں سے ایک رقم خطیر حاصل کر لی جس کے دینے پر وہ ہرگز راضی نہیں۔ کیا جن لوگوں نے روپیہ دیا تھا اب وہ اس بات پر فخر کر سکتے ہیں کہ ہمارا روپیہ ایسے کام

میں صرف ہوا کہ تمام روئے زمین کے مسلمان اس کی بدولت کافر بنائے جارہے ہیں۔ کیا ان کو یہ ندامت نہ ہوگی کہ مرزا صاحب نے ہمیں احمق بنا کر اس قدر روپیہ ہم سے لے لیا اور ایسے کام میں لگایا ہمارے ہی دین کی بیخ کنی ہو رہی ہے۔ کیا اب وہ اس بات پر افسوس نہیں کرتے کہ اگر ذرا بھی ہمیں معلوم ہوتا کہ اس کاروائی کا انجام یہ ہونے والا ہے تو اس وقت اس کا وہ چند روپیہ مخالفت میں صرف کرتے تا کہ وہ آتش فتنہ اس قدر بھڑ کنے ہی نہ پاتی۔

حق تعالیٰ فرماتا ہے: **یا ایھا الذین آمنوا لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم** یعنی اے مسلمانو ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔ ہاں تراضیٔ طرفین سے تجارت میں اگر مال لیا جائے تو مضائقہ نہیں۔

مرزا صاحب براہین احمدیہ کی تصنیف اور طبع کے زمانے میں بخوبی جانتے تھے کہ یہ ایسا خنجر بنایا گیا ہے کہ جب بے رحمی سے مسلمانوں کے گلوں پر چلایا جائے گا تو باپ کو بیٹے سے بھائی کو بھائی سے جورو کو شوہر سے جدا کر دے گا ایک دوسرے کا جانی دشمن اور خون کا پیاسا ہو جائے گا۔ مسلمانوں میں ایک تہلکہ عظیم برپا ہوگا جس سے مخالفوں کو اقسام کے موقع ہاتھ آجائیں گے مسلمانوں کی حالت کو دیکھ کر وہ خوش ہوں گے بغلیں بجائیں گے ناچیں گے کہ اب یہ قوم ایک زمانے تک خانہ جنگیوں سے فرصت نہیں پاسکتی اگرچہ پہلی مخالفتیں بھی بہت تھیں مگر امتداد زمانے کی وجہ سے ان کا احساس کم ہو گیا تھا اس نئی مخالفت کے پرانے ہونے کو ایک مدت دراز درکار ہے۔

الحاصل اس نئی مخالفت نے تمام مسلمانوں کو ایک ایسے تہلکے میں ڈال دیا ہے کہ الاماں۔ علاوہ شماتت اعداء کے اس خانہ جنگی نے مخالفین اسلام کو پورا موقع دے دیا ہے کہ بے فکری سے اپنی کامیابیوں میں کوشش کریں کیا اس تفرقہ انداز بلائے ناگہانی کے مول لینے پر کوئی مسلمان راضی ہو سکتا ہے؟ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ مال مسلمانوں کی رضامندی سے انہوں نے حاصل کیا تھا پھر باوجود اس کے کہ خدائے تعالیٰ نے ایسا مال لینے سے منع

کر دیا ہے، دھوکا دے کر جو مال مسلمانوں سے انہوں نے لیا اس کا خدا کو کیا جواب دیں گے اب ہم ان کے تقدس کو کتنا ہی مانیں مگر اس کا کیا علاج کہ ان کی کارروائیاں پکار پکار کہہ رہی ہیں کہ انہوں نے بدنیتی سے فتنہ انگیزی کی، مسلمانوں میں تفرقہ ڈالا، جھوٹ کے مرتکب ہوئے، بیوفائی، خیانت، وعدہ خلافی، نمک حرامی اور خدا اور رسول کی مخالفت کی، دھوکا دیا، داؤ پیچ سے ناجائز طور پر مسلمانوں کا مال ٹٹولا۔

ناظرین یہاں یہ خیال نہ فرمائیں کہ مرزا صاحب جو الفاظ علماء و مشائخین کی شان میں استعمال کیا کرتے ہیں ہم نے ان کا جواب دیا کیونکہ ہم نے کوئی لفظ غصے کی حالت میں نہیں کہا صرف مسلمانوں کو ان کے حالات معلوم کرانے کی ضرورت تھی تا کہ ان کی کارروائیوں پر مطلع ہوں۔ پھر ان کی کارروائیاں جو الفاظ پیش کر رہی ہیں اگر وہ بے موقع ہیں اور ان کی جگہ دوسرے الفاظ مل سکتے ہیں تو ہمیں بھی اس میں کلام نہیں۔ غرض ہم نے یہ سب ٹھنڈے دل سے لکھا جس کو مرزا صاحب بھی جائز رکھتے ہیں بخلاف ان کے کہ وہ غصے کی حالت میں جو جی چاہتا ہے کہہ جاتے ہیں جیسا کہ ان الفاظ سے ظاہر ہے جو علماء و مشائخین کی شان میں تحریر فرماتے ہیں۔ پلید، دجال، خفاش، لومڑی، کتے، گدھے، خنزیر سے زیادہ پلید، چوہڑے چمار، غول الاغوال، روسیاہ، دشمن قرآن، منافق، نمک حرام وغیرہ وغیرہ جو عصائے موسیٰ میں ان کی تصانیف سے نقل کر کے بلحاظ حروف تہجی ایک طولانی فہرست مرتب کی ہے۔ اور ہم نے جو لکھا ہے اس کی اجازت مرزا صاحب کی تحریر سے بھی ثابت ہے چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ ۱۳ میں تحریر فرماتے ہیں جو در اصل ایک واقعی امر کا اظہار ہوا اور اپنے محل پر چسپاں ہو دشنام نہیں ہے۔ دشنام اور سب و شتم فقط اس مفہوم کا نام ہے جو خلاف واقع اور دروغ کے طور پر محض آزار رسانی کی غرض سے استعمال کیا جائے اور ہر ایک محقق اور حق گو کا یہ فرض ہوتا ہے کہ سچی بات کو پوری پوری طور پر مخالف گم گشتہ کے کانوں

تک پہنچا دیوے۔ اور تلخ الفاظ جو اظہار حق کے لئے ضروری ہیں۔ اور اپنے ساتھ اپنا ثبوت رکھتے ہیں وہ ہر ایک مخالف کو صاف صاف سنا دینا نہ صرف جائز بلکہ واجبات سے ہے تامداہنت میں مبتلا نہ ہو جائے۔

یوں تو بحسب اقتضائے زمانہ ہزارہا مسلمان نیچر کرستان آریہ وغیرہ بنے اور بنتے جارہے ہیں۔ ہر شخص اپنی ذات کا مختار ہے ہمیں اس میں کلام نہیں۔ خود حق تعالی فرماتا ہے **مَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ إِنَّا اَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِيْنَ نَارًا** یعنی جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کافر ہو جائے ہم نے ظالموں کے لئے آتش دوزخ تیار کر رکھی ہے۔ مگر چونکہ مسلمان خوش اعتقادی سے مرزا صاحب کو عیسٰی موعود اور نبی وغیرہ سمجھ کر ان کے اتباع میں خدا اور رسول کی خوشنودی خیال کرتے ہیں اس لئے بمصداق **الدين النصيحة** صرف خیر خواہی سے مرزا صاحب کے حالات اور خیالات جو ان کی تصانیف میں موجود ہیں ظاہر کر دینے کی ضرورت ہوئی اس پر بھی اگر وہ نیا دین ہی قبول کرنا چاہیں تو ہمارا کوئی نقصان نہیں۔ **وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ**۔

مرزا صاحب کو چونکہ نبوت کا دعویٰ ہے اور معجزات اس کے لوازم ہیں ان کو فکر ہوئی کہ باتیں بنانی تو آسان ہے طبیعت خداداد سے بہت سے حقائق و معارف تراش لئے جائیں گے مگر خوارق عادات دکھلانا مشکل کام ہے کیونکہ وہ خاص خدائے تعالی کی رضا مندی اور مدد پر موقوف ہے اس لئے ان کو اس مسئلے میں بڑا ہی زور لگانا پڑا۔ دیکھا کہ الہام کا طریقہ بہت آسان ہے جب وہ ثابت ہو جائے گا تو پھر کیا ہے بات بات میں الہام و وحی اتار لی جائے گی اس لئے براہین احمدیہ میں الہام کی ایک وسیع بحث کی۔ اگرچہ بظاہر وہ مخالفین اسلام کے مقابلہ میں تھی اس لئے کہ وہاں صرف وحی اور نبوت ثابت کرنا ظاہراً منظور تھا مگر ایسا بین بین طریقہ اختیار کیا کہ عام طور پر الہام ثابت ہو جائے اور اہل اسلام اس کا

انکار بھی نہ کرسکیں۔ پھر اپنے الہامات پیش کئے اور الہامی پیشین گوئیوں کا دروازہ کھول دیا گیا اور ان میں ایسی ایسی تدبیریں عمل میں لائی گئیں کہ انہیں کا حصہ تھا۔ چنانچہ مسٹر آتھم وغیرہ کی پیشین گوئیوں سے ظاہر ہے مرزا صاحب باوجودیکہ نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں مگر معجزات سے متعلق ان کی عجیب تقریریں ہیں۔ ازالۃ الاوہام صفحہ ۲۹۶ میں عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات بیان کر کے لکھتے ہیں کہ ان تمام اوہام باطلہ کا جواب یہ ہے کہ وہ آیات جن میں ایسے ہی متشابہات ہیں اور یہ معنی کرنا کہ گویا خدا نے اپنے ارادے اور اذن سے عیسیٰ کو صفات خالقیت میں شریک کر رکھا تھا صریح الحاد اور سخت بے ایمانی ہے۔ اگر خدا اپنے اذن و ارادے سے اپنی خدائی کی صفتیں بندوں کو دے سکتا ہے تو وہ بلاشبہ اپنی ساری صفتیں خدائی کی ایک بندے کو دیکر پورا خدا بنا سکتا ہے پس اس صورت میں مخلوق پرستوں کے کل مذاہب سچے ٹھہر جائیں گے۔ یہ حملہ ان لوگوں پر ہے جن کا ایمان اس آیۂ شریفہ پر ہے۔

وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ اَنِّیْ قَدْجِئْتُکُمْ بِاٰیَۃٍ مِنْ رَبِّکُمْ اَنِّیْ اَخْلُقُ لَکُمْ مِنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْہِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰہِ وَاُبْرِئُ الْاَکْمَہَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ وَاُنَبِّئُکُمْ بِمَاتَاْکُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِکُمْ اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَاٰیَۃً لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ ترجمہ: وہ یعنی عیسیٰ بن مریم ہمارے پیغمبر ہونگے جن کو ہم بنی اسرائیل کی طرف بھیجیں گے اور وہ ان سے کہیں گے کہ میں تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانیاں یعنی معجزات لے کر آیا ہوں کہ میں پرندے کی شکل کا سا بناؤں پھر اس میں پھونک ماروں اور وہ خدا کے حکم سے اڑنے لگے اور خدا کے حکم سے مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو بھلا چنگا اور مُردوں کو زندہ کر دوں اور جو کچھ تم کھایا کرو اور جو کچھ تم نے گھروں میں سینت رکھا ہے تم کو بتا دوں بے شک اس بیان میں نشان ہے تمہارے لئے اگر تم ایمان والے ہو۔ یہ خبر حق تعالیٰ نے مریم علیہا السلام کو عیسیٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے سے

پیشتر دی تھی جس کا حال بیان کر کے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ نشانی انہیں لوگوں کے واسطے ہے جو ایمان والے ہیں۔اور یہ ظاہر بھی ہے کہ جن کو خدا کی خبروں پر ایمان نہ ہو ان کا یہ بیان کیا مفید ہوگا۔مرزا صاحب جیسے شخص اس کو نہیں مانتے تو کفار اس کی کیونکر تصدیق کر سکیں۔مگر **الحمدللہ** اہل اسلام کو اس کا پورا پورا یقین ہے اور مرزا صاحب کے تشکیک سے وہ زائل نہیں ہوسکتا۔مرزا صاحب نے براہین احمدیہ صفحہ ۱۸۶ میں لکھا ہے لیکن قرآن شریف کا کسی امر کے بارے میں خبر دینا دلیل قطعی ہے۔وجہ یہ ہے کہ وہ دلائل کاملہ سے اپنا منجانب اللہ اور مخبر صادق ہونا ثابت کر چکا ہے۔شاید مرزا صاحب نے یہ بات آریہ وغیرہ کے مقابلے میں مصلحتاً کہی تھی ورنہ وہ تو قرآن کی خبروں کو دلیل قطعی تو کہاں دلیل ظنی بھی نہیں سمجھتے بلکہ اس پر ایمان لانے کو شرک و الحاد سمجھتے ہیں انہوں نے یہ خیال نہیں کیا کہ خدائے تعالیٰ کے ارشاد سے صاف ظاہر ہے کہ بے ایمان اس کی تصدیق نہ کریں گے۔ حیرت ہے کہ جس طرح ابلیس نے دھوکا کھایا تھا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا شرک ہے کیونکہ مسجودیت خاص صفت باری تعالیٰ کی ہے مرزا صاحب بھی اس دھوکے میں پڑ گئے کہ ایسی قدرت عیسیٰ علیہ السلام میں خیال کرنا شرک ہے مرزا صاحب مسلمانوں پر جو شرک کا الزام لگا رہے ہیں در پردہ وہ خدائے تعالیٰ پر لاعلمی کا الزام لگا رہے ہیں۔دیکھئے براہین احمدیہ صفحہ ۱۷ میں وہ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کا پھر شرک اختیار کرنا اس جہت سے ممتنعات سے ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اس بارے میں پیشین گوئی کر کے فرمادیا ہے کہ **مَا یُبْدِءُ الْبَاطِلُ وَ مَایعید** ادنیٰ تامل ہوسکتا ہے کہ اگر یہ عقیدہ جو مسلمانوں نے اختیار کیا ہے شرک ہے تو خدائے تعالیٰ کی پیشین گوئی جس کی تصدیق مرزا صاحب کر چکے ہیں **نعوذباللہ** بقول مرزا صاحب جھوٹی ہوئی جاتی ہے مگر انہوں نے اپنی ذاتی غرض کے لحاظ سے اس کی کچھ پروانہ کی اور صحابہ تک کے کل مسلمانوں پر شرک کا الزام لگا دیا۔

اورازالۃ الاوہام صفحہ ۳۱۵ میں وہ لکھتے ہیں کہ نبی لوگ دعا اور تضرع سے معجزہ مانگتے ہیں معجزہ نمائی کی ایسی قدرت نہیں رکھتے جیسا کہ انسان کو ہاتھ ہلانے کی قدرت ہے انتہی۔اور نیز ازالۃ الاوہام صفحہ ۳۲۰ میں یہ بھی لکھا ہے کہ اناجیل اربعہ کے دیکھنے سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح جو کام اپنی قوم کو دکھاتا تھا وہ دعا کے ذریعے سے ہرگز نہیں۔اور قرآن شریف میں بھی کسی جگہ یہ ذکر نہیں کہ مسیح بیماروں کے چنگا کرنے یا پرندوں کے بنانے کے وقت دعا کرتا تھا بلکہ وہ اپنی روح کے ذریعے سے جس کو روح القدس کے فیضان سے برکت بخشی گئی تھی ایسے ایسے کام اقتداری طور پر دکھاتا تھا چنانچہ جس نے کبھی غور سے انجیل پڑھی ہوگی وہ ہمارے اس بیان کی بیقین تمام تصدیق کرے گا اور قرآن شریف کی آیات بھی بہ آواز بلند پکار رہی ہیں کہ مسیح کے ایسے عجائب کاموں میں اس کو طاقت بخشی گئی تھی اور خدائے تعالیٰ نے صاف فرمادیا ہے کہ وہ ایک فطرتی طاقت تھی جو ہر ایک فرد بشر کی فطرت میں مودع ہے مسیح سے اس کی کچھ خصوصیت نہیں۔چنانچہ اس بات کا تجربہ اس زمانے میں ہورہا ہے مسیح کے معجزات تو اس تالاب کی وجہ سے بے رونق اور بے قدر تھے جو مسیح کی ولادت سے بھی پہلے مظہر عجائبات تھا جس میں ہر قسم کے بیمار اور تمام مجذوم و مفلوج و مبروص وغیرہ ایک ہی غوطہ مار کر اچھے ہو جاتے تھے۔لیکن بعد کے زمانوں میں جو لوگوں نے اس قسم کے خوارق دکھلائے اس وقت تو کوئی تالاب بھی موجود نہ تھا انتہی۔

دعا کا ذکر نہ ہونے سے مرزا صاحب جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ وہ عجائب جس کا ذکر حق تعالیٰ بطور اعجاز بیان فرماتا ہے وہ معجزات نہ تھے تو اس لحاظ سے فطرتی قوت بھی ثابت نہ کرنا چاہیے اس لئے کہ اس کا بھی ذکر اس آیہ شریفہ میں نہیں ہے۔پھر اپنی رائے سے ایک غیر مذکور چیز کو ثابت کرنا اور خدائے تعالیٰ کی خبر کو نہ ماننا کس قسم کی بات ہے اگر معجزے کے لئے یہ شرط ہے کہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ کر وقت خاص میں دعا کی

جائے اور اس کی قبولیت کے لئے حضار مجلس آمین آمین اس وقت تک کہتے رہیں کہ آثار اجابت ظاہر ہو جائیں تو اس آیۂ شریفہ میں دعا کرنا بھی باقتضاء النص مقدر سمجھا جا سکتا ہے جس کو اصول شاشی پڑھا ہوا شخص بھی جانتا ہے پھر اگر وہ کام فطرتی طور پر ہوتے تھے تو ان پر ایمان لانے کی کیا ضرورت؟ مثلاً اگر کہا جائے کہ ایک نجار صندوق میں قفل نصب کرتا ہے یا کسی کے ذریعے سے فلاں کام کرتا ہے تو کیا اس قسم کی خبر کی نسبت یہ کہا جائے گا کہ تم اس پر ایمان لاؤ ہرگز نہیں۔ حالانکہ یہاں حق تعالیٰ صاف فرماتا ہے کہ جو لوگ ہماری باتوں پر ایمان لاتے ہیں وہ اس کو آیت یعنی نشانی قدرت کی سمجھتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے کلام پر ایمان لانا منظور نہیں جب ہی تو حیلے اور بہانے ہو رہے ہیں ورنہ وہ خود براہین احمدیہ صفحہ ۴۹۵ میں لکھتے ہیں واصل کو مجمع الاضداد ہونا پڑا کہ وہ کامل طور پر رو بخدا بھی ہوا اور پھر کامل طور پر رو بخلق بھی پس وہ ان دونوں قوسوں (الوہیت اور انسانیت) میں ایک وتر کی طرح واقع ہے جو دونوں سے تعلق کامل رکھتا ہے۔ جب کامل تزکیہ کے ذریعے سے سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کے ساتھ تحقیق ہو جائے اور اپنی ہستی ناچیز سے بالکل ناپید ہو کر اور غرق دریائے بیچوں وبیچگوں ہو کر ایک جدید ہستی پیدا کرے جس میں بیگانگی اور دوئی اور جہل اور نادانی نہیں ہے اور صبغۃ اللہ کے پاک رنگ سے کامل رنگی ہوئی میسر آئے۔ (الخ) اب دیکھئے کہ مرزا صاحب خود اپنے ذاتی تجربے کی خبر دیتے ہیں کہ اولیاء اللہ وقت واحد میں رو بخلق ورو بخدا ہوتے ہیں اور یہ باتفاق جمیع اہل اسلام مسلّم ہے کہ انبیاء کا رتبہ بہ نسبت اولیاء اللہ کے بدر جہا بڑھا ہوا ہے تو اسی نسبت سے ان کی حضوری بھی اولیاء کی حضوری سے بڑھی ہوئی ہوگی اور ظاہر ہے کہ اس حضوری میں درخواست واجابت فوراً ہو سکتی ہے پھر جب حق تعالیٰ ان معجزات کی خبر دیتا ہے تو اتنا تو حسن ظن کر لیتے کہ جس طرح ہم نے کسی مقام میں لکھا ہے کہ وقت واحد میں ہم رو بحق اور رو بخلق رہتے

ہیں اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام بھی ہونگے مگر اس تحریر کے وقت وہ بات مرزا صاحب کے حافظہ سے نکل گئی۔ اگر واقع میں ان کی ایسی حالت ہوتی تو بھول نہ جاتے اب غور کیا جائے کہ آپ تو انبیاء کے ساتھ بھی حسن ظن نہیں رکھتے اور شکایت یہ کہ اپنی نبوت کا حسن ظن نہیں کیا جاتا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرزا صاحب عیسیٰ علیہ السلام کو تقرب الٰہی میں اپنے برابر بھی نہیں سمجھتے۔

مرزا صاحب کی تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا دعا کرنا ثابت نہیں باوجود اس کے یہ عجائبات صادر ہوتے تھے تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ بغیر دعا کے خلاف عقل معجزات ان سے کیونکر صادر ہوگئے اس لئے بہتر یہ ہے کہ وہ معجزات انہیں کے اقتداری افعال ٹھہرائے جائیں اور مرزا صاحب اس پر اس قدر اڑے ہیں کہ کتنی ہی حدیثیں جو اس باب میں وارد ہیں سنائیے ایک نہیں سنتے دیکھ لیجئے کہ تمام تفاسیر و کتب احادیث پر ان کی پوری نظر ہے اور وہ بآواز بلند سنا رہے ہیں کہ وہ معجزات خدا کے اذن اور حکم و اجازت سے تھے اور ان کی ذاتی قدرت کو اس میں کوئی دخل نہ تھا مگر ان کی سمجھ میں نہیں آتا نہ وہ کسی کی سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ نے ان کے معجزوں کی خبر دی ہے تو ضرور اس کا وقوع ایسے طور پر ہوا ہے کہ اس پر ایمان لانے میں کوئی شرک نہیں مثلاً یوں سمجھا جائے کہ حق تعالیٰ کو ان کی نبوت دلوں میں متمکن کرنا اور جو نہ مانیں ان پر حجت قائم کرنا منظور تھا اس لئے ان کے دعوے کے وقت خود حق تعالیٰ ان چیزوں کو وجود بخش دیتا تھا تو کسی قسم کا شرک لازم نہیں آتا۔ اب دیکھئے کہ باوجود یکہ آیت قرآنیہ کے معنی پورے طور پر بن جاتے ہیں مگر صرف اس غرض سے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے ثابت ہوں تو اپنی مساوات فوت ہو جاتی ہے قرآن کے معنی بگاڑ رہے ہیں جس سے حق تعالیٰ پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ایسی بات قرآن میں بیان کی جس سے لوگ مشرک ہو گئے (نعوذ باللہ من ذالک)۔ مسلمانوں کو لازم ہے کہ ایسی ہٹ دھرمیوں سے بہت احتراز کیا کریں کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **قَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ**

مَا کُنَّا فِیْ اَصْحَابِ السَّعِیْرِ۔ (الآیۃ) یعنی فرشتوں کے سوال کے جواب میں دوزخی کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو اہل دوزخ میں نہ ہوتے۔ فَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّارِ۔

مرزا صاحب عبارت مذکورہ بالا میں لکھتے ہیں کہ قرآن شریف کی آیات بھی باآواز بلند پکار رہی ہیں کہ مسیح کے ایسے عجائب کاموں میں اس کو طاقت بخشی گئی تھی انتہی۔ ہم بھی تو اسی آواز کو سن کر ایمان لائے ہیں کہ احیائے موتی اور ابراء اکمہ وابرص وغیرہ عجائب اس قوت سے کرتے تھے جو ان کو حق تعالیٰ نے بخشی تھی یہ کس نے کہا تھا کہ وہ اپنی ذاتی اور فطرتی قوت سے جو ہر فرد بشر میں رکھی ہے، یہ کام کرتے تھے۔ مگر مرزا صاحب کہتے ہیں کہ وہ عام فطرتی طاقت سے کام لیتے تھے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اگر یہی بات ہے تو مرزا صاحب میں بھی وہ فطرتی طاقت جو ہر فرد بشر میں مودع ہے موجود ہے میدان میں آ کر دعویٰ وَاُبْرِیُٔ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحیِ الموتیٰ بِاِذْنِ اللہ وغیرہ کا کریں اور جس طرح حق تعالیٰ کی اخبار سے ہمیں اس کی تصدیق ہوگئی ہے اسی طرح اپنے دعوے کی بھی تصدیق کرا دیں۔ مگر یہ ان کی حد امکان سے خارج ہے یہ کاغذ کے سفید چہرے کو سیاہی سے زینت دینا نہیں ہے کہ قلم اٹھایا اور چند صفحے لکھ ڈالے۔ یہاں نہ قلم کی ضرورت ہے نہ زبان آوری کی حاجت۔ ادھر کُن باذن اللہ منہ سے نکلا ادھر جو چاہا فوراً وجود میں آ گیا۔

مرزا صاحب جو لکھتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے کہ وہ ایک فطرتی طاقت تھی جو ہر فرد بشر کی فطرت میں مودع ہے مسیح سے اس کی کچھ خصوصیت نہیں سو یہ افترائے محض ہے۔ ممکن نہیں کہ اس دعوے پر کوئی آیت پیش کریں قال اللہ تعالیٰ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِآیَاتِہٖ اِنَّہٗ لَایُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ۔ براہین احمدیہ ۴۳۵ میں انجیل یوحنا سے نقل کیا ہے کہ یروشلیم میں ایک حوض ہے اس کے پانچ احباب ہیں ان میں ناتوان اور اندھوں اور لنگڑوں اور پژمردوں کی ایک بڑی بھیڑ پڑی تھی جو پانی

کے ہلنے کی منتظر تھی کیونکہ ایک فرشتہ بعض وقت اس حوض میں اتر کر پانی کو ہلاتا تھا پانی کے ہلنے کے بعد جو کوئی پہلے اس میں اترتا کیسی ہی بیماری کیوں نہ ہو اس سے چنگا ہو جاتا تھا۔ انتہی۔ اور نیز براہین احمدیہ صفحہ ۴۵۴ میں لکھتے ہیں بلا ریب اس حوض عجیب الصفات کے وجود پر خیال کرنے سے مسیح کی حالت پر بہت سے اعتراضات عائد ہوتے ہیں جو کسی طرح اٹھ نہیں سکتے انتہی۔

اور ازالۃ الاوہام صفحہ ۲۱۲ میں لکھتے ہیں کہ یہ اعتقاد بالکل غلط اور فاسد اور مشرکانہ خیال ہے کہ مسیح مٹی کے پرندے بنا کر اور ان میں پھونک مار کر انہیں سچ مچ کے جانور بنا دیتا تھا۔ نہیں بلکہ صرف عمل الترب یعنی مسمریزم تھا جو روح کی قوت سے ترقی پذیر ہو گیا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مسیح ایسے کام کے لئے اس تالاب کی مٹی لاتا تھا جس میں روح کی تاثیر رکھی گئی تھی۔ بہر حال یہ معجزہ صرف کھیل کی قسم میں سے تھا اور وہ مٹی درحقیقت ایک مٹی ہی رہتی تھی جیسے سامری کا گوسالہ **فتدبر فانه نكتة جليلة تا وما يلقيها الا ذو حظ عظيم** انتہی۔

مرزا صاحب خود ہی براہین احمدیہ صفحہ ۲۳۰ میں لکھتے ہیں۔ انجیل بوجہ محرف اور مبدل ہو جانے کے ان نشانیوں سے بالکل بے بہرہ اور بے نصیب ہے بلکہ الٰہی شان تو ایک طرف رہی معمولی راستے اور صداقت کہ جو ایک مصنف اور دانشمند متکلم کے کلام میں ہونی چاہیے انجیل کو نصیب نہیں۔ کم بخت مخلوق پرستوں نے خدا کے کلام ہدایت کو خدا کے نور کو اپنے ظلماتی خیالات سے ایسا ملا دیا کہ اب وہ کتاب بجائے رہبری کے رہزنی کا ایک پکا ذریعہ ہے ایک عالم کو کس نے توحید سے برگشتہ کیا اسی مصنوعی انجیل نے۔ ایک دنیا کا کس نے خون کیا انہیں تالیفات اربعہ نے۔ عیسائیوں کے محققین کو خود اقرار ہے کہ ساری انجیل الہامی طور پر نہیں لکھی گئی انتہی۔

اب دیکھئے کہ جن کتابوں کو مبدل ظلماتی خیال اور باعث گمراہی خود ہی بتاتے ہیں

انہی کتابوں سے ایک قصہ نقل کرکے قرآن میں شبہات پیدا کررہے ہیں کہ قرآن میں جو عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات مذکور ہیں ان کا مدار اس حوض پر تھا جس کا ذکر اناجیل محرفہ میں ہے اور ان کی نبوت کا ذکر جو قرآن میں ہے اور جو منشائے معجزات ہے وہ ایک فطرتی قوت تھی جو ہر فرد بشر میں ہوا کرتی ہے اس سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے مساوی کردینے میں خوب ہی زور لگایا۔ مگر حق تعالیٰ فرماتا ہے **وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ.**
یعنی جب ان کے پاس کوئی آیت قرآنی آتی ہے تو کہتے ہیں ہم ہرگز نہ مانیں گے جب تک وہ خبر نہ دیجائے جو رسولوں کو دی گئی۔ اللہ اس مقام کو بہتر جانتا ہے جس کو رسالت کے لئے خاص کرتا ہے جو لوگ خود پسند ہیں گناہگار ہیں ان کو عنقریب اللہ کے ہاں ذلت ورسوائی اور بڑا سخت عذاب ان کی فتنہ انگیزیوں کے سبب پہنچے گا۔ حاصل یہ کہ جو لوگ انبیاء علیہم السلام کی خصوصیات اور مراتب کو دیکھ کر نبوت کی تمنا کرتے ہیں دنیا میں رسوا اور آخرت میں عذاب شدید کے مستحق ہوتے ہیں جس کو خدا کے کلام پر پورا ایمان اور تھوڑی سی بھی عقل ہو، ممکن نہیں کہ کسی نبی کی برابری کا دعویٰ کرے۔

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ جب ایسا حوض عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھا کہ مایوس العلاج امراض والوں کو صرف اس میں ایک غوطہ لگانے سے شفا ہوجاتی تھی تو تمام روئے زمین کے بیمار وہاں جمع رہتے ہوں گے تو پانچ اساروں میں ان کی گنجائش کیونکر ہوتی ہوگی اور جب یہ یقین تھا کہ جو پہلے حوض میں کودے اسی کو صحت ہوتی ہے تو ہر شخص یہی چاہتا ہوگا کہ سبقت کرکے سر دست صحت حاصل کرلے۔ یہ تو ممکن نہیں کہ ہر شخص دوسرے سے کہے کہ تم صحت پاکر جلدی سے چلے جاؤ اور ہم اس فرشتے کے انتظار میں یہاں سڑتے پڑے

رہیں گے اوران پانچ اساروں میں کس قدر گھوسم گھا سا اور خانہ جنگیاں ہوتی ہوں گی، کتنے تو اس بھیڑ میں دم گھٹ گھٹ کر مرتے ہوں گے اور کتنے پانی میں گرا کر ڈبو دیئے جاتے ہوں گے اور کتنوں کا زدوکوب سے خون ہوتا ہوگا پھر اس فرشتے کے اترنے کا وقت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کا ہمیشہ جمگھٹا رہتا ہی ہوگا جس سے ہوا میں عفونت اور سمیت پیدا ہوکر صدہا آدمی مرتے ہی ہوں گے۔ غرض کوئی عاقل قبول نہیں کرسکتا کہ ایک غیر معین شخص کی صحت کے واسطے صدہا موتیں گوارا کی جاتی ہوں گی پھر اس فرشتے کو اتنا بخل یا آدمیوں سے عداوت کیوں تھی کہ کبھی کبھی پانی میں اتر کر ہلا دیتا تھا۔ اگر گھنٹے یا آدھ گھنٹے پر پانی میں اترا کرتا تو کیا اس کو سردی ہوجاتی یا فالج وغیرہ کا مادہ پیدا ہوجاتا۔ اور اس کی کیا وجہ کہ جو مریض سب سے پہلے اس میں کودے وہی شفایاب ہوجائے اگر کوئی اس میں زہریلا مادہ تھا تو ہر طرف تھا کیونکہ کوئی ایک جگہ معین نہ تھی جس سے شفا متعلق ہو۔

الغرض عقل کی رو سے یہ بات ہرگز سمجھ میں نہیں آتی کہ ایسے حوض کا کہیں بھی دنیا میں وجود ہوا ہو مرزا صاحب نے انجیل پر ایمان لاکر قرآن پر اس حوض سے ایسے ایسے اعتراضات قائم کردیئے جن کی نسبت فرماتے ہیں کہ وہ ''اعتراضات اٹھ نہیں سکتے''۔ مگر افسوس ہے کہ قرآن پر ایمان لاکر یہ نہ فرمایا کہ حق تعالیٰ نے جو معجزات عیسیٰ علیہ السلام کو دیئے تھے وہ ایسے نہ تھے کہ ان میں ایسے مصنوعی قصوں سے کسی قسم کا شبہ واقع ہو۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ** عیسیٰ علیہ السلام کو ہم نے کھلے کھلے معجزے دیئے تھے جن میں کوئی شک وشبہ ممکن نہ تھا۔

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ ۳۱۱ میں لکھتے ہیں کہ حضرت مسیح کے عمل الترب یعنی مسمریزم سے وہ مردے جو زندہ ہوتے یعنی وہ قریب الموت آدمی جو گویا نئے سرے سے زندہ ہوجاتے تھے وہ بلاتوقف چند منٹ میں مرجاتے تھے کیونکہ بذریعہ عمل الترب

روح کی گرمی اور زندگی صرف عارضی طور پر ان میں پیدا ہو جاتی تھی انتہی۔ قرآن شریف میں صاف طور پر وَ یُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ مگر مرزا صاحب کہتے ہیں کہ ''کوئی مردہ انہوں نے زندہ نہیں کیا بلکہ جیسے قریب الموت شخص کو جواہر مہرہ وغیرہ سے چند منٹ کے لئے گرمی آجاتی ہے اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام بھی چند منٹ کے لئے قریب الموت شخص کو کسی قسم کی گرمی پہنچا دیا کرتے تھے''۔ مگر اس کا ذکر نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں، نہ اب تک کوئی مسلمان اس کا قائل ہوا بلکہ مسیح کا نام اسلام میں احیائے اموات اور شفاء بیماروں کے باب میں ایسا مشہور اور ضرب المثل ہے جیسے حاتم کا نام جود وسخا میں۔ قرآن وحدیث سے مرزا صاحب کو وہیں تک تعلق ہے کہ اپنا مطلب بنے اور جب کوئی بات ان کی مرضی اور مقصود کے خلاف نکلی تو پھر نہ قرآن کو مانیں نہ حدیث کو۔ کیا نبی ﷺ نے اس آیت کے یہی معنی سمجھے ہوں گے کہ وہ مسمریزم سے حرکت دیا کرتے تھے۔ مسمریزم کو نکل کر تو سو (۱۰۰) برس بھی نہیں ہوئے چنانچہ فن مسمریزم کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ''یورپ وسطی میں راس نام ایک بڑا دریا ہے جس کے کنارے پر چھوٹا سا قصبہ سپٹین نامی مشہور ہے اس قصبے میں ۵ مئی ۱۷۳۴ء میں ایک مشہور ڈاکٹر جس کا نام انتونی مسمر تھا پیدا ہوا اور اس نے اپنی بے حد کوششوں سے اس فن کو ایجاد کیا چنانچہ اسی کے نام سے مسمریزم مشہور ہوا''۔ اب مرزا صاحب کے اس قول کو بھی یاد کر لیجئے جو فرمایا تھا کہ قرآن کا ایک لفظ کم وزائد نہیں ہو سکتا۔ دیکھ لیجئے قرآن کے کل الفاظ اپنی جگہ رکھے رہے اور مرزا صاحب نے عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا خاتمہ کر دیا۔

غرض مرزا صاحب نے جو معنی اس آیت شریفہ کے تراشے ہیں وہ ایسے ہیں جیسے ابو منصور نے قولہ تعالیٰ حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ کے معنی تراشے تھے مسلمانوں کو ان کی پیروی میں سخت ضرر اخروی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ کُبِتُوْا کَمَا کُبِتَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہِمْ یعنی جو لوگ خدا

اور رسول کی مخالفت کرتے ہیں خوار و ذلیل ہونگے جیسے وہ لوگ ذلیل ہوئے جو ان سے پہلے تھے اور ارشاد ہے قولہ تعالیٰ **وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَ تْ مَصِيْراً** یعنی جو مخالفت کرے رسول اللہ کی جب کھل گئی اس پر راہ ہدایت اور مسلمانوں کے رستے کے سوا دوسرا رستہ چلے تو جو رستہ اس نے اختیار کر لیا ہے ہم اس کو وہی رستہ چلا جائیں گے اور آخر کار اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔

ادنیٰ تامل سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ اس آیت شریفہ میں کمال درجے کی تخفیف ہے اس لئے کہ اس سے ظاہر ہے کہ جو شخص نیا طریقہ ایجاد یا اختیار کرے اس سے توفیق الٰہی مسدود اور منقطع ہو جاتی ہے اور صراط مستقیم سے علیحدہ کر کے حق تعالیٰ اس کو ایسے رستے پر چلاتا ہے جو سیدھا جہنم میں نکلے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ آج کل کے مسلمانوں میں جو فتور و قصور عمل ہو گیا ہے وہی طریقہ اختیار کیا جائے بلکہ مقصود یہ ہے کہ کتب اہل سنت و جماعت میں جو طریقہ عمل و اعتقاد کا مذکور ہے وہ اختیار کیا جائے۔

مرزا صاحب کو اس کا بڑا ہی غم ہے کہ نیچری قرآن و حدیث کو نہیں مانتے۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ ۵۵۵ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''حال کے نیچریوں کے دل میں کچھ بھی عظمت **قَالَ اللّٰهُ** ' **وَقَالَ الرَّسُوْلُ** کی باقی نہیں رہی انتہی۔ مگر مشکل یہ ہے کہ اگر وہ مرزا صاحب کی اس قسم کی تقریریں کہیں سن لیں تو یہ کہنے کو مستعد ہو جائیں گے کہ مرزا صاحب کے دل میں بھی عظمت نہیں۔ جب ہی تو خدا اور رسول جن کی عظمت بیان کی جاتی ہے وہ ان کی توہین کرتے ہیں اور اپنی ذاتی غرض کے مقابلے میں نہ خدا کی بات مانتے ہیں نہ رسول کی۔ آپ نے دیکھ لیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے جن کو متعدد مقاموں میں حق تعالیٰ نے ذکر فرمایا ان کو آیات بینات کہا۔ مرزا صاحب نے ان کے ابطال میں کیسی کیسی

باتیں بنائیں۔ ان کو مشرکانہ خیال قرار دیا اور کہا کہ وہ معمولی طاقت بشری سے صادر ہوتے ہیں اور حوض کی وجہ سے وہ مشتبہ ہو گئے تھے۔ اور مسمریزم کے وہ اثر جو تھے آب از سر گزشت چہ یک نیزہ وچہ یکدست۔ اور اس معجزے میں بھی مرزا صاحب کو کلام ہے جو اس آیت شریفہ میں مذکور ہے **قَوْلُهٗ تَعالیٰ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ** یعنی اے بنی اسرائیل جب تم نے ایک شخص کو مار ڈالا اور لگے اس کے بارے میں جھگڑنے اور جو تم چھپاتے تھے اللہ کو اس کا پردہ فاش کرنا منظور تھا۔ پس ہم نے کہا کہ گائے کے گوشت کا کوئی ٹکڑا مردے کو مارو اسی طرح جیسے وہ مردہ زندہ ہوا اللہ مُردوں کو جلائے گا اور اللہ تم کو نشانیاں دکھلاتا ہے کہ تم سمجھو کہ قیامت کا ہونا برحق ہے۔ تفسیر درمنثور و ابن جریر وغیرہ معتبر تفاسیر میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین و تابعین کی متعدد روایتوں سے یہ واقعہ منقول ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بڑا مالدار شخص تھا اس کو کسی نے قتل کرکے دوسرے قبیلہ میں ڈال دیا اس غرض سے کہ قاتل کا پتہ نہ لگے۔ اس قتل سے قبیلوں میں سخت خصومتیں اور فساد پھیلا۔ عقلاء نے کہا کہ خدا کے رسول موسیٰ علیہ السلام اس وقت موجود ہیں ان سے دریافت کرلو۔ اصل واقعہ ابھی معلوم ہو جاتا ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے ایک گائے لانے کو کہا وہ لوگ اس کی تعمیل نہ کرکے فضول باتیں پوچھنے لگے کہ وہ کیسی ہونی چاہیے۔ اس کا رنگ روپ وغیرہ کس قسم کا ہو۔ غرض جن اوصاف کی گائے بیان کی گئی زر خطیر صرف کرکے اس کو خریدا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا اس کو ذبح کرکے ایک ٹکڑا اس کا مقتول پر مارو وہ زندہ ہو جائے گا پھر جو چاہو اسی سے پوچھ لو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وہ شخص زندہ ہوا اور قاتل کا نام بیان کرکے مر گیا۔ یہ خلاصہ قرآن و حدیث کا ہے مرزا صاحب نے یہ خیال کیا کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کی موت

ثابت بھی کردی جائے تو یہ احتمال پیش پیش ہوگا کہ ممکن ہے کہ زمین پر اترنے سے پہلے وہ زندہ کیے جائیں اس احتمال کو رد کرنے کی غرض سے تمام قرآن شریف پر انہوں نے نظر ڈالی اور جن جن آیتوں میں یہ ذکر ہے کہ خدا تعالیٰ نے مُردوں کو زندہ کیا ان سب میں تاویل کر کے اپنی مرضی اور غرض کے مطابق قرآن بنا لیا چنانچہ اس آیت کو اس طرح رد کرتے ہیں۔ ازالۃ الاوہام صفحہ ۷۴۹ میں فرماتے ہیں ایسے قصوں میں قرآن شریف کی کسی عبارت سے نہیں نکلتا کہ فی الحقیقت کوئی مردہ زندہ ہو گیا تھا اور واقعی طور پر کسی قالب میں جان پڑ گئی تھی بلکہ یہودیوں کی ایک جماعت نے خون کیا تھا ان کو یہ تدبیر سمجھائی گئی کہ ایک گائے ذبح کر کے لاش پر نوبت بہ نوبت اس کی بوٹیاں ماریں۔ اصل خونی کے ہاتھ سے جب لاش پر بوٹی لگے گی تو اس لاش سے ایسی حرکتیں صادر ہونگی جس سے خونی پکڑا جائے اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ طریق مسمریزم کا ایک شعبہ تھا جس کے بعض خواص سے یہ بھی ہے کہ جمادات یا مردہ حیوانات میں ایک حرکت مشابہ بحرکت حیوانات پیدا ہو کر اس سے بعض مشتبہ اور مجہول امور کا پتہ لگ سکتا ہے انتہی۔ مرزا صاحب جو فرماتے ہیں کہ کسی عبارت سے زندہ ہونا نہیں نکلتا کیا یہ کافی نہیں کہ حق تعالیٰ تمام قصہ بیان کر کے فرماتا ہے **كَذٰلِكَ يُحْيِي اللّٰهُ الْمَوْتٰى** جس کا مطلب ظاہر ہے کہ جیسے وہ شخص زندہ ہوا اسی طرح حق تعالیٰ مُردوں کو زندہ کرے گا۔ مرزا صاحب کے قول پر اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جیسے بوٹی مارنے سے اس کے حرکت ہوتی ویسے ہی خدا مُردوں کو زندہ کرے گا یعنی کسی قالب میں جان پڑے گی۔ چونکہ مرزا صاحب حشر اجساد کے قائل نہیں اس لئے یہ بات ان کے مذہب پر ٹھیک نہیں اترتی۔

آیت موصوفہ سے اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں پر دو باتوں کی فرمائش کی تھی۔ ایک گائے کو ذبح کرنا دوسرے اس کی بوٹی مقتول پر مارنا بقول مرزا صاحب تیسری تدبیر یہ بھی بتائی گئی کہ قاتل مسمریزم کی مشاقی بھی حاصل کر لے چونکہ وہ بغیر سیکھنے کے

نہیں آتی اس لئے ضرور موسیٰ علیہ السلام نے قاتل کو بلا کر مسمریزم کا طریقہ سمجھا دیا ہوگا کہ اس طرح سے بوٹی مارو تو لاش حرکت کرے گی جس سے تم گرفتار ہو جاؤ گے اور قاتل نے بھی اس کو بطیب خاطر قبول کر کے مسمریزم میں مشاقی حاصل کر لی کیونکہ بغیر مشاقی کے مسمریزم کا عمل پورا نہیں ہوتا۔ چنانچہ مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ ۳۱۲ میں لکھتے ہیں کہ "عمل الترب یعنی مسمریزم میں مسیح بھی کسی درجے تک مشق رکھتے تھے"۔ یہ بات غور طلب ہے کہ ایسا عمدہ طریقہ قاتل کے گرفتار کرنے کا اس مقام پر قرآن میں کیوں بیان نہیں کیا گیا۔ جہاں بوٹی مارنے کا ذکر ہے مسمریزم کا ذکر بھی ہو جاتا اور اس سے بہت بڑا فائدہ یہ ہوتا کہ پولیس کو قاتل کے گرفتار کرنے میں بڑی مدد ملتی اور بہت سے بے جرم رہائی پاتے اب تو مسمریزم شائع بھی ہے اگر مرزا صاحب گورنمنٹ کو یہ رائے دیں تو مرزا صاحب کی بڑی نام آوری ہوگی یہ بھی مرزا صاحب کی قرآن و معارف دانی ہے جس کے بے نظیر ہونے کا فخر ہے۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ ۶۳۶ میں فرماتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کی عنایت خاصہ میں ایک یہ بھی مجھ پر ہے کہ اس نے علم حقائق معارف قرآنی مجھ کو عطا کیا ہے اور ظاہر ہے کہ مطہرین کی علامتوں سے یہ بھی ایک عظیم الشان علامت ہے کہ علم معارف قرآنی حاصل ہو کیونکہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے "**لَا یَمسهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ**" انبیاء کے معجزات مبینہ قرآن کی حقیقت جو مرزا صاحب پر کھلی وہ مسمریزمی عمل تھا فی الحقیقت آنحضرت ﷺ کے زمانے سے آج تک کسی پر نہ کھلی۔ مگر ظاہر میں تو یہی سمجھیں گے کہ نصاریٰ کو یہ کام کرتے دیکھ کر آپ نے قیاس جمالیا اگر مسمریزم کے خود موجد ہوتے تو کسی قدر اس خیال کی گنجائش تھی کہ آپ کے کشف و الہام کو اس میں دخل ہے اب اس الہام کا افتخار حاصل ہے تو مسمر صاحب کو ہے جو کل مسمریزمی خیالوں کے استاد ہیں۔

مرزا صاحب کو اس باب میں جو الہام ہوا ہے وہ وہی الہام ہے جو مسمر صاحب کو ہوا تھا البتہ اس قدر فرق ہے کہ وہ اس کے موجد ہونے کی وجہ سے نیک نام ہوئے۔

اور مرزا صاحب اس بات کے موجد ہیں کہ اس کو انبیاء کے معجزات قرار دیں۔ اب ایسا الہام جو ابتداءً ایسے دل پر ہوا تھا جو تثلیث کی نجاست میں متلطخ تھا کیونکر اس قابل سمجھا جا سکے کہ پاک دلوں کو مکدر اور نجس کرے اور اس یقین کے بعد کیا کوئی مسلمان **لَایَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ** والے پاکیزہ دلوں کو اس کا اثر کرنا خیال کر سکتا ہے یہ الہام مشتے نمونہ از خروارے ہے جس سے اور الہاموں کا حال بھی اہل فراست سمجھ سکتے ہیں۔

اگرچہ مرزا صاحب نے مسمریزم پر معجزے کا قیاس اس قرینے اور اٹکل سے کیا ہے کہ مسمریزم کا عمل ہے ہر شخص نہیں کر سکتا اور ایسا شخص لوگوں میں ممتاز بھی ہو جاتا ہے مگر ایسے اٹکلوں اور قیاسوں سے ہمارا دین مانع ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے **قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ** ترجمہ: مارے گئے اٹکل دوڑانے والے وہ جو غفلت میں بھولے ہوئے ہیں۔ اور خود بھی ازالۃ الاوہام صفحہ ۷۴۵ میں لکھتے ہیں ''ایک نئے معنی اپنی طرف سے گھڑ لینا بھی تو الحاد اور تحریف ہے خدائے تعالیٰ مسلمانوں کو اس سے بچائے آپ خود غور فرمائیں کہ حق تعالیٰ اکابر انبیاء کے معجزات کی خبریں دیکر ان کی فضیلت اپنے کلام پاک میں بیان فرماتا ہے ان معجزات کو مسمریزم قرار دینا کیا یہ نئے معنی نہیں ہیں اور بقول آپ کے یہی تو الحاد ہے۔ یہ امر پوشیدہ نہیں کہ حق تعالیٰ نے جن انبیاء کے معجزے قرآن شریف میں بیان کئے اس کا مطلب یہی ہے کہ اپنی غیبی تائیدیں دیکر ان سے ایسے ایسے افعال عجیبہ صادر کرائے جن کا صدور دوسروں سے ممکن نہیں اور یہ غیبی تائیدیں ان حضرات کی عظمت اور علو شان پر دال ہیں۔ مگر مرزا صاحب جہاں تک ہو سکتا ہے مسمریزم میں ان کو داخل کر کے ان کی توہین اور تذلیل کرتے ہیں۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ ۳۰۹ میں لکھتے ہیں۔ ''یاد رکھنا چاہیے کہ یہ عمل مسمریزم ایسا قدر کے لائق نہیں جیسا کہ عوام الناس اس کو خیال کرتے ہیں۔ اگر یہ عاجز اس عمل کو مکروہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا تو خدائے تعالیٰ کے فضل

وتوفیق سے امید قوی رکھتا ہے کہ ان اعجوبہ نمائیوں میں حضرت ابن مریم سے کم نہ رہتا"۔ مرزا صاحب کے اس قول پر کہ میں بھی اگر چاہتا تو عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات دکھلاتا۔ عمیر تیاں کا قول یاد آتا ہے جس کو ابن حزم نے ملل ونحل میں لکھا ہے کہ عمیر تیان نے کوفے میں نبوت کا دعویٰ کر کے بہت سے لوگوں کو فراہم کرلیا تھا جب اپنے اصحاب میں بیٹھتا تو اکثر کہتا کہ اگر میں چاہوں تو اس گھاس کو ابھی سونا بنادوں۔ آخر خالد ابن عبد اللہ قیصری نے اس کو قتل کیا انتہیٰ۔ غرض مرزا صاحب کی تقریر سے ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء جو معجزات دکھلاتے تھے وہ دراصل عمل مسمریزم تھا جو مکروہ اور قابل نفرت ہے۔ یہاں یہ امر محتاج بیان نہیں کہ جو لوگ ایسے قبیح کام کر کے ان کو معجزہ من جانب اللہ بتائیں وہ کس قسم کے آدمی سمجھے جائیں گے۔ حالانکہ حق تعالیٰ ان کی فضیلت کی تصریح فرماتا ہے **کماقالَ اللہ تعالیٰ تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَ اَيَّدْنَاهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ**. ترجمہ: وہ سب رسول فضیلت دی ہم نے ایک کو دوسرے سے اللہ نے بعضوں سے کلام کیا اور بعضوں کے درجے بلند کئے اور دیں ہم نے عیسیٰ بن مریم کو نشانیاں صریح اور قوت دی ہم نے روح القدس سے انتہیٰ۔ اب اس کلام کے سننے کے بعد بھی کیا کسی مسلمان کو جرأت ہوسکتی ہے کہ ان معزز حضرات میں سے کسی کی توہین وتذلیل کرے حق تعالیٰ فرماتا ہے **وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ** یعنی اللہ کو عزت ہے اور اس کے رسول کو اور مسلمانوں کو لیکن یہ بات منافق لوگ نہیں جانتے۔ مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ ۱۳۹ میں فرماتے ہیں افسوس ہماری قوم میں ایسے لوگ بہت ہیں جو بعض حقائق ومعارف قرآنیہ اور دقائق آثار نبویہ کو جو اپنے وقت پر بذریعہ کشف الہام زیادہ تر صفائی سے کھلتے ہیں محرمات اور بدعات ہی میں داخل کرلیتے ہیں۔ خود ہی غور فرمائیں کہ جب

حقائق قرآنیہ یہ ہوں کہ حق کی حقیقت باطل یعنی معجزے کی حقیقت مسمریزم اور عزت کی حقیقت ذلت اور نبی معزز کی حقیقت ذلیل وغیرہ ثابت ہو رہی ہو تو تھوڑی الٹ پلٹ میں اسلام کی حقیقت کفر اور کفر کی حقیقت اسلام ثابت ہو جانے کو کیا دیر لگے گی اور تعجب نہیں کہ اسی قسم کا خیال پختہ بھی ہو گیا ہو۔

افسوس ہے کہ مرزا صاحب کو جس قدر کہ مسمریزم سے خوش اعتقادی اور اس پر وثوق ہے خدائے تعالیٰ کی قدرت پر نہیں اگر عقل کی راہ سے بھی دیکھا جائے تو خدائے تعالیٰ کا اس مردے کو زندہ کرنا جس قدر اطمینان بخش ہے مسمریزم کی بدنما کاروائی سے نہیں ہو سکتا مگر مرزا صاحب کی عقل اسی کی مقتضی ہوئی۔ سیّد احمد خان صاحب بھی اس مردے کے زندہ ہونے کو نہیں مانتے چنانچہ تفسیر القرآن میں لکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص مارا گیا تھا اور قاتل معلوم نہ تھا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں یہ بات ڈالی کہ سب لوگ جو موجود ہیں اور انہیں میں قاتل بھی ہے مقتول کے اعضاء سے مقتول کو مارے جو لوگ در حقیقت قاتل نہیں وہ بسبب یقین اپنی بے جرمی کے ایسا کرنے میں کچھ خوف نہ کریں گے مگر اصلی قاتل بسبب خوف اپنے جرم کے جو از روئے فطرت انسان کے دل میں اور بالتخصیص جہالت کے زمانے میں اس قسم کی باتوں سے ہوتا ہے ایسا نہیں کرنے کا۔ اور اسی وقت معلوم ہو جائے گا اور وہی نشانیاں جو خدا نے انسان کی فطرت میں رکھی ہیں لوگوں کو دکھا دے گا انتہٰی۔ خاں صاحب تو خدا کا نام تبرکاً لیا کرتے ہیں تاکہ مسلمانوں میں بھی اپنا نام رہے اس لئے ان کا صفت احیائے موتی سے انکار کرنا بے موقع نہیں مگر مرزا صاحب سے حیرت ہے کہ اس مسئلے میں وہ بھی ان کے ہم خیال ہو گئے اور صرف اتنی اصلاح کی کہ مردے کی حرکت مسمریزم کی وجہ سے تھی۔ خاں صاحب کی رائے مرزا صاحب سے کم نہ تھی۔ مگر چونکہ وہ فن تاریخ میں مہارت رکھتے تھے ان کو معلوم تھا مسمریزم کا اس وقت وجود

ہی نہ تھا اس لئے اس رائے کو پسند نہیں کیا مرزا صاحب نے دیکھا کہ جو لوگ خلاف قرآن وحدیث حسن ظن سے اپنی بات کو مان لیں گے۔ ان پر خلاف تاریخ مان لینا کیا دشوار ہے۔ غرض ان لوگوں نے قرآن کو کھلونا بنالیا ہے اس کی کچھ پرواہ نہیں کہ خدا کے کلام کو بگاڑنا اور اس کی مرضی کے خلاف تفسیر کرنا کس درجے کا گناہ ہے۔ اور طرفہ یہ ہے کہ مرزا صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ تفسیر بالرائے کرنا مسلمان کا کام نہیں اس سے یہ غرض کہ حسن ظن والے سمجھ جائیں کہ وہ تفسیر بالرائے نہیں کرتے۔ اس آیت شریفہ میں بھی مرزا صاحب کو کلام ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے **وَاِذْقَالَ اِبْرَاھِیْمُ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تحی الْمَوْتٰی قَالَ اَوَلَمْ تُوْمِنْ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَۃً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْھُنَّ اِلَیْکَ ثُمَّ اجْعَلْ علی کُلِّ جَبَلٍ مِّنْھُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُھُنَّ یَاْتِیْنَکَ سَعْیًا وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْم**۔ ترجمہ: اور جب کہا ابراہیم نے اے رب دکھا مجھ کو کیونکر جلائے گا تو مردے تو فرمایا کیا تم نے یقین نہیں کیا؟ کہا کیوں نہیں لیکن اس واسطے کہ تسکین ہو میرے دل کو۔ فرمایا تم پکڑو چار جانور اڑتے پھر ان کو ہلاؤ اپنے ساتھ۔ پھر ڈالو ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا پھر ان کو پکارو کہ وہ آئیں تمہارے پاس دوڑتے اور جان لو کہ اللہ زبردست حکمت والا ہے انتہی۔ مقصود ان پرندوں کے بلانے سے یہ تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کو اس بات میں پوری شناخت ان کی ہو جائے اور زندہ ہونے کے بعد ان کی آواز پر دوڑ آئیں اور ابراہیم علیہ السلام کو شناخت کی وجہ سے دوسرے پرندوں کا اشتباہ نہ ہو۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ **فصرھن** کے معنی ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے ہیں جیسا کہ بخاری شریف میں ہے **فصرھن ای قطعھن**۔ درمنثور میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔ **عن ابن عباس** رضی اللہ تعالیٰ عنہما **فصرھن قال ھی بالنطیۃ شققھن**۔ اور اسی میں یہ بھی عبارت ہے **عن ابن عباس** رضی اللہ عنہما **قال وضعھن علی سبعۃ اجبل واخذ الرؤوس فجعل**

ینظر الی القطرة والریشة یلقی الریشة حتی اصرن احیاء لیس لھن رؤوس فجئن الی رؤوسھن فدخلن فیھا یعنی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے ان پرندوں کے ٹکڑے کر کے سات پہاڑوں پر رکھ دیئے اور سروں کو اپنے ہاتھ میں لے لیا پھر قطرے سے قطرہ اور پر سے پر ملنے لگے جس کو وہ دیکھ رہے تھے۔ یہاں تک وہ زندہ ہو گئے اپنے اپنے سروں سے آ ملے۔ ان روایات کے بعد اس کا انکار نہیں ہو سکتا کہ ان چاروں پرندوں کی بوٹیاں پہاڑوں پر رکھی گئی تھیں جو زندہ ہو کر ابراہیم علیہ السلام کے پاس آ گئے اور انہوں نے ان کے زندہ ہونے کو بچشم خود دیکھ لیا اور سیاق آیت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ ان کی درخواست یہ تھی کہ مُردوں کو زندہ کرنے کی کیفیت دکھلائی جائے کما قال **رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تحی الْمَوْتٰی** اس پر ارشاد ہوا کیا تمہیں اس پر ایمان نہیں عرض کیا ایمان تو ہے لیکن میں اس سے اپنی خلت کا اطمینان چاہتا ہوں کہ اگر میں فی الواقع خلیل ہوں تو یہ دعا مقبول ہو جائے درحقیقت انہوں نے اس دعا کی اجابت کو اپنی خلت کی نشانی قرار دی تھی نفس احیائے موتی سے چنداں تعلق نہ تھا۔ چنانچہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے درمنثور میں لکھا ہے **عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فی قولہ ولکن لیطمئن قلبی یقول انک تجیبنی اذا دعوتک وتعطنی اذا سألتک** یعنی یہ اطمینان چاہتا ہوں کہ اگر خلت متحقق ہے تو میری دعا قبول ہوگی اور جو مانگوں گا وہ تو دے گا۔ اور نیز درمنثور میں ہے۔ **عن السدی یقول رب ارنی کیف تحیی الموتی حتی اعلم انی خلیلک قال اولم تومن یقول تصدق بانی خلیک قال بلی ولکن لیطمئن قلبی بخولتک.** یعنی احیائے موتی کی دعا اس غرض سے کی کہ اس کے قبول ہونے سے خلت کا یقین ہو جائے۔ ارشاد ہوا کیا اس کا یقین نہیں؟ عرض کی یقین تو ہے لیکن اطمینان چاہتا ہوں جو دعا کی قبولیت پر موقوف ہے۔ اب اس سوال وجواب اور دوسرے

قرائن پر غور کرنے کے بعد عقل سے تھوڑا سا کام لیا جائے کہ باوجود قدرت کے خدائے تعالیٰ نے اپنے خلیل کو نشانی دکھلا کر مطمئن فرمایا ہوگا یا نہیں۔ ادنیٰ تامل سے معلوم ہوسکتا ہے۔ نہ بحسب روایات اس کا انکار ہوسکتا ہے۔ نہ بحسب درایت۔ مگر مرزا صاحب کہتے ہیں کہ نہ کوئی پرندہ زندہ ہوا، نہ خلیل اللہ کی دعا قبول ہوئی بلکہ دعا پر یہی حکم ہوا کہ مسمریزم کے ذریعے سے پرندوں کو اپنی طرف کھینچ لو تو معلوم ہو جائے گا کہ مردے بھی ایسے ہی زندہ ہوں گے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ یاد رکھنا چاہیے کہ جو قرآن میں چار پرندوں کا ذکر لکھا ہے کہ ان کو اجزائے متفرقہ یعنی جدا جدا کر کے چار پہاڑیوں پر چھوڑا گیا تھا اور پھر وہ بلانے سے آ گئے تھے یہ بھی مسمریزم کی طرف اشارہ ہے ممکن ہے کہ انسان کی قوت مقناطیسی اس حد تک ترقی کرے کہ کسی پرند یا چرند کو صرف اپنی طرف کھینچ لے **فتدبروا ولاتغفل** انتہی۔ اہل علم پر پوشیدہ نہیں کہ **فخذ اربعة من الطیر** میں جو فا ہے گویا تفریع اسی دعا پر ہے جو مُردوں کو زندہ کرنے کے باب میں تھی جس سے ظاہر ہے کہ وہ دعا قبول ہوئی اور پرندوں کو ذبح کرنے کا حکم ہوا ورنہ صاف ارشاد ہو جاتا کہ یہ دعا کسی مُردوں کو زندہ کرنا تو اس عالم میں نہیں ہوسکتا بلکہ خلاف مرضی دعا ہوتی تو اس پر عتاب ہو جاتا جیسے دیدار الٰہی کی درخواست کرنے والوں پر عتاب ہوا تھا جس پر بجلی گرائی گئی اور وہ جل کر ڈھیر ہو گئے۔ کما قال تعالیٰ **قَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ**۔ غرض جب قرائن سے معلوم ہوا کہ دعائے احیائے موتیٰ قبول ہوئی تو اس کے بعد بجائے احیائے موتیٰ، مسمریزم کا خیال کرنا گویا در پردہ یہ کہنا ہے کہ (نعوذ باللہ) حق تعالیٰ کو احیائے موتیٰ کی قدرت نہ تھی اور مسمریزم کے عمل کے بعد بھی ان کا مقصود جو خلت کی نشانی معلوم کرنا تھا حاصل نہ ہوا کیونکہ نشانی تو احیاء تھی اور اس عمل سے جو معلوم ہوا اسی قدر تھا کہ انسان کے روحانی تصرف سے جانور بھی مسخر ہو جاتے ہیں جس سے ان کی دعا کو کوئی تعلق نہیں۔ اور اگر یہ غرض تھی کہ اس پر قیاس کریں کہ

جیسے پرندے بلاتے ہی آجائیں گے روحوں کو بھی خدائے تعالیٰ ایسا ہی بلائے گا تو یہ مثال قائم کرنے کے لئے اس سے آسان طریقہ یہ تھا کہ کسی خادم کو پکارنے کا حکم ہو جاتا جو پرندوں سے بھی پہلے پکارتے ہی آکھڑا ہوتا اور مسمریزم کی مشاقی حاصل کرنے کی زحمت جو ضرورت سے زیادہ تھی اٹھانی نہ پڑتی۔ پھر ابراہیم علیہ السلام کو احیائے موتی دیکھنے سے خواہ خلت کی نشانی معلوم کرنا منظور ہو یا مشاہدۂ احیاء، اس مسمریزم سے دونوں مقصود فوت ہیں اور ایمان بالغیب جو پہلے تھا وہی اس کے بعد بھی رہا۔ دعا سے کچھ فائدہ ہوا، نہ اجابت دعا سے بلکہ بہت بڑا نقصان یہ لازم آتا ہے کہ خلت کا جو پہلے سے ایمان تھا (نعوذ باللہ) وہ بھی جاتا رہے اس لئے کہ باوجود قدرت کے جب اس کی نشانی نہیں دکھلائی جائے تو یہی یقین ہوگا کہ دراصل اس کا وجود نہیں حالانکہ انبیاء اپنے اطمینان کے لئے جب کوئی نشانی طلب کرتے ہیں تو وہ ان کو دکھلائی جاتی ہے۔

چنانچہ زکریا علیہ السلام کے قصے سے ثابت ہے کما قال تعالیٰ **قال رب انی یکون لی غلام وقد بلغنی الکبر وامراتی عاقر قال کذلک اللہ یفعل ما یشاء قال رب اجعل لی ایۃ قال ایتک ان لا تکلم الناس ثلثۃ ایام الارمزا**۔ حاصل یہ کہ جب فرشتوں نے زکریا علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری سنائی کہ آپ کو ایک فرزند ہوگا جس کا نام یحییٰ ہے۔ عرض کی کہ اے رب مجھے کیونکر لڑکا ہوگا ایسی حالت میں کہ میں بوڑھا ہوں اور میری بی بی بانجھ ہے۔ فرمایا خدائے تعالیٰ جو چاہے کر سکتا ہے۔ پھر عرض کی اے رب اس کی کوئی نشانی مقرر فرما جس سے حمل کا وقت معلوم ہو جائے۔ ارشاد ہوا کہ تین روز تک تم لوگوں سے بات نہ کر سکو گے سوائے اشارے کے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ زکریا علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس (۱۲۰) سال کی تھی اور ان کی بی بی کی عمر اٹھانوے (۹۸) سال کی، اس وجہ سے ان کو استبعاد ہوا کہ ایسی حالت میں کیونکر لڑکا ہوگا اور نشانی طلب کرنے کی ضرورت ہوئی اور نشانی جو قرار دی گئی تھی اس کا ظہور اس طرح سے

ہوا کہ تین روز تک سوائے ذکر الٰہی کے اگر کوئی بات کرنا چاہے تو زبان رک جاتی صرف ہاتھ یا پیر کے اشارے سے کوئی طلب ظاہر کر سکتے تھے۔ غرض سنت الٰہی جاری ہے کہ انبیاء علیہم السلام جب کسی بات کے یقین یا اطمینان حاصل ہونے کے لئے کوئی نشانی طلب کرتے ہیں تو ان کو دکھلائی جاتی ہے پھر خاص خلیل کو ان کے خلت کے متعلق نشانی باوجود طلب کرنے کے نہ بتلائی جانا ہرگز قرین قیاس نہیں۔ اور یہ ایسا بودا خیال ہے کہ کوئی مسلمان جس کو خلت کے معنی معلوم ہوں اور قدرت الٰہی کو جانتا ہو ہرگز اس طرف توجہ نہیں کر سکتا کہ مسمریزم سے وہاں کام لیا گیا۔ مرزا صاحب کو صرف اتنا موقع مل گیا کہ آیت شریفہ **فَخُذْ اَرْبَعَۃً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْھُنَّ اِلَیْکَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنْھُنَّ جُزْءًا۔** میں لفظ ذبح نہیں ہے اس لئے ہر پرندے کو چار پرندوں کا جز قرار دیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر پہاڑ پر ان چار پرندوں کا ایک ایک جز و یعنی ایک ایک پرندہ چھوڑ دو۔ اہل فصاحت پر پوشیدہ نہیں کہ مرزا صاحب **ثم اجعل** الآیہ کا جو مطلب بتاتے ہیں کہ وہ پرندے پہاڑوں میں جدا کر کے چھوڑ دو اس کے لئے تو یہ الفاظ **ثم فرقھن فی الجبل** کافی ہے اس مطلب کے لئے **ثم اجعل علی کل جبل منھن جزاً** کہنا قطع نظر فصاحت و بلاغت کے فوت ہو جانے کے مضمون بھی دوسرا ہو ہی جاتا ہے اس لئے کہ اگر یہ مضمون بیان کرنا ہو (ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو) تو سوائے **ثم اجعل علی کل جبل منھن جزا** کہنے کے یہ مضمون ہرگز ادا نہ ہو سکے گا پھر جب مرزا صاحب والا مضمون دوسرے الفاظ میں ادا ہو سکتا ہے اور یہ مضمون سوائے الفاظ آیت شریفہ کے ادا نہیں ہو سکتا اور اسی مضمون کی تصدیق صحابہ خصوصًا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے صحابی کے قول سے ہو رہی ہے اور اس تصریح کے ساتھ کہ چار پرندوں کے ٹکڑے سات پہاڑوں پر رکھے گئے تھے تو اس کو چھوڑ کر ایسا مضمون نکالنا جس سے کلام پایۂ بلاغت و فصاحت سے گر جائے اور کلام الٰہی پر ایسا بدنما دھبہ لگے جس کو

کوئی مسلمان قبول نہیں کرسکتا، کس قدر جرأت کی بات ہے۔ اگر مرزا صاحب مثلاً یہ کہنا چاہیں کہ چار شخص ہم نے معیّن کئے پھر ان میں سے ہر ایک کو ایک گاؤں بھیجا تو کیا یہ فرمائیں گے **ثم ارسلت الی کل قریۃ منھم جزا** میں سمجھتا ہوں کہ بجائے **جزء** کے **واحداً** فرمائیں گے۔ بشرطیکہ اس بحث کا تعلق معلوم نہ ہو اس لئے کہ ایسے موقع میں جب کوئی پوری خبر بیان کرنا ہو تو **جزاً** نہیں کہا جاتا جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَالنَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ لَانُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ.** دیکھ لیجئے ایک نبی بقول مرزا صاحب تمام انبیاء کا جزو ہے مگر **بین جزءٍ منھم** نہیں فرمایا۔ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جس معنی کے مرزا صاحب قائل ہیں کہ واقع میں پرندے پہاڑوں پر چھوڑ دیئے گئے تھے اس معنی پر تو قرآن شریف کی عبارت غلط ٹھہرتی ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا پھر اسی پر اڑے رہنا ضمناً یہ دعویٰ ہے کہ اس مقام میں قرآن میں غلطی ہے۔

مرزا صاحب اپنی عیسویت پر یہ استدلال بھی پیش کرتے ہیں کہ کریم بخش کی گواہی سے یہ ثابت ہے۔ ازالۃ الاوہام صفحہ ۷۰۸ میں ہے کہ ایک بزرگ گلاب شاہ نام نے پیشین گوئی کی تھی کہ عیسیٰ لدھیانہ میں آکر قرآن کی غلطیاں نکالے گا اگر وہ بزرگ فی الحقیقت صاحب کشف تھے تو پیشین گوئی ان کی صحیح نکلی۔ مگر مقام تردد یہ ہے کہ پھر انہوں نے عیسیٰ کیوں کہا۔ کہہ دیتے کہ ایک شخص ایسا کام کریگا اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ انہوں نے کشف میں مرزا صاحب کا دعویٰ عیسویت بھی دیکھ لیا تھا اس لئے عیسیٰ کہہ دیا یعنی عیسیٰ ادعائی اور چونکہ قرآن میں غلطیاں نکالنا عیسیٰ موعود کی شان کے منافی ہے اس لئے انہوں نے ضمناً یہ بھی کہہ دیا کہ اگرچہ عیسویت کے مدعی ہوں مگر عیسیٰ نہیں ہوسکتے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی مجلس میں لوگ کہیں کہ فلاں شخص شیر ہے اور ایک شخص کہے کہ شیر ایسا ہے کہ بکری سے ڈرتا ہے تو اس کا شیر کہنا اعتراف نہ سمجھا جائے گا بلکہ وہ منافی صفت بیان کرنا اس بات پر دلیل ہوگا کہ اس صفت کا ابطال اس کو مقصود ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں سحر کے کئی اقسام بیان کئے ہیں منجملہ ان کے ایک سحر اصحاب اوہام اور نفوس قویہ کا ذکر کیا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ آدمی جب قوت وہمیہ اور نفسانیہ بڑھانے میں کوشش کرتا ہے تو وہ قوتیں اس قدر بڑھتی ہیں کہ ان سے عجائبات صادر ہونے لگتے ہیں۔ اور دوسری قسم استعانت بالارواح الارضیہ لکھا ہے یعنی ارواح ارضیہ کی مدد سے امور عجیبہ ظاہر کئے جاتے ہیں یہ بات بتواتر ثابت ہے کہ ساحر لوگ عملی تدابیر سے ارواح مناسبہ پر کچھ ایسا اثر ڈالتے ہیں کہ وہ مسخر اور فرماں بردار ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف **ان من البیان لسحرا** سے بھی اشارتاً یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جیسے سحر ارواح ارضیہ میں تاثیر کر کے ان کو مسخر کر لیتا ہے ایسا ہی بعض بیان بھی اپنے پرزور اثر سے اپنا مسخر بنا لیتے ہیں۔ اس کی تصدیق کے لئے مرزا صاحب کی تقریر پرتاثیر گواہ ناطق ہے۔ غرض سحر میں بعض ارواح پر نفسانی اثر ڈالا جاتا ہے جس سے وہ مسخر ہو جاتی ہیں پھر ان سے وہ وہ کام لئے جاتے ہیں جو بالکل غیر معمولی اور حیرت انگیز ہوتے ہیں۔ الحاصل سحر میں نفوس ساحرہ کی تاثیر بھی ہوتی ہے اور ارواح بھی اس سے مسخر ہوتی ہیں جو مسمریزم میں ہوا کرتا ہے۔ دیکھ لیجئے مسمریزم کی کتابوں میں وہی تدابیر بتلائی گئی ہیں کہ جن سے شخص معمول کی روح مسخر ہو جائے اور ایسے کام کرنے لگے جو غیر معمولی اور ظاہراً خارق عادات ہوں۔ اس سے ثابت ہے کہ مسمریزم ایک قسم کا سحر ہے جس میں مسمر صاحب نے ترقی کر کے اس کو ایک مستقل فن سحر قرار دیا اور چونکہ وہ تعلیم و تعلم سے حاصل ہوتا ہے اس لئے وہ خوارق عادات کی حد تک بھی نہیں پہنچ سکتا چہ جائیکہ معجزہ کا اس پر اطلاق ہو سکے۔ کیونکہ معجزہ تو خاص اس فعل کا نام ہے جو حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے کسی نبی کے ہاتھ پر اس غرض سے ظاہر کرے کہ سب عاجز ہوں اور کسی دوسرے کو اس پر قدرت نہ ہو۔ مرزا صاحب ان چار پرندوں کے زندہ ہونے کو مسمریزمی قوت بتلاتے ہیں اور نیز عیسیٰ

علیہ السلام کے معجزات جو قرآن شریف میں مذکور ہیں ان کو بھی مسمریزمی عمل قرار دیتے ہیں۔حالانکہ حق تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے۔ **انی قد جئتکم بآیۃٍ من ربّکم انی اخلق لکم من الطین کھیئۃِ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیراً باذن اللہ وابریٔ الاکمہ والابرص واحیی الموتی باذن اللہ** یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے یہ تھے کہ پرندے بنا کر ان میں پھونکتے جس سے وہ زندہ ہوجاتے اور مادرزاداندھوں کو بینا اور برص والوں کو اچھا کرتے اور مُردوں کو زندہ کرتے تھے۔ یہ تو حق تعالیٰ فرماتا ہے اور مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ ۳۰۸ میں لکھتے ہیں کہ یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوچکی کہ حضرت مسیح ابن مریم باذن وحکم الٰہی الیسع کی طرح عمل مسمریزم میں کمال رکھتے تھے۔ یہ بات جاننا چاہیے کہ سلب امراض کرنا اپنی روح کی گرمی جماد میں ڈالنا درحقیقت یہ سب عمل مسمریزم کی شاخیں ہیں ہر ایک زمانہ میں ایسے لوگ ہوتے رہتے ہیں اور اب بھی موجود ہیں جو اس روحانی عمل کے ذریعے سے سلب امراض کرتے رہتے ہیں اور مفلوج ونیز برص ومدقوق وغیرہ ان کی توجہ سے اچھے ہوتے رہتے ہیں۔ حضرت مسیح کے عمل مسمریزم سے وہ مردہ زندہ ہوتے تھے یعنی وہ قریب الموت آدمی جو گویا نئے سرے سے زندہ ہوجاتے تھے وہ بلاتوقف چند منٹ میں مرجاتے تھے۔ واقعی اور حقیقی حیات پیدا نہیں ہوتی تھی بلکہ جھوٹی حیات جو عمل مسمریزم کے ذریعے سے پیدا ہوسکتی ہے ایک جھوٹی جھلک کی طرح ان میں نمودار ہوجاتی تھی۔ ہمارے نزدیک ممکن ہے کہ مسمریزم کے ذریعے سے پھونک کے ہوا میں وہ قوت پیدا ہوجائے جو اس دخان میں پیدا ہوتی ہے جس کی تحریک سے غبارہ اوپر چڑھتا ہے۔

اب اہل ایمان غور فرمائیں کہ عمل مسمریزم جو یقینی طور پر سحر ہے مرزا صاحب کہتے ہیں کہ اسی عمل کے ذریعے سے الیسع اور عیسیٰ علیہما السلام عجائبات دکھلا کر لوگوں کو مسخر کرتے تھے اور ابھی معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام نے جو پرندوں کو زندہ کیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں جو

مردہ زندہ ہوا تھا وہ سب مسمریزم ہی کے ذریعے سے تھا جس کا مطلب صاف وصریح طور پر ظاہر ہے کہ یہ انبیائے اولوالعزم ساحر اور جادوگر تھے نعوذ باللہ من ذالک اب ہر شخص قرآن پڑھنے والا سمجھ سکتا ہے کہ نبی کو ساحر کون لوگ کہا کرتے تھے اس کی تصریح کی ہمیں ضرورت نہیں۔

غرض مرزا صاحب جو معجزہ خارق عادت دیکھتے ہیں اس کو حتی الامکان مسمریزم میں داخل کر دیتے ہیں جو ایک قسم کا سحر اور قوت بشری کے حد کے اندر ہے۔ اب مشکل یہ ہے کہ قرآن شریف سے ظاہر ہے کہ ہر زمانے میں کفار معجزات کو سحر اور انبیاء کو ساحر کہا کرتے تھے یہ کوئی نہیں کہتا تھا کہ خدائے تعالیٰ نے انبیاء کو ایک غیر معمولی قدرت دی ہے جس سے ان خوارق عادات کا صدور صرف باذن الٰہی ہوتا ہے اور مرزا صاحب بھی اسی کے قائل ہیں کہ ان معجزات کا صدور مسمریزمی قوت انسانی سے ہوتا تھا معلوم نہیں کہ ان دونوں مذہبوں میں مابہ الامتیاز کیا ہوگا۔ پھر اگر اسی مسمریزمی قوت کے آثار معجزات تھے تو مسمریزم کے عمل کرنے والوں کو بھی انبیاء کہنا چاہیے اور اگر معجزہ خاص اور مسمریزم عام ہے تو تصادق کے لحاظ سے نبی کو من وجہ نبی اور من وجہ ساحر کہنا پڑے گا۔ اس آیہ شریفہ میں مرزا صاحب سے پہلے خان صاحب نے تفسیر میں بہت زور لگایا کہ ممکن نہیں کہ وہ پرندے خلاف فطرت زندہ ہوئے ہوں اور نہ کوئی عاقل ایسا سوال کر سکتا ہے کہ دنیا میں مردے کو زندہ کر دکھائے بلکہ ابراہیم علیہ السلام نے درخواست کی کہ خواب میں یہ بات دکھلا دی جائے چنانچہ ان کی درخواست منظور ہوئی اور خواب میں چار پرندوں کو زندہ ہوتے دیکھ لیا۔ مرزا صاحب نے یہ ترمیم کی، اس کو خواب پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں مسمریزم سے کام نکل سکتا ہے جس سے مقصود بھی حاصل ہو جائے گا کہ معجزہ ثابت نہ ہوگا اور واقعہ کا بھی انکار نہ ہوگا۔ مرزا صاحب خدائے تعالیٰ کا بہت ادب کرتے ہیں ورنہ جیسے انبیاء کو ساحر قرار دیا اور عیسیٰ علیہ السلام کے احیائے موتی وغیرہ معجزات کو مشرکانہ خیال بتایا ممکن تھا کہ خدائے

تعالیٰ کی نسبت بھی کچھ کہہ دیتے کہ ساحروں کے قصے بیان کر کے لوگوں کو نعوذ باللہ گمراہ کر رہا ہے۔ بات یہ ہے کہ عقلاء کی عادت ہے کہ ایسی کوئی بات دل میں آئے تو کسی ایسے پیرایہ میں ظاہر کر دیا کرتے ہیں کہ **الکنایۃ ابلغ من التصریح** کی روئے مقصود بھی حاصل ہو اور تصریح قبیح سے بھی احتراز ہو یہ تمام دقتیں اور خرابیاں اسی وجہ سے ہیں کہ مرزا صاحب کو نبوت کا دعویٰ ہے اور خارق عادات معجزہ ان سے ظہور میں آنا محال ہے اس لئے وہ معجزات کی توہین کے درپے ہو گئے۔ چنانچہ براہین احمدیہ میں لکھتے ہیں جو معجزات بظاہر صورت ان مکروں سے متشابہ ہیں گو کہ وہ سچے بھی ہوں تب بھی محجوب الحقیقت اور ان کے ثبوت کے بارے میں بڑی بڑی دقتیں ہیں۔ اور نیز براہین صفحہ ۴۲۸ میں لکھتے ہیں۔

تمہید پنجم جس معجزے کو عقل شناخت کر کے اس کے منجانب اللہ ہونے پر گواہی دے وہ ان معجزات سے ہزارہا درجے افضل ہوتا ہے کہ جو صرف بطور کتھا یا قصے کے مد منقولات میں بیان کئے جاتے ہیں۔ اس ترجیح کے دو باعث ہیں ایک تو یہ کہ منقولی معجزات ہمارے لئے جو صدہا سال پیچھے پیدا ہوئے ہیں جب معجزات دکھلائے گئے تھے تو وہ مشہود اور محسوس کا حکم نہیں رکھتے اور اخبار منقولہ ہونے کے باعث سے وہ درجہ ان کو حاصل نہیں ہو سکتا جو مشاہدات اور مرئیات کو حاصل ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جن لوگوں نے منقولی معجزات کو جو تصرف عقل سے بالاتر ہیں، مشاہدہ کیا ہے ان کے لئے بھی وہ تسلی تام کے موجب نہیں ٹھہر سکتے کیونکہ بہت سے ایسے عجائبات بھی ہیں کہ ارباب شعبدہ بازی ان کو دکھلاتے پھرتے ہیں گو وہ مکر و فریب ہی ہیں مگر مخالف بد اندیش پر کیونکر ثابت کر کے دکھلائیں جو عجائبات اس قسم کے ظاہر ہوتے ہیں کسی نے سانپ بنا کر دکھلا دیا اور کسی نے مردہ زندہ کر کے دکھلا دیا اس قسم کی دست بازیوں سے منزہ ہیں جو شعبدہ باز لوگ کیا کرتے ہیں یہ مشکلات کچھ ہمارے زمانے ہی میں نہیں ہوئیں بلکہ ممکن ہے کہ انہیں زمانوں میں یہ

مشکلات پیدا ہوگئی ہوں ابھی۔ فی الحقیقت جو معجزات مشاہد و محسوس ہوں زیادہ تر مفید علم ہونگے۔ اور بڑا فائدہ ان سے یہ ہوگا کہ محسوس ہونے کی وجہ سے انبیائے سابقین کی تصدیق اور زیادہ ہوگی کہ جب امتی لوگ ایسے ایسے معجزات دکھلاتے ہیں تو ان کے نبی کے معجزات جو بالاصالت صادر ہوتے تھے ضرور اعلیٰ درجے کے ہونگے اور جتنے خلاف عقل معجزات کتابوں میں لکھے ہیں سب کو مان لینے پر عقل مجبور ہو جائے گی اور گویا ان سب کا وقت واحد میں مشاہدہ ہو جائے گا اسی وجہ سے جس جس زمانے میں اولیاء اللہ کی کرامات لوگوں نے برائے العین دیکھ لی ان کو وقوع معجزات میں ذرا بھی شک نہ رہا جو لوگ اس امت مرحومہ میں اولیاء اللہ کے معتقد ہیں کرامات کے تواتر سے معجزات کا ان کو کچھ ایسا یقین ہے کہ اگر کسی ضعیف روایت سے بھی کوئی معجزہ ثابت ہو تو اس کے وقوع میں ذرا بھی تردد نہیں ہوتا اس سے ظاہر ہے کہ اس زمانے میں اگر معجزات صادر ہوں تو مسلمانوں کے اعتقاد کو اصلی معجزات کی تصدیق میں راسخ اور مستحکم کردیں گے جس سے نبوت پر ایمان مکمل ہو جائے گا اور نئی روشنی والے جو عقلوں کی اطاعت میں ایمان سے علیحدہ ہوئے جاتے ہیں، دین سے خارج نہ ہوں گے اور ادیان باطلہ پر حجت قائم ہوگی کہ جس نبی کے تابع کا یہ حال ہو تو متبوع یعنی نبی ﷺ کی کیا حالت ہوگی۔ پھر اس مشاہدے کی بدولت جن کی طبیعت میں صلاحیت ہے وہ مشرف باسلام بھی ہوں گے اور حدیث شریف **علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل** کا مضمون پورے پورے طور پر صادق آجائے گا یہی وجہ تھی کہ ہندوستان وغیرہ میں لاکھوں آدمی اولیاء اللہ کی کرامات دیکھ کر مشرف باسلام ہوتے گئے۔ جس سے دین کی روزافزوں ترقی ہوئی جیسا کہ بزرگان دین کے تذکروں اور تواریخ سے واضح ہے۔

مگر مرزا صاحب ان معجزات کو کتھا اور قصوں کے مد میں داخل کر کے فرماتے ہیں کہ ممکن ہے وہ شعبدہ بازیاں ہوں۔ مسلمان تو پہلے ہی سے ضعیف الاعتقاد ہو رہے تھے

اگر مرزا صاحب کی تقریر خدانخواستہ اثر کر جائے تو رہا سہا ایمان بھی گاؤ خورد ہو جائے گا اور پوری پوری نیچریت طبیعتوں میں آجائے گی مرزا صاحب کو کس نے مجبور کیا تھا کہ خواہ مخواہ معجزے دکھلائے جس کے دفعیہ کی یہ تدبیر نکالی جس کا مقتضی یہ ہے کہ معجزے کل انبیاء کے بے اصل ٹھہر جائیں۔ ہاں جب انہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا تو ہر شخص کو بیّنہ اور نشانی طلب کرنے کی ضرورت ہوئی کیونکہ معجزہ نبوت کا لازمہ ہے۔ اگر فرمائیں کہ میں نے تو ظلی نبوت کا دعویٰ کیا تھا جو اولیاء اللہ کو حاصل ہے تو پوچھا جائے گا کہ وہ کون ولی ہے جو ظلی نبوت کا دعویٰ کر کے بطور تحدی معجزے دکھلانے کھڑا ہو گیا تھا جیسے کہ آپ معجزے اس غرض سے دکھلا رہے ہیں کہ نبوت ثابت ہو۔ کسی تذکرے یا تاریخ میں بتلا دیں کہ فلاں ولی نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ میں نبی اور رسول اللہ ہوں، خدا نے مجھے بھیجا ہے اور جو شخص مجھ پر ایمان نہ لائے وہ کافر اور دوزخی ہے اور اس کے پیچھے نماز درست نہیں اور میرے نام کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم کہا جائے اور میری بی بی کو ام المومنین کہو اور اس کے بعد یہ دعویٰ کیا ہو کہ میں معجزے بھی دکھلاتا ہوں۔

الحاصل ظلی نبوت اگر بمعنی ولایت لی جائے تو اس کے لئے معجزہ شرط نہیں پھر معجزات دکھلانے کا دعویٰ ہی کیوں کیا اور اگر اس نبوت کا دعویٰ ہے جس کے لئے معجزہ شرط اور لازم ہے تو ان معجزات کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ ایسی کھلی کھلی نشانیاں ہوں کہ ہر شخص سمجھ جائے کہ ان کا تعلق خاص خدائے تعالیٰ کی قدرت سے ہے اور بداہتاً یہ معلوم ہو جائے کہ وہ امور آدمی کے اقتدار سے خارج ہیں نہ مسمریزم کو ان میں دخل ہے، نہ سحر کو ان سے تعلق، نہ کاہنوں کی کہانت کو گنجائش ملے جو پیشین گوئیاں کرتے ہیں، نہ عقل کا ان میں تصرف ہو۔

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مواہب اللدنیہ میں لکھا ہے کہ قبیلہ کندہ کا ایک وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جس میں اسی (۸۰) سوار تھے انہوں نے بطور امتحان کسی ظرف میں ٹڈی رکھ دیئے اور آنکھ بند کر کے کہا فرمایئے کہ اس میں کیا ہے؟

حضرت ﷺ نے فرمایا سبحان اللہ! یہ کام تو کاہنوں کا ہے اور کاہن و کہانت کا انجام دوزخ ہے۔ انہوں نے کہا پھر ہمیں کیونکر معلوم ہو کہ آپ اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہو۔ حضرت ﷺ نے وہیں پڑی ہوئی چند کنکریاں اٹھا کر فرمایا دیکھو کنکریاں میری رسالت پر گواہی دیتی ہیں۔ چنانچہ ان کنکریوں سے تسبیح کی آواز انہوں نے اپنے کانوں سن لی اور وہ سب فوراً بول اٹھے کہ ہم گواہی دیتے ہیں بیشک آپ رسول اللہ ہو۔ دیکھئے معجزہ اس کو کہتے ہیں کہ جس کے صدور میں سوائے قدرت الٰہی کے کسی اور چیز کا لگاؤ ہے، نہ تصنع، نہ شروط و قیود ہیں، نہ پیچ دار عبارتیں، نہ وہ پہلو دار فقرے کہ جن سے موقع پر گریز کا رستہ ملے جیسا کہ مرزا صاحب کے الہامات میں یہ سب باتیں ہوا کرتی ہیں۔

مرزا صاحب کو عیسیٰ علیہ السلام کے تمام معجزات میں صرف ایک معجزہ پسند اور قابل تصدیق معلوم ہوا جو براہین احمدیہ صفحہ ۴۶۱ میں لکھا ہے۔ یہودا اسکریوطی کی خراب نیت پر مسیح کا مطلع ہو جانا اس کا ایک معجزہ ہی تھا جو اپنے شاگردوں اور صادق الاعتقاد لوگوں کو دکھایا۔ اگرچہ اس کے دوسرے عجیب کام بباعث قصہ حوض اور بوجہ آیۂ مذکورہ بالا **وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ** کے مخالف کی نظر میں قابل انکار اور محل اعتراض ٹھہر گئے اور اب بطور حجت مستعمل نہیں ہو سکتے لیکن معجزۂ مذکورہ بالا منصف مخالف کی نظر میں بھی ممکن ہے کہ ظہور میں آیا ہو انتہیٰ۔ معجزۂ مذکورہ بالا کا اشارہ اس طرف ہے کہ ایک شخص نے عیسیٰ علیہ السلام سے نشانی طلب کی انہوں نے کہا کہ کوئی نشان دیا نہ جائیگا اسی کی نسبت مرزا صاحب کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ وہ ظہور میں آیا ہو۔ جس معجزے کو خود قبول کرتے ہیں اس کی نسبت فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ ظہور میں آیا ہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ دوسرے معجزات حیز امکان ہی سے خارج ہیں یعنی اس کا مطلب یہ ہوا کہ جتنے معجزات عیسیٰ علیہ السلام کے حق تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمائے ہیں ان کا ظہور مرزا صاحب کے نزدیک ممکن ہی نہیں۔ جب قرآن کی تصدیق میں یہ حال ہے تو حدیث و اجماع کا کیا پوچھنا ہے۔

جن معجزات کی نسبت حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَجَاءَ تْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ** یعنی انبیاء کھلے کھلے معجزے اپنی قوموں کو دکھلایا کرتے تھے۔ ایسے معجزے ممکن نہیں کہ مرزا صاحب دکھلا سکیں اس لئے کہ وہ قوت بشری کے امکان سے خارج ہیں اور مرزا صاحب کو معجزے دکھلانے کی ضرورت ہے اس لئے انہوں نے اصلی معجزات سے گریز کرکے یہ تدبیر نکال لی کہ معجزوں کی دو قسمیں کر دیں ایک نقلی دوسری عقلی۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ ۳۰۱ میں لکھتے ہیں دوسرے عقلی معجزات ہیں جو اس خارق عادات عقل کے ذریعے سے ظہور پذیر ہوتے ہیں جو الہام الٰہی سے ملتی ہے۔ جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کا وہ معجزہ جو **صرح ممرد من قواریر** ہے جس کو دیکھ کر بلقیس کو ایمان نصیب ہوا۔ اور نیز اسی کے صفحہ ۳۰۴ میں لکھتے ہیں اس سے کچھ تعجب نہیں کرنا چاہیے کہ حضرت مسیح نے اپنے دادا سلیمان کی طرح اس وقت کے مخالفین کو یہ عقلی معجزہ دکھلایا ہو اور ایسا معجزہ دکھلانا عقل سے بعد نہیں کیونکہ حال کے اکثر صناع ایسی چڑیاں بنا لیتے ہیں کہ وہ بولتی بھی ہیں۔

بلقیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اسلام کا واقعہ سورۂ نمل میں بشرح وبسط مذکور ہے ہدہد کا نامہ لیجانا، تخت کا ایک لمحے میں صدہا کوس سے آجانا، **صرح ممرد من قواریر** یعنی شیش محل اسی سے متعلق ہیں۔ چونکہ کبوتر کی نامہ بری مشہور ہے شاید ہدہد کا بھی اسی پر قیاس کیا جائے گا کہ اس کو بھی تعلیم دی گئی ہوگی مگر ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ تعلیم پذیر نہیں ہو سکتا اس لئے کہ وہ وحشی الطبع ہے قفس سے چھوٹتے ہی اڑ جاتا ہے اور پھر واپس آنے کی توقع نہیں اور کبوتر کتنا ہی دور اڑے اپنے مالک کے گھر آجاتا ہے غرض ہدہد کے ذریعے نامہ و پیام کرنا ایک ایسا معجزہ تھا کہ انسانی قوت کو اس میں کچھ بھی دخل نہیں۔ اور اس سے بڑھ کر تخت کے منگوانے کا معجزہ تھا۔ تفاسیر میں لکھا ہے کہ بلقیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تخت سے نہایت دلچسپی تھی جب اس نے سلیمان علیہ السلام کی طرف جانے کا قصد کیا تو اس تخت شاہی کو

ایک ایسے مکان میں رکھا جس میں سات حجرے در حجرے تھے ساتویں حجرے میں اس کو رکھ کر تمام حجروں کو مقفل کر دیا تا کہ کسی کا گزر وہاں نہ ہو پھر مزید احتیاط کے لئے پہرے چوکیاں اس مکان کی حفاظت کیلئے مقرر کئے۔ اب خیال کیجئے کہ جس تخت کے ساتھ ملکہ کو ایسی دلچسپی ہو اس میں کیسی کیسی خوردہ کاریاں اور صنعتیں نہ ہونگی۔ یہی وجہ تھی کہ سلیمان علیہ السلام نے اس کی تمام ریاست واملاک سے صرف اسی تخت کو منتخب کر کے منگوالیا تا کہ ان کا تعلق خاطر اس مرغوب ومحبوب چیز سے نہ رہے۔ چنانچہ مولانائے روم فرماتے ہیں۔

چونکہ بلقیس از دل وجان عزم کرد | بر زمان رفتہ ہم افسوس خورد
ترک مال وملک کرد او آنچنان | کہ تبرک نام وننگ آن عاشقان
ہیچ مال وہیچ مخزن ہیچ رخت | می دریغش نامد الاجز کہ تخت
پس سلیمان از دلش آگاہ شد | کز دل او تا دل او راہ شد
دید از دورش کہ آن تسلیم کیش | تلخش آمد فرقت آن تخت خویش
آن بزرگی تخت کز حدی فزود | نقل کردن تخت را امکان نبود
خوردہ کاری بود وتفریقش خطر | ہمچو اوصال بدن باہم دگر
پس سلیماں گفت گرچہ فی الاخیر | سرد خواہد شد بر وتاج وسریر
لیک خود با این ہم بر نقد حال | جست باید تخت او را انتقال
تا نہ گرد وختہ ہنگام لقا | کرد کانہ حاجتش گردد روا

پھر بلقیس کی اقامت کے لئے ایک محل بنوایا جس کا فرش شیشے کا تھا اور اس کے تلے ایک حوض جس میں مچھلیاں چھوٹی ہوئی ان شفاف شیشوں سے نمایاں ہوتی تھیں جب بلقیس آئیں تو سلیمان علیہ السلام نے کہا۔ **اھکذا عرشک** یعنی کیا تمہارا بھی تخت ایسا ہی تھا اس کے جواب میں اس خیال سے کہ بڑا اپنا تخت اس مدت قلیل میں صحیح وسالم کیونکر پہنچ سکتا

ہے۔ بادی النظر میں یہ کہہ تو دیا کہ **کانہ ھو** یعنی یہ ہو بہو ویسا ہی ہے مگر سلیمان علیہ السلام کے سوال کو سوچا کہ اس سے عقل کا امتحان مقصود ہے اور تخت کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ اپنا ہی تخت ہے جو معجزے سے صحیح و سالم پہنچ گیا ہے اور فوراً کہہ دیں کہ **واوتینا العلم من قبلھا و کنا مسلمین** یعنی ہم کو تو اس معجزے سے پہلے ہی آپ کا برگزیدہ خدا ہونا معلوم ہو گیا تھا اور تب ہی آپ کو مان گئے تھے۔ اس سوال و جواب کے بعد بلقیس سے کہا گیا کہ اس محل میں جاؤ انہوں نے وہاں پانی خیال کر کے پائچے اٹھا لئے۔ کہا گیا اس کی ضرورت نہیں شیشے کا فرش ہے اس وقت انہوں نے کہا **ربّ انی ظلمت نفسی واسلمت مع سلیمان للہ ربّ العالمین** یعنی میں نے بیشک اپنے نفس پر ظلم کیا کہ ایسے جلیل القدر نبی کے پاس آنے میں تاخیر کی جن کی سلطنت ظاہری کا یہ حال کہ پرند چرند جنات تک تابع فرمان اور سلطنت باطنی کی وہ کیفیت کہ محال کو تصرف باطنی اور معجزے سے واقع کر دکھاتے ہیں اور شفقت اور عزت بخشی کی یہ صورت کہ ایسا بے مثل و بے نظیر مکان آنے سے پہلے تیار کر رکھا غرض اس معذرت کے بعد اپنے قدیم ایمان کو **اسلمت مع سلیمان للہ رب العالمین** کہہ کر سلیمان علیہ السلام کی تسکین کر دی۔

اب دیکھئے کہ بلقیس کا ایمان تخت دیکھنے کے وقت قرآن شریف سے ثابت ہے جس پر **و کنا مسلمین** گواہی دے رہا ہے اور مرزا صاحب کہتے ہیں کہ شیش محل کا عقلی معجزہ دیکھ کر انہوں نے ایمان لایا۔ افسوس کا مقام ہے کہ صرف اس غرض سے کہ کوئی عقلی معجزہ ثابت کر کے اپنے عقلی تدابیر کو معجزے قرار دیں اور نبی بن بیٹھیں قرآن میں تصرف کر رہے ہیں کہ واقعات کی شکل بدل کر تحریف اور تفسیر بالرائے کرتے ہیں پھر جہاں خود کو ضرورت ہوتی ہے تو فرماتے ہیں تفسیر بالرائے کرنا مسلمان کا کام نہیں اب ان کو کیا کہنا چاہیے۔ اس سے بڑھ کر قرآن میں کیا تصرف ہوگا کہ حق تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے کے باب میں

فیکون طیراً باذن اللہ فرماتا ہے کہ ان کی بنائی ہوئی چڑیاں پرندہ ہو جاتی تھیں اور وہ کہتے ہیں پرندہ نہیں ہوتی تھیں بلکہ جس مٹی سے وہ چڑیاں بناتے وہ اپنے حال پر رہتی تھیں یعنی پرند نہیں بنتی تھیں **کمامر**۔

مرزا صاحب براہین احمدیہ صفحہ ۱۵۹ میں جہاں وحی اور کتاب آسمانی کی ضرورت ثابت کرتے ہیں لکھتے ہیں کہ جو لوگ اپنی عقل کے زور سے خدا کی معرفت کا دعویٰ کرتے ہیں ان کا یہ خیال ہے کہ ہم نے اپنی ہی عقل کے زور سے خدا کا پتہ لگایا ہے اور ہمیں انسانوں کو ابتدا میں یہ خیال آیا کہ کوئی خدا مقرر کرنا چاہیے اور ہماری کوشش سے وہ گوشۂ گمنامی سے باہر نکلا وغیرہ۔ پھر لکھتے ہیں کہ یہ اعتقاد بت پرستوں کے اعتقاد سے کچھ کم نہیں انتہی۔

جب عقل سے خدا کو پہچاننا بغیر وحی آسمانی بت پرستی سے کم نہو تو عقل سے وحی الٰہی کو رد کرنے کا کیا حال ہونا چاہیے۔ اور نیز براہین احمدیہ صفحہ ۲۰۸ میں لکھتے ہیں پس اس صورت میں ہماری نہایت کم ظرفی اور سفاہت ہے کہ ہم اس اقل قلیل عقل کے پیمانے سے خدا کی غیر محدود حکمتوں اور قدرتوں کو ناپنے لگیں۔ اور نیز براہین صفحہ ۲۹۰ میں لکھتے ہیں اے لوگو! اس بات کے سمجھنے میں کچھ بھی دقت نہیں کہ عقل انسانی مغیبات کے جاننے کا آلہ نہیں ہو سکتی انتہی۔ فی الواقع یہ بات بدیہی ہے کہ زمانۂ گذشتہ کے واقعات ہمارے حق میں مغیبات ہیں جن میں عقل چل نہیں سکتی پھر اس کو آلہ بنا کر قرآن کو رد کیوں کر رہے ہیں؟ شاید یہاں یہ کہا جائے گا کہ بذریعہ الہام معلوم ہوا کہ ان کے بنائے ہوئے پرندے طیر نہیں ہوتے تھے تو ہم کہیں گے کہ خدائے تعالیٰ **فَیَکُوْنُ طَیْراً بِاِذْنِ اللہ** فرماتا ہے اور ان کا الہام اس کی تکذیب کرتا ہے تو ایسا الہام بیشک شیطانی ہے جس کے مرزا صاحب بھی قائل ہیں۔

تقریر بالا سے معلوم ہوا کہ کلوں کو ایجاد کرنا، شیشے کا فرش بچھانا مرزا صاحب کے نزدیک معجزات سے ہیں جو نبوت پر دلیل ہو سکتے ہیں جیسا کہ انہوں نے سلیمان اور عیسیٰ علیہما

السلام کے معجزات سے ثابت کیا۔ اس صورت میں یہ کہنا پڑے گا کہ امریکا اور یورپ میں جتنی کلیں ایجاد کرنے والے ہیں وہ سب انبیاء ہیں پھر مرزا صاحب کی کیا خصوصیت۔ شاید یہاں یہ کہا جائے گا کہ ہمیں الہام بھی ہوتا ہے سو یہ جواب نہیں ہوسکتا اس لئے کہ شہد کی مکھی کو بھی الہام بلکہ وحی ہوتی ہے کما قال وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ۔ اور ہر فاسق و فاجر کو بھی الہام ہوتا ہے کہ کما قال تعالیٰ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا۔ جب بھی مرزا صاحب کی خصوصیت نہ رہی۔

عقلی معجزات ثابت کرنے سے مرزا صاحب کا مقصود یہی معلوم ہوتا ہے کہ جتنی کاروائیاں وہ کمال دانائی سے کر رہے ہیں جن کی تہ تک ہر کسی کی عقل نہیں پہنچ سکتی، معجزے سمجھے جائیں۔ مثلاً براہین احمدیہ کو اس چالاکی اور حزم سے لکھا کہ بہت سے مولویوں نے اس کی تصدیق کر لی اور ان کو خبر تک نہ ہوئی کہ ہم کن باتوں کی تصدیق کر رہے ہیں پھر آہستہ آہستہ وہی الہام جو براہین میں لکھے تھے ان کی تفسیر کر کے مولویوں کو کافر اور اپنے کو عیسیٰ موعود بنالیا۔ اور نیز پیشین گوئیوں میں ایسے مفید شروط و قیود لگاتے ہیں کہ ہر پہلو پر کامیابی ہو۔ مثلاً مسٹر آتھم کی موت کی پیشین گوئی کی کہ اگر رجوع الی الحق نہ کرے تو اتنے سال میں مر جائے گا جب اس مدّت میں نہ مرا تو فرمایا کہ اس نے رجوع الی الحق ضرور کی تھی۔ اب وہ ہزار طرح سے کہے کہ میں نے رجوع الی الحق نہیں کی مگر سب کا ایک ہی جواب کہ دشمن کی بات کا اعتبار ہی کیا۔

حجا کے حالات میں لکھا ہے کہ کسی دوست نے ان سے گدھا مانگا انہوں نے عذر کیا کہ کوئی شخص لے گیا ہے۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ گدھا پکارا اور اس دوست نے کہا کہ حضرت گدھا تو گھر میں موجود ہے حجا صاحب تھے بڑے ہوشیار، فوراً جواب دے دیا کہ تم بھی عجیب آدمی ہو میں خود کہہ رہا ہوں کہ گدھا نہیں ہے اور تم گدھے کی بات کا اعتبار کرتے ہو۔ کیا گدھے کی گواہی بھی قبول ہوسکتی ہے؟

اخرس جس کا حال آئندہ معلوم ہوگا اس کے واقعے سے ظاہر ہے کہ کسی دانائی

اور عقلی معجزے سے اس نے اپنی نبوت جمالی جس پر لوگ ایمان لائے مگر اسلام اس کو اسی نگاہ سے دیکھتا ہے جو کسی کذاب مفتری جعلساز کو دیکھنا چاہیے۔ اس قسم کی کارروائیوں کو معجزات تو کیا استدراج بھی نہیں سمجھ سکتے غرض مرزا صاحب کے عقلی معجزے معجزات ہی سمجھے جائیں تو جتنے جھوٹے نبیوں نے اس قسم کے معجزے دکھلائے ان کی نبوت کی بھی تصدیق کرنی پڑے گی اس لئے کہ نبوت ملزوم ہے اور معجزات اس کے لازم مساوی۔ اور قاعدہ مسلّم ہے کہ لازم مساوی کے وجود سے ملزوم کا وجود ہو جاتا ہے غرض کہ ان معجزات کی تصدیق سے نبوت کی خود تصدیق ہو جائے گی مگر جو شخص خاتم النبیین پر ایمان لایا ہو وہ ان کی نبوت کی تصدیق کو کفر جانتا ہے اس لئے مرزا صاحب کے عقلی معجزے اعتبار کے قابل نہیں۔ مرزا صاحب ازالہ الاوہام صفحہ ۲۸۱ میں لکھتے ہیں کہ یہی معجزہ آسمان سے اترنے کا ہمارے نبی ﷺ سے بھی مانگا گیا تھا اور اس وقت اس معجزے کے دکھلانے کی بھی ضرورت تھی کیونکہ آنحضرت ﷺ کے انکار رسالت کرنے سے جہنم ابدی کی سزا تھی مگر پھر بھی خدائے تعالیٰ نے یہ معجزہ نہ دکھلایا اور سائلوں کو صاف جواب ملا کہ اس دار الابتلاء میں ایسے کھلے کھلے معجزات خدائے تعالیٰ ہرگز نہیں دکھاتا تا ایمان بالغیب کی صورت میں فرق نہ آئے انتہی۔ مرزا صاحب کی اس تقریر سے ظاہر ہے کہ کھلے کھلے معجزات حق تعالیٰ ہرگز نہیں دکھاتا مگر حق تعالیٰ نے اس کا رد پہلے ہی فرما دیا چنانچہ قرآن شریف میں انبیاء کے معجزات کی نسبت بکرات ومرات آیات بینات کا لفظ فرمایا ہے جس کے معنی کھلے کھلے معجزات کے ہیں۔ یہاں مرزا صاحب کو اس وجہ سے موقع ملا کہ کفار باوجود کھلے کھلے معجزات دیکھنے کے اقسام اقسام کے معجزے طلب کرتے تھے۔ کوئی کہتا کہ زمین سے چشمے جاری کر دو تا کہ زراعت خوب ہونے لگے۔ کوئی کہتا کہ اپنے لئے بہت ہی شاداب باغ بنا لیجئے جس میں نہریں نخلستان انگور کی ٹٹیاں وغیرہ بہ کثرت ہوں۔ کوئی کہتا کہ ایک سونے کا گھر

تیار کر دکھایئے۔کوئی کہتا کہ آسمان توڑ کر اس کا ایک ٹکڑا گرا کر دکھایئے۔کوئی کہتا کہ آسمان پر جا کر ایک کتاب ہمارے نام اتار لایئے۔اس قسم کے واہی فضول سوال ہر طرف سے ہونے لگے جس سے حق تعالیٰ کا عتاب ان پر ہوا۔اس پر مرزا صاحب نے یہ بات جمالی کہ کھلے کھلے معجزات دکھلانے سے حق تعالیٰ انکار کرتا ہے۔کیا شق القمر کھلی نشانی نہ تھی جس کی مرزا صاحب بھی ازالہ الاوہام میں تصدیق کرتے ہیں، یا جمادات ونباتات وحیوانات میں پورا پورا تصرف اس قابل نہ تھا کہ کھلی نشانی سمجھا جائے۔معجزے کی حقیقت اگر سمجھ لی جائے تو معلوم ہوگا کہ کفار کے اس قسم کے سوالات کیسے فضول اور بے موقع تھے۔بات یہ ہے کہ جب خدائے تعالیٰ نے کسی نبی کو کسی قوم میں بھیجا تو ان کو چند نشانیاں ایسی دیں کہ جن کو تھوڑی بھی عقل اور طبیعت میں راستی تھی وہ مان گئے کہ بیشک یہ نشانیاں خدا ہی کی دی ہوئی ہیں۔ممکن نہیں کہ کوئی مفتری اس قسم کا کام کر سکے اس لئے وہ انبیاء کی تصدیق کرتے اور ان پر ایمان لاتے تھے۔اس کی توضیح کے لئے ہم ایک مثال بیان کرتے ہیں اگرچہ خدائے تعالیٰ کے کارخانے کی کوئی مثال نہیں بن سکتی مگر سمجھنے کے لئے ان مثالوں سے تائید ملتی ہے۔یہ بات ہر شخص جانتا ہے اور اکثر اس کا تجربہ ہے کہ جب کسی کو اپنے مکان سے مثلاً کسی چیز کے منگانے کی ضرورت ہوتی ہے تو مالک مکان کسی اعتمادی شخص کے ہاتھ بطور نشانی کوئی ایسی چیز بھیجتا ہے کہ گھر والے جان لیں کہ وہ مالک مکان کی بھیجی ہوئی ہے پھر وہ فرستادہ شخص جب وہ نشانی ان لوگوں کو دکھا دیتا ہے تو وہ لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ مقصود مالک کا اس نشانی کے بھیجنے سے یہ ہے کہ اس کو دیکھ کر فرستادہ شخص کو اپنا اعتمادی سمجھیں اور جو کچھ کہے مان لیں اور اس کی تعمیل کریں اسی وجہ سے کیسی ہی بیش قیمت چیز وہ طلب کرے تو فوراً دے دیں گے اور اگر نہ دیں تو مالک مکان ان پر عتاب اور بازپرس کرے گا کہ میں نے خاص اپنی ایسی نشانی بھیجی تھی جو تم اس کو جانتے

تھے کہ وہ میری ہی بھیجی ہوئی ہے پھر تم نے اس کو دیکھ کر میرے حکم کی تعمیل میں کیوں توقف کیا۔ اسی طرح اگر وہ لوگ اس بھیجی ہوئی نشانی پر کفایت نہ کر کے یہ کہیں کہ فلاں نشانی لے آ۔ مثلاً مالک کی پگڑی اتار لا، مہر وغیرہ، جب بھی قابل عتاب ہوں گے اور مالک ان سے پوچھے گا کہ میں نے جو نشانی بھیجی اس سے مقصود حاصل ہو گیا تھا کہ وہ شخص میرا ہی بھیجا ہوا ہے پھر اس پر کفایت نہ کر کے میرے بھیجے ہوئے شخص کی توہین کیوں کی گئی اور اس مسخرگی کی کیا وجہ کہ فلاں نشانی اور فلاں نشانی لا۔ جس سے سراسر میری توہین کی گئی اور میرا فعل لغو ٹھہرایا گیا۔ ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس سوال کا جواب ان بیہودہ سوال کرنے والوں سے کچھ نہ ہو سکے گا۔ ہاں اس نشانی میں یہ ضرور ہے کہ مالک کے ساتھ اس کو ایسی خصوصیت ہو کہ کسی جعلساز کی کارروائی اور دغابازی کا اشتباہ نہ ہو سکے اور اگر مشتبہ نشانی کی تصدیق کر لیں جو کوئی شخص اپنی عقل سے بنا سکتا ہے جب بھی قابل بازپرس ہونگے اس لئے کہ اکثر بدمعاش مشتبہ نشانیاں بتا کر لوگوں کو دھوکہ دیا کرتے ہیں اور بیوقوف ان کی تصدیق کر کے نقصان اٹھاتے ہیں۔

اب غور کیجئے کہ نبی کی نشانی کس قسم کی ہونی چاہیے۔ اگر بقول مرزا صاحب عقلی تدبیر ہی معجزہ ہو جیسے شیش محل وغیرہ تو کیا یہ سمجھا جائے گا کہ وہ خاص خدا کی دی ہوئی نشانی ہے۔ ہرگز نہیں! وہ تو ہر شخص جس کو معمولی عقل سے کچھ زیادہ ہو بنا سکتا ہے۔

مواہب اللدنیہ میں علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مسیلمہ کذاب نے ایک بار کسی تدبیر سے بوتل میں سالم انڈا داخل کر کے قوم کے روبرو پیش کیا کہ دیکھو معجزہ اسے کہتے ہیں چونکہ وہ تدبیر کسی کو معلوم نہ تھی سب مان گئے اور اسی قسم کے اور عقلی معجزے دکھلاتا تھا جن کو جہلاء آیات بینات سمجھتے تھے۔ چنانچہ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مواہب میں لکھا ہے کہ جب وہ مارا گیا۔ ایک شاعر نے مرثیہ لکھا جس کا مطلب یہ کہ اس

نے کھلی کھلی نشانیاں مثل آفتاب ظاہر کیں۔ کما قال

لهفي علیک اباثمامه لهفي علیٰ رکنی یمامه

کم آیة لک فیهم کالشمس تطلع من عمامه

کتاب المختار میں لکھا ہے کہ بعض دوائیں ایسی بھی ہیں کہ اگر سوتے وقت اس کا بخور لیا جائے تو آئندہ کے واقعات معلوم ہوتے ہیں چنانچہ جھوٹے مدعی اسی قسم کے تدابیر سے پیشین گوئیاں کیا کرتے ہیں۔

بولس کا عقلی ہی معجزہ تھا کہ سلطنت چھوڑ کر نصاریٰ میں درویشی ہیئت سے گیا اوران کا معتمد علیہ بن کر خوش بیانی اور پرزور تقریروں سے ان کو ان کے قبلے سے منحرف کردیا اورکل جانور حلال کردیے۔ عیسیٰ علیہ السلام کو ان کا خدا ٹھہرادیا۔

اسحٰق اخرس کا عقلی ہی معجزہ تھا کہ دس برس گونگا رہا اور ایک رات کسی تدبیر سے چہرے کو منور بنا، قرآن نہایت تجوید سے پڑھ علی رؤوس الاشہاد یہ دعویٰ کیا کہ مجھ سے جاہل اور گونگے شخص کو نبوت ملی چنانچہ تمام کتب آسمانی مجھے یاد ہوگئے اور اب بفضلہٖ تعالیٰ عالم ہوں، جو چاہے مناظرہ کرلے۔

خوزستانی کا عقلی ہی معجزہ تھا کہ کوفے میں ایک مدت ریاضت شاقہ اٹھا کر اپنی پرزور تقریروں سے سب کا معتمد علیہ بن گیا اور آخر تقلید وغیرہ چھڑا کر **من لم یعرف امام زمانه** کی حدیث پرزور دیا اور ایک شخص کو امام زماں بنا کر ایک عالم کو تباہ کیا۔

بہافریز بن ماہ کا عقلی ہی معجزہ تھا کہ ایک مہین قمیص جو کسی نے ویسی دیکھی نہ تھی پہن کر دعویٰ کیا کہ مجھے یہ خلعت خدا نے دی ہے اور اس کے ساتھ کئی الہام اور مکاشفات شریک کرکے نبی بن بیٹھا۔

محمد ابن تومرت کا عقلی ہی معجزہ تھا کہ ایک عالم کو جاہل پاگل بنا کر ساتھ رکھ لیا پھر

ایک مجمع کثیر میں اس کو عالم بنادیا اور نجوم سے پیشین گوئی کی جو سچی نکلی جس سے ہزار ہا آدمی تک معتقد ہو گئے۔

فتوحات اسلامیہ میں ہے کہ ایک شخص نے مسیحیت اور دوسرے نے مہدویت کا دعویٰ ایک ہی زمانہ میں کیا اور مسیح نے بہت سے عقلی معجزات دکھلائے جس سے لوگ دونوں کے تابع ہو گئے۔

مغیرہ ابن سعید جس نے ایک فرقہ مغیریہ قائم کر لیا تھا اس نے بھی عقلی ہی معجزات دکھلائے تھے جو از قسم نیرنجات وطلسمات تھے۔

مقنع نے چند عقلی معجزات دکھلا کر الوہیت کا دعویٰ کیا۔

بزیع کا عقلی ہی معجزہ تھا کہ اپنے گروہ سے متفق اللفظ کہلوادیا کہ ہم ہر صبح وشام اپنے بزرگوں کو دیکھ لیا کرتے ہیں۔

احمد کیال کا عقلی ہی معجزہ تھا کہ قرآن کے معارف اور علوم نفس وآفاق بیان کر کے لوگوں کو تقریر میں بند کر دیتا تھا جس کا دعویٰ تھا کہ اپنا سا مقرر کسی زمانے میں پایا نہیں گیا۔

فارس بن یحییٰ عقلی ہی معجزات سے عیسیٰ موعود بن گیا تھا۔

تفصیلی حالات ان لوگوں کے حسن ظن کی بحث میں لکھے گئے ہیں وہاں دیکھ لئے جائیں اس کے سوا عقلی معجزے بہت ہیں کہاں تک لکھے جائیں۔ طالبین حق کے لئے اتنے ہی کافی ہو سکتے ہیں۔

مرزا صاحب نے ایک رسالہ موسوم "باعجاز المسیح" لکھ کر اعلان دیا ہے کہ ستر (۷۰) دن میں یہ کتاب میں نے لکھی اور سید مہر علی شاہ صاحب نہ لکھ سکے اس لئے یہ کتاب معجزہ ہے۔ چنانچہ اسی اشتہار میں لکھتے ہیں۔ یہی تو معجزہ ہے اور معجزہ کیا ہوتا ہے؟ یہ کتاب اگر معمولی خط سے لکھی جائے تو چار جزو سے زیادہ نہیں ہے۔ اس پر مرزا صاحب

کا اپنے مکان میں لکھنا مخالفین کو اس اشتباہ کا موقع دیتا ہے کہ خود نے لکھی ہے یا کسی اور سے لکھوائی ہے۔ چنانچہ خود اسی علان میں فرماتے ہیں۔ کہ مخالفین کا خیال ہے کہ یہ اس شخص کا کام نہیں کوئی اور پوشیدہ طور پر اس کو مدد کرتا ہے۔ ستر (۷۰) دن میں چار جزو کی کتاب لکھنا یا لکھوانا اگر معجزہ ہے تو باوجود قلت علم کے اس زمانے میں بھی ایسے معجزات بکثرت ظاہر ہو سکتے ہیں۔ اگر مرزا صاحب کسی ادیب کے سامنے بیٹھ کر قلم برداشتہ کوئی کتاب لکھ دیں تو بھی وہ معجزہ نہیں ہو سکتا کیونکہ منشی ایسے کام کیا ہی کرتے ہیں چہ جائیکہ اتنی مدت میں ایک چھوٹا سا رسالہ لکھا جائے اور اس میں دوسرے کی مدد کا گمان بھی ہو تو وہ کیونکر معجزہ سمجھا جائے۔ اگر مرزا صاحب کوئی اعلان جاری فرمائیں کہ اتنی ہی بڑی مسجع کتاب کوئی لکھ دے تو میں نبوت کے دعوے سے توبہ کرتا ہوں تو ملاحظہ فرمالیں کہ کتنے رسالے شائع ہوجاتے ہیں۔ مرزا صاحب نے ستر (۷۰) دن کی مہلت اس چار جزو کے رسالے کے واسطے جو قرار دی تھی اور مقابلہ کے لئے شاہ صاحب وغیرہ کو بلوایا تھا اس سے ظاہر ہے کہ طبیعت آزمائی اور لیاقت نمائی اس سے مقصود تھی کیونکہ سجعوں کی تلاش اور تک بندی وغیرہ کے لئے کتب لغت وغیرہ کی مراجعت ضرور ہے اور اگر شاہ صاحب نے فی الواقع باوجود اقرار کے اس مدت میں کوئی کتاب نہیں لکھی تو بیشک مرزا صاحب کی ذکاوت طبع اور ممارست فن ادب ان سے زیادہ ثابت ہوگی، مگر اس سے نبوت کا ثبوت محال ہے۔ عبارت میں تکلف سے سجعوں کا فراہم کرنا اور صنائع وبدائع کا التزام زائد از ضرورت ہے جو صرف طبیعت آزمائی اور لیاقت نمائی کی غرض سے ہوا کرتا ہے، نبوت سے اس کو کچھ تعلق نہیں بلکہ ایسے تکلفات مذموم سمجھے جاتے ہیں۔ بخاری شریف صفحہ ۸۵۷ میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا **کیف اعزم یارسول اللہ من لاشرب ولااکل ولانطق ولا استھل فمثل ذلک بطل** حضرت نے فرمایا **انما ھذا من اخوان الکھان** یعنی یہ

تو کاہنوں کا بھائی ہے۔ چونکہ اعجاز المسیح میں اس کا التزام کیا ہے تو اس سے ظاہر ہے کہ ان کو اظہار لیاقت مقصود ہے۔ اس مقام میں مخالف فیضی کی تفسیر کو ضرور پیش کرے گا جس کی نسبت مرزا صاحب نے براہین احمدیہ صفحہ ۲۴۷ میں لکھا ہے کہ بے نقط عبارتوں کا لکھنا نہایت سہل اور آسان ہے اور کوئی ایسی صنعت نہیں ہے جس کا انجام دینا انسان پر سخت مشکل ہوا ہے اسی وجہ سے بہت سے منشیوں نے اپنے عربی اور فارسی املا میں اس قسم کی بے نقط عبارتیں لکھی ہیں اور اب بھی لکھتے ہیں بلکہ بعض منشیوں کی ایسی عبارتیں موجود ہیں جن کے تمام حروف نقطہ دار ہیں اور کوئی بے نقطہ حرف ان میں داخل نہیں انتہی۔

جب ذکاوت طبع ہی دکھانا منظور تھا تو کاش ایسی تفسیر لکھ دیتے جس میں تمام حروف نقطہ دار ہوں جس سے مرزا صاحب کی ذکاوت کا حال بھی معلوم ہو جاتا کہ فیضی کے برابر ہے یا زائد۔ اور تمام مخالفین مان لیتے کہ مرزا صاحب ہمارے زمانے میں فخر روزگار ہیں اس موقع میں ہم فیضی کو ضرور قابل تحسین کہیں گے کہ باوجودیکہ پورے قرآن کی ایسی تفسیر لکھی مگر نہ دعویٰ نبوت کیا، نہ اس کو معجزہ قرار دیا۔ اور مرزا صاحب چار ہی جزو کا رسالہ اور وہ بھی ایسا کہ تقریباً نصف میں تو سب وشتم اور مدح وذم وخودستائی وغیرہ معمولی باتیں ہیں اور باقی نصف میں اکثر عیسویت سے متعلق مباحث ہیں جو ایک زمانے کی مشاقی اور مزاولت وممارست سے مرزا صاحب کو حفظ ہیں، ستر (۷۰) دن میں لکھ کر اس کو معجزہ قرار دیتے ہیں، یہ زمانے کے انقلاب کا اثر ہے اگر مرزا صاحب کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ رسالہ الہام سے لکھا گیا ہے جیسا کہ اس عبارت اشتہار سے ظاہر ہے۔ کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ حقیقت میں ایک اور ہے جو مجھے مدد دیتا ہے لیکن وہ انسان نہیں بلکہ وہی قادر وتوانا ہے جس کے آستانے پر ہمارا سر ہے۔ اس صورت میں مرزا صاحب کے غلبہ کی آسان تدبیر یہ تھی کہ شاہ صاحب کو لکھ بھیجتے کہ آپ مع چند علماء اور ہم کسی جگہ جمع ہوں پھر آپ جس سورۃ کی تفسیر

چاہیں لکھنے کی فرمائش کردیں ہم بلا تکلف مسجع اور بلیغ وفصیح الہامی عبارت متصل کہتے جائیں گے اور آپ لکھ لیا کریں۔ پھر جب مرزا صاحب اسی طرح عبارت لکھوا دیتے تو کسی کو کلام کی گنجائش ہی نہ رہتی اور ایک ہی جلسے میں فیصلہ ہو جاتا اور ممکن ہے کہ اب بھی یہی تدبیر فرمائیں کیونکہ خدا کی مدد تو ابھی منقطع نہ ہوئی ہوگی۔

مگر یاد رہے کہ انشا پردازی کیسی ہی بلاغت وفصاحت کے ساتھ بے نقط کیوں نہ ہو اگر اعلیٰ درجے تک ترقی کر جائے تو بھی متنبی بنا سکتی ہے۔ نبی نہیں بنا سکتی۔ کیونکہ رسول کے ساتھ نشانی ایسی ہونی چاہیے کہ اس کو بھیجنے والے کے ساتھ خصوصیت ہوتا کہ پرسش کے وقت کسی کو اس عذر کا موقع نہ ملے کہ الٰہی وہ نشانی جو ہمیں دکھلائی گئی تھی وہ تو ہم جیسے ہی آدمی نے اپنی عقل سے بنالی تھی کوئی بات مافوق العادت نہ تھی جو انسان کی قدرت سے خارج ہو۔

نشانی طلب کرنا انسان کے جبلت میں داخل ہے اسی وجہ سے جب کبھی خدائے تعالیٰ نے کسی قوم میں رسول بھیجا اس کے ساتھ کوئی نشانی بھی ایسی دی جس سے پوری حجت قائم ہو جاتی تھی اور نہ ماننے والوں پر عذاب نازل ہوتا۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ذَالِکَ بِاَنَّھُمْ کَانَتْ تَاتِیْھِمْ رُسُلُھُمْ بِالْبَیِّنَاتِ فَکَفَرُوْا فَاَخَذَھُمُ اللہُ اِنَّہٗ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ** یعنی ان لوگوں کو رسولوں نے کھلی کھلی نشانیاں دکھلائیں۔ پھر جب انہوں نے نہ مانا تو اللہ نے ان کو پکڑا اور اللہ قوی اور شدید العقاب ہے

اب دیکھئے کہ جن نشانیوں کے قبول نہ کرنے پر سخت مواخذہ ہو وہ کیسی کھلی خوارق العادات ہونی چاہئیں جس میں کسی قسم کی جعلسازی کا اشتباہ نہ ہو اسی وجہ سے حق تعالیٰ رسولوں کو بھیجنے سے پہلے ان کو نشانیاں دیا کرتا تھا چنانچہ اس آیت سے ظاہر ہے۔ **اِذْھَبْ اَنْتَ وَاَخُوْکَ بِاٰیَاتِیْ** یعنی اے موسیٰ تم اور تمہارے بھائی میری نشانیاں لے کر فرعون کی طرف جاؤ۔ اور ان نشانیوں یعنی عصا اور ید بیضا کا امتحان پہلے ہی کرا دیا گیا جیسا کہ قرآن

شریف میں مذکور ہے پھر جب فرعون کے پاس وہ گئے تو پہلے یہی کہا کہ ہم خدا کے بھیجے ہوئے اس کی نشانیاں لے کر تیرے پاس آئے ہیں کما قال تعالیٰ **قَدْ جِئْنَا کَ بِاٰیَۃٍ مِنْ رَّبِّکَ**۔ اور آخر یہی نشانیاں دیکھ کر ہزارہا جادوگر وغیرہ مسلمان ہوگئے اور جان کی کچھ پروانہ کی جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **قَالُوْا لَنْ نُّوْثِرَکَ عَلٰی مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَیِّنَاتِ وَالَّذِیْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَا اَنْتَ قَاضٍ** نشانیاں اس قوت کی ہوتی ہیں کہ ایک ہی جلسہ میں اجنبیوں کو ایسے مسخر کر لیا کہ جان دینے پر مستعد ہوگئے اور کل انبیاء کی نشانیاں ایسی ہی ہوا کیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **فَلَمَّا جَآئَتْهُمْ آیَاتُنَا مُبْصِرَۃً قالوا ھٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا**۔ یعنی جب ان کے پاس ہماری نشانیاں آئیں آنکھیں کھول دینے والی تو لگے کہنے یہ تو صریح جادو ہے اور باوجود یکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے مگر انہوں نے ظلم اور شیخی سے ان کو نہ مانا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر چہ نشانیاں دیکھ کر کفار انکار تو کرتے تھے مگر ان کے دل ان کی منجانب اللہ ہونے کا یقین کر لیتے تھے اور ظاہر ہے کہ جب تک وہ نشانیاں قدرت بشری سے خارج نہ ہوں کبھی اس قسم کا یقین نہیں ہوسکتا اسی وجہ سے جہاں لفظ آیات کا استعمال قرآن شریف میں ہوا ہے ایسی ہی چیزوں میں ہوا جو قدرت بشری سے خارج ہیں۔ مثلاً قولہ تعالیٰ **وَمِنْ اٰیَاتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ والشَّمْسُ وَالْقَمَرُ** وقولہ تعالیٰ **وَمِنْ اٰیَاتِهٖ یُرِیْکُمُ الْبَرْقَ** وقولہ تعالیٰ **وَمِنْ اٰیَاتِهٖ اَنْ یُّرْسِلَ الرِّیَاحَ** وغیر ذلک۔ ہر چند یہ نشانیاں خاص قدرت الٰہی پر دال ہیں اور انبیاء سے متعلق نشانیاں ان کی نبوت پر دال تھیں لیکن حق تعالیٰ نے ان دونوں قسموں پر آیات ہی کا اطلاق فرمایا اس لئے کہ دونوں کا صدور خاص قدرت الٰہی سے متعلق ہے اسی وجہ سے کل آیات کا انکار قدرت الٰہی کے انکار کو مستلزم ہے۔ اور عموماً آیات میں جھگڑنے والوں کی شان میں حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَمَا یُجَادِلُ فِیْ آیَاتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا** یعنی اللہ

کی نشانیوں میں وہی لوگ جھگڑتے ہیں جو کافر ہیں وقال تعالیٰ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰهُمْ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ یعنی ایسا ہی گمراہ کرتا ہے اللہ ان لوگوں کو جو حد سے بڑھے ہوئے ہیں اور شک میں پڑے ہوئے ہیں اور بغیر سند کے اللہ کی نشانیوں میں جھگڑتے ہیں ان کو بڑی بیزاری ہے اللہ کے ہاں اور ایمانداروں کے ہاں۔ اسی طرح مہر کرتا ہے اللہ ہر متکبر سرکش کے دل پر۔ یہ بات یاد رہے کہ مرزا صاحب نشانیوں کے باب میں جو جھگڑتے ہیں ان کے پاس بھی کوئی سند نہیں۔ کیا ممکن ہے کہ حوض کا قصہ قرآن کے مقابلے میں سند بن سکے ہرگز نہیں۔ اور حق تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰهُمْ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ یعنی جن لوگوں کے پاس کوئی سند تو نہیں اور ناحق خدا کی نشانیوں میں جھگڑے نکالتے ہیں ان کے دلوں میں تو بس بڑائی کی ایک ایسی ہی ہوس سمائی ہے کہ وہ اپنی اس مراد کو کبھی پہنچنے والے نہیں۔ ان لوگوں کی شرارتوں سے خدا کی پناہ مانگتے رہو۔ بیشک وہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے۔

مرزا صاحب میں ایسی بڑائی کی ہوس سمائی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے برابر کسی طرح بن جائیں مسیحائی کے درجے تک تو ترقی ممکن نہیں اس لئے ان کی تنقیص میں اپنا یہ مقصود حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اور حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ یعنی اور جس دن گھیر بلائیں گے ہم فرقے سے ایک گروہ کو جو جھٹلاتے تھے ہماری نشانیاں پھر ان کی مثلیں بنائی جائیں گے یہاں تک کہ جب وہ خدا کے روبرو حاضر ہوں گے تو خدا ان سے پوچھے گا کہ باوجودیکہ تم نے ہماری نشانیوں کو اچھی طرح سمجھا بھی نہ تھا کیا تم نے ان کو بے سمجھے جھٹلایا یا اور کیا کرتے رہے۔

اس میں شک نہیں کہ مرزا صاحب نے نشانیوں کی حقیقت سمجھی نہیں جب ہی تو انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے خوارق عادات کا انکار ہی کر دیا۔ اور حق تعالیٰ فرماتا ہے **وَالَّذِیْنَ یَسْعَوْنَ فِیْ اٰیٰتِنَا مُعَاجِزِیْنَ اُولٰٓئِکَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ** یعنی جو لوگ مخاصمانہ ہماری نشانیوں کے توڑنے کے پیچھے پڑے رہتے ہیں وہ عذاب میں رکھے جائیں گے۔ ازالۃ الاوہام کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ مرزا صاحب آیتوں کے توڑنے کے کیسے پیچھے پڑ گئے ہیں گویا انہوں نے اپنا کمال اسی میں سمجھ رکھا ہے۔ یہ نشانیوں میں جھگڑنے والوں کی خرابیاں تھیں جن کو مرزا صاحب بھی قرآن میں پڑھتے ہوں گے مگر کچھ پروا نہیں کرتے اور جو لوگ ان پر ایمان لاتے ہیں ان کے لئے کیسی کیسی خوشخبریاں اور بشارتیں ہیں کہ نہ قیامت میں ان کو خوف ہوگا، نہ غم۔ بلکہ اپنی بیبیوں کے ساتھ جنت میں جا کر اعلیٰ درجے کے عیش میں ہمیشہ رہیں گے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **یَا عِبَادِ لَاخَوْفٌ عَلَیْکُمُ الیوم وَلَا اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ الَّذِیْنَ آمَنُوْا بِآیَاتِنَا وَکَانُوْا مُسْلِمِیْنَ اُدْخُلُوْا الجَنَّۃَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ تُحْبَرُوْنَ یُطَافُ علیهم بِصِحَافٍ مِنْ ذَھَبٍ وَّاَکْوَابٍ وَفِیْھَا مَاتَشْتَھِیْہِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْیُنُ وَاَنْتُمْ فِیْھَا خَالِدُوْنَ**۔ اب ہر شخص مختار ہے چاہے ایمان لا کر یہ دولت بے زوال حاصل کرے یا جھگڑے کر کے وہ عذاب و نکال۔ حق تعالیٰ صاف فرماتا ہے **فَمَنْ شَاءَ فَلْیُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْیَکْفُرْ**۔

اگر اللہ تعالیٰ کسی کو رسول بنا کر بھیجے اور نشانی دکھلانا اسی کے ذمہ کر دے کہ تو ہی اپنی عقل سے کوئی بات بنالے میں اپنی خاص قدرتی کوئی نشانی تجھے نہ دوں گا تو رسول کو عرض کرنے کا حق ہوگا کہ الٰہی کوئی بات عقل سے میں بنالوں تو آخر ان میں بھی عقلمند لوگ ہیں اگر بھید کھل جائے ویسی ہی عقلی بات کوئی دوسرا بنا کر پیش کر دے تو صرف میری رسوائی نہ ہوگی بلکہ تیری قدرت پر بھی الزام آئیگا کہ کیا خدا کوئی ایسی نشانی نہیں دکھلا سکتا تھا کہ آدمی کی قدرت سے خارج ہو اس سے تو رسالت کا مقصود ہی فوت ہو جائے گا۔

اب ہمارے نبی کریم ﷺ کے معجزات پر غور کیا جائے کہ ان کی کیسی کیسی کھلی قدرت کی نشانیاں تھیں کہ عقل کے وہاں پر جلتے ہیں جمادات نباتات حیوانات میں بلکہ عالم علوی تک تصرف کر دکھایا کہ ایک اشارے سے قمر کو شق فرما دیا۔ کیا ممکن ہے کہ ایسی نشانیوں پر کوئی یہ الزام لگا سکے کہ حضرت نے اپنی عقل سے کام لیا تھا۔ جب ایسی ایسی خارق العادات کھلی کھلی قدرتی نشانیاں دیکھ کر بھی پھر اور نشانیاں کفار نے طلب کیں تو حکم الٰہی ہو گیا کہ بس اب ان سے کہہ دیا جائے کہ جو نشانیاں دی گئی تھیں وہ میں نے تمہیں دکھلا دیں مجھے کوئی ضرورت نہیں کہ تمہاری منہ بولی نشانیاں بھی دکھلایا کروں۔ البتہ ان کو اس قدر حق تھا کہ انصاف کی رو سے یہ شبہ پیش کرتے کہ جتنی نشانیاں دکھلائیں گئیں ان کے آسمانی ہونے میں تامل ہے مگر ممکن نہ تھا کہ اس قسم کا شبہ پیش کر سکتے۔ ہاں بے ایمانی اور قصور عقل سے ساحر اور شاعر کہتے تھے اس لئے کہ ان کی طبیعتوں میں متمکن تھا کہ جو خلاف عقل کام ہو وہ سحر ہے چنانچہ جب ان سے قیامت کا حال بیان کیا جاتا کہ تم مر کر پھر اٹھو گے تو یہی کہتے کہ یہ تو کھلے طور پر سحر ہے کما قال **وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَبْعُوْثُوْنَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ**۔ مگر یہ دعویٰ اس وقت قابل التفات ہوتا کہ کسی ساحر کو نظیراً پیش کر دیتے کہ شق القمر وغیرہ مافوق العادت کام اس نے کیا تھا یا کوئی ایسی کتاب پیش کر دیتے کہ فصاحت و بلاغت میں قرآن سے بڑھ کر یا برابر ہے۔ غرض صدہا خارق العادت نشانیاں دکھلانے کے بعد حضرت کو کوئی ضرورت نہ تھی کہ ان کی فرمائشی نشانیاں بھی پیش کرتے۔

ہاں اس میں شک نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے معجزات وفات شریف تک جاری رہے بلکہ اب تک جاری ہیں مگر وہ کفار کے مقابلے میں اور بر سبیل تحدی نہ تھے چونکہ حضرت کو تصرف فی الاکوان حاصل تھا جس چیز سے چاہتے ایسا کام لیتے جیسے خدمتگاروں سے لیا جاتا ہے۔ مثلاً جب میدان میں حاجت بشری کا تقاضا ہوتا تو درختوں کو کہلا بھیجتے وہ باہم مل کر مثل بیت الخلاء کے ہو جاتے، اسی طرح جب پانی کی ضرورت ہوتی تو خشک کنوئیں کو حکم

ہو جاتا فوراً اس سے پانی اُبلنے لگتا اور اس قسم کے صدہا بلکہ ہزارہا معجزے متصل وقوع میں آتے جن میں نہ کسی کا مقابلہ پیش نظر ہوتا، نہ تحدی۔ چونکہ ان میں تحدی مقصود نہ تھی اس لئے بعضوں نے ان خوارق کا نام معجزہ ہی نہیں رکھا کیونکہ یہ امور حضرت کے حق میں ایسے معمولی تصرفات تھے جیسے ہمارے تصرفات اپنے اعضاء و جوارح میں ہوتے ہیں چنانچہ حکماء بھی اس بات کے قائل ہیں۔ جیسا کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اشارات کے نمط تاسع میں لکھا ہے **والنبی متمیز باستحقاق الطاعة لاختصاصه بالآيات تدل علی انها من عند ربه** یعنی کمالات ذاتیہ کی وجہ سے نبی کو استحقاق حاصل ہوتا ہے کہ لوگ اس کی اطاعت کریں جس کی وجہ سے وہ تمام عالم میں ممتاز ہوتا ہے اس لئے کہ جو نشانیاں اس کو دی جاتی ہیں وہ یقیناً دلالت کرتی ہیں کہ اللہ کی طرف سے ہیں اور وہ نشانیاں اسی کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہیں کوئی دوسرا وہ نشانیاں نہیں دکھلا سکتا انتہی۔ اور نیز شیخ نے اشارات کے نمط عاشر میں لکھا ہے **ولایستبعد ان یکون لبعض النفوس ملکة یتعدی تاثیرها بدنها او یکون لقوتها کانها نفس نا طقة للعالم** یعنی عقلاً یہ بعید نہیں کہ بعض نفوس کو ایسا ملکہ اور قوت حاصل ہو کہ بدن سے متجاوز ہو کر دوسری اشیاء پر اس کا اثر پڑے یا وہ نفس کمال قوت کی وجہ سے یہ درجہ رکھتا ہو کہ گویا تمام عالم کا نفس ناطقہ ہے اور اس میں ایسا متصرف ہے جیسے دوسرے نفوس اپنے ابدان متعلقہ میں تصرف کرتے ہیں۔

یہاں مرزا صاحب ضرور اعتراض کریں گے کہ یہ عقیدہ شرک فی التصرف ہے جیسا کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے معجزۂ خلق طیر وغیرہ میں کہا تھا مگر اس کا جواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے بعض صفات مختصہ اپنے بندوں کو بھی عطا کئے ہیں جیسا کہ سمع، بصر، علم، قدرت، ارادہ وغیرہ گویا صفات حق تعالیٰ میں علی وجہ الکمال اور اصالۃً ہیں اور بندوں میں ناقص طور پر۔ لیکن عطائے الٰہی ہونے کی وجہ سے آخر بندہ بھی سمیع و بصیر وغیرہ کہلاتا ہے پھر ان

میں بھی باہم تفاوت ہے مثلاً کوئی بہت دور سے باریک چیز کو صاف دیکھتا ہے اور کوئی نزدیک سے موٹی چیز کو بھی پورے طور پر نہیں دیکھ سکتا، مگر بصیر دونوں کو کہیں گے۔ اسی طرح ہر شخص کو کچھ نہ کچھ تصرف بھی دیا گیا ہے کسی کو اپنے گھر پر، کسی کو محلے پر، کسی کو شہر پر، کسی کو ملک واقلیم پر، پھر تصرف بھی اقسام کے ہیں کوئی اقلیم میں ایسا تصرف کرتا ہے جو دوسرا اپنے گھر میں بھی نہیں کرسکتا۔ پھر جیسے حکام ظاہر پر تصرف کرتے ہیں اسی طرح طبیب اور عامل آدمی کے باطن میں تصرف کرتے ہیں جس کے آثار ظاہر جسم پر نمایاں ہوتے ہیں۔ اسی طرح مسمریزم والا ارواح پر ایسا تصرف کرتا ہے کہ شخص معمول غیب کی خبریں دینے لگتا ہے اور ساحر ارواح خبیثہ پر تصرف کرکے نادر امور ظاہر کرتا ہے جو ان ارواح کے تحتِ تصرف ہیں۔ غرض حق تعالیٰ نے جس کو جس قدر قوت تصرف عطا کی ہے وہ اپنے مقدورات میں اس کو پورے استعمال کرتا ہے اگر اختیاری تصرف مطلقاً شرک ہو تو کوئی شخص اس قسم کے شرک سے بچ نہ سکے گا۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ مخلوق کے کل تصرفات کا مدار حق تعالیٰ کی خلق پر ہے۔ ممکن نہیں کہ کوئی شخص اپنے تصرف سے کوئی چیز یا کوئی اثر پیدا کرلے لیکن غایۃ الامر یہ ہے کہ عادت کی وجہ سے آدمی اپنا تصرف خیال کرتا ہے حالانکہ درحقیقت وہ بھی تصرف الٰہی ہے۔ اس صورت میں کیسا ہی خارق العادت تصرف فرض کیا جائے وہ تصرف الٰہی سے خارج نہیں ہوسکتا بلکہ معمولی تصرفات مخلوق جب تصرف الٰہی سمجھے جائیں تو خارق العادت تصرف بطریق اولیٰ تصرف الٰہی سمجھا جائے گا۔ غرض مسلمانوں کے عقیدے میں جب یہ توحید جمی ہوئی ہے تو ان کے پاس شرک آنے ہی نہیں پاتا البتہ جو لوگ مخلوق کو مستقل فی التصرف سمجھتے ہیں ان کے مشرک ہونے کے لئے خارق العادت تصرف کی کوئی ضرورت نہیں روزمرہ معمولی تصرفات ہی ان کو مشرک بنانے کے لئے کافی ہے۔

اب ہم اس تصرف کا حال کسی قدر بیان کرتے ہیں جس کو ہر شخص اپنے وجدان سے اپنی طرف منسوب کرتا ہے اور یقیناً سمجھتا ہے کہ یہ کام میں نے اپنے ارادے اور قدرت سے کیا۔ یہ بات ظاہر ہے کہ جب آدمی کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو پہلے اس کام کا خیال آتا ہے جس کو ''ہاجس'' کہتے ہیں۔ قبل اس خیال کے آدمی اس سے غافل رہتا ہے یعنی اس خیال کے آنے سے پہلے آدمی میں وہ خیال نہیں ہوسکتا۔ ورنہ **تقدم الشئ علی نفسه** لازم آئے گا، جو محال ہے۔ بسا اوقات آدمی کسی کام میں مشغول رہتا ہے بلکہ چاہتا ہے کہ کوئی خیال نہ آئے مگر وہ تو آ ہی جاتا ہے اور خبر تک نہیں ہوتی کہ کیونکر آ گیا پھر جب وہ نیا خیال آتا ہے تو پہلے سے جو خیال دل میں موجود رہتا ہے اس کو ہٹا کر آپ اس کی جگہ قائم ہو جاتا ہے اگرچہ کبھی اس خیال کے اسباب ظاہراً موجود ہوتے ہیں مثلاً کسی چیز کو دیکھنا یا سننا وغیرہ مگر وہ خیال تو آخر عدم ہی سے وجود میں آ کر نہاں خانۂ دل میں جلوہ گر ہوتا ہے یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ وجود سے وجود میں آیا، جو تحصیل حاصل اور محال ہے۔ پھر اس معدوم کو وجود دینا نہ شرعاً مخلوق سے ہوسکتا ہے، نہ عقلاً۔ اگر اس ''ہاجس'' کا وجود آدمی کے اختیار میں ہو تو اول یہ لازم آئے گا کہ انسان بھی کسی معدوم شے کو پیدا کرتا ہے حالانکہ وہ بدیہی البطلان ہے اور قطع نظر اس کے اگر وہ اختیاری ہو تو ہر فعل اختیاری کے وجود سے پہلے اس کا علم پھر ایجاد کا ارادہ پھر عزم شرط ہے حالانکہ ابھی معلوم ہوا کہ وہ یکا یک عدم سے وجود میں آتا ہے اور اگر اس کا علم و ارادہ پہلے سے موجود ہو تو ہمیں بھی یہی کلام ہوگا کہ ان کا وجود ابتداءً ہوا یا ان کا بھی پہلے سے علم وغیرہ تھا یہاں تک کہ امور موجودہ واقعیہ میں تسلسل لازم آئے گا، جو باطل ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ اس صورت خیالیہ کا وجود آدمی کے اقتدار و اختیار سے خارج اور خاص موجد حقیقی کے اختیار میں ہے جس نے اس کو وجود عطا کر کے آدمی کے دل میں جگہ دی اور اس کے تو حکماء بھی قائل ہیں کہ موثر حقیقی تمام اشیاء میں حق تعالیٰ ہے۔ جیسا کہ علامہ صدر الدین

شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے اسفار اربعہ میں لکھا ہے **وقول المحققین منهم ان المؤثر فی الجمیع هو الله بالحقیقة۔**

الحاصل بدلائل یہ ثابت ہے کہ جو خیال آدمی کو آتا ہے اس کا خالق حق تعالیٰ ہی ہے۔ اس سے بڑھ کر کیا ہو کہ خود حق تعالیٰ فرماتا ہے **وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ**. یعنی خواہ تم آہستہ کوئی بات کہو یا بآواز بلند خدائے تعالیٰ تو اس بات کو بھی جانتا ہے جو سینوں میں چھپی ہوتی ہے۔ کیا ممکن ہے کہ جس نے اس کو پیدا کیا وہ نہ جانے۔ اس سے ثابت ہے کہ دل میں بات کا پیدا کرنا خدا ہی کا کام ہے۔ مولانائے روم فرماتے ہیں۔

ہمچنان کز پردۂ دل بے کلال — دمبدم دری رسد خیل خیال

گر نہ تصویرات از یک مغرس اند — رپئے ہم سوئے دل چون میرسند

پھر اس خیال کا باقی رکھنا بھی حق تعالیٰ ہی کا کام ہے۔ ممکن تھا کہ جیسے اس "ہاجس" کو خیال سابق کی جگہ قائم کیا تھا اس کی جگہ دوسرے خیال کو قائم کر دیتا پھر احدالجانبین کی ترجیح بھی منجانب اللہ ہی ہے اس لئے کہ حدیث نفس کے وقت جو منافع ومضار کی وجہ سے تردد تھا اس کا منشا "ہم" و "عزم" کی حالت میں بھی موجود ہے، باوجود اس کے عزم کی کیفیت جدیدہ کا ابتداءً موجود ہونا بغیر موجد کے ممکن نہیں۔ غرض خیال کے ابتدائی وجود سے آخری درجہ عزم تک جتنے مدارج ہیں یعنی ہاجس، خاطر، حدیث نفس، ہم اور عزم سب بخلق الٰہی ہیں کسی درجے میں آدمی کے فعل کو دخل تام نہیں۔ پھر عزم سے متصل فعل شروع ہوتا ہے اس کی کیفیت حکماء کے نزدیک یہ ہے جس کو شیخ نے قانون میں لکھا ہے کہ حرکت ارادی جو اعضاء سے متعلق ہے اس کی تکمیل اس قوت سے ہوتی ہے جو دماغ سے بواسطۂ اعصاب اعضاء میں پہنچتی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ عضلات جو اعصاب

ورباطات وغیرہ پر مشتمل ہیں جب سمٹ جاتے ہیں تو وتر (جو رباطات واعصاب سے ملتئم اور اعضاء میں نفوذ کیے ہوئے ہے) کھینچ جاتا ہے جس سے عضو کھینچ جاتا ہے اور جب عضلہ منبسط ہوتا ہے تو وتر ڈھیلا ہو جاتا ہے اور عضو دور ہو جاتا ہے اس تقریر سے معلوم ہوا کہ جب نفس کسی ادراک کے بعد کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو عضلات کو کشش وغیرہ دے کر کسی خاص وتر کے ذریعے سے جس عضو کو چاہتا ہے ایک خاص طور پر حرکت دیتا ہے۔

حکماء نے تصریح کردی ہے کہ عضلات آدمی کے جسم میں پانسوانتیس (۵۲۹) ہیں اور اعصاب ستتر (۷۷) ہیں۔ یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ نفس کو سر سے پاؤں تک جس عضو کو حرکت دینی ہو پانسوانتیس (۵۲۹) عضلات اور ستتر (۷۷) اعصاب سے اس عضلہ اور اس عصب وغیرہ کو پہلے معین کرلے جو اس مقصود بالحرکت عضو سے متعلق ہے کیونکہ جب تک وہ خاص عضلہ اور عصب وغیرہ معین نہو اور کیف ما اتفق حرکت دے تو بارہا ایسا اتفاق ہوگا کہ ہاتھ کو حرکت دینا چاہیں تو کبھی پاؤں کبھی آنکھ وغیرہ حرکت کرنے لگیں گی اور عضلات واعصاب وغیرہ کا معین کرنا اس بات پر موقوف ہے کہ پہلے تمام عضلات واعصاب وغیرہ کو معین طور پر جان لے کہ فلاں عصب اور وتر فلاں مقام سے جدا ہو کر فلاں انگلی تک مثلاً پہنچا ہے۔ اس کی مثال بعینہ ایسی ہے کہ جہاں کئی ایک تار اکٹھا ہوتے ہیں تو ان تمام تاروں میں سے اس تار کو معین کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جو اس مقام سے مختص ہو جہاں خبر بھیجی جاتی ہے اس موقع میں عقلاً جس عضو کو چاہیں بکرات ومرات حرکت دے کر غور وتعمق نظر سے کام لے کر اپنے وجدان کی طرف رجوع کریں کہ اس اختیاری حرکت کے وقت کوئی عضلہ یا وتر یا عصب کی طرف اپنے نفس کو توجہ بھی ہوتی ہے یا اندر کوئی عضلہ یا وتر وغیرہ بھی وجدان سے دکھائی دیتا ہے یا یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم کسی چیز کو کھینچتے ہیں جس سے وہ عضو کھینچتا ہے ہم یقیناً کہتے ہیں کہ کوئی ان امور کی خبر اپنے وجدان سے ہرگز دے نہیں سکتا

اور ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ کسی کو اس کی بھی خبر نہیں کہ اعصاب وغیرہ کو حرکت میں دخل بھی ہے یا نہیں۔ ہاں اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم فلاں عضو کو حرکت دینا چاہتے ہیں پھر ہوتا یہ ہے کہ ادھر خاص قسم کی توجہ ہوئی اور ادھر اس کو حرکت ہوگئی۔ یہاں یہ کہنا بے موقع نہ ہوگا کہ عضلہ وغیرہ کو حرکت دینا بھی ہمارے اختیار سے خارج ہے کیونکہ اختیاری حرکت ہوتی تو اس کا علم اور ارادہ ہوتا ہے اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ عضو کی حرکت کا ارادہ بعینہٖ عضلہ وغیرہ کی حرکت کا ارادہ ہے اس لئے کہ جب ہمارے وجدان ہی میں نہیں کہ عضلہ وغیرہ کوئی چیز بھی ہے تو پھر یہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ اس کی حرکت کا ارادہ ہوا پھر جب بحسب تحقیق اطباء یہ ثابت ہے کہ بغیر عضلات وغیرہ کی حرکت کے کوئی عضو حرکت نہیں کر سکتا تو ضرور ہوا کہ وہی ملتفت الیہ بالذات ہوں گو مقصود بالذات ان کی حرکت نہ ہو حالانکہ ملتفت الیہ بالذات بھی عضو ہی کی حرکت ہے یہ عموماً اعضاء کی حرکت اور افعال کا حال تھا۔ اب آنکھوں کے فعل کا حال سنئے کہ دیکھنے کے وقت حدقوں کو ایک مناسبت کے ساتھ پھیرنے کی ضرورت ہوتی ہے اس وجہ سے کہ جب تک خطوط شعاعی دونوں آنکھوں کے مرئی پر ایسے طور پر نہ ڈالے جائیں کہ جن کے باہم ملنے سے وہاں زاویہ پیدا ہو وہ شے ایک نظر نہ آئے گی کیونکہ ہر ایک آنکھ مستقل طور پر دیکھتی ہے اسی وجہ سے احول دو دیکھتا ہے پھر دونوں خط کے ملنے سے شے مرئی پر جو زاویہ پیدا ہوتا ہے جس قدر کشادہ ہوگا مرئی بڑی نظر آئے گی اور جس قدر تنگ ہوگا چھوٹی نظر آئے گی اسی وجہ سے ہر چیز نزدیک سے بڑی اور دور سے چھوٹی نظر آتی ہے اس کی تفصیل ہم نے "کتاب العقل" میں کسی قدر شرح وبسط سے لکھی ہے یہاں صرف اسی قدر بیان کرنے کی ضرورت ہے کہ جب مرئی کے ایک نظر آنے کا مدار خطوط شعاعی کے ملنے پر ہے تو مرئی جس قدر دور یا نزدیک ہوتے جائیگی حدقہ کی وضع بدلتی جائے گی یہاں تک کہ جب وہ بہت ہی نزدیک ہوجائے گی تو حدقہ ناک کی جانب قریب ہوجائیں گے اور بہت دور ہو تو کانوں کی

جانب مائل ہوں گے۔ اب ہم دیکھنے والوں سے پوچھتے ہیں کہ ہر ایک گز یا ہاتھ کے فاصلے پر حدقے کو کس قدر مائل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اس کو اپنے وجدان میں سوچیں اور اگر وجدان یاری نہ دے تو کسی حکیم کی تقریر سے ثابت کریں کہ اس قدر فاصلے پر کوئی چیز ہو تو حدقوں کو اس وضع پر رکھنا چاہیے اور اس قدر فاصلے پر اتنی حرکت دینی چاہیے یہ بات یاد رہے کہ کوئی حکیم اس کا اندازہ ہرگز نہیں بتا سکتا۔ حالانکہ ہم جب کسی چیز کو دیکھنا چاہتے ہیں تو بغیر اس کے کہ ہم کو اس کا طریقہ معلوم ہو یہ سب کچھ ہو جاتا ہے ادھر ہماری خاص توجہ ہوئی ادھر حدقوں نے اپنے موقع پر آ کر شست جمالی اور ہم کو خبر بھی نہ ہوئی کہ یہ کام کس نے کیا۔ علیٰ ہذا القیاس۔ بات کرنے کے وقت حلق زبان وغیرہ کے عضلات کو کھینچنا اور ڈھیلے چھوڑنا اور مخرج پر جلد جلد لگانا بغیر اس علم کے کہ کہاں کون عضلہ کھینچا جاتا ہے اور ڈھیلا چھوڑا جاتا ہے اس پر دلیل واضح ہے کہ ہمارے اختیار کو اس میں کچھ دخل نہیں ادھر بات کی طرف توجہ خاص ہوئی اور ادھر زبان کی حرکت اور موقع موقع پر جہاں لگنا ہے شروع ہو گیا اگر کہا جائے کہ یہ افعال طبیعت سے صادر ہوتے ہیں تو ہم کہیں گے کہ حکماء نے اس کی بھی تصریح کر دی ہے کہ طبیعت محض بے شعور ہے پھر اس کو یہ خبر کیونکر ہوتی ہے کہ نفس فلاں قسم کا کام کرنا چاہتا ہے اور فلاں چیز کو دیکھنا چاہتا ہے اور وہ چیز اس قدر فاصلے پر ہے اور نفس نے فلاں عبارت کو پڑھنا چاہا اور اگر نفس طبیعت کو یہ سب بتا دیتا ہے تو اول تو یہ خلاف وجدان ہے اور اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے تو خلاف تحقیق حکماء ہے۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک نفس جزئیات مادیہ کا ادراک نہیں کر سکتا اور جتنے عضلات اور اوتار وغیرہ ہیں سب جزئیات مادیہ ہیں پھر ان مادیات کا ادراک اس کو کیونکر ہو سکتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ آدمی کی قدرت یہ سب کام کر لیتی ہے تو ہم کہیں گے کہ قدرت ارادے کے تابع اور ارادہ علم کے تابع ہے جب تک کسی چیز کا علم نہیں ہوتا اس کا ارادہ نہیں ہو سکتا اور جب تک ارادہ نہ ہو قدرت کچھ

کر نہیں سکتی کیونکہ بغیر ارادے کے اگر قدرت کام کرنے لگے تو چونکہ آدمی میں ہر کام کی قدرت ہے تو چاہیے کہ ہر کام ہر وقت ہونے لگے اور آدمی کو دم بھر کی فرصت نہ لینے دے جس سے آدمی دیوانہ مشہور ہو جائے پھر ارادہ بغیر علم کے نہیں ہوتا ورنہ مجہول مطلق کی طرف طلب لازم آئے گی، جو محال ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تحریک عضلات وغیرہ میں صرف قدرت بے کار ہے۔

اب یہاں یہ دیکھنا چاہیے کہ فعل کے وقت تحریک عضلات وغیرہ جو ہوتی ہے وہ خود بخود ہوتی ہے یا ہمارے ارادے سے یا خدائے تعالیٰ کے ارادے اور خلق سے۔ چونکہ یہ ثابت ہے کہ کسی چیز کا وجود بغیر موجد کے نہیں ہوسکتا اس لئے خود بخود عضلات وغیرہ کی حرکت باطل ہے اور تقریر سابق سے ثابت ہے کہ ہمارے ارادے سے بھی حرکت نہیں ہوتی تو وہی تیسری صورت باقی رہ گئی کہ حق تعالیٰ اعصاب وغیرہ میں حرکت پیدا کر دیتا ہے یعنی خود حرکت دیتا ہے اور وہ کام وجود میں آجاتا ہے اور یہی ہونا بھی چاہیے اس لئے کہ وہ حرکت ممکن ہے اور ممکن کے احد الجانبین کو ترجیح دے کر اس کو واجب بالغیر بنانا حق تعالیٰ ہی کا کام ہے۔

الحاصل فعل کے سلسلے میں ہاجس سے لے کر وقوع فعل تک کوئی درجہ ایسا نہیں نکلتا کہ اس میں حق تعالیٰ کا تصرّف نہ ہو۔ اس سے ثابت ہے کہ جس طرح آدمی کی ذات وصفات مخلوق الٰہی ہیں اس کے جملہ حرکات وسکنات وافعال بھی مخلوق الٰہی ہیں۔ جیسا کہ خود حق تعالیٰ فرماتا ہے **وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ** اور حدیث شریف میں یہ دعا وارد ہے **اللّٰهم ان قلوبنا ونواصينا وجوارحنا بيدک لم تملکنا منها شيئا فاذا فعلت ذلک بنا فکن انت ولينا واهدنا الى سواء السبيل**۔ یعنی ہمارے دل اور پیشانی کے بال اور ہاتھ پاؤں وغیرہ جوارح تیرے ہاتھ میں ہیں ان میں سے کسی کا مالک ہم کو تو نے نہیں بنایا۔ جب یہ معاملہ تو نے ہمارے ساتھ کیا تو اب تو ہی ہمارے کاموں کا ولی ہو جا اور ہمیں سیدھی راہ دکھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ہمارے تصرف اور افعال جن کو ہم اپنے اختیار

اور قدرت کا نتیجہ سمجھتے ہیں، ان میں سوائے ایک توجہ خاص کے ہمارا کوئی دخل نہیں اور اس کا بھی مدار خدائے تعالیٰ کے ارادے اور خلق ہی پر ہے اور وہ توجہ انہیں اعضاء سے متعلق ہوتی ہے جن کی حرکت سے ہمارے اغراض متعلق ہیں اور بعض اعضاء ہم میں ایسے بھی ہیں کہ کتنی ہی توجہ کیجئے، متحرک نہیں ہوتے اور بعض کبھی متحرک ہوتے ہیں اور کبھی نہیں اور بعض کے لئے ایک حد مقرر ہے اس سے زیادہ حرکت نہیں ہو سکتی۔ بہر حال جس قدر ضرورت تھی حق تعالیٰ نے ہمارے جسم پر ہم کو ایک قسم کا تصرف دیا جس کی کیفیت اور حقیقت خود ہمیں معلوم نہیں مگر اس بات کا یقین بھی ہوتا ہے کہ افعال ہمارے ہی اختیار سے وجود میں آتے ہیں بلکہ اپنی دانست اور وجدان میں ایک قسم کی تکوین ہم اس کو سمجھتے ہیں۔

چونکہ حق تعالیٰ کو منظور تھا کہ اپنے رسول سب میں بحسب شرافت ذاتی ممتاز رہیں اور ان کا دباؤ دلوں پر پڑے جیسا کہ ارشاد ہے **وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيَاتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا**۔ اس لئے ان کو یہ نشانی دی گئی کہ عالم میں تصرف کریں اور تصرف کی وہی صورت کہ ادھر ان کی توجہ خاص ہوئی اور ادھر وقوع منجانب اللہ ہو گیا جیسے ہمارے افعال اختیاری میں ہوا کرتا ہے۔ پھر جو مرزا صاحب ازالہ الاوہام صفحہ ۲۹۶ میں لکھتے ہیں کہ اگر خدا اپنے اذن اور ارادے سے اپنی خدائی کی صفتیں بندوں کو دے سکتا ہے تو بلا شبہ وہ اپنی ساری صفتیں خدائی کی ایک بندے کو دے کر پورا خدا بنا سکتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ہر چند وہ مسلمان خاندان میں پیدا ہوئے مگر نہ ان کو مسلمانوں کے عقیدے کی خبر ہے، نہ قرآن کی سمجھ۔ اتنا بھی نہیں جانتے کہ نشانی دینا کسے کہتے ہیں اور خدا بنا دینا کیسا ہوتا ہے۔ اور اگر جانتے ہیں تو خود غرضی سے خدائے تعالیٰ کے کلام کی تکذیب کرنا جانتے ہیں۔ حق تعالیٰ صاف فرماتا ہے **وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ** یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو ہم نے کھلی کھلی نشانیاں دیں۔ وہ کہتے ہیں خدا کسی کو ایسی نشانیاں دے ہی نہیں سکتا۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے وہ احیائے موتی

وغیرہ کیا کرتے تھے، مرزا صاحب کہتے ہیں یہ ممکن ہی نہیں۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کسی رسول کی طاقت نہ تھی کہ بغیر ہمارے حکم کے کوئی معجزہ دکھائے کما قال تعالیٰ **وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ**، مرزا صاحب کہتے ہیں کہ اپنی عقل کے زور سے وہ معجزے تراشتے تھے جو معمولی اور فطرتی طاقت تھی۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ خدا نے خاص طور پر ان کو کچھ نہیں دیا تھا حالانکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **وَاٰتَيْنَاهُمْ اٰيَاتِنَا** غرض کہ مرزا صاحب جو کہتے ہیں کہ اس قسم کے معجزے خدا تعالیٰ کسی کو دے ہی نہیں سکتا کیسی بھاری بات ہے **کبرت کلمة تخرج من افواههم ان يقولون الا كذبا**۔ حالانکہ براہین احمدیہ میں لکھ چکے ہیں کہ قرآن کی سب خبریں صحیح ہیں اور ان کو نہ ماننا بے ایمانی ہے۔ چنانچہ اس کے صفحہ ۲۸۹ میں لکھتے ہیں اور جبکہ اس عالم کا مورخ اور واقعہ نگار بجز خدا کے کلام کے کوئی اور نہیں ہوسکتا اور ہمارے یقین کا جہاز بغیر وجود واقعہ نگار کے تباہ ہوا جاتا ہے اور باد صرصر وساوس ایمان کی کشتی کو ورطۂ ہلاکت میں ڈالتی جاتی ہے تو اس صورت میں کون عاقل ہے کہ جو صرف عقل ناقص کی رہبری پر بھروسہ کر کے ایسے کلام کی ضرورت سے منہ پھیرے جس پر اس کی جان کی سلامتی موقوف ہے۔ تقریر بالا سے ظاہر ہے کہ براہین میں اس قسم کی باتیں جو لکھی گئیں صرف زبانی اور مصلحتاً تھیں اور مرزا صاحب کے دل میں ان کا کوئی اثر نہیں۔

انبیاء کا درجہ تو ارفع ہے اور ان کو خوارق عادات معجزات دکھلانے کی ضرورت بھی تھی تصرف فی الاکوان تو اولیاء اللہ کو بھی دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ فتوح الغیب میں فرماتے ہیں **وهننت بالتوفيق و القدرة و الامر النافذ على النفس وغيرها من الاشياء و التكوين باذن الله الاشياء فى الدنيا قبل الاخرى** یعنی ولایت کے ایک درجے میں تمہارا حکم النفس و آفاق میں جاری ہونے لگے گا اور دنیا میں باذن خالق اشیاء تمہیں صفت تکوین دی جائے گی۔ اور دوسرے مقام میں اسی کتاب کے

فرماتے ہیں۔ **ثم یردعلیک التکوین فتکون بالاذن الصریح الاغبار علیه.قال تعالی فی بَعْضِ کُتُبِهٖ یا ابْنَ آدَمَ اَنَا اللّٰهُ لَااِلٰهَ اِلَّا اَنَا اَقُوْلُ لِلشَّی کُنْ فَیَکُوْنُ وَاَطِعْنِیْ اَجْعَلُکَ تَقُوْلُ لِشی کُنْ فَیَکُوْنَ وَقَدْ فَعَلَ ذالِکَ بِکَثِیْرٍ مِنْ اَنْبِیَائِهٖ وَخُصُوْصِهٖ مِنْ بَنِیْ آدَمَ** یعنی بعد اتباع شریعت اور طے مقامات مخصوصہ کے صفت تکوین تمہیں دیجائے گی اور کھلے طور پر تم حق تعالی کے اذن سے اشیاء کو موجود کرسکو گے۔حق تعالی نے بعض کتب میں فرمایا ہے اے ابن آدم! میں اللہ ہوں کوئی معبود میرے سوا نہیں جب کسی شے کو میں **کن** کہتا ہوں تو وہ موجود ہو جاتی ہے۔ تو میری اطاعت کرتو تیرے لئے بھی یہ قرار دوں گا کہ جب تو کسی شے کو کن کہے تو وہ موجود ہو جائے گی اور یہ بات بہت سے انبیاء اور خاص خاص لوگوں کو بھی دی گئی ہے۔ چونکہ مرزا صاحب فتوح الغیب سے بھی استدلال کیا کرتے ہیں اس لئے یہ عبارتیں اس سے نقل کی گئیں۔اس کے سوا بزرگان دین کے اکثر تذکروں سے ثابت ہے کہ بہت سے اولیاء اللہ کو تصرف فی الاکوان دیا گیا۔اور برابر وہ تصرف کیا کرتے تھے اگر وہ واقعات لکھے جائیں تو ایک ضخیم کتاب ہو جائے گی۔قطع نظر اس کے مرزا صاحب کو خود دعویٰ ہے کہ **کن فیکون** ان کو بھی دیا گیا ہے مگر مشکل یہ ہے کہ اگر ان سے کوئی خارق العادت تصرف طلب کیا جائے تو ضرور فرمائیں گے کہ وہ تو شرک ہے۔ جب قرآن کو ہم نے اس باب میں نہیں مانا تو خود اس کے کیونکر مرتکب ہو سکتے ہیں۔اس سے ظاہر اور مبرہن ہو سکتا ہے کہ **کن فیکون** کا دعویٰ صرف لفظی اور نمائش کے لئے ہے جس کے کوئی معنی نہیں اور جب یہ ثابت ہے کہ ان کو بے انتہا معجزوں کا دعویٰ ہے مگر **کن فیکون** سے متعلق ایک بھی معجزہ انہوں نے نہیں دکھلایا تو مخالف کو ایک بہت بڑا قرینہ ہاتھ آ گیا کہ مرزا صاحب کے جتنے معنوی دعوے مثلاً فنافی اللہ اور فنافی الرسول وغیرہ ہیں سب اسی قسم کے ہیں جو کتابوں سے دیکھ دیکھ کر لکھ لئے گئے ہیں۔

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ ۲۹۶ میں لکھتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات متشابہات میں داخل ہیں۔ اس سے مقصود یہ کہ ان کا اعتقاد کرنے کی ضرورت نہیں مگر دراصل یہ بات نہیں بلکہ جو امور خدائے تعالیٰ کی ذات وصفات سے متعلق قرآن میں ایسے ہیں جن کا سمجھنا غیر ممکن یا دشوار ہے ان پر ایمان لانے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ متشابہات کے باب میں فرماتا ہے **وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِہٖ**۔ مسئلہ استوا علی العرش میں سلف صالح سے مروی ہے کہ **الاستواء معلوم والکیفیة مجھولة والسوال بدعة** یعنی نفس استواء بلا کیف پر ایمان لانا ضرور ہے۔ ابراء واکمہ وابرص اور احیا باذن اللہ وغیرہ معجزات میں کوئی ایسی بات نہیں جو سمجھ میں نہ آئے۔ جتنے بیمار طبیبوں کے علاج سے اچھے ہوتے ہیں آخر باذن اللہ ہی اچھے ہوا کرتے ہیں اسی طرح اکمہ اور ابرص بھی اچھے ہوتے تھے اور مسمریزم سے تحریک ہوا ہی کرتی ہے۔ رہ گیا جان ڈالنا سو وہ بھی کوئی بڑی بات نہیں خدائے تعالیٰ ہمیشہ اجسام میں جان ڈالتا ہی ہے جس سے مرزا صاحب کو بھی انکار نہ ہو گا۔ البتہ اس قدر نئی بات ہوئی کہ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی قم باذن اللہ وغیرہ کہہ دیا ہوگا پھر اس سے خدا کی قدرت میں کونسی نئی بات پیدا ہوگئی تھی کہ نعوذ باللہ صفت احیا معطل ہوگئی یا ان مردوں میں صفت عصیاں پیدا ہوگئی تھی کہ خدا کے اذن سے بھی ان کو جنبش نہ ہوئی۔ یہ اعتقاد مشرکوں کے اعتقاد سے بھی بدتر ہے کیونکہ مشرک بھی خدائے تعالیٰ کو خالق عالم اور متصرف سمجھتے ہیں **کماقال تعالیٰ وَلَئِنْ سَاَلْتَھُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰہُ** وقولہ تعالیٰ **وَلَئِنْ سَاَلْتَھُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاَحْیَا بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا لَیَقُوْلُنَّ اللّٰہُ**۔

اب اس کے بعد قابل غور یہ بات ہے کہ مرزا صاحب ضرورۃ الامام میں لکھتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کسی قدر پردہ اپنے پاک اور روشن چہرہ سے اتار کر ان سے باتیں کرتا ہے اور بعض وقت ٹھٹے کرتا ہے کسی کو اس میں شبہ نہیں کہ وجہ اور ید وغیرہ متشابہات سے ہیں

مگر مرزا صاحب کو اس کے سمجھنے بلکہ دیکھنے میں ذرا بھی تامل نہ ہوا اور عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو صحابہ کے زمانے سے اب تک کسی نے متشابہ نہیں کہا اور نہ کسی حدیث میں یہ مذکور ہے، نہ عقل ان کے سمجھنے سے قاصر ہے ان کو خود غرضی سے متشابہ میں داخل کر رہے ہیں عجیب بات ہے۔

تمام روئے زمین پر جو اقوام بستے ہیں ان میں تقریباً کل مسلمان یہود و نصاریٰ بت پرست اور مجوس ہیں۔ یہ سب خوارق عادات کے قائل ہیں چنانچہ ہر ایک اپنے اپنے پیشوایان قوم کے کارنامے عجیب وغریب بیان کرتے ہیں جن کا وقوع آدمی کی عقل اور قدرت سے خارج ہے اور بن مانسوں کے جیسے تھوڑے لوگ ہونگے جو اس کے قائل نہیں۔ اگر فلاسفہ خوارق عادات کے قائل نہ ہوتے تو چنداں مستبعد نہ تھا اس لئے کہ خلاف عقل اور خلاف طبیعت بات کو وہ جائز نہیں رکھتے مگر آخر عقلاء ہیں دیکھا کہ معجزات انبیاء کے بتواتر ثابت ہیں اور تواتر سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ بدیہی ہوتا ہے جس کا انکار اعلیٰ درجے کی حماقت ہے اس لئے انہوں نے بڑے شدومد سے وقوع خوارق کو مدلل کیا چنانچہ اشارات وغیرہ میں اس کے دلائل مذکور ہیں۔

اس آخری دور میں سیّد احمد خان صاحب کسی مصلحت سے اسلام کی بیخ کنی کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ دعویٰ کیا کہ اسلام کوئی معین دین کا نام نہیں بلکہ وہ مفہوم کلی ہے جو ہر دین پر صادق آتا ہے اس کے لئے نہ خدا کی ضرورت ہے، نہ نبی کی۔ چنانچہ تہذیب الاخلاق میں لکھتے ہیں کہ جن لوگوں کی نسبت کہا جاتا ہے کہ خدا کے وجود کے بھی قائل نہیں ہیں میں تو ان کو بھی مسلمان جانتا ہوں انتہٰی۔ اور تفسیر میں لکھتے ہیں ہزاروں شخص ہیں جنہوں نے مجنونوں کی حالت دیکھی ہوگی کہ وہ بغیر بولنے والے کے اپنے کانوں سے آواز سنتے ہیں مگر اپنی آنکھوں سے اپنے پاس کسی کو کھڑا ہوا باتیں کرتا ہوا دیکھتے ہیں ہاں ان دونوں یعنی مجنون اور پیغمبر میں اتنا فرق ہے کہ پہلا مجنون ہے اور پچھلا پیغمبر گو کہ کافر پچھلے کو بھی مجنون

بتاتے تھے انتہی۔ یعنی کسی پیغمبر کا وجود مان بھی لیا جائے تو وہ ایک دیوانے کا نام ہے کہ خشکی دماغ سے آواز سنتا ہے اور کسی خیالی شخص کو دیکھتا ہے یعنی فرشتہ سمجھتا ہے جس کی وجہ سے کافر اس کو مجنون سمجھتے تھے۔ اور تہذیب الاخلاق میں لکھتے ہیں کہ انسان کے دین اور دنیا اور اخلاق اور تمدن اور معاشرت بلکہ زندگی کی حالت کو کرامت اور معجزے پر یقین یا اعتقاد رکھنے سے زیادہ خراب کرنے والی کوئی چیز نہیں انتہی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ جب آدمی خوارق عادت کو دیکھ لے تو اس کو خالق کے وجود پر فوراً یقین آ جائے گا اور اس کے بعد نبوت یا ولایت پر۔ اور جہان نبوت اور ولایت دل میں جمی تو خان صاحب کا منصوبہ بگڑ گیا اس لئے انہوں نے خوارق کے نزدیک جانے سے روک دیا جس قدر خدا اور رسول کو اثبات حق کے لئے معجزے کی ضرورت ہے اسی قدر خان صاحب کو اس سے نفرت اور وحشت ہے۔ چونکہ مرزا صاحب کو بھی مثل خان صاحب کے نیا دین قائم کرنے کی ضرورت تھی مگر نہ ایسے طور پر کہ خان صاحب نے کیا کہ لوگوں کا دین تو بگاڑ دیا اور اپنا کوئی نفع نہیں، نہ نبوت اپنے لئے تجویز کی، نہ امامت۔ بلکہ مرزا صاحب نیا دین ایسے طور پر قائم کرتے ہیں کہ اپنے لئے منصب نبوت اور امامت، عیسویت وغیرہ مسلّم ہو اور خاندان میں عیسویت مستمر رہے۔ اس لئے ان کو بھی معجزوں سے وحشت اور نفرت کی ضرورت ہوئی ورنہ اگر کوئی بمقتضائے جبلت انسانی نبوت کی نشانی طلب کرے تو مشکل کا سامنا تھا کیونکہ جیسے پیشین گوئیوں میں کاہنوں وغیرہ کی طرح باتوں سے کام نکل آتا ہے خوارق عادات میں نہیں نکل سکتا اس لئے انہوں نے یہ تدبیر نکالی کہ معجزوں کے دو قسم کیے۔ نقلی اور عقلی۔ نقلی جو قرآن وحدیث سے ثابت ہیں ان کو کتھا اور قصوں کے ساتھ نامزد کر کے ساقط الاعتبار کر دیا اور جو معجزات قرآن شریف میں ہیں ان میں دل کھول کر وہ بحثیں کیں کہ نہ کوئی پادری کر سکتا ہے، نہ یہودی، نہ ہندو، نہ مجوسی۔ اس لئے کہ وہ بھی آخر خوارق عادات کے قائل

ہیں۔ دلائل الزامیہ سے فوراً ان کا جواب ہوسکتا ہے۔ الغرض خوارق العادات میں ایک پہلو یہ اختیار کیا کہ خان صاحب کی طرح ان کے قلع قمع کی فکر کی اور اپنے زعم میں ثابت کر دیا کہ اظہار معجزات میں انبیاء کی طاقت ایک معمولی طاقت تھی جو عوام الناس میں بھی موجود ہے اور خدا کی طرف سے کوئی نشانی ان کو ایسی نہیں دی گئی جو مافوق طاقت بشری ہو۔ اور دوسرا پہلو یہ اختیار کیا کہ خوارق عادات انبیاء سے ظاہر ہوسکتے ہیں مگر ہر کس و ناکس میں یہ صلاحیت نہیں کہ ان کو دیکھ سکے۔ چنانچہ براہین احمدیہ ۲۶۱ میں لکھتے ہیں۔ معجزات اور خوارق عادات کے ظہور کے لئے صدق اور اخلاص شرط ہے اور صدق و اخلاص کے بھی آثار و علامات ہیں کہ کینہ اور مکابرہ درمیان نہ ہو اور صبر اور ثبات اور غربت اور تذلل سے بہ نیت ہدایت پانے کے کوئی نشانی کے ظہور تک صبر اور ادب سے انتظار کیا جائے تا خداوند کریم وہ بات ظاہر کرے جس سے طالب صادق یقین کامل کے مرتبے تک پہنچ جائے۔ لیکن جو لوگ خدائے تعالیٰ کی طرف سے صاحب خوارق ہیں ان کا یہ منصب نہیں ہے کہ وہ شعبدہ بازوں کی طرح بازاروں اور مجالس میں تماشا دکھاتے پھریں اور نہ یہ امور ان کے اختیار میں ہیں بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ ان کے پتھر میں آگ بلاشبہ ہے لیکن صادقوں اور مخلصوں کے پر ارادت ضرب پر اس کا ظہور اور بروز موقوف ہے۔

حاصل یہ کہ جو شخص مرزا صاحب سے ان کی نبوت کی نشانی طلب کرے وہ پہلے ان پر ایمان لائے اور نہایت عقیدت وارادت سے غریب و ذلیل ہوکر مؤدب بیٹھے پھر انتظار کرتا رہے کہ دیکھئے کب نشانی ظاہر ہوتی ہے تاکہ میں ان پر ایمان لاؤں اس وقت خارق عادات معجزہ ظاہر ہوگا اور جہاں کوئی شرط فوت ہوگئی یا قرینے سے معلوم ہوا کہ اس شخص میں کینہ ہے یا مکابرہ کرنا چاہتا ہے تو معجزہ مرزا صاحب کے پاس نہیں آسکتا۔ عقلاء اس تحریر کی شرح خود اپنے وجدان سے کرلیں ہمیں طول کلامی کی ضرورت نہیں۔ ہاں اتنا تو

کہنا ضرور ہے کہ قرآن وحدیث سے اور نیز عقل سے ثابت ہے کہ نشانی اور معجزے کی ضرورت مخالفت اور نہ ماننے کے وقت ہوتی ہے اگر کوئی ابتداءً رسالت کو تسلیم کرلے تو اس کے لئے نشانی کی ضرورت ہی کیا۔ یہ امر پوشیدہ نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کسی کافر طالب معجزے سے یہ کبھی نہ فرمایا کہ پہلے تم ایمان لاؤ اور منتظر بیٹھے چقماق کی طرح صدق کی ضرب لگائے جاؤ کبھی نہ کبھی کوئی نشانی دِکھ جائے گی۔ فرعون کا واقعہ اظہر من الشمس ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا وہ کیسا جانی دشمن تھا پھر اس کے مقابلے میں موسیٰ علیہ السلام نے کیسی کھلی نشانی ظاہر کی جواب تک بطور ضرب المثل **لکل فرعون موسیٰ** کہا جاتا ہے۔

زبان وقلم سے جتنے کام متعلق تھے مرزا صاحب نے ان کو بخوبی انجام دیا۔ الہامات کا سلسلہ متصل جاری رکھا، تالیف وتصنیف واشاعت کی کمیٹیاں قائم کردیں، مدرسے کی مستحکم بنیاد ڈال دی، عقلی معجزات ایسے دکھائے کہ جعلی نبوت کا نقشہ پیش کردیا جس کو لوگ مان گئے مگر آخر اصلی اور نقلی کارخانے میں فرق ضروری ہے اس لئے جس کو معجزہ کہتے ہیں وہ نہ دکھلا سکے اور وہ ان سے طلب کرنا بھی تکلیف مالا یطاق ہے۔ انہیں کی ہمت اور رسائی عقل ہے کہ اس باب میں بھی وہ برابر سوال وجواب کیے جاتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ گو سیّد احمد خان صاحب کو اقدمیت اور نئے دین کے بانی ہونے کی فضیلت حاصل ہے لیکن ان کی عقل سے مرزا صاحب کی عقل بدرجہا بڑھی ہوئی ہے اس لئے کہ خان صاحب نے اسلام کی ایسی تعمیل کی کہ کوئی فرد بشر اس سے خارج نہیں رہ سکتا اس سے ان کو کچھ حاصل نہ ہوا اور مرزا صاحب نے جو اسلام کو اپنی امت میں محدود کردیا اس سے ان کی وہ توقیر ہوئی کہ ان کی تصویر مکانوں میں اس اعزاز اور آداب سے رکھی جاتی ہے کہ شاید کرشن جی کی تصویر کو برہمن کے گھر میں ہی وہ اعزاز نصیب ہوا۔

خان صاحب نے نبوت کو جنون قرار دینے سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا مرزا صاحب

نے نبوت کا ایک زینہ بڑھا کر وہ ترقی کی کہ قیامت تک مسیحائی کے سلسلے کو اپنے خاندان میں محفوظ کر لیا۔

خان صاحب معجزات کا انکار کر کے دونوں جہاں میں بے نصیب رہے مرزا صاحب نے عقلی معجزات ثابت کر کے لاکھوں روپے حاصل کر لئے جس سے اعلیٰ درجے کے پیمانے پر مدرسے وغیرہ کے کام چلا رہے ہیں۔

نبوت کو عام فطرتی قوت دونوں نے قرار دیا مگر خان صاحب بجز اس کے کہ نبوت گھر گھر کر گئے ان کو ذاتی کچھ فائدہ نہ ہوا بلکہ ان کی امت کے لوگ ان کے بھی مقلد نہ رہے اپنی عقل کے مطابق رائے قائم کر لیتے ہیں اور مرزا صاحب نے اس قوت کو قیود و شروط لگا کر ایسا جکڑ بند کر دیا کہ اس زمانے میں تو ان کے گھر سے نہیں نکل سکتی اور ان کی امت ان کی ایسی متبع ہے کہ ان کے کلام کے مقابلے میں خدا اور رسول کے کلام کو بھی نہیں مانتی۔

معجزات اور خوارق عادات کا جو انکار کیا جاتا ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ دین اور کتب دینیہ سے لوگوں کو چنداں تعلق نہ رہا۔ ورنہ معجزات کا انکار ایک ایسی چیز کا انکار ہے کہ جس کا علم ضروری ہے اس لئے کہ ہزار ہا صحابہ نے معجزے دیکھے پھر انہوں نے اپنی اولاد اور شاگردوں سے ان کے حالات بیان کئے پھر وہ کتابوں میں درج ہوئے اور ہر زمانہ اور ہر طبقے کے لوگ اس کثرت سے ان کی گواہی دیتے آئے کہ ان سب کا اتفاق کر کے جھوٹ کہنا عقلاً محال ہے اس وقت لاکھوں کتابیں موجود ہیں جن میں معجزات وخوارق عادات کا ذکر ہے۔ مسلمان تو اس تواتر کا انکار نہیں کر سکتے۔ ممکن ہے کہ دوسرے اقوام اس کا انکار کریں مگر انصاف سے دیکھیں تو ان کو بھی انکار کا حق نہیں۔ اس لئے کہ اتنی کثرت کے بعد عقلاً بھی اس کا انکار نہیں ہو سکتا۔ دیکھئے ہندوؤں سے سنتے سنتے کرشن جی کے وجود کا یقین ہو ہی گیا چنانچہ مرزا صاحب کو کرشن جی بننے کی رغبت اسی تواتر کی وجہ سے ہوئی ورنہ صاف فرما دیتے کہ کرشن جی کیسا اس کا تو وجود ہی ثابت نہیں۔

اگر مسلمانوں کی کتابیں جھوٹی ٹھہر جائیں تو اپنے اسلاف کے حالات اوران کے وجود کی خبر دینے والی کونسی چیز ہمارے ہاتھ میں رہے گی کوئی ملّت اور دین والا آدمی ایسا نظر نہ آئے گا جو اپنی دینی کتابوں کو جھوٹی قرار دے کر اپنے کو اس دین کی طرف منسوب کرے۔

جو بات بتواتر پہنچتی ہے اس کو یقین کر لینا آدمی کی فطرتی بات ہے دیکھئے جب بچہ کئی شخصوں کی زبانی سن لیتا ہے یہ تمہارا باپ ہے تو اس کو یقین ہو جاتا ہے جس کے سبب عمر بھر اسے باپ سمجھتا اور کہتا ہے۔ اصل وجہ اس کی یہ ہے کہ آدمی کو حق تعالیٰ نے ایک صفت علم دی ہے جس پر اس کا کمال موقوف ہے۔ علم سے مراد یہاں یقین ہے اگر فرض کیا جائے کہ کسی شخص میں صفت یقین نہ ہو تو وہ پرلے درجے کا پاگل اور احمق ہوگا اس لئے کہ جب اس کو کسی بات کا یقین ہی نہیں ہوتا تو یہ بھی یقین نہ ہوگا کہ میں آدمی ہوں اور نہ کھانے کو یقیناً کھانا سمجھے گا۔ جس سے بھوک دفع ہوتی ہے اور نہ پانی کو پانی اور نہ کسی مفید چیز کو مفید سمجھے گا، نہ مضر کو مضر۔ غرض کہ کسی چیز کا یقین نہ ہونے کی وجہ سے اس کی زندگی جانوروں کی زندگی سے بھی بدتر ہوگی اس لئے کہ آخر جانور اپنے فائدے کی چیز کو مفید سمجھ کر راغب ہوتے ہیں اور مضر کو مضر یقین کر کے اس سے دور ہوتے ہیں۔ الحاصل انسان کو یقین کی صفت ایسی دی گئی ہے کہ اسی کی بدولت ہر ایک کمال حاصل کرتا ہے۔ پھر یقین حاصل ہونے کے چند اسباب قرار دیئے گئے۔ وجدان، مشاہدہ، تجربہ وغیرہ۔ دیکھئے جب آدمی کو بھوک یا پیاس لگتی ہے تو اس کا وجدان گواہی دیتا ہے جس سے یقین ہو جاتا ہے کہ بھوک یا پیاس لگی ہے اور کھانے پینے کی فکر کرتا ہے جس سے بقائے شخصی متعلق ہے اسی طرح کسی کو دیکھنے یا اس کی آواز سننے سے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ فلاں شخص ہے ایسا ہی چند بار کسی چیز کو آزمانے سے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ ایسی چیز ہے یا اس کی یہ خاصیت ہے اسی طرح جب کوئی بات متعدد اشخاص اور مختلف ذرائع سے سنی جاتی ہے تو اس کے وجود کا یقین ہو جاتا ہے کسی خبر کے سننے

سے اکثر وہم کی کیفیت پہلے پیدا ہوتی ہے پھر شک پھر ظن اس کے بعد یقین ہوتا ہے۔ اس مثال سے ان مدارج کی توضیح بخوبی ہوگی کہ جب کوئی شخص دور سے نظر آتا ہے تو پہلے وہم سا ہوتا ہے کہ وہ فلاں شخص ہے مثلاً زید ہوگا پھر وہ جب کسی قدر قریب ہوتا ہے تو ایک شکی کیفیت پیدا ہوتی ہے یعنی زید ہونے اور نہ ہونے کے احتمال برابر ہونگے اور کسی ایک جانب کو غلبہ نہ ہوگا پھر جب اور قریب ہو تو ایک جانب کو غلبہ ہو جائے گا کہ مثلاً وہ زید ہے مگر ہنوز ایسا یقین نہیں کہ قسم کھا سکیں پھر وہ جب اور نزدیک ہوا اور ایسے مقام تک پہنچا کہ بصارت نے پوری یاری دی اور جتنے احتمالات زید نہ ہونے کے تھے سب رفع ہو گئے اس وقت ابتداً ایک ایسی اذعانی حالت دل میں پیدا ہوگی کہ بے اختیار کہہ اٹھے گا کہ واللہ یہ تو زید ہی ہے اور اس پر وہ آثار مرتب ہوں گے جو زید کے آنے پر مرتب ہونے والے تھے مثلاً اگر دوست ہو تو استقبال کے لئے دوڑ پڑے گا اور دشمن ہو تو کچھ اور فکر کرے گا۔ بہر حال کیفیات قلبیہ ابتدائے رویت سے یقین کے پیدا ہونے تک وقتاً فوقتاً بدلتے رہیں گے اور آخر میں یقین کی کیفیت پیدا ہوگی۔

یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ اس کیفیت یقین پیدا ہونے میں اختیار کو کوئی دخل نہیں اگر آدمی اس وقت خاص میں یہ چاہے بھی کہ یقین پیدا نہ ہو جب بھی پیدا ہو ہی جائے گا۔ چنانچہ اس آیۂ شریفہ سے بھی یہی ثابت ہے۔ **فَلَمَّا جَآئَتْهُمْ آيَاتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ** یعنی معجزوں کو دیکھ کر گو وہ انکار کرتے تھے مگر یقین ان کو ہو ہی جاتا تھا۔ اسی طرح جب کوئی واقعہ کی خبر آدمی سنتا ہے تو پہلے وہم اس واقعے کے وقوع کا ہوگا پھر جیسے جیسے مختلف ذرائع سے وہ خبر پہنچتی جائے گی شک اور ظن تک نوبت پہنچے گی اور آخر میں جب جانب مخالف کے احتمالات رفع ہو جائیں گے تو خود بخود یقین پیدا ہو جائے گا جس کے حاصل ہونے پر انسان بالطبع مجبور ہے۔ اس کی توضیح کے لئے یہ مثال کافی ہو سکتی ہے کہ ان دنوں جب اہل اخبار نے جاپان اور روس کے

جنگ کا حال لکھنا شروع کیا اور بالآخر جاپان کی فتح کی خبر دی تو جتنے مدارج یہاں ہم نے بیان کیے سب کا وجدان ناظرین اخبار کو ہو گیا ہوگا کہ ابتداً کسی ایک اخبار میں جب یہ کیفیت دیکھی گئی ہوگی تو وہم پھر بحسب تواتر اخبار شک اور ظن اور یقین ہو گیا ہوگا۔ اب جن لوگوں کو جاپان کی فتح کا یقین ہے اگر ان سے کوئی ناواقف شخص کہے کہ حضرت کہاں جاپان اور روس اتنی دور کی ریاستوں میں لڑائی کیسی۔ پھر جاپان کی حیثیت ہی کیا کہ روس سے مقابلہ کر سکے۔ جاپان بیچارہ چین کا ایک صوبہ ہے خود چین روس کے مقابلے کی تاب نہ لا سکا اور بہت سا ملک اس کے حوالے کر دیا۔ روس کے کئی صوبے ایسے ہیں کہ جاپان ان کی برابری نہیں کر سکتا جیسا کہ جغرافیہ سے ثابت ہے پھر یہ کیونکر تسلیم کیا جائے کہ جاپان نے اس عظیم الشان سلطنت روس کے ساتھ مقابلہ کیا اور فتح بھی پائی عقل اس کو ہرگز قبول نہیں کر سکتی۔ رہی اخبار کی خبریں سو وہ سب محتمل صدق و کذب ہیں بلکہ قرائن عقلیہ سے کذب ہی کا پلہ بھاری ہے۔ پھر کوئی اخبار نویس اپنا چشم دید واقعہ بھی نہیں لکھا جس کو ایک گواہ قرار دیں۔ سامع کی گواہی کا اعتبار ہی کیا ہر ایک اخبار دوسرے اخبار سے نقل کرتا ہے جس سے ظاہر ہے کہ سب اخباروں کا مدار ایک اخبار پر ہے جس نے پہلے یہ خبر شائع کی تھی۔ معلوم نہیں اس نے کس مصلحت سے یا لوگوں کی عقل کے امتحان کی غرض سے یہ خبر شائع کی ہو۔ اور اگر بذریعہ تار اس کو خبر پہنچی بھی ہو تو تار میں بھی وہی عقلی احتمالات قائم ہیں۔ الغرض ایسے ایسے قوی احتمالات عقلیہ اور شہادت جغرافیہ کے بعد ہم ہرگز یقین نہیں کر سکتے کہ جاپان اور روس میں جنگ ہوئی اور جاپان نے فتح پائی۔ اب ہم ناظرین اخبار سے پوچھتے ہیں کہ کیا ان احتمالات عقلیہ سے آپ کا وہ یقین جاتا رہے گا جو آپ نے زر خطیر خرچ کر کے بذریعہ اخبارات حاصل کیا تھا یا ان احتمالات کو آپ لغو اور اس کے قائل کو پاگل سمجھیں گے۔ میرا وجدان تو گواہی دیتا ہے کہ ناظرین اخبار پر ان احتمالات کا ہرگز

اثر نہ پڑے گا اور وہ یہی جواب دیں گے کہ جیسے اخبار ابتدائی جنگ سے خاتمہ تک ہم نے دیکھے ہیں جس سے وقتاً فوقتاً قلبی کیفیتیں ہماری بدلتی بدلتی یقین کی کیفیت تک نوبت پہنچتی۔ اگر آپ بھی دیکھتے تو ہرگز یہ احتمالات قائم نہ کر سکتے اور اس تواتر کے مقابلے میں آپ کی عقل خود مقہور ہو جاتی اب اہل انصاف غور کریں کہ باوجودیکہ اخبار نویسوں کی نہ دیانت مسلم ہے، نہ عدالت۔ صرف تواتر کی وجہ سے جب ان کی خبر کا یہ اثر ہو کہ عقل مقہور ہو جائے تو اہل اسلام کے نزدیک معجزات کی ہزار ہا خبریں ایسے لوگوں کی جن کی دیانت وعدالت بھی ان کے نزدیک مسلّم ہے کس درجے قابل وثوق ہونی چاہیے۔ اب دیکھئے کہ جو شخص ان کتابوں کو نہ دیکھ کر احتمالات عقلیہ پیدا کرے اس کی بات کو مسلمان لغو سمجھیں گے یا قابل وقعت؟ جو لوگ اس مقام میں احتمالات عقلیہ پیدا کرتے ہیں ان کو معذور سمجھنا چاہیے اس لئے کہ انہوں نے صرف خبر کے معنیٰ کا تصور کر لیا کہ **الخبر مایحتمل الصدق و الکذب** اور ذرائع وصول خبر کی ان کو اطلاع ہی نہیں ہوئی ورنہ ممکن نہ تھا کہ ان کو نظر انداز کر سکیں جیسے جاپان کی فتح کی خبر کا حال معلوم ہوا۔ الحاصل جن کو اخبار معجزات کی کثرت ذرائع کا علم ہے گو ہر ایک معجزے کا تواتر ثابت نہ ہو مگر نفس معجزات کے وقوع کا وہ انکار نہیں کر سکتے اور جس طرح مشاہدے سے یقینی علم ہوتا ہے اسی طرح تواتر سے وقوع معجزات کا ان کو علم ضروری ہوگا۔ عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور نزول کا مسئلہ اسلام میں ایسا ظاہر اور متفق علیہ ہے کہ ابتدا سے اب تک نہ علمائے ظاہر کو اس میں اختلاف ہے، نہ اولیاء اللہ کو۔ قرآن وتفاسیر واحادیث وغیرہ کتب اسلامیہ اس کے ثبوت پر گواہ ہیں۔ مگر مرزا صاحب باوجود اس تواتر کے اس کا انکار کرتے ہیں۔

ناظرین کرزن گزٹ پر ظاہر ہے کہ مرزا حیرت صاحب ایک زمانہ دراز سے مرزا صاحب کا رد اس اخبار میں کیا کرتے تھے مگر مرزا صاحب پر اس کا کچھ اثر نہ تھا آیات واحادیث واقوال میں گفتگو اور ردّ وقدح برابر کرتے رہے۔ مرزا حیرت صاحب بھی تو آخر

مرزا ہیں انہوں نے دیکھا کہ وہ یوں نہ مانیں گے اور عمر بھر باتیں بنائے جائیں گے اور ان کی کج بحثوں سے لوگوں کے خیال میں یہ بات متمکن ہوتی جائیگی کہ مرزا صاحب کو کوئی قائل نہیں کر سکتا جس سے ان کی حقیت کا گمان عموماً جاہلوں کو پیدا ہوگا اس لئے انہوں نے ایک مسئلے میں گفتگو شروع کی کہ عالم سے لے کر جاہل تک کسی کو اس میں اختلاف نہیں اور جس کی واقعیت کا اثر اسلامی دنیا میں یہاں تک ہے کہ ہر سال لاکھوں روپے صرف کئے جاتے ہیں اور اس تواتر کی وجہ سے ہندو بھی مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو کر ہزار ہا روپے نذر و نیاز میں صرف کرتے ہیں۔ یعنی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اور واقعۂ کربلا کا انکار ہی کر دیا اور عقلی قرائن قائم کر کے بخاری وغیرہ کی معتبر احادیث کو رد کیا۔ اور کل کتب سیر اور تواریخ میں کلام کر کے اس بات میں ان سب کو ساقط الاعتبار کر دیا۔ اب ہر چند علمائے شیعہ اور اہل سنت تواتر وغیرہ دلائل پیش کرتے ہیں مگر وہ ایک کی نہیں مانتے اور کج بحثیوں سے سب کا جواب دے جاتے ہیں اور دعویٰ یہ ہے کہ ایک بڑی کتاب کا سامان فراہم ہوگیا ہے۔ اخبار کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو طریقہ انہوں نے اختیار کیا ہے کہ جس طرح مرزا صاحب نصوص میں تاویلیں اور تواتر میں کلام کرتے ہیں اور عقل کے زور سے ہر موقع میں کچھ نہ کچھ گھڑ لیتے ہیں وہ بھی وہی کر رہے ہیں۔ اس سے یقین ہوتا ہے کہ جس طرح مرزا صاحب کی چل گئی ان کی بھی چل جائے گی اور ان کی کتاب بھی مقصود پورا کرنے میں مرزا صاحب کی ازالۃ الاوہام سے کم نہ ہوگی۔ چنانچہ ابھی سے بعضوں نے ہاں میں ہاں ملا دی اور ہم خیال پیدا ہونے لگے۔

قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا حیرت صاحب کو اس کتاب کے لکھنے سے یہ ثابت کرنا منظور ہے کہ جب آدمی کج بحثی پر آ جائے تو کیسی ہی روشن بلکہ اظہر من الشمس بات کیوں نہ ہو اس پر بھی وہم اور شک کی ظلمت ڈال سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ جو لوگ خدائے تعالیٰ ہی کے منکر ہیں برابر اہل حق کا مقابلہ کئے جاتے ہیں اور کوئی اثر براہین قاطعہ کا ان کے دلوں پر نہیں پڑتا۔

مرزا حیرت صاحب نے باوجود اس سخت مقابلے کے جو قادیانی صاحب کے ساتھ ان کو تھا کہ کوئی پرچہ ان کے اخبار کا ایسا نہیں نکلتا تھا جس میں قادیانی صاحب پر سخت حملہ نہ ہوتا۔ یکبارگی ان کا تعاقب چھوڑ کر مسئلہ شہادت چھیڑ دیا اس میں یہ مصلحت ضرور ہے کہ اس بحث میں بھی روئے سخن قادیانی صاحب ہی کی طرف ہے کہ جس طرح آپ متفق علیہ مسئلہ کا انکار کرتے ہیں ہم بھی اسی قسم کے بلکہ اس سے زیادہ تر روشن مسئلے کا انکار کرتے ہیں اگر تیزی طبع کا کچھ دعویٰ ہے تو میدان میں آ کر چون وچرا کیجئے اور جواب لیجئے۔ مگر مرزا صاحب باوجود اس خصومت کے جو ایک مدت سے چلی آ رہی ہے اور باوجود اس دعوے کے کہ میں حکم بن کر آیا ہوں اور ایسے امور کے فیصل کرنے کا مامور ہوں تجاہل کر کے خاموش ہو گئے اور یہ غنیمت سمجھا کہ کسی طرح پیچھا تو چھوٹا۔ مگر یاد رہے کہ اس مسئلہ شہادت کا اثر مرزا صاحب کی کارروائیوں پر ضرور پڑے گا اور ادنیٰ عقل والے بھی سمجھ جائیں گے کہ دونوں مرزا ایک ہی قسم کا کام کر رہے ہیں۔ اور جس طرح انکار شہادت عقلی احتمالوں کے پیدا کرنے سے کوئی عاقل کر نہیں سکتا اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کی حیات ونزول کا انکار عاقل مسلمان کی شان سے بعید ہے۔ ہم بھی اس مقام میں ایک سچی پیشین گوئی کرتے ہیں کہ مرزا صاحب کو کتنا ہی اشتعال دیجئے وہ مرزا حیرت صاحب کا مقابلہ نہ کریں گے اور بالفرض کیا بھی تو ممکن نہیں کہ کامیاب ہو سکیں۔

یہاں ایک دوسرا مسئلہ پیش نظر ہوتا ہے کہ تواتر جس کے بعد یقین کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کے لئے کتنے شخصوں کی خبر کی ضرورت ہے؟ سو اس کا تصفیہ خود ہر شخص کا وجدان کر سکتا ہے اس لئے کہ یقینی کیفیت ایک وجدانی خبر ہے اگر یہ قرار دیا جائے کہ مثلاً سو آدمیوں کی خبر سے یقین ہو جاتا ہے تو بعض مواقع ایسے بھی ہوں گے کہ سو تو کیا لاکھوں آدمیوں کی بات بھی قابل اعتبار نہ سمجھی جائے گی مثلاً کوئی جھوٹا نبوت کا دعویٰ کر کے کسی بات کی خبر دے اور اس کے ہزارہا پیرو بھی وہی خبر دیں تو یقین تو کیا وہم بھی نہ ہوگا۔ دیکھ لیجئے

مرزا صاحب خبر دیتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کی قبر کشمیر میں ہے اور ان کے اتباع بھی لوگوں سے یہی کہتے ہیں مگر اب تک کسی کو وہمی طور پر بھی اس کا تصور نہ ہوا بہ خلاف اس کے مسلمانوں کو اپنے نبی کی خبر پر وہ یقین ہوتا ہے کہ اگر اس کے خلاف لاکھوں آدمی کہیں تو اس یقین پر ذرا بھی برا اثر پڑ نہیں سکتا۔ اسی طرح مسلمانوں کے نزدیک مسلّم ہے کہ کل صحابہ رضی اللہ عنہم عدول اور سچے تھے اس وجہ سے مسلمان کو دو چار ہی صحابہ کا اتفاق کسی خبر پر معلوم ہو تو اس کے یقین کی کیفیت دل میں پیدا ہو جاتی ہے اور منافق سو صحابیوں کی خبر کو بھی نہ مانے گا۔ الغرض اس یقین کی کیفیت پیدا ہونے کا مدار حسن ظن پر ہے۔ جس قدر مخبروں پر حسن ظن زیادہ ہو گا اذعانی کیفیت جلد پیدا ہو گی اور احتمالات عقلیہ جلد مقہور ہو جائیں گے اور جس قدر بدگمانی زیادہ ہو گی اسی قدر احتمالات عقلیہ زیادہ شورش کریں گے۔ دیکھ لیجئے مرزا صاحب کو چونکہ اسلاف پر بالکل حسن ظن نہیں اس لئے حدیث و تفسیر میں ایسے ایسے احتمالات عقلیہ پیدا کر دیتے ہیں کہ اب تک کسی مسلمان کو نہیں سوجھے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ خان صاحب کا بھی یہی حال ہے۔

اب مشکل یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کی ہدایت پر ہونے کی شناخت حق تعالیٰ نے یہ مقرر کی ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سے اعتقاد ہم میں ہوں۔ چنانچہ ارشاد ہے قولہ تعالیٰ **فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَا اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا** یعنی حق تعالیٰ صحابہ سے مخاطب ہو کے فرماتا ہے کہ اگر تمہاری طرح وہ لوگ بھی ان خبروں پر ایمان لائیں یعنی کامل اعتقاد رکھیں تو وہ ہدایت پر ہیں۔ اب اگر احادیث ساقط الاعتبار کر دیئے جائیں تو کیونکر معلوم ہو کہ صحابہ کا اعتقاد کیا تھا۔ مثلاً تمامی کتب اسلامیہ سے ثابت ہے کہ صحابہ کا اعتقاد تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور قریب قیامت آسمان سے اتریں گے جس کو ہر زمانے کے محدثین، فقہاء، اولیاء اللہ اور جمیع علماء بیان کرتے اور اپنی تصنیفات میں لکھتے رہے جس پر آج تک کل امت گواہی دے رہی ہے اور ایک روایت بھی کسی کتاب میں نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام مر کر مُردوں میں جا ملے۔ اس صورت میں اگر تمام

کتب ساقط الاعتبار ہوں تو کیونکر معلوم ہو کہ اس مسئلے میں ہم صحابہ کے اعتقاد پر ہیں۔

مرزا صاحب کی یہ خودغرضی کا نتیجہ ہے کہ تمام امت کے ساتھ بدظنی کی جارہی ہے اور اس تواتر کو اتنی بھی وقعت نہیں دی گئی جو یورپ کے اخبار نویسوں کو دی جاتی ہے۔ جتنا ہندوؤں کے کہنے سے مرزا صاحب کو کرشن ہی پر اعتقاد ہے اس کا ہزارواں حصہ اس مسئلے پر نہیں حالانکہ کروڑہا اکابرین دین اور مسلمانوں کی شہادت سے ثابت ہے۔

اب مرزا صاحب کے عقلی معجزات کا حال کسی قدر بیان کیا جاتا ہے انہوں نے اپنے عقلی معجزات ثابت کرنے سے پہلے یہ تمہید کی کہ اس دارالابتلاء میں کھلے کھلے معجزات خدائے تعالیٰ ہرگز نہیں دکھاتا تا ایمان بالغیب کی صورت میں فرق نہ آئے۔ جس کا مطلب ظاہر ہے کہ اگر کھلے کھلے معجزات ظاہر ہوں تو ایمان بالغیب جو مطلوب ہے باقی نہ رہے گا۔ اس سے مقصود یہ کہ خود کھلے معجزات اس وجہ سے نہیں دکھاتے کہ کہیں لوگوں کے ایمان بالغیب میں فرق نہ آ جائے جس کا مطلب یہ ہوا کہ ایمان و یقین کے درجے سے نکل کر عیاں کے درجے کو پہنچ جائیں گے جو ایمان کے درجے سے بھی ارفع ہے۔ مگر براہین احمدیہ میں لکھتے ہیں کہ جو معجزات تصرف عقلی سے بالاتر ہیں وہ محجوب الحقیقت ہیں اور شعبدہ بازیوں سے منزہ کرنا ان کا مشکل ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا یعنی وہ ایسے مشتبہ ہیں کہ ان کا یقین بھی نہیں ہو سکتا۔ اس سے تو یہ بظاہر ہوتا ہے کہ کھلے معجزات میں بجائے اس کے کہ ایمان بالغیب میں فرق آئے، شعبدہ بازی کے اشتباہ کا ایک حجاب اور زیادہ ہوتا ہے۔ اب کونسی بات کو سچ سمجھیں۔ مرزا صاحب خاطر جمع رکھیں کہ اگر کوئی کھلا معجزہ دکھلائیں گے تو کسی کے ایمان بالغیب میں فرق نہ آئے گا۔ ہمت کر کے چند معجزے ایسے دکھلائیں کہ تصرف اور تدبیر عقلی سے بالاتر ہوں۔ جیسے خود ازالۃ الاوہام صفحہ ۳۰۱ میں تحریر فرماتے ہیں۔ معجزات دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو محض سماوی ہوتے ہیں جن میں انسان کی تدبیر اور عقل کو کچھ دخل نہیں

ہوتا۔ جیسے شق القمر جو ہمارے سید و مولیٰ ﷺ کا معجزہ تھا اور خدائے تعالیٰ کی غیر محدود قدرت نے ایک راست باز اور کامل نبی کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے اس کو دکھایا تھا۔ انتہی۔ اگرچہ کہ معجزہ شق القمر بھی مرزا صاحب کی تحقیق مذکورہ کے موافق محجوب الحقیقت ہے مگر اس سے اتنا تو معلوم ہوا کہ خدائے تعالیٰ کی قدرت میں ایسے معجزات کا دکھانا ممکن ہے جس سے راست بازوں کی عظمت ظاہر ہوا کرتی ہے۔ پھر مرزا صاحب کی راست بازی کو کیا ہوا کہ کوئی ایسا معجزہ اب تک ان سے صادر نہ ہوا اور وہاں تو مرزا صاحب ہی نہیں بلکہ بروزی طور پر نعوذ باللہ خود نبی کریم ﷺ تشریف فرما ہیں تو پھر معجزہ شق القمر دوبارہ ہو جانا کوئی بڑی بات نہ تھی ہم نے اس کو بھی چھوڑا عقلاً اتنا تو ہوتا کہ کوئی زمینی خارق عادات دکھائی ہوتی آخر جو معجزے بتا رہے ہیں ان میں بھی اقسام کے کلام ہو رہے ہیں ویسے ہی ان میں بھی کلام ہوتے ہیں۔

عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت جو انہوں نے لکھا ہے کہ وہ فطرتی طاقت سے کام لے کر معجزے دکھاتے تھے جو ہر فرد بشر میں موجود ہے اس سے بھی یہی مقصود ہے کہ خود بھی اسی طاقت سے کام لے کر معجزے دکھاتے ہیں۔ اس صورت میں ضرور تھا کہ چند مادر زاد اندھے اور کوڑیوں کو مثل عیسیٰ علیہ السلام کے چنگے کر دکھاتے۔ اور اگر یہ فرما دیں کہ جتنے لوگ قادیانی ہو گئے ہیں وہ مادر زاد اندھے اور کوڑی ہی تو تھے تو ہم اس کو نہ مانیں گے اس لئے کہ وہ قبل قادیانی ہونے کے خدا اور رسول اور جملہ احکام قرآنیہ پر ایمان لائے تھے اور اگر اس ایمان کو بھی کفر بتائیں تو یہ کہنا صادق ہوگا کہ مرزا صاحب کے نزدیک اسلام، کفر ہے۔

عقلی معجزات کا اختراع کرنا جو کسی نے نہ سنا ہوگا۔ پھر نقلی معجزات کی توہین اور عقلی معجزات کی فضیلت اور تحسین وغیرہ امور اس بات پر دلیل ہیں کہ مرزا صاحب کی عقل معجزات دکھانے میں ید طولیٰ رکھتی ہے، کیوں نہ ہو کل عقلاء کا اتفاق ہے کہ جس عضو اور قوت سے جس قسم کا کام زیادہ لیا جائے اسی طرح اس میں زیادہ طاقت پیدا ہوتی ہے۔

اور مرزا صاحب براہین احمدیہ میں لکھتے ہیں کہ وہ لڑکپن سے اسی کام میں مصروف ہیں تو ان کی عقلی قوت کے بڑھ جانے میں کوئی تامل نہیں۔

عقلی معجزات کا نام سن کر عقلاء کی عقلوں کو ضرور یہ خیال پیدا ہوگا کہ مرزا صاحب کی عقل مشاقی پیدا کر کے نبوت حاصل کرے تو کیا ہم اس قابل بھی نہیں کہ اس کے تراشیدہ معجزات کو سمجھ سکیں۔ اس میں شک نہیں کہ مرزا صاحب بہت بڑے عاقل ہیں مگر عقلاء کا دستور اور مقتضائے عقل ہے کہ جب بڑا کام کرنا منظور ہوتا ہے تو اس میں کتب تواریخ ووقائع سے مدد لے کر پہلے علمی مواد حاصل کر لیتے ہیں جس سے عمل میں آسانی ہوتی ہے اگرچہ مرزا صاحب ایک مدت دراز سے اسی طرف متوجہ ہیں ان کی نظر عقلاء کی کاروائیوں اور اعجاز نمائیوں میں نہایت وسیع ہے اس کا احاطہ ہم سے متعذر ہے مگر باوجود کم فرصتی اور بے توجہی کے چند مثالیں جو ہمیں مل گئی ہیں وہ بیان کی جاتی ہیں اس سے ظاہر ہوگا کہ مرزا صاحب نے سابق کے عقلاء سے کیسی مسابقت کی اور انصاف سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ بعض امور میں انہیں کی عقل کے گھوڑے بڑھے رہے۔ ابوالریحان خوارزمی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ'' میں لکھا ہے کہ یوذاسف جو ملک طہورث کے وقت میں ہندوستان میں آ کر نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور دراصل وہ ستارہ پرست تھا اس نے ابراہیم علیہ السلام کی نسبت یہ تہمت لگائی کہ وہ ستارہ پرست تھے اتفاقاً ان کے قلفہ میں برص نمودار ہوا اس زمانے میں برص والے کو لوگ نجس سمجھ کر اس سے مخالطت نہیں کرتے تھے اس وجہ سے انہوں نے اپنے قلفہ کو قطع کر ڈالا یعنی اپنی ختنہ کی۔ جب کسی بت خانہ میں حسب عادت گئے تو کسی بت سے آواز آئی کہ اے ابراہیم تم ایک عیب کی وجہ سے ہمارے پاس سے چلے گئے تھے اور اب وہ عیب لے کر آئے ہو چلو ہمارے پاس سے نکلو اور پھر یہاں کبھی نہ آنا یہ سن کر ان کو غصہ آیا اور اس بت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور مذہب بھی چھوڑ دیا اس کے

بعد ان کو اپنے فعل پر ندامت ہوئی اور چاہا کہ اپنے بیٹے کو مشتری کے لئے ذبح کریں کیونکہ اس زمانے میں دستور تھا کہ ایسے مواقع میں اپنی اولاد کو ذبح کیا کرتے تھے جب مشتری کو ان کی سچی توبہ کی صداقت معلوم ہوگئی تو ایک دنبہ ان کے فرزند کے عوض میں دے دیا۔

اسی طرح مرزا صاحب نے بھی عیسیٰ علیہ السلام پر تہمت لگائی کہ مسمریزم سے وہ قریب الموت مُردوں کو حرکت دیتے تھے یعنی جادوگر تھے اور اپنے باپ نجار سے کلوں کی چڑیاں بنانا سیکھ لیا تھا۔ اور تالاب کی مٹی میں خاصیت تھی جس سے وہ چڑیاں بناتے اور کلوں کے ذریعے سے حرکت دیتے تھے اور کوڑی وغیرہ کا اسی مٹی سے علاج کرتے تھے۔ تعجب نہیں کہ یوزاسف کی تقریر نے مرزا صاحب کو اس طرف توجہ دلائی ہو کیونکہ ''سخن از پہلو سخن می خیزد''۔ اور اگر بغیر تقلید کے وہ خود انہیں کا اختراع ہے تو پھر کون کہہ سکتا ہے کہ ان کی طبیعت یوزاسف کی طبیعت سے کم ہے۔ اسی طرح مسیح علیہ السلام کے سولی پر چڑھانے کا واقعہ انہوں نے اپنی طبیعت سے تراشا کہ ان کو یہود نے سولی پر چڑھایا اور مرگئے، سمجھ کر شام سے پہلے اتار لیا اتفاقاً اس وقت آندھی چلی اور گڑبڑ میں وہ بھاگ گئے اور اپنے وطن گلیل میں مرے اور پھر کشمیر میں آکر مرے چنانچہ وہاں ان کی قبر موجود ہے۔ حالانکہ یہ قصہ نہ مسلمان کی کسی کتاب میں ہے، نہ عیسائیوں کی کتاب میں۔ اسی طرح دجال وغیرہ کے حالات میں اپنی طبیعت سے واقعات اور اسباب تراشتے ہیں۔ اگر اہل علم ازالۃ الاوہام کو دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ ہمارے زمانے میں مرزا صاحب کی طبیعت یوزاسف کی طبیعت سے اس باب میں کم نہیں۔ واقعات اور آیات واحادیث کے نئے نئے مضامین تراشنے میں ان کو کمال ہے۔ علماء کو عقلی لطف اٹھانے کے لئے یہ کتاب قابل دید ہے اور اگر بیچارے بے علم حسن ظن سے اس کو دیکھ لیں تو ضرور گمراہ ہو جائیں گے۔ کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ جو شخص ابراہیم علیہ السلام کے اصلی واقعات کو نہ جانتا ہو اور یوزآسف کی تقریر مذکور کو حسن ظن سے دیکھ لے تو پھر اس کو اس بات کی

تصدیق کرنے میں کہ ابراہیم علیہ السلام (نعوذ باللہ) مجوسی تھے کون چیز مانع ہے۔ اس لئے بے علم اور نیم ملا کو مرزا صاحب اور خان صاحب کی تصانیف کا دیکھنا سم قاتل سے بڑھ کر ہے۔

تاریخ کامل میں علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ نہار الرجال بن عنفوہ ہجرت کرکے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قرآن پڑھ کر اہل یمامہ کی تعلیم کے لئے گیا جو سب مسلمان ہوگئے تھے۔ مسیلمہ کذاب نے اس کو کسی تدبیر سے اپنے موافق کرلیا اس نے اہل یمامہ میں یہ بات مشہور کی کہ نبی کریم ﷺ نے مسیلمہ کو اپنی نبوت میں شریک کرلیا ہے چونکہ وہ لوگ نو مسلم اور دین کی حقیقت سے ناواقف تھے اور سب میں عالم بلکہ معلم وہی نہار تھا۔ پس انہوں نے حسن ظن سے اس کی تصدیق کرلی اور مسیلمہ کے تابع ہوگئے چونکہ وہ ایک زمان آور عقلمند شخص تھا دعویٰ کیا کہ مجھ پر بھی وحی اترتی ہے اور مسجع عبارتیں یہ کہہ کر پیش کرتا کہ مجھ پر یہ وحی ہوئی ہے۔ چنانچہ ایک وحی اس کی یہ ہے **یاضفدع بنت ضفدع نقی ماتنقین اعلاک فی الماء واسفلک فی الطین لاالشارب تمنعین ولاالماء تکدرین** اور ایک وحی اس کی یہ ہے **والمبدیات زرعا والحاصدات حصدا والزاریات قمحا والطاحنات طحنا والخابزات خبزا والثاردات ثردا واللاقمات لقما اھالة وسمنا لقد فضلتم علی اھل الوبر وما سبقکم اھل المدر زیقکم فامنعوہ والمعیی فاودہ والباغی فتاودہ**۔ علامہ خیر الدین آفندی آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے الجواب الفسیح لمالفقہ عبد المسیح نصرانی کا قول نقل کیا ہے کہ اس کا پورا مصحف میں نے پڑھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ایک مصحف ہی تصنیف کرڈالا تھا اور دعویٰ یہ تھا کہ وہ الہامی کتاب ہے۔ غرض اس نے اس تدبیر سے بنی بنائی قوم یعنی مسلمانوں کو اپنے قبضہ میں کرکے زبان آوری سے ان کا نبی بن بیٹھا اور کوئی شریعت نئی تجویز نہیں کی بلکہ وہ سب پانچ وقت کی نمازیں پڑھا کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کے بھی معترف تھے۔

مرزا صاحب نے بھی یہی کام کیا کہ پہلے مسلمانوں کو اپنے موافق بنانے کی یہ تدبیر نکالی کہ براہین احمدیہ مخالفین اسلام کے مقابلے میں تصنیف کی جب معتقدوں کا اعتقاد راسخ ہوگیا تو نبی بنائی قوم کے نبی بن بیٹھے اور اعجاز مسیح لکھ کر معجزہ بھی ظاہر کر دیا جیسے مسیلمہ نے مصحف لکھا تھا۔ ضرورۃ الامام صفحہ ۲۵ میں لکھتے ہیں کہ میں قرآن شریف کے معجزے کے ظل پر عربی بلاغت و فصاحت کا نشان دیا گیا ہوں کوئی نہیں جو اس کا مقابلہ کر سکے انتہی۔ یہی وجہ تھی کہ مسیلمہ کذاب کی فصاحت و بلاغت کو اس احمق قوم نے نشانی سمجھ لی جس سے گمراہ اور ابدالاباد کے لئے دوزخی بن گئے اور نبی ﷺ کی نبوت کی تصدیق ان کے کچھ کام نہ آئی۔

مرزا صاحب کی امت ہنوز اسی خیال میں ہے کہ ہم نبی ﷺ کی بھی تصدیق کرتے ہیں اس لئے مسلمان ہیں۔ ذرا غور کریں کہ مسیلمہ کذاب کی امت بھی تو حضرت ﷺ کی تصدیق کرتی تھی مگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کا کچھ اعتبار نہ کیا اور صحابہ نے حسب ارشاد نبوی ﷺ جو پہلے ہو چکا تھا جہاد کر کے ان سب کو قتل کر ڈالا۔ حق تعالیٰ نے آدمی کو وجدان بھی بڑی نعمت دی ہے ذرا اس کی طرف توجہ کر کے دیکھیں کہ اگر مرزا صاحب کا واقعہ صحابہ کے زمانے میں وقوع میں آتا ہے تو کیا یہ نبوت مسلّم رہتی ہے اور یہ ایمان کافی سمجھا جاتا ہے۔

مسیلمہ کذاب کا مختصر حال جو مواہب اور اس کی شرح میں مذکور ہے۔ بمناسبت مقام لکھا جاتا ہے۔ کہ اس کی عمر مرتے وقت ڈیڑھ سو (۱۵۰) برس کی تھی۔ اس حساب سے آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت اس کی عمر سوا سو (۱۲۵) برس کی تھی اور اس زمانے میں رحمٰن یمامہ مشہور تھا چنانچہ نبی کریم ﷺ نے جب **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** ابتداء پڑھا تو کسی نے کہا کہ اس میں تو مسیلمہ کذاب کا ذکر ہے وہ مدینہ طیبہ میں وفد بنی حنیفہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوا مگر ساتھ ہی یہ درخواست بھی کی کہ آدھا ملک اپنے کو دیا جائے جس سے حضرت ﷺ خفا ہو گئے پھر یمامہ آ کر نبوت کا دعویٰ کیا اور یہ نامہ لکھا من

مسیلمۃ رسول اللہ الٰی محمد رسول اللہ امابعد فانی اشرکت معک فی الامروان لنا نصف الامر وقریش نصف الامر انتہی۔ **بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد رسول اللہ الٰی مسیلمۃ الکذاب سلام علی من اتبع الھدی اما بعد فان الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین** انتہی۔

علامہ برہان الدّین وطواط رحمۃ اللہ علیہ نے غرر الخصائص الواضحہ میں لکھا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اوائل خلافت میں سجاح بنت سوید یربوعیہ نے نبوت کا دعویٰ کیا چونکہ یہ عورت نہایت فصیحہ تھی اور جو بات کہتی مسجع کہتی تھی اس لئے اس کے مسجع اور پرزور تقریروں نے لوگوں کو مسخر کرلیا چنانچہ کئی قبیلے عرب کے اس کے ساتھ ہوگئے پھر اس نے بنی تمیم کا قصد کیا چونکہ وہ بہت بڑا قبیلہ ہے۔ اس نے ان سے کہا کہ اگرچہ میں نبیہ ہوں مگر عورت ہوں اگر تم مجھے تائید دو گے تو سلطنت اور امارت تم ہی میں رہے گی۔ انہوں نے قبول کیا ان دنوں مسیلمہ کذاب کی بھی شہرت تھی۔ سجاح نے کہا چلو اس کو آزمائیں گے، اگر فی الحقیقت نبی ہے تو مضائقہ نہیں ورنہ اس کے قوم کو شرمندہ کرنا چاہیے اور ایک بڑی فوج لے کر روانہ ہوئی۔ جب مسیلمہ کو یہ حال معلوم ہوا تو گھبرایا اور تحائف وہدایا بھیج کر اس کا خواستگار رہا جب اس نے امن دیا تو چالیس شخصوں کو لے کر اس کی طرف روانہ ہوا قریب پہنچ کر اپنے رفقاء سے کہا کہ ایک عمدہ خیمہ اس کے لئے نصب کرکے بخور وغیرہ سے معطر کردو چنانچہ خیمہ آراستہ اور معطر کرکے اس کی دعوت کی گئی جب وہ خیمہ میں داخل ہوئی اور نبی اور نبیہ کا اجتماع ہوا تو ادھر ادھر کی گفتگو اور موانست کے بعد سجاح نے پوچھا کہ تم پر کیا وحی ہوئی؟ مسیلمہ نے کہا **الم ترکیف فعل ربک بالحبلی اخرج منھا نسمۃ تسعی من بین صفاق وحشی** کہا اس کے بعد کیا؟ کہا **ان اللہ خلق النساء افواجًا وجعل الرّجال لھن ازواجا فنولج فیھن غراميلنا ایلاجا ثم نخرجھا اذاشئن**

اخراجا فینتجن لنا سخالاتنا جا سجاح نے کہا **اشہد انک نبی اللہ**۔ مسیلمہ نے کہا کیا تم مناسب سمجھتی ہو کہ تم سے نکاح ہو اور تمہاری اور ہماری فوج ملکر کل عرب کو فتح کر لے۔ کہا اچھا۔ ساتھ ہی مسیلمہ نے یہ اشعار پڑھے۔

الاقومی الی النیک فقد ھئی لک المضجع
فان شئت ففی البیت فان شئت ففی المخدع
وان شئت سلقناک وان شئت علی اربع
وان شئت بثلثیة وان شئت به اجمع

اس نے آخر فقرے کو پسند کر کے کہا **به اجمع فهو للشمل اجمع صلی اللہ علیک** مسیلمہ نے کہا مجھے بھی ایسی ہی وحی ہوئی ہے۔

جب بعد کامیابی کے سجاح اپنے مقام پر گئی لوگوں نے حال دریافت کیا۔ کہا کہ مسیلمہ برحق نبی ہے اسی وجہ سے میں نے اس کے ساتھ نکاح کر لیا۔ لوگوں نے کہا کچھ مہر بھی دیا گیا؟ کہا نہیں۔ کہا افسوس ہے تجھ جیسی عورت کا کچھ مہر مقرر نہ ہو۔ ساتھ ہی سجاح لوٹی مسیلمہ نے کہا خیر تو ہے۔ کہا مہر کے لئے آئی ہوں۔ کہا تمہارا مؤذن کون ہے۔ کہا شبیب ابن ربعی۔ کہا اس کو بلاؤ جب وہ آیا تو مسیلمہ نے کہا سجاح کے مہر میں تم سب لوگوں سے صبح اور عشا کی نماز میں نے معاف کردی۔ سب قوم میں پکار دو کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے جو پانچ نمازیں مقرر کی تھیں ان میں سے دو نمازیں مسیلمہ بن حبیب رسول اللہ نے معاف کر دیں چنانچہ بنی تمیم یہ دو نمازیں نہیں پڑھتے تھے۔

اس واقعہ سے ایک بات اور بھی معلوم ہوئی کہ درود اس زمانے میں سوائے انبیاء کے اور کسی کے نام کے ساتھ کہا نہیں جاتا تھا اسی وجہ سے سجاح نے مسیلمہ کو صلی اللہ علیک اس وقت کہا جبکہ اس کی نبوت کا اعتراف کیا۔

اب مرزا صاحب کے نام پر صلی اللہ علیہ جو کہا جاتا ہے وہ سجاح اور مسیلمہ کی سنت

ہے اس لئے کہ پہلے جس مدعی نبوت کے نام پر یہ جملہ کہا گیا مسیلمہ کذاب ہی تھا۔

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مواہب میں لکھا ہے کہ اسود عنسی جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور آنحضرت ﷺ نے اس کے قتل کا حکم دیا اس کے روبرو سے ایک گدھا جارہا تھا اتفاقاً وہ گر گیا اس نے اس کو اپنا معجزہ قرار دیا کہ وہ اپنے کو سجدہ کرتا ہے پھر جب وہ اٹھنے لگا تو کچھ کہہ دیا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ اس کے حکم سے گدھا کھڑا ہو گیا۔

الغرض اتفاقی امور سے بھی عقلاء اعجاز نمائی کا کام لے لیتے ہیں۔ چنانچہ مرزا صاحب نے کئی مواقع میں ایسا ہی کیا۔ طاعون جب تک قادیان میں آیا نہ تھا۔ مرزا صاحب نے اشتہار جاری کیا کہ **انه اوی القری** اور للکارا کہ کوئی ہے کہ ہماری طرح اپنے اپنے شہر کی بابت کہے۔ **انه اوی القریٰ** اور لکھا کہ طاعون کا یہاں آنا کیسا؟ باہر سے طاعون زدہ کوئی آتا ہے تو اچھا ہو جاتا ہے۔ اور لکھا کہ قادیان محفوظ رہے گا کیونکہ یہ اس کے رسول کا تخت گاہ ہے اور یہ تمام امتیوں کے لئے نشان ہے۔

پھر جب طاعون قادیان میں پہنچ گیا تو اخبار میں شائع کرایا کہ طاعون حضرت مسیح کے الہام کے ماتحت اپنا کام برابر کر رہا ہے۔ دیکھئے عقلی معجزہ اسے کہتے ہیں کہ ایک طاعون سے کھلے کھلے دو عقلی معجزے ظاہر ہو گئے۔

زلزلہ سے جو الاکھی کا بتخانہ جب تباہ ہوا تو ''الحکم'' مورخہ ۷ اپریل ۱۹۰۵ء میں فرماتے ہیں کہ ان بتوں کے گرنے پر خدا کے جری کو یہ وحی ہوئی **جاء الحق وزھق الباطل** جیسے کہ آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کے دن یہ آیت پڑھی جب کہ وہ بت جو بیت اللہ میں رکھے تھے، توڑ دیئے گئے۔ آج احمد قادیانی کے منہ سے خدا کی اس وحی کا پھر نزول ہوا۔ فی الحقیقت مشہور آیت کا پڑھ دینا بھی عقلی معجزہ ہے۔ مرزا صاحب ہی کا کام تھا کہ برموقع کمال جراءت سے اپنے گھر بیٹھ کر وہ آیت پڑھ دی۔

ازالۃ الاوہام صفحہ ۱۰۷ میں لکھتے ہیں جس زمانے میں آنحضرت ﷺ کا کوئی نائب دنیا میں پیدا ہوتا ہے تو یہ تحریکیں ایک بڑی تیزی سے اپنا کام کرتی ہیں اور اس نائب کو نیابت کا اختیار ملنے کے وقت تو وہ جنبش نہایت تیز ہو جاتی ہے۔ طبیعتوں اور دلوں اور دماغوں کو غایت درجے کی جنبش دیجاتی ہے۔ اور تمام انسانوں کے استعدادات مخفیہ ظاہر ہوتے ہیں اور ذخائر علوم وفنون کا فتحیاب ہو جاتا ہے۔ صنعتیں کلیں ایجاد ہوتی ہیں اور نیکوں کی قوتوں میں خارق عادت طور پر الہامات اور مکاشفات ہوتے ہیں اور یہ سب اپنا حال بیان فرماتے ہیں جو سیاق وسباق سے ظاہر ہے۔ غرض یہ کہ جتنی کلیں امریکہ اور یورپ میں ایجاد ہوئیں مرزا صاحب ہی کے معجزات ہیں۔

اربعین میں لکھتے ہیں کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے لوگوں کے لئے ایک بھاری نشان ظاہر ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ تیرہ سو برس سے مکے سے مدینے جانے کے لئے اونٹوں کی سواری چلی آتی تھی قرآن وحدیث میں بالاتفاق یہ پیش گوئی تھی کہ ایک وہ زمانہ آتا ہے کہ یہ اونٹ بیکار کئے جائیں گے اور کوئی ان پر سوار نہیں ہوگا۔ چنانچہ **وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ** اور حدیث **تیرک القلائص فلایسعی علیھا** اس کی گواہ ہے پس یہ کس قدر بھاری پیشین گوئی ہے جو مسیح کے زمانے کے لئے اور مسیح موعود کے ظہور کے لئے بطور علامت تھی جو ریل کی تیاری پوری ہوگئی۔ **فالحمد للہ علی ذالک** انتہیٰ۔

آیت **واذالعشار عطلت** سورہ **اذالشمس کورت** میں ہے۔ درمنثور میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث نقل کی ہے۔ **واخرج احمد والترمذی وابن المنذر والحاکم وصححہ ابن مردویۃ عن ابن عمر** رضی اللہ عنہما **قال قال رسول اللہ** ﷺ **من سرہ ان ینظر الٰی یوم القیامۃ کانہ رائی عین فلیقرأ اذا الشمس کورت** (الحدیث) یعنی فرمایا نبی ﷺ نے جس کو یہ اچھا معلوم ہو کہ قیامت

کوبرائے العین دیکھ لے تو اذا الشمس کورت پڑھے۔ کیونکہ اس میں زمینی اور آسمانی انقلاب پورے مذکور ہیں کہ **عشار** یعنی گابھن اونٹنیاں جو عربوں کو نہایت مرغوب ہوا کرتی ہیں ان کی طرف کوئی توجہ نہ کرے گا۔ کل وحشی جانور اکٹھے ہو جائیں گے یعنی چرندوں کو درندوں کا کچھ خوف نہ ہوگا، پہاڑ اڑ جائیں گے، سمندروں کا پانی خشک ہو جائے گا، تارے گر جائیں گے، آفتاب بے نور ہو جائے گا، آسمان خراب ہو جائیں گے، غرض اونٹنیوں کے معطل ہونے سے مقصود بیان ہول و پریشانی ہے جو نفخ صور کے وقت قیامت کے قریب ہوگی۔ مرزا صاحب نے یہ سمجھا کہ حجاز ریلوے کی وجہ سے یہ سب کچھ ہو جائے گا۔ یہ دوسرا عقلی معجزہ ہے۔ مرزا صاحب نے حجاز ریلوے سے جو یہ کام لیا کہ وہ اپنی نشانی ہے اس سے زیادہ وہ اس سے کام لے بھی نہیں سکتے، اس لئے کہ حج کو جانا بھی ان کا عقلاً محال ہے۔ کیونکہ ازالۃ الاوہام میں وہ تصریح سے کہتے ہیں کہ ہندوستان بلکہ قادیان دارالامان ہے پھر اس دارالامن سے کسی دارالاسلام میں وہ کیونکر جا سکتے تا کہ نوبت سواری کی پہنچے۔ غرض اس ریل کو اپنی سواری اگر تجویز فرماتے ہیں تو ایں خیال است و محال است کا مضمون صادق ہے اور اگر اونٹنیوں کا بیکار ہونا ہی علامت ان کے مسیح موعود ہونے کی ہے تو مارواڑ کی اونٹنیاں مرزا صاحب کی عیسویت ثابت ہونے نہ دینگی اس لئے کہ باوجود ریل کے وہ اب تک بیکار نہیں ہوئیں پھر حجاز کی اونٹنیاں کیوں بے کار ہونگی۔

ازالۃ الاوہام صفحہ ۷۲۲ میں لکھتے ہیں کہ آیت **انا علی ذھاب به لقادرون** میں ۱۸۵۷ء کی طرف اشارہ ہے جس میں ہندوستان میں ایک مفسدہ عظیم ہو کر آثار باقیہ اسلامی سلطنت کے ملک ہند سے ناپید ہو گئے کیونکہ اس آیت کے اعداد بحساب جمل ۱۲۷۴ مطابق ۱۸۵۷ء ہیں جس کی نسبت خدائے تعالیٰ آیت موصوفۂ بالا میں فرماتا ہے کہ جب وہ زمانہ آئے گا تو قرآن زمین پر سے اٹھایا جائے گا پس اس حکیم و علیم کا قرآن میں یہ

فرمانا کہ ۱۸۵۷ء میں میرا کلام آسمان پر اٹھایا جائے گا یہی معنی رکھتا ہے کہ مسلمان اس پر عمل نہیں کریں گے جیسا کہ مسلمانوں نے ایسا ہی کیا۔ اور نیز ازالۃ الاوہام صفحہ ۶۵۷ میں لکھتے ہیں کہ حدیثوں میں یہ بات بوضاحت لکھی گئی ہے کہ مسیح موعود اس وقت دنیا میں آئے گا کہ جب علم قرآن زمین پر سے اٹھ جائے گا اور جہل شیوع پا جائے گا یہ وہی زمانہ ہے جس کی طرف ایک حدیث میں یہ اشارہ ہے **لو کان الایمان معلقا عند الثریا لناله رجل من فارس** یہ وہ زمانہ ہے جو اس عاجز پر کشفی طور پر ظاہر ہوا جو طغیان اس کا اس سن ہجری میں شروع ہوگا جو آیت **وانا علی ذهاب به لقادرون** میں بحساب جمل مخفی ہے۔

اس تقریر میں عقلی معجزہ مرزا صاحب کا یہ ہے کہ ۱۲۷۴ھ سے قرآن کو غائب کر دیا پھر ۱۳۰۰ھ میں اسے ثریا سے اتار لایا۔ کیونکہ ازالۃ الاوہام صفحہ ۱۸۶ سے واضح ہے کہ مسیح کے ظہور کی تاریخ غلام احمد قادیانی ۱۳۰۰ھ ہے مرزا صاحب کو قرآن غائب کرنے کے لئے اتفاقاً غدر کا موقع ہاتھ آ گیا مگر اس میں یہ کسر رہ گئی کہ غدر تو ہندوستان کے لوگوں نے کیا تھا، قرآن حرمین عرب، روم، شام، بلخ، بخارا، افغانستان، چین وافریقہ وغیرہ سے کیوں اٹھا لیا گیا۔ مرزا صاحب نے روئے زمین کو ہندوستان میں منحصر کر کے سب کو اس شعر کا مصداق سمجھا ؎

ہر آن کرمیکہ در گندم نہانست　　زمین وآسمان او ہمانست

ورنہ کبھی یہ نہ فرماتے کہ غدر میں قرآن زمین سے اٹھا لیا گیا اور قرآن اگر ہندوستان سے اٹھا لیا گیا تھا تو دوسرے اسلامی ملکوں میں ضرور باقی تھا۔ پھر پچیس تیس (۲۵۔۳۰) سال تک کیا کوئی دوسرے ملک کا مسلمان ہندوستان میں آیا ہی نہیں یا کوئی ہندوستانی اس رت میں حج کو ہی نہیں گیا جو وہاں سے اپنے اور اپنے بھائیوں کی دین ودنیا کی بہبودیوں کا ذریعہ اور ایمان کا مدار وہاں سے لے آتا اور مرزا صاحب کو ثریا سے اتار لانے کی زحمت نہ ہوتی

اس بیان سے مقصود یہ ہے کہ جہاں اتفاقی امر میں مرزا صاحب کو کسی قسم کا موقع ملجاتا ہے تو اس کو استدلال میں پیش کر دیتے ہیں اور کسی بات کی پرواہ نہیں کرتے۔ دیکھئے کس ڈھٹائی سے کہتے ہیں کہ خدا نے قرآن میں فرمایا کہ ۱۸۵۷ء میں میرا کلام آسمان پر اٹھایا جائے گا تا کہ جاہلوں اور امنا وصدقنا کہنے والوں کو یقین ہو کہ قرآن ہاتھ سے نکل ہی گیا تھا اگر مرزا صاحب نہ ہوتے تو کس سے یہ ہوسکتا کہ ثریا پر جا کر وہاں سے اسے لے آتا۔

علامہ جوہری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب المختار میں لکھا ہے۔ کہ حجاز کے کسی شہر میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی جس کا نام سلیمان مغربی تھا اس کی عجیب حالت دیکھی گئی کہ جو مہمان اس کے ہاں جاتا جس قسم کے کھانے کی خواہش کرتا غیب سے اس کا سامان ہوجاتا تھا چنانچہ ہم آٹھ شخص اس کے ہاں گئے ہر ایک نے ایک خاص قسم کے کھانے کی فرمائش کی۔ شیخ اپنے خلوت خانے میں جا کر نماز اور دعا میں مشغول ہوا تھوڑی دیر کے بعد جب باہر نکلا تو ہر ایک کی فرمائش موجود تھی جس سے ہم حیران ہوگئے۔ جوہری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ میں نے اس کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اس کی عورت شہر میں رہتی ہے شیخ کو جو کچھ منگوانا ہوتا ہے حجرے میں جا کر کل فرمائشیں لکھ کر کبوتر کے ذریعے سے اس کے پاس بھیج دیتا اور وہ عورت سب چیزیں تیار کر کے فوراً بھیج دیتی ہے۔ اس عقلی معجزے سے لوگ اس کے بہت معتقد تھے دور دور سے تحائف وہدایا اور زر خطیر اس کے پاس بھیجتے تھے جس سے وہ نہایت مرفہ الحال تھا۔

اس قسم کے عقلی معجزات کی تکمیل آدمی اپنی ذات سے نہیں کر سکتا کسی اعتمادی شخص کی تائید کی ضرورت ہوتی ہے چونکہ یہ شیخ قانع اور خانہ نشین تھا ایک عورت ہی کی تائید اس کے لئے کافی تھی اور جو لوگ بلند ہمت اور مرد میدان ہوتے ہیں اور ایک بڑے پیمانے پر کام چلانا چاہتے ہیں ان کے لئے کئی ہمراز مؤیدوں کی ضرورت ہوتی ہے جیسا کہ ابن تومرت کے حال سے ظاہر ہے کہ ایک بڑی جماعت عقلاء علماء کی فراہم کر کے کام شروع کیا۔ ایک

عبداللہ ونشریسی اس کو ایسا مل گیا تھا کہ اس کے سب کاموں کو اس سے فروغ ہو گیا۔ اولاً اس کو دیوانہ بنا کر ساتھ رکھا پھر جب ایک بڑے مجمع میں معجزے کی ضرورت ہوئی تو مخفی طور پر اس سے کچھ کہہ دیا۔ یا تو ہمیشہ دیوانہ اور کثیف قابل نفرت حالت میں رہتا تھا یا نہایت فاخرہ عالمانہ لباس پہن کر مجمع میں آیا اور ایک پر تاثیر واقعہ بیان کیا کہ رات آسمان سے ایک فرشتہ میرے پاس آیا اور میرا سینہ شق کر کے دل دھو کر قرآن اور مؤطا وغیرہ کتب حدیث وعلوم سے بھر دیا۔ جب اس کا امتحان لیا گیا تو واقعی عالم ثابت ہوا۔ ابن تومرت یہ حالت دیکھتے ہی بے اختیار رونے لگا کہ کس منہ سے میں خدا کا شکر ادا کروں اس عاجز کی جماعت میں اس نے ایسے لوگوں کو بھی شریک کیا کہ جس پر فرشتے آسمان سے اترتے ہیں اور جس طرح ہمارے سید ہمارے مولی روحی فداہ سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کا سینہ مبارک شق کیا گیا تھا اس عاجز کی جماعت میں ایک ذلیل سے ذلیل شخص کا سینہ فرشتوں نے شق کر کے قرآن وحدیث اور تمامی علوم لدنیہ سے بھر دیا، یہ سب حضرت ہی کا طفیل ہے۔

اس معجزے کے دیکھنے کے بعد ہزاروں حمقاء معتقد اور جان دینے پر مستعد ہو گئے مرزا صاحب کی جماعت میں فاضل اجل حافظ حکیم مولوی نورالدین صاحب ایسے مدبر شخص ہیں کہ مرزا صاحب کو ان پر ناز ہے اور ہونا بھی چاہیے۔ ازالۃ الاوہام صفحہ ۷۸ میں تحریر فرماتے ہیں کہ بہتیروں نے باوجود بیعت کے عہد بیعت فسخ کر دیا تھا اور بہتیرے سست مذبذب ہو گئے تھے تب سب سے پہلے مولوی حکیم نورالدین صاحب کا خط اس عاجز کے اس دعوے کی تصدیق میں کہ ''میں ہی مسیح موعود ہوں'' قادیان میں میرے پاس پہنچا جس میں یہ فقرات درج تھے **آمنا وصدقنا فاکتبنا مع الشاھدین**۔ حکیم نورالدین صاحب جیسے فاضل شخص جب **آمنا وصدقنا** کہہ کر امتی بن جائیں تو پھر جاہلوں کی کیا کمی ہے۔ حکیم صاحب کے سوا مولوی عبدالکریم صاحب وغیرہ بھی اس کمیٹی کے معزز ارکان ہیں جن سے مرزا صاحب کو بہت کچھ

تائید ملی اور ملتی جاتی ہے۔ ضرورۃ الامام صفحہ ۲۹ میں لکھتے ہیں ایک جلیل الشان فاضل مولوی حکیم حافظ حاجی حرمین نورالدین صاحب جو گویا تمام جہاں کی تفسیریں اپنے پاس رکھتے ہیں اور ایسا ہی ان کے دل میں ہزارہا قرآنی معارف کا ذخیرہ ہے۔ یہ لوگ دیوانے تو نہیں کہ انہوں نے مجھ سے بیعت کر لی اور دوسرے ملہموں کو چھوڑ دیا انتہی۔ فی الحقیقت حکیم صاحب جامع الکمالات اور بڑے عقلمند شخص ہیں مگر ونشری سے زیادہ مرزا صاحب کو مدد نہ دے سکے۔

مرزا صاحب براہین احمدیہ صفحہ ۴۶۸ میں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ روپے کی سخت ضرورت تھی تو آریہ سماج کے چند آدمیوں کے روبرو دعا کی اور الہام ہوا کہ دس دن کے بعد روپیہ آئے گا اور یہ بھی الہام اسی وقت ہوا کہ تم امرتسر بھی جاؤ گے۔ چنانچہ دس دن کے بعد گیارہویں روز محمد افضل خان صاحب سپرنٹنڈنٹ بندوبست راولپنڈی نے ایک سو دس روپے بھیجے اور بست (۲۰) روپے ایک اور جگہ سے آئے۔ سو یہ وہ عظیم الشان پیشین گوئی ہے جس کی مفصل حقیقت پر اس جگہ کے چند آریوں کو بخوبی اطلاع ہے۔ اگر قسم دی جائے تو سچی گواہی دیں گے انتہی۔

انصاف سے دیکھا جائے تو مرزا صاحب کی اس کاروائی میں ایک قسم کا اعجاز ہے اگرچہ احتیاطاً دس روز کے بعد کی قید لگائی تھی اس لحاظ سے کہ روپے کا معاملہ ہے ممکن ہے کہ بھیجنے والے صاحب وقت مقررہ پر جو خط و کتابت وغیرہ ذرائع سے قرار دیا گیا ہوگا، نہ بھیج سکیں۔ مگر ان پر آفرین ہے کہ برابر وقت معین پر بھیج دیا جس سے عقلی پیشین گوئی پوری ہوئی۔

براہین احمدیہ صفحہ ۴۷۱ میں لکھتے ہیں کہ نور احمد خان صاحب الہام کے منکر تھے ان سے کہا گیا کہ خداوند کریم کے حضرت میں دعا کی جائے گی کچھ تعجب نہیں کہ وہ دعا بہ پایۂ اجابت پہنچ کر کوئی ایسی پیشین گوئی خداوند کریم ظاہر فرمادے جس کو تم بچشم خود دیکھ جاؤ چنانچہ دعا کی گئی اور علی الصباح بنظر کشفی ایک خط دکھایا گیا جو ایک شخص نے ڈاک میں ڈاک خانہ بھیجا ہے اس خط پر انگریزی زبان میں لکھا ہوا ہے۔ آئی ایم کوڑلر اور عربی میں یہ لکھا ہے ہذا شاہد نزاع چونکہ یہ

خاکسار انگریزی زبان سے کچھ واقفیت نہیں رکھتا اس جہت سے پہلے علی الصباح میاں نور احمد صاحب کو اس کشف اور الہام کی اطلاع دے کر انگریزی خوان سے اس انگریزی فقرے کی معنی دریافت کیے گئے تو معلوم ہوا کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ میں جھگڑنے والا ہوں سو اس خط سے یقیناً یہ معلوم ہوگیا کہ کسی جھگڑے کے متعلق کوئی خط آنے والا ہے شام کو ان کے روبرو پادری رجب علی کا خط آ گیا جس سے معلوم ہوا کہ اس عاجز کو ایک واقعے میں گواہ ٹھہرایا ہے انتہیٰ۔

عقلی معجزے کے لوازم سے ہے کہ جو علوم جانتے ہیں ان کو ایسا چھپانا جیسا کہ کوئی راز کو چھپاتا ہے۔ دیکھئے ونشر لیس اور اخرس وغیرہ نے کس عالی حوصلگی سے علم کو چھپایا جو آخر میں معجزے کا کام دیا اسی وجہ سے مرزا صاحب انگریزی دانی چھپاتے ہیں تاکہ ان الہامات میں جو اکثر انگریزی زبان میں ہوا کرتے ہیں جیسا کہ براہین احمدیہ سے ظاہر ہے معجزے کا کام دے۔ اہل دانش پر اس قسم کے معجزات سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ مرزا صاحب کے لوگ ڈاک خانے میں اور دوسرے شہروں میں متعین ہیں کہ اس قسم کی خبروں کی تحقیق کرکے فوراً لکھ دیا کریں تاکہ معجزات کا رنگ نہ بگڑے۔

براہین احمدیہ صفحہ ۴۷۴ میں لکھتے ہیں ازانجملہ ایک یہ ہے کہ ایک دفعہ فجر کے وقت الہام ہوا کہ آج حاجی ارباب محمد لشکر خان کے قرابتی کا روپیہ آتا ہے یہ پیشین گوئی بھی بدستور معمول اسی وقت چند آریوں کو بتلائی گئی اور یہ قرار پایا کہ انہیں میں سے ڈاک کے وقت کوئی ڈاک خانے میں جائے چنانچہ ایک آریہ گیا اور خبر لایا کہ ہوتی مردان سے دس روپے آئے ہیں انتہیٰ۔

فی الواقع روپیہ بھیجنے اور ڈاک خانے کی ایسے طور پر خبر رکھی کہ بھید نہ کھلنے پائے ہر کسی کا کام نہیں۔ مرزا صاحب نے عقلی اعجاز کر دکھایا۔ ڈاک خانے والے کی کسی قدر استمالت کی ضرورت ہوئی ہوگی کہ خطوط تقسیم کرنے سے پہلے خبر دے دی یہی عقلی معجزات ہیں جو ہر کسی کا کام نہیں۔

براہین احمدیہ صفحہ ۴۷۷ میں لکھتے ہیں از انجملہ ایک یہ ہے کہ ایک دفعہ صبح کے وقت بیداری میں جہلم سے روپیہ روانہ ہونے کی اطلاع دی گئی اور اس بات سے اس جگہ آریوں کو جن سے بعض خود جا کر ڈاک خانے میں خبر لیتے تھے بخوبی اطلاع تھی کہ اس روپیہ کے روانہ ہونے کے بارے میں جہلم سے کوئی خط نہیں آیا تھا کیونکہ یہ انتظام اس عاجز نے پہلے ہی سے کر رکھا تھا کہ جو کچھ ڈاکخانے سے خط وغیرہ آتا تھا اس کو خود بعض آریہ ڈاک خانے سے لے آتے تھے اور ہر روز ہر ایک بات سے بخوبی مطلع رہتے تھے اور خود اب تک ڈاک خانے کا ڈاک منشی بھی ایک ہندو ہے غرض جب یہ الہام ہوا تو ان دنوں میں ایک پنڈت کے ہاتھ سے جو امور غیبیہ ظاہر ہوتے تھے لکھوائے جاتے تھے یہ پیشین گوئی بھی بدستور لکھوائی گئی اور کئی آریوں کو بھی خبر دی گئی اور ابھی پانچ روز نہیں گزرے تھے جو پینتالیس روپے کا منی آرڈر جہلم سے آ گیا اور جب حساب کیا گیا تو ٹھیک ٹھیک اسی دن منی آرڈر روانہ ہوا تھا جس دن اس کی خبر دی گئی تھی انتہی۔

مرزا صاحب کا جہلم والے صاحب پر کس قدر وثوق ہوگا کہ خود تاریخ منی آرڈر بھیجنے کی قرار دی تھی برابر اسی تاریخ انہوں نے بھیجا تا معجزہ جھوٹا نہ ہو جائے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ ایسے معجزات کے لئے ایک کمیٹی کی ضرورت ہے جو سب ہم خیال ہوں اور جہاں رہیں اپنے اپنے فرائض منصبی پورے ادا کرتے رہیں۔

اور یہ بھی براہین احمدیہ صفحہ ۴۷۷ میں ہے از انجملہ ایک یہ ہے کہ کچھ عرصہ ہوا کہ خواب میں دیکھا تھا کہ حیدر آباد سے نواب اقبال الدولہ صاحب کی طرف سے خط آیا ہے اور اس میں کسی قدر روپیہ دینے کا وعدہ لکھا ہے۔ یہ خواب بھی بدستور روزنامہ مذکورہ بالا میں اسی ہندو سے لکھایا گیا اور کئی آریوں کو اطلاع دی گئی پھر تھوڑے دنوں بعد خط آ گیا اور نواب صاحب نے سو روپیہ بھیجا انتہی۔

ہمیں معلوم ہے کہ نواب صاحب صاحب کشف نہیں تھے ایک مخبر" شخص تھے کسی کی سعی پر انہوں نے اقرار کر لیا جس کی خوش خبری متوسط نے دی اور مرزا صاحب نے اس کو خواب و خیال سمجھ کر پیش گوئی کی مد میں لکھوا دیا جس کا ظہور معجزے کے رنگ میں ہوا یہ سب اتفاق کی برکت ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

دو دل یک شود بشکند کوہ را

اہل دانش اگر مرزا صاحب کے معجزات کا موازنہ اور مقابلہ سلیمان مغربی کے معجزے کے ساتھ کریں تو اس قسم کے معجزات میں اسی کا پلہ بھاری نظر آئے گا۔ اس لئے کہ اس نے سوائے اپنی بی بی کے کسی سے مدد نہیں لی اور ہزاروں روپے جمع کر کے مرجع خلائق بن گیا۔ البتہ مرزا صاحب کے معجزے کسی ایک قسم میں منحصر نہیں اس میں ان کو بیشک تفوق حاصل ہے مگر اس قسم کے معجزات کو مرزا صاحب جو عظیم الشان نشانیاں کہتے ہیں، نازیبا ہے۔ اس لئے کہ اس قسم کے مغیبات کا دریافت کر لینا کئی طریقوں سے ہوا کرتا ہے۔ سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ کچھ روپیہ صرف کر کے لوگ فراہم کر لئے جاتے ہیں جو وقتاً فوقتاً خبر دیتے رہتے ہیں افسران خفیہ پولیس اسی طریقے سے ہر شخص کے گھر کی بلکہ دل کی بات معلوم کر لیتے ہیں۔

کاہن لوگ بھی اس قسم کی خبریں دیتے ہیں بلکہ وہ تو آئندہ کی خبریں بھی دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے خصائص کبریٰ میں کئی روایتیں نقل کی ہیں جن سے ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت سے پہلے سطیح اور شق وغیرہ کاہنوں نے مفصل خبریں دی تھیں کہ نبی آخر الزماں قریب مبعوث ہونے والے ہیں جو بتوں کو توڑیں گے اور ملک فتح کریں گے۔

مروج الذہب میں امام ابوالحسن مسعودی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ کاہن لوگ جو

غیب کی خبریں دیتے ہیں اس کے سبب میں اختلاف ہے حکمائے یونان وروم کہتے ہیں کہ وہ لوگ نفوس کا تصفیہ کرتے ہیں جس سے اسرار طبیعت کے منکشف ہوتے ہیں اس لئے کہ کل اشیاء کی صورتیں نفس کلی میں قائم ہیں جن کے عکس نفوس مصفّٰی ہیں۔ جلوہ گر ہوتے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ جنات ان کو خبر دیجاتے ہیں اور بعضوں کا قول ہے کہ اوضاع فلکیہ کو اس باب میں دخل تام ہے اور بعضوں کے نزدیک قوت اور صفائی طبیعت اور لطافت جس سے کہانت حاصل ہوتی ہے اور اکثر کا قول ہے اور احادیث سے بھی وہی ثابت ہوتا ہے کہ کوئی شیطان ان کے موافق ہوتا ہے جو اس قسم کی خبریں ان کو دیتا ہے۔ بہر حال اسباب کچھ ہی ہوں مگر سب کے نزدیک مسلّم ہے کہ کاہن غیب کی خبریں دیا کرتے ہیں۔

عامل لوگ حاضرات کے ذریعے سے بھی ایسی خبریں معلوم کر لیتے ہیں چنانچہ اس زمانے میں یہ لوگ بکثرت موجود ہیں۔

مسمریزم کے ذریعے سے بھی مغیبات پر اطلاع ہوا کرتی ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا اس لئے کہ اس کی موجد مہذب قوم ہے اور اس کے تو مرزا صاحب بھی قائل ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام مسمریزم ہی کے ذریعے سے عجائب دکھلاتے تھے اگرچہ یہ وجہ بیان کر کے اس کی مشاقی سے انکار کرتے ہیں کہ وہ کام قابل نفرت ہے مگر عقلاً اس کو باور نہیں کر سکتے اس لئے کہ مرزا صاحب نے اتنا بڑا دعویٰ مسیحائی اور مہدویت و محدثیت و مجددیت وغیرہ کا کیا ہے ممکن نہیں کہ عقلی معجزات دکھلانے کے لئے عقلی کوئی ذریعہ پہلے سے تجویز نہ کر رکھا ہو اور یہ کام کچھ ایسا مشکل بھی نہیں ہزارہا آدمی اس کے واقف اور عامل موجود ہیں اور بہت سی کتابیں بھی اس فن میں تصنیف ہو چکی ہیں اور مرزا صاحب ایک مدت تک گوشہ نشین اور خلوت گزیں بھی رہ چکے ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کی مثلیت حاصل کرنے کی بھی ایک زمانے سے فکر ہو رہی ہے پھر مسمریزم کی مشق سے کون سی چیز مانع ہے؟ رہا انکار سو مصلحت وقت کے لحاظ سے ایسے امور کی

ضرورت ہوتی ہے۔ دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز پر عمل کرنا مقتضائے عقل ہے۔

بہر حال جب غیب کی خبروں پر اطلاع پانے کے متعدد ذریعے موجود ہیں اورانہیں ذرائع سے لوگ اس زمانے میں مطلع ہوا کرتے ہیں تو وہ حد طاقت بشری سے خارج نہ ہوا پھر وہ معجزہ کیونکر ہوسکتا تھا معجزے کی حد میں یہ امر داخل ہے کہ قدرت بشری سے وہ کام خارج ہو اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے اظہار معجزے کے وقت غیب کی خبر دینے سے انکار فرما کر وہ بات دکھلائی کہ امکان بشری سے خارج تھی۔

غرر الخصائص الواضحہ صفحہ ۷۷ امیں لکھا ہے کہ ایک شخص نے کوفے میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سن کر فرمایا کہ اس سے کہا جائے کہ مادرزاد اندھے اور ابرص کو چنگا کرے اور جب تک یہ معجزہ وہ نہ دکھلائے اس کا دعویٰ مسموع نہیں ہوسکتا۔ دیکھیے ترجمان القرآن جن کو علم وحکمت عطا ہونے کی دعا نبی کریم ﷺ نے کی اور وہ مقبول بھی ہوگئے جس کے مرزا صاحب بھی معترف ہیں۔ انہوں نے کیسے مختصر جملے میں تصفیہ فرمادیا اب جو حضرات، ابن عباس رضی اللہ عنہما کو معتمد علیہ اور ان کی بات کو قابل اعتبار سمجھتے ہیں ان کے اس فیصلے پر راضی ہو کر مرزا صاحب سے صاف کہہ دیں کہ جب تک مادرزاد اندھے اور کوڑھی جس کو ہم تجویز کریں آپ چنگا نہ کریں آپ کا دعویٰ مسموع نہیں ہوسکتا۔

مرزا صاحب کے معجزات میں وہ الہام بھی داخل ہیں جو موقع پر ہوتے رہتے ہیں مثلاً

۱......میرے ہر خاص الہام سے ظاہر ہو چکا ہے کہ مسیح ابن مریم فوت ہو چکا ہے اور اس کے رنگ میں ہو کر وعدے کے موافق تو آیا ہے۔ (ازالہ:۵۶۱)

۲......**انا انزلناه قريباً من القاديان** جس کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ عیسیٰ دمشق یعنی قادیان میں اترا ہے۔ (ازالہ:۷۵)

۳......کشف سے معلوم ہوا کہ غلام احمد قادیانی کے تیرہ سو (۱۳۰۰) عدد ہیں یہی مسیح ہے۔ (ازالہ:۸۵)

۴...... اس عاجز کا نام آدم اور خلیفہ اللہ رکھ کر اور **انی جاعل فی الارض خلیفۃ** کے کھلے کھلے طور پر براہین احمدیہ میں بشارت دے کر لوگوں کو توجہ دلائی کہ تا اس خلیفہ کی اطاعت کریں اور اطاعت کرنے والی جماعت سے باہر نہ رہیں۔ (ازالہ:۶۹۵)

۵...... **قل انی امرت وانا اول المومنین واتانی مالم یوت احداً من العالمین۔** (ازالہ:۷۰۳)

۶...... **قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔** (ازالہ:۷۶)

۷...... **قل یاایھا الکافرون انی من الصّادقین۔** (ازالہ:۸۵۵)

جن کا مطلب یہ ہوا کہ خدا نے عیسیٰ علیہ السلام کو مار کر مرزا صاحب کو ان کی جگہ بجائے دمشق قادیان میں اتارا اور خلیفۃ اللہ آدم بنا کر بشارت ان کی براہین احمدیہ میں دے دی اور ان کو وہ فضائل دیئے جو عالم میں کسی کو نہیں دیئے اور ان کی اطاعت کرنے والا محبوب خدا ہے اور ان کا مخالف کافر ہے اور اس کے سوا یہ بھی فرماتے ہیں کہ خدا منہ سے پردہ اٹھا کر ان سے باتیں بلکہ ٹھٹے کیا کرتا ہے۔

ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ بیانات بھی معجزے نہیں ہو سکتے اس لئے کہ ابھی معلوم ہوا کہ معجزہ وہ ہے جو طاقت بشری سے خارج ہو اور یہ بیانات طاقت بشری سے خارج نہیں۔ دیکھ لیجئے مسیلمہ کذاب سے لے کر آج تک جتنے جھوٹے نبی اور مدعیان امامت وعیسویت ومہدویت وکشفیت وشاہدیت ومدثریت وغیرہ گذرے سب برابر کہا کرتے تھے کہ ہم پر وحی ہوتی ہے اور خدا سے باتیں کیا کرتے ہیں اور کسی کو تو خدا نے اپنا پیارا بیٹا بھی کہہ دیا۔ ان کی تعلّیوں پر وہ حکایت صادق آتی ہے جس کو مولانا ئے روم رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں لکھا ہے۔

آں شغالک رفت اندر خم رنگ   اندراں خم کرد یک ساعت درنگ

پس برآمد پوستش رنگین شدہ   کہ منم طاؤس علیین شدہ

دید خودرا سرخ وسبز و بود وزرد   خویشتن رابرشغالاں عرضہ کرد

جملہ گفتند اے شغالک حال چیست   کہ ترادرسرنشاطی ملتویست

ازنشاط ازماکرانہ کردۂ   ایں تکبر از کجا آوردۂ

یک شغالے پیش اوشد کالے فلاں   شید کردی تاشدی ازخوشدلاں

شید کردی تا بمنبر بر جہی   تازلاف ایں خلق راحسرت دہی

پس بکوشیدی ندیدی گرمئے   پس زشید آوردۂ بے شرمئے

صدق وگرمی خودشعاراولیاست   بازبے شرمی پناہ ہردغاست

کالتفات خلق سوئے خودکشند   کہ خوشیم وازدروں بس ناخوشند

غرض یہ کہ اپنے منہ سے وہ ہزار تعلیاں کریں مگر کیا کوئی عاقل ان کی تعلیوں کو معجزہ کہہ سکتا ہے؟ ہاں اس کو ہم مان لیں گے کہ بقول مرزا صاحب وہ بھی ایک قسم کے عقلی معجزات ہیں انہوں نے دیکھا کہ جب تک خدا کی طرف سے ان لوگوں کو پیام نہ پہنچائے جائیں یہ سادہ لوح ہماری بات کو نہ مانیں گے اس لئے حسب ضرورت الہام بنابنا کران کو خدا کی طرف سے سنایا۔ اور قاعدے کی بات ہے کہ جہاں لاکھوں آدمی ہوں وہاں صدہا بلکہ ہزارہا ایسے بھی ہوتے ہیں کہ کسی بات کی تحقیق سے ان کو کچھ غرض نہیں ہوتی ایسی باتوں کو سچ مچ خدائے تعالیٰ کا ارشاد سمجھ کر مان لیتے ہیں۔

غررالخصائص میں لکھا ہے کہ ایک مولوی صاحب کسی بزرگوار کی ملاقات کو گئے دیکھا کہ قرآن شریف گود میں ہے اور زار زار رورہے ہیں اور اشکوں سے قرآن کے اوراق تر ہیں۔ پوچھا یہ کیا حالت ہے؟ کہا میں نے اپنی لونڈیوں کے ساتھ چھاچھ کھائی تھی جس سے خدائے تعالیٰ منع فرماتا ہے اب سوائے رونے کے اور کیا کرسکتا ہوں۔ کہا کس نے

تمہیں اس سے منع کیا؟ کہا کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے **یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْمَحِیْضِ قُلْ هُوَ اَذًی فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الْمَحِیْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ.** (اس آیت میں حائضہ عورتوں سے مقاربت منع کی گئی ہے۔ انہوں نے محیض کو مخیض بجائے معجمہ سمجھا جس کے معنی چھاچھ کے ہیں) غرض وہ آیت سنا کر کہا کہ اب میری توبہ قبول ہونے کی کیا صورت ہے مولوی صاحب نے ان کی حالت اور اصرار کو دیکھ کر کہا کہ تضرع اور عاجزی سے توبہ کی جائے تو قبول ہوتی ہے۔ سنتے ہی انہوں نے سر سے پگڑی اتار لی اور آستین چڑھا کر دست بدعا ہوئے اور یہ دعا کرنی شروع کی **اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ تجد من ترحمه سوای ولا اجد من یعذبنی سواک** یعنی یا اللہ تجھے رحم کرنے کے لئے بہت لوگ ملیں گے لیکن مجھے عذاب کرنے والا تیرے سوا کوئی نہیں مل سکتا۔

الحاصل اس قسم کی طبیعت والوں کو جب خدا کا پیام پہنچایا جائے اور اس کے ساتھ شعبدے اور نیرنجات وطلسمات اور کہانت ونجوم ومسمریزم وغیرہ سے کام لے کر ان کی کوتاہ اندیش عقلیں مسخر کر لی جائیں تو پھر ان کے **آمنا وصدقنا** کہنے میں کیا تامل۔ انہیں تدابیر سے ہر زمانے میں لاکھوں آدمیوں کو جعلسازوں نے پھانسا ویسی طبیعت اور خیال والے اب تک موجود ہیں اور اسلام میں جو زمانہ خیر القرون کا تھا جب مسیلمہ کذاب واسود عنسی وغیرہ جعلسازوں کی چل گئی تو تیرا سو (۱۳۰۰) برس کے بعد چل جانا کونسی بڑی بات ہے۔

اب یہ بات قابل غور ہے کہ مرزا صاحب جواز الۃ الاوہام صفحہ ۱۴۸ میں لکھتے ہیں کہ ایک متدین کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ الہام اور کشف کا نام سن کر چپ ہو جائے اور لمبی چون چرا سے باز آ جائے انتہی۔ اس سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب کے نزدیک مسیلمہ وغیرہ کے الہام سن کر جو لوگ چپ رہے اور چون وچرا نہ کئے وہ متدین تھے اور جو لوگ چون وچرا بلکہ ان کی سرکوبی کی وہ متدین نہ تھے (معاذ اللہ) اس کا تو کوئی مسلمان قائل نہیں بلکہ

جھوٹے نبیوں کے الہاموں کو رد کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

مرزا صاحب براہین احمدیہ صفحہ ۲۳۴ میں اپنے پر الہام ہونے کی کیفیتیں نہایت دلچسپ بیان کرتے ہیں کہ وہ کامل روشنی کے ساتھ نازل ہوتا ہے اور بارش کی طرح متواتر برس کر اور اپنے نور کو قوی طور پر دکھلا کر ملہم کے دل کو کامل یقین سے پر کر دیتا ہے۔ اور لکھتے ہیں مختلف لفظوں میں اتر کر معنی اور مطلب کو بکلی کھول دے اور عبارت کو متشابہات میں سے بکل الوجوہ باہر کر دیجئے اور متواتر دعاؤں اور سوال کے وقت خدائے تعالیٰ ان معانی کا قطعی اور یقینی ہونا متواتر اجابتوں اور جوابوں کے ذریعے سے بوضاحت تمام بیان فرمادے جب کوئی الہام اس حد تک پہنچ جائے تو وہ کامل النور اور یقینی ہے۔ خدائے تعالیٰ ایک بے ہوشی اور ربودگی اس پر ظاہر کر دیتا ہے جس سے وہ بالکل اپنی ہستی کھو دیتا ہے۔ بندہ جب حالت ربودگی سے جو غوطہ سے بہت مشابہ ہے باہر آتا ہے تو اپنے اندر میں کچھ ایسا مشاہدہ کرتا ہے جیسے ایک گونج بھری ہوئی ہوتی ہے اور جب وہ گونج کچھ فرو ہوتی ہے تو ناگہاں اس کو اپنے اندر سے ایک موزوں اور لطیف اور لذیذ کلام محسوس ہو جاتی ہے اور یہ غوطہ ربودگی کا ایک نہایت عجیب امر ہے جس کے عجائب بیان کرنے کے لئے الفاظ کفایت نہیں کرتے یہی حالت ہے جس سے ایک دریا معرفت کا انسان پر کھل جاتا ہے گویا اس عالم میں بندہ اپنے خدا کو دیکھ لیتا ہے اور اپنے سوالوں کا جواب پاتا ہے اس طرح کہ جیسے ایک انسان دوسرے انسان کی بات کا جواب دیتا ہے اور جواب نہایت فصیح اور لطیف الفاظوں میں بلکہ کبھی ایسی زبان میں ہوتا ہے کہ جس سے وہ بندہ ناآشنائے محض ہے اور کبھی امور غیبیہ پر مشتمل ہوتا ہے کہ جو مخلوق کی حالتوں سے باہر ہے اور کبھی مواہب عظیمہ کی بشارت ملتی ہے اور منازل عالیہ کی خوش خبری سنائی جاتی ہے اور قرب حضرت باری کی مبارک باد دیجاتی ہے اور کبھی دنیوی برکتوں کے بارے میں پیشین گوئی ہوتی ہے ان کلمات سے جس قدر ذوق و معرفت حاصل ہوتی ہے اس کو

وہی بندہ جانتا ہے جس کو یہ نعمت عظمیٰ عطا ہوئی ہے۔ اور ضرورۃ الامام میں لکھتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کسی قدر پردہ اپنے پاک اور روشن چہرے سے اتار کر ان سے باتیں کرتا ہے اور بعض وقت ٹھٹے کرتا ہے۔ غرض وحی اور الہام کے حالات مذکورہ کچھ تو احادیث سے اور کچھ صوفیہ کے کلام سے ماخوذ ہیں اور کچھ مرزا صاحب کی ایجاد بھی ہے ہمیں اس میں کلام نہیں کہ وحی اور الہام کے حالات ایک خاص قسم کے ہیں جن کو اہل الہام جانتے ہیں۔ مگر کلام اس میں ہے کہ مرزا صاحب کو بھی الہام ہوتا ہے یا نہیں؟ اب تک انہوں نے اس دعویٰ پر کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ ممکن ہے کہ کسی قسم کی استغراقی حالت ان پر طاری ہوتی ہو، جس کو وہ بیخودی سمجھتے ہوں۔ کیوں کہ انسان پر جو خیال غالب ہوتا ہے اس میں انہماک ہو جاتا ہے جو لوگ کسی کام کی طرف پوری توجہ کرتے ہیں ان کو معلوم ہے کہ ہر وقت اس کام کا خیال لگا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ خواب میں بھی وہی نظر آتا ہے چنانچہ کسی بزرگ نے فرمایا ہے۔

گر در دِل تو گل گزرو گل باشی   در بلبل بے قرار بلبل باشی

شاعروں کی حالت مشہور ہے کہ جب کوئی عمدہ مضمون ان کو سوجھتا ہے تو وہ بیخود ہو جاتے ہیں اور دنیا و مافیہا سے ان کو خبر نہیں ہوتی اور بے اختیار وجد کرنے لگتے ہیں۔ چونکہ مرزا صاحب میں ایک مدت سے عیسویت کا خیال متمکن ہے اور اس کے لوازم کے اثبات کی فکر میں اکثر مستغرق اور منہمک رہتے ہیں اس وجہ سے یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ جب کوئی نیا مضمون اس استغراقی حالت میں ان کو سوجھتا ہوگا تو ایک ایسی حالت طاری ہوتی ہوگی جو کشف کے ساتھ مشابہ ہے۔ کیونکہ فکر کے دریا میں غوطہ لگانے کے بعد جو مضمون دستیاب ہوتا ہے اس وقت اس کی طرف کچھ ایسی توجہ رہتی ہے کہ کوئی دوسری چیز عالم خیال میں پیش نظر نہیں ہوتی اور دستیابی گوہر مقصود کا سرور اس کے دل پر ایسا محیط ہوتا ہے کہ بے خودی کی حالت طاری ہو جاتی ہے اس استغراقی حالت میں چمکتے ہوئے گوہر مقصود کا پیش

نظر رہنا اس بات کو باور کراتا ہے کہ اس مسئلے کا کشف ہو گیا حالانکہ دراصل یہ ایک خیالی کشف ہوتا ہے، حالت واقعیہ سے اس کو کوئی تعلق نہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ مرزا صاحب کا نفس لطیف ہو اور جس طرح کاہنوں کے کشف کا حال حکماء نے لکھا ہے ان کو بھی کشف ہوتا ہے۔ اور بعض لوگوں کو ایسے بھی کشف ہوتے ہیں جو کسی شاعر نے لکھا ہے۔

شیخ در کشف دید شیطاں را ۔۔۔ رہزن دیں و دزد ایماں را
از صفا بسکہ دل چو آئینہ ساخت ۔۔۔ آں لعین را ہمیں کہ دید شناخت
بہ ملامت عتاب پیش گرفت ۔۔۔ بر سرش زد بجے در یش گرفت
کہ چہا میکنی توائے مردود ۔۔۔ شدہ از درگہ خدا مطرود
اے کہ گمراہ کردہ مردم را ۔۔۔ طوق اضلال حلقۂ دم را
ایں ہمہ طاعت و رکوع و سجود ۔۔۔ بہر اغوائے خَلق و مردم بود
ہم دیگر چو شیخ برد بکار ۔۔۔ شد ازاں ضرب دست خود بیدار
چوں ترش روز خواب شیریں جست ۔۔۔ دید خودش بدست خود است
جنگ با دیو نفس آمد یاد ۔۔۔ خندۂ زد و بریش خود سرداد

اگرچہ شاعر نے اس حکایت میں کچھ شاعری سے بھی کام لیا ہو گا مگر اس میں شک نہیں کہ شیطانی الہام بھی ہوا کرتے ہیں جن کو واقعیت سے کچھ تعلق نہیں ہوتا، چنانچہ مرزا صاحب کی تحریر سے بھی کشف و الہام میں شیطان کی مداخلت ثابت ہے۔ جیسا کہ ازالۃ الاوہام صفحہ ۶۲۷ میں لکھتے ہیں کہ میاں عبدالحق صاحب غزنوی اور مولوی محی الدین کو الہام ہوئے کہ مرزا صاحب جہنمی ہیں اور کبھی اپنے الحاد اور کفر سے باز نہ آئیں گے اور ہدایت پذیر نہ ہوں گے۔ اس کے جواب میں مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ جب انسان اپنے نفس اور خیال کو دخل دے کر کسی بات کے استکشاف کے لئے توجہ کرتا ہے خاص کر اس حالت میں کہ جب اس

کے دل میں یہ تمنا مخفی ہوتی ہے کہ میری مرضی کے موافق کسی کی نسبت کوئی برا یا بھلا کلمہ بطور الہام مجھے معلوم ہو جائے تو شیطان اس وقت اس کی آرزو میں دخل دیتا ہے اور کوئی کلمہ اس کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے اور دراصل وہ شیطانی کلمہ ہوتا ہے اور رسولوں کی وحی میں بھی ہو جاتا ہے مگر وہ بلا توقف نکالا جاتا ہے۔ انجیل میں بھی لکھا ہے کہ شیطان اپنی شکل نوری فرشتوں کے ساتھ بدل کر بعض لوگوں کے پاس آجاتا ہے اور نیز لکھا ہے کہ ایک بادشاہ کے وقت میں چار سو (۴۰۰) نبی نے اس کی فتح کے بارے میں پیشین گوئی کی اور وہ جھوٹے نکلے اور بادشاہ کو شکست آئی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ دراصل وہ الہام ایک ناپاک روح کی طرف سے تھا، نوری فرشتے کی طرف سے نہیں تھا اور نبیوں نے دھوکا کھا کر ربانی سمجھا انتہی۔

مرزا صاحب کے اعتراف سے یہ بات ثابت ہے کہ شیطان نوری شکل میں آتا ہے جس کی نبیوں کو بھی شناخت نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ چار سو (۴۰۰) نبی دھوکا کھا کر جھوٹے ثابت ہوئے اور ان کو یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ وہ الہام ہے یا وسوسہ شیطانی۔ بقول مرزا صاحب جب نبیوں کے الہاموں اور مشاہدے کا یہ حال ہو تو مرزا صاحب کے الہام کس شمار و قطار میں۔ اسی کا مؤید یہ واقعہ بھی ہے جو نفحات الانس میں مولانا ئے جامی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو محمد خفاف کے حال میں لکھا ہے۔ کہ ایک جگہ مشائخ شیراز کا مجمع تھا جس میں ابو محمد خفاف رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے گفتگو مشاہدے کے باب میں شروع ہوئی ہر ایک نے اپنے معلومات بیان کئے۔ ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ سب سنتے رہے اور اپنی تحقیق کچھ بیان نہیں کی۔ مومل جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کچھ آپ بھی بیان فرمایئے۔ انہوں نے کہا یہ تحقیقات کافی ہیں مومل رحمۃ اللہ علیہ نے اصرار کیا اس پر ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ جس قدر گفتگو تھی حد علم میں تھی حقیقت مشاہدے کی کچھ اور ہے اور وہ یہ ہے کہ حجاب منکشف ہو کر معائنہ ہو جائے۔ سب نے کہا یہ آپ کو کیونکر معلوم ہوا کہا میں ایک بار تبوک میں نہایت مشقت اور فاقے کی حالت

میں مناجات میں مشغول تھا کہ یکا یک حجاب اٹھ گیا دیکھا کہ عرش پر حق تعالیٰ جلوہ افروز ہے میں دیکھتے ہی سجدے میں گرا اور عرض کیا کہ **یامولائی ما ھذا مکانی وموضعی منک** یہ سن کر سب خاموش ہو گئے۔ موبل رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا کہ چلئے ایک بزرگ سے ملاقات کرا ئیں اور ابن سعدان محدث کے ہاں ان کو لے گئے وہ نہایت تعظیم وتکریم سے پیش آئے۔ موبل رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا اے شیخ جو روایت آپ نے بیان کی تھی کہ **قال النبی ﷺ ان للشیطان عرشا بین السماء والارض اذا اراد بعبد فتنة کشف له عنهٗ** ذرا سنا ئیے شیخ نے بسند متصل وہ روایت سنائی جس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آسمان وزمین کے درمیان شیطان کا تخت ہے جب خدائے تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے کہ کسی بندے کو فتنے میں ڈالے یعنی گمراہ کرے تو شیطان اس پر منکشف ہو جاتا ہے۔ ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ نے سن کہا کہ پھر ایک بار اور پڑھئے شیخ نے اس کا اعادہ کیا۔ ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ روتے ہوئے بے اختیار اٹھے اور کئی روز غائب رہے۔ موبل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب ان سے ملاقات ہوئی میں نے پوچھا کہ اتنے روز سے آپ کہاں تھے؟ کہا اس کشف ومشاہدے کے وقت سے جتنی نمازیں پڑھی تھیں ان سب کی قضا کی اس لیے کہ وہ سب شیطان کی پرستش تھی۔ پھر کہا کہ اب اس کی ضرورت ہے کہ جہاں اس کو دیکھ کر سجدہ کیا تھا۔ وہیں جا کر اس پر لعنت کروں چنانچہ وہ چلے گئے اور پھر ان سے ملاقات نہوئی انتہی۔

چونکہ ابو محمد خفاف رحمۃ اللہ علیہ سعید ازلی تھے گو چند روز امتحاناً اس مہلک فتنہ میں مبتلا رہے مگر جب حدیث شریف پہنچی تو فوراً متنبہ ہو گئے اور اس کشف ومکشوف دونوں پر لعنت کی۔ مرزا صاحب نے مثل اور معجزوں کے رویت الٰہی کو عقلی معجزہ اگر نہ بنایا ہو اور فی الواقع اس قسم کا کشف ان کو ہوا کرتا ہو تو ضرور ہے کہ اس حدیث کے پہنچنے کے بعد مثل خفاف رحمۃ اللہ علیہ کے کشف ومکشوف پر لعنت کریں مگر بظاہر اس کی امید نہیں معلوم ہوتی۔

اب اہل انصاف غور کریں کہ جب مرزا صاحب کے کشف والہام میں اتنے احتمالات موجود ہیں تو ان کے مخالفوں کو ان کشفوں اور الہاموں کے صحیح ماننے پر کونسی چیز مجبور کر سکتی ہے۔ پھر الہام بھی کیسے کہ کروڑہا مسلمانوں کے متواتر اخبار کے مخالف۔ کیونکہ کوئی اعلیٰ درجے کا طبقہ امت مرحومہ کا ایسا نہیں جن کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ رہنا اور قیامت کے قریب ان کا آسمان سے اترنا ثابت نہ ہو۔ محدثین، فقہا، اولیاء اللہ وغیرہم سب اس کے قائل اور اپنی مستند کتابوں میں اس کی تصریح کر چکے ہیں۔ برخلاف اس کے مرزا صاحب کہتے ہیں کہ اپنے کشف والہام سے اس کی غلطی ثابت ہے اور خدا نے مجھے عیسیٰ بنا کر بھیجا ہے اس دعوے مجرد پر نہ کوئی گواہ ہے، نہ حدیث میں اشارہ کہ قادیانی صاحب سے خدا بالمشافہ باتیں کر کے ان کو عیسیٰ بنا کر بھیجے گا۔

دس پانچ روپے کا کوئی کسی پر دعویٰ کرتا ہے تو اس خیال سے کہ وہ جھوٹا سمجھا جاتا ہے کہ شاید طمع نے اس کو اس دعوے پر برانگیختہ کیا ہوگا اور جب تک وہ گواہ ایسے نہ کرے جو اپنا چشم دید واقعہ بیان کریں اس کے دعوے کی تصدیق نہیں ہو سکتی۔ پھر مرزا صاحب لاکھوں روپے اس دعوے کی بناء پر کما رہے ہیں بغیر گواہ کے اس کی تصدیق کس عقلی یا نقلی قاعدے سے ہو سکتی ہے۔

مرزا صاحب جو لکھتے ہیں کہ خدا کسی قدر پردہ اپنے چہرے سے اتار کر ان سے باتیں کرتا ہے یہ بات اس حدیث صحیح کے صراحتاً مخالف ہے۔ **عن ابی موسیٰ قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ لا ینام حجابه النور لو کشفها لاحرقت سبحات وجهه ما انتهی الیه بصره من خلقه** (ص ہ کنز العمال)۔ یعنی خدائے تعالیٰ کا حجاب نور ہے اگر اس کو اٹھا دے تو جہاں تک اس کی نظر پہنچتی ہے وہاں تک اس کے انوار سب کو جلا دیں گے۔ یہ حدیث مسلم شریف اور ابن ماجہ میں ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب کا وہ دعویٰ محض غلط

ہے اگرچہ مرزا صاحب یہاں بھی یہی فرمائیں گے کہ بخاری نے یہ حدیث غلط سمجھ کر چھوڑ دی مگر اہل اسلام سمجھ سکتے ہیں کہ کل محدثین وفقہاء اولیاء اللہ کا اجماع ہے کہ مسلم کی کل حدیثیں صحیح ہیں۔ اگر مرزا صاحب اپنی دنیوی غرض کے لحاظ سے اس حدیث کو غلط سمجھیں تو چنداں بے موقع نہیں اس لئے کہ ان کو اس سے فائدہ اٹھانا ہے مگر مسلمانوں کو اس سے کیا فائدہ۔ اگر دنیا ہی کا کچھ فائدہ ہوتا تو بھی ایک بات تھی کہ آخرت کا حصہ دنیا ہی میں مل جاتا ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَالَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ**. بخلاف اس کے کہ اگر دنیوی فائدہ بھی نہ ہو تو **خسر الدنیا والاخرہ** کا مضمون صادق آجائے گا جس کو کوئی عاقل پسند نہیں کرسکتا۔

اور حق تعالیٰ فرماتا ہے **مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاۗءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَاۗءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ**. یعنی کسی آدمی کی تاب نہیں کہ خدا اس سے دوبدو ہو کر کلام کرے مگر الہام کے ذریعے سے یا پردے کے پیچھے سے یا کسی فرشتے کو اس کے پاس بھیج دیتا ہے اور وہ خدا کے حکم سے جو اس کو منظور ہوتا ہے پہنچاتا ہے بیشک خدا عالیشان حکمت والا ہے۔

مرزا صاحب ضرورۃ الامام میں امام الزماں کی چھٹی علامت میں لکھتے ہیں۔ کہ امام الزماں کا ایسا الہام نہیں ہوتا کہ جیسے **کلوخ انداز در پردہ ایک کلوخ پھینک** جائے اور بھاگ جائے اور معلوم نہ ہو کہ وہ کون تھا اور کہاں گیا۔ بلکہ خدائے تعالیٰ ان سے بہت قریب ہو جاتا ہے اور کسی قدر پردہ اپنے پاک اور روشن چہرے پر سے جو نور محض ہے اتار دیتا ہے اور یہ کیفیت دوسروں کو میسر نہیں آتی۔ اور اس کے بعد صفحہ ۲۴ میں لکھتے ہیں کہ میں اس وقت بے دھڑک کہتا ہوں کہ خدا کے فضل سے وہ امام الزماں میں ہوں اور مجھ میں خدائے تعالیٰ نے وہ تمام شرطیں اور علامتیں جمع کی ہیں انتہی۔ اس کا مطلب ظاہر ہے یہ تمام اولیاء اللہ کے الہاموں

میں خود ان کو یقین نہیں ہوسکتا کہ وہ خدا ہی کی طرف سے ہیں کیوں کہ کلوخ انداز جیسے کلوخ پھینک کر بھاگ جاتا ہے ویسا ہی خدا بھی الہام دل میں ڈال دے کر علیحدہ ہو جاتا ہے اور ولی کو یہ خبر نہیں ہوتی کہ وہ کون تھا اور کہاں چلا گیا اور امام الزماں جو مرزا صاحب ہیں ان کے الہام میں یہ بات نہیں ہوتی بلکہ یقیناً معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ الہام کرنے والا خدا ہی ہے اسی غرض سے خدا کسی قدر پردہ اپنے چہرے سے اتار دیتا ہے کہ مرزا صاحب کو شک نہ پڑے کہ خدا کلام کررہا ہے یا شیطان۔ جس کا ماحصل یہ ہوا کہ دوبدو ان سے خدا ہمکلام ہوتا ہے۔

اب دیکھئے یہ افترا ہے یا نہیں آیۂ موصوفہ میں حق تعالیٰ صاف فرماتا ہے کہ ان تین صورتوں کے سوا حق تعالیٰ کے کلام کرنے کی کوئی صورت نہیں۔

ایک وحی جو دل میں ایک بات پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسے اس آیۂ شریفہ سے معلوم ہوتا ہے۔ وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ

دوسری پردے کے پیچھے سے جیسے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام ہوا ہر چند موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت دیدار کی بہت خواہش کی مگر لَنْ تَرَانِیْ ہی کا ارشاد ہوتا رہا۔

تیسری بذریعہ فرشتہ جیسے آنحضرت ﷺ پر قرآن شریف نازل ہوا کرتا تھا۔

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ ان تینوں قسموں سے جو خدائے تعالیٰ نے بیان کی ہیں کسی ایک قسم کا الہام ان کو نہیں ہوتا اس سے ظاہر ہے کہ ان کو رحمانی الہام نہیں ہوا کرتے بلکہ شیطان ان کو اپنا چہرہ دکھلا کر الہام یعنی باتیں کیا کرتا ہے۔ جیسا کہ ابو محمد خفاف رحمۃ اللہ علیہ کے واقعے سے ابھی معلوم ہوا اور مرزا صاحب اس کو سچ مچ خدا سمجھ بیٹھے ہیں۔ اور یہ قرین قیاس بھی ہے اس لئے کہ اس قسم کا نورانی چہرہ انہوں نے کبھی دیکھا نہ تھا اور نہ ہر شخص کو شیطان اپنا چہرہ دکھلاتا ہے آخر شیطان ان کو دیکھنا بھی کوئی معمولی بات نہیں اس کے لئے بھی ایک صلاحیت اور استعداد قابل درکار ہے جو عموماً نہیں ہوا کرتی۔ اور پھر اندرونی تائیدیں بھی ان کو محسوس

ہوئیں غرض ان اسباب وقرائن سے ان کو دھوکا ہوگیا۔ خیر یہ سب صحیح مگر ان کا یہ کہنا کہ اس قسم کے الہام خدا ان پر کیا کرتا ہے حق تعالیٰ پر افترائے محض ہے۔ کیونکہ ان کے اس دعوے کی تکذیب خود حق تعالیٰ کے ارشاد سے ہوگئی اب اس کی تصدیق کلام الٰہی کی تکذیب ہے۔

افسوس ہے کہ مرزا صاحب نے اس کلام الٰہی کا ذرا بھی خیال نہ کیا۔ قولہ تعالیٰ **وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ** یعنی اس سے زیادہ کون ظالم ہے جو خدا پر افترا کرے یا یہ کہے کہ مجھ پر وحی اترتی ہے۔ حالانکہ اس پر کوئی وحی نہیں اتری۔ اور حق تعالیٰ فرماتا ہے **وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ** یعنی خدا ظالموں کے اعمال سے غافل نہیں اس تاخیر کی وجہ یہ ہے کہ ان کو اس دن تک مہلت دے رہا ہے کہ جب ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ کافروں کو حق تعالیٰ نے جا بجا قرآن میں ظالم کہا مگر اپنے پر افترا کرنے والے کی نسبت **وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى** فرمایا جس سے صاف ظاہر ہے کہ کوئی کافر کیسا ہی شقی ہو مفتری سے شقاوت میں بڑھ نہیں سکتا۔ اب ہم نہایت ٹھنڈے دل سے خیر خواہانہ لکھتے ہیں کہ جب نصِ قطعی سے ان کا مفتری ہونا اور حدیث بخاری شریف سے بوجہ دعویٰ نبوّت ان کا دجال وکذاب ہونا ثابت ہوگیا تو دوسرے دعوے اور جمیع الہامات ان کے خود باطل ہوگئے اس لئے کہ الہام ربّانی کے لئے تقدس اور ولایت شرط ہے۔

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ ۳۹۷ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہمارا دعویٰ الہام الٰہی کی رو سے پیدا ہوا اور قرآن کریم کی شہادتوں سے چمکا اور احادیث صحیحہ کی مسلسل تائیدوں سے ہر ایک دیکھنے والی آنکھ کو نظر آیا انتہی۔ تقریر بالا سے مرزا صاحب کے الہاموں کا خیال معلوم ہوگیا کہ ان میں کوئی الہام الٰہی نہیں اور کلام الٰہی کی شہادتوں سے ثابت ہوگیا کہ وہ خدائے تعالیٰ پر افترا کرتے ہیں اور احادیث صحیحہ ان کو دجال وکذاب ثابت کر رہے

ہیں اس لئے ان کا دعویٰ عیسویت جو الہام کی رو سے پیدا ہوا تھا بالکل باطل ہو گیا اور انہوں نے جو الہاموں کا قلعہ بنا رکھا تھا بیت العنکبوت ثابت ہوا اور غبار کی طرح اڑ گیا اس لئے کہ شیطانی الہام اعتبار کے قابل نہیں ہوتا۔

وحی چونکہ لازمہ نبوت ہے اس لئے مرزا صاحب کو اپنی ادعائی نبوت کے لئے وحی کا ثابت کرنا بھی ضروری تھا۔ اس لئے براہین احمدیہ صفحہ ۲۲۲ میں لکھتے ہیں جن اعلانات الہیہ کا نام ہم وحی رکھتے انہیں کو علمائے اسلام اپنے عرف میں الہام بھی کہا کرتے ہیں انتہی۔ مقصود یہ کہ ہم نبی ہیں اس لئے ہم پر وحی اترتی ہے گو علمائے اسلام اس کو وحی نہ کہیں۔ مگر تقریر بالا سے ثابت ہے کہ مرزا صاحب کو الہام الٰہی بھی نہیں ہو سکتا تا بوحی چہ رسد۔ ممکن ہے کہ دوسری قسم کا الہام ہوتا ہو مگر اس کو وحی نہیں کہہ سکتے۔

براہین احمدیہ صفحہ ۲۳۴ میں تحریر فرماتے ہیں کہ خلاصہ کلام یہ ہے کہ الہام یقینی اور قطعی ایک واقعی صداقت ہے جس کا وجود افراد کاملہ محمدیہ ﷺ میں ثابت ہے انتہی۔ افراد کاملہ کا الہام مرزا صاحب کو کیا نفع دے گا۔ اگر الہام یقینی اور قطعی ہو تو بھی وہ انہیں لوگوں سے مختص ہوگا جن پر الہام الٰہی ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ہر کس و ناکس یہ دعویٰ کرے کہ مجھ پر الہام ہوا کرتا ہے اس لئے وہ قطعی اور یقینی ہے۔

ضرورۃ الامام صفحہ ۲۳ میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ قوت اور انکشاف اس لئے ان کے الہام کو دیا جاتا ہے کہ تا ان کے پاک الہام شیطانی الہامات سے مشتبہ نہ ہوں اور دوسروں پر حجت ہو سکیں انتہی۔ بالفرض اگر انکشافات تام ہوتا بھی ہو تو معلوم نہیں کہ مرزا صاحب کا انکشاف دوسروں پر کیوں حجت ہوگا۔ اگر کوئی شخص کسی پر دعویٰ کرے کہ تم نے مجھ سے اتنا قرضہ لیا تھا اور مجھے خوب یاد ہے کہ فلاں مقام اور فلاں وقت تھا اور مجھ پر یہ معاملہ ایسا منکشف ہے کہ گویا میں اس وقت دیکھ رہا ہوں کیا اس کا یہ دعویٰ انکشاف ثبوت قرضہ کے

لئے کافی اور مدعی علیہ پر حجت ہوسکتا ہے؟ مرزا صاحب بھی اس کے قائل نہ ہوں گے۔ پھر مرزا صاحب کا دعویٰ انکشاف اوروں پر کیوں حجت ہو۔ اب تک نہ کوئی اس بات کا قائل ہوا، نہ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کا الہام دوسرے پر حجت ہو۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ اولیاء اللہ کا صدق وتدین اور دنیا ومافیہا سے بے تعلقی اور خود غرضیوں سے براءت پورے طور پر جب متحقق ہو جاتی ہے اور خوارق عادات بھی اس پر شہادت دیتے ہیں تو معتقدین بطور خود حسن ظن سے ان کے الہاموں کو مان لیتے ہیں بشرطیکہ خلاف نصوص شرعیہ نہوں۔ یہ کسی ولی نے نہیں کہا کہ میرا الہام تمام مسلمانوں پر حجت ہے اور جو نہ مانے وہ کافر ہے۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ جب قولہ تعالیٰ **اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ** سے تکمیل دین ثابت ہوچکی اور حجت قائم ہوگئی تو پھر نئی حجت سے کیا غرض۔ اعتقاد اور عمل کے لئے کامل شدہ دین ہر مسلمان کے لئے کافی اور جو بات اس سے زائد اور خارج ہو وہ خود فضول اور الحاد ہے جس کا نہ ماننا ضروری ہے۔

مرزا صاحب نے ضرورۃ الامام صفحہ ۱۸ میں سچے الہاموں کی دس علامتیں لکھی ہیں۔ جن کا ماحصل یہ ہے کہ وہ اس حالت میں ہوتا ہے کہ انسان کا دل گداز ہو کر خدا کی طرف بہتا ہے، اس کے ساتھ لذت وسرور ہوتا ہے، اس میں شوکت وبلندی ہوتی ہے، وہ خدا کی طاعتوں کا اثر اپنے میں رکھتا ہے، انسان کو نیک بناتا ہے، اس پر تمام اندرونی قوتیں گواہ ہو جاتی ہیں، وہ ایک آواز پر ختم نہیں ہوتا، اس سے انسان بزدل نہیں ہوتا، علوم ومعارف جاننے کا ذریعہ ہوتا ہے، اس کے ساتھ بہت برکتیں ہوتی ہیں انتہی۔ ملخصاً بفحوائے **ثبت العرش ثم انقش** مرزا صاحب کو ضروری تھا کہ پہلے اس کا ثبوت دیتے کہ ان کو الہام الٰہی بھی ہوا کرتا ہے۔

براہین احمدیہ صفحہ ۴۵۶ میں فرماتے ہیں کہ پیش گوئیوں سے مقصود بالذات غیبیہ نہیں ہوتیں بلکہ مقصود بالذات یہ ہوتا ہے کہ تا یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہو جائے کہ وہ شخص مؤید من اللہ ہے۔ ان میں صرف یہی علامت نہیں کہ وہ پوشیدہ چیزیں بتلاتی ہیں یا ان کا حال

نجومیوں اور کاہنوں وغیرہ کے حال سے مشتبہ ہو جائے اور مابہ الامتیاز باقی نہ رہے بلکہ ان کے شامل حال ایک عظیم الشان نور ہوتا ہے جس کے مشاہدے کے سبب سے طالبِ صادق بدیہی طور پر ان کو شناخت کر سکتا ہے انتہی۔ اس سے معلوم ہوا کہ پیشین گوئیاں الہام کے ساتھ مختص نہیں بلکہ کاہنوں وغیرہ کے ساتھ مشتبہ بنانے والی ہیں اب رہا ایک عظیم الشان نور، سو اس کے مشاہدے کے لئے طالب صادق شرط ہے۔ جس کو نظر نہ آئے گا وہ صادقوں سے نکال دیا جائے گا۔ مگر مشکل یہ ہے کہ ظلماتی نور بھی ظاہراً نور ہی ہوتا جس کی شناخت ہر کسی کا کام نہیں۔ خفاف رحمۃ اللہ علیہ جیسے شخص دھوکا کھا گئے تھے اور حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کا حال مشہور ہے کہ ایام سلوک میں ایک ایسا نور آپ پر ظاہر ہوا کہ شب دیجور میں آفاق کو منور کر دیا مگر آپ نے قرائن سے پہچان لیا کہ شیطانی نور ہے چنانچہ **لاحول** شریف پڑھتے ہی وہ ظلمت سے مبدّل ہو گیا۔ اگر ایسا عظیم الشان نور کسی کے شامل حال ہو تو بیچارے طالب صادق کو بھی سوائے گمراہی کے کیا حاصل ہو سکتا ہے۔ مسیلمہ کذاب پر لاکھ سے زیادہ آدمی ایمان لائے تھے جیسا کہ ازالۃ الاوہام صفحہ ۲۸۳ میں لکھتے ہیں۔ سب کا یہی دعویٰ تھا کہ نور ہدایت درخشاں ہے کوئی دیکھنے والا طالب صادق چاہیے۔ جتنے مدعیان نبوت تھے سب کا یہی دعویٰ تھا کہ بے ایمان لوگ اس نور کو دیکھ نہیں سکتے۔ اب مرزا صاحب کا یہ دعویٰ کہ ایک عظیم الشان نور ان کے شامل حال ہے جس کو ان کا غیر معتقد دیکھ نہیں سکتا، کیونکر تسلیم کیا جائے۔ مرزا صاحب کے اس قسم کے ادعا اور بہت ہیں چونکہ وہ اس سے فوائد حاصل کر رہے ہیں اس لئے انہوں نے بہت سے رسالے لکھ ڈالے اور برابر لکھتے اور لکھواتے رہتے ہیں اور ہر وقت ایک نیا ایجاد ہوتا رہتا ہے کہاں تک کوئی ان کا تعاقب کرے ہم پر اس قدر واجب تھا کہ مسلمانوں کو ان کی کارروائیوں سے مطلع کر دیں بحمد اللہ بطور مشتے نمونہ از خروارے اہل اسلام کے روبرو پیش کر دی گئیں۔ اگر طالبین حق اسی پر غور اور بکرات و مرات اس کو ملاحظہ فرمائیں تو امید قوی ہے

کہ مرزا صاحب کا حال ان پر بہ خوبی منکشف اور ذہن نشین ہو جائے گا۔

اب ہم ان کی چند پیشین گوئیاں بیان کرتے ہیں اس میں غور کرنے سے مرزا صاحب کی ذکاوت اور عقل کا حال معلوم ہو گا۔

مرزا صاحب نے مسٹر عبداللہ آتھم پادری کے ساتھ مباحثہ کر کے فیصلہ اس بات پر قرار دیا کہ پندرہ مہینے میں اگر وہ نہ مر جائے تو مرزا صاحب ہر سزا کے مستحق ہوں گے۔ چنانچہ ان کی تقریر یہ ہے کہ آج رات جو مجھ پر کھلا ہے وہ یہ ہے کہ جب کہ میں نے بہت تضرع اور ابتہال سے جناب الٰہی میں دعا کی کہ تو اس امر میں فیصلہ کر اور ہم عاجز بندے ہیں تیرے فیصلہ کے سوا کچھ نہیں کر سکتے تو اس نے مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا ہے کہ اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ انہیں دنوں مباحثے کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینے سے لے کر یعنی پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائے گا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے اس کی اس سے عزت ظاہر ہو گی اور اس وقت جب پیشین گوئی ظہور میں آئے گی بعض اندھے سوجھا کئے جائیں گے اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے اور بعض بہرے سننے لگیں گے۔ (جنگ مقدس:۱۸۸) اور اسی کے ذیل میں یہ بھی تحریر فرماتے ہیں میں حیران تھا کہ اس بحث میں کیوں مجھے آنے کا اتفاق پڑا۔ معمولی بحثیں تو اور لوگ بھی کر لیتے ہیں اب یہ حقیقت کھلی کہ اس نشان کے لئے تھا۔ میں اس وقت اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیشین گوئی جھوٹی نکلے یعنی وہ فریق جو خدا کے نزدیک جھوٹ پر ہے وہ پندرہ ماہ کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے بہ سزائے موت ہاویہ میں نہ پڑے تو میں ہر ایک سزا کے اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔ مجھ کو ذلیل کیا جائے، روسیاہ کیا جائے، میرے گلے میں رسا ڈال دیا جائے، مجھ کو پھانسی دی جائے، ہر ایک بات کے لئے تیار

ہوں۔ اور میں اللہ جل شانہٗ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ ضرور ایسا ہی کرے گا، ضرور کریگا، ضرور کریگا، زمین آسمان ٹل جائیں، پر اس کی باتیں نہ ٹلیں گی انتہی۔ (جنگ مقدس)

ماحصل اس کا ظاہر ہے کہ اگر فریق مقابل یعنی عبداللہ آتھم پندرہ مہینے کے اندر رجوع الی الحق نہ کرے گا یعنی بخیال مرزا صاحب کا یا مسلمان نہ ہوگا تو مرجائے گا اور جہنم میں ڈالا جائے گا اور اگر ایسا نہ ہو تو مرزا صاحب کا منہ کالا کیا جائے اور گلے میں رسّا ڈالا جائے اور جو جی چاہے سزائیں دیجائیں۔

مرزا صاحب کو اس پیشین گوئی پر جرأت اس وجہ سے ہوئی کہ انہوں نے دیکھا کہ مسٹر آتھم صاحب ایک بوڑھے شخص ہیں پندرہ مہینے کی وسیع مدّت میں خود ہی مرجائیں گے اور اس پر ان کو خوف دلانے کی غرض سے قسمیں کھا کر کہا کہ خدا کی طرف سے مجھے اطمینان دلایا گیا ہے اور اس اطمینان کو اس پیرائے میں ظاہر کیا کہ اگر خلاف ہو تو اپنے کو وہ سزائیں دیجائیں جو کوئی غیرت دار آدمی ان کو قبول نہیں کرسکتا۔ جب ایسا معزز مسن شخص ایسی سزائیں اپنے واسطے مقرر کرے تو خواہ مخواہ آدمی کو ایک قسم کا خیال پیدا ہو ہی جاتا ہے۔ اور بڑھتے بڑھتے قوت واہمہ ایسی حرکات پر مجبور کرتی ہے، جو بالکل خلاف عقل ہوں۔ اس کا انکار نہیں ہوسکتا کہ قوت واہمہ عقل پر غالب ہوا کرتی ہے جس کی تصریح حکماء نے بھی کی ہے اور تجربے اور مشاہدات بھی اس پر گواہ ہیں۔ آتھم صاحب اول تو بیچارے ضعیف جن کی طبیعت پیرانہ سری کی وجہ سے متحمل نہیں۔ اس پر عیسائی جن کے مذہب میں یہ مسلّم ہو چکا ہے کہ خدا سے ایک آدمی رات بھر کشتی لڑتا رہا اور صبح تک ایک دوسرے کو گراتے رہے۔ اور خدا سے سوائے اس کے کچھ نہ ہوسکا کہ صبح کے قریب کہا۔ ارے اب تو پیچھا چھوڑ۔ صبح ہوگئی جن کے خدا پر ایک آدمی کا ایسا اثر ہو تو ان کی طبیعت پر پرزور تقریر کا اثر ہونا کونسی بڑی بات ہے۔ غرض مرزا صاحب نے علاوہ پیرانہ سری کے بالائی تدابیر موت میں بھی کمی نہ کی۔

اور اس مدت میں کئی دورے ہیضہ کے بھی ہوئے اور علاوہ کبرسنی کے ضعف اور نقص صحت بھی تھا۔ جیسا کہ عصائے موسیٰ صفحہ ۴۵ میں لکھا ہے باوجود اس کے کہ وہ نہ مرزا صاحب کے ہم خیال ہوئے اور نہ مرے اور پندرہ مہینے پورے گذر گئے اب لوگ اس انتظار میں ہیں کہ مرزا صاحب ایفائے وعدہ فرمائیں گے اور کچھ اجازت دیں گے مگر وہاں معاملہ ہی دگرگوں ہوگیا بجائے اجازت کے وہ گالیاں دینے لگے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں انہوں نے پشاور سے لے کر الہ آباد اور بمبئی اور کلکتہ اور دور دور کے شہروں تک نہایت خوشی سے ناچنا شروع کیا اور دین اسلام پر ٹھٹھے کئے۔ اور یہ سب مولوی یہودی صفت اور اخبار والے ان کے ساتھ خوش خوش ہاتھ میں ہاتھ ملائے ہوئے تھے انتہی۔ سراج منیر صفحہ ۴۷ میں فرماتے ہیں۔ اے بے ایمانو! نیم عیسائیو! دجال کے ہمراہیو! اسلام کے دشمنو! پیشین گوئی میں جو مندرج ہے کہ انقضائے مدت پر مرزا صاحب کی عزت ہوگی۔ اگر حسب پیشین گوئی یہی عزت تھی تو بے چارے مولوی کیوں یہودی وغیرہ بنائے جارہے ہیں۔ ختم مدت پر جو عزت وقوع میں آئی وہ تو یہی ہے جس پر مرزا صاحب برافروختہ ہیں۔ اگر اس الہام کے رحمانی ہونے پر ان کو وثوق ہوتا تو اس الہام میں عزت کا جو ذکر ہے اس سے مراد وہی عزت سمجھتے جو وقوع میں آگئی جس کی مولوی لوگ تکمیل کررہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی وہ الہام رحمانی نہ تھا اس کے سوا مرزا صاحب ناحق مسلمانوں پر خفا ہیں۔ انہوں نے تو مسٹر آتھم کے معاملے میں پہلے ہی اپنے کشف وفراست سے دریافت کرکے اطلاع دے دی تھی کہ وہ پندرہ مہینے کے اندر ہرگز نہ مرے گا۔ چنانچہ عصائے موسیٰ صفحہ ۲۴ میں لکھا ہے کہ اندھے حافظ صاحب نے پہلے ہی خبر دیدی تھی کہ آتھم پندرہ مہینے میں ہرگز نہ مرے گا انتہی۔ اور یہ بات مرزا صاحب پر بھی پوشیدہ نہیں رہی اس لئے کہ انہوں نے بذریعہ اشتہار اس مضمون کو شائع کردیا تھا تاکہ مرزا صاحب کو اس عذر کا موقع نہ ملے کہ ہمیں کسی مسلمان صاحب کشف نے اطلاع نہیں کی کہ وہ نہ مرے گا۔

اور مریدوں نے بھی خبردار ہو کر ان کو صلاح خیر دی کہ جب ایک مسلمان حافظ متقی اس شدومد سے بطور تحدی اعلان دے رہا ہے تو اس کو مان لینا چاہیے۔ حافظ صاحب موصوف فی الواقع مقدس شخص ہیں ان کا تقدس اس سے ظاہر ہے کہ عصائے موسیٰ صفحہ ۴۲ میں لکھتے ہیں کہ وہ پہلے عیسائی تھے خواب میں کوئی بات ایسی ان کو معلوم کرائی گئی کہ وہ عیسویت سے توبہ کر کے مسلمان ہو گئے ایسے شخص کو واقعی الہام ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اگر مرزا صاحب ان کے سچے الہام سے متنبہ ہو کر کسی حیلے سے اپنا دعویٰ واپس لیتے تو نہ نصاریٰ کو کامیابی ہوتی، نہ مرزا صاحب کی تضحیک، نہ اسلام پر ٹھٹے کیے جاتے۔ یہ موقع حافظ صاحب سے ممنون ہونے کا تھا بجائے ممنونی کے ان کو گالیاں دی گئیں۔ چنانچہ عصائے موسیٰ صفحہ ۴۲ میں لکھا ہے کہ مرزا صاحب کے مریدوں نے حافظ صاحب کو سختی سے مفتری کذاب وغیرہ وغیرہ کہا انتہی۔

اس کے سوا اور مسلمانوں نے بھی اس باب میں بہت کچھ گفت وشنود کی مگر مرزا صاحب اپنے دعوے سے ایک قدم پیچھے نہ ہٹے۔ چنانچہ اسی عصائے موسیٰ صفحہ ۴۲ میں لکھا ہے کہ عبداللہ آتھم والے الہام میں مرزا صاحب کا خیال وفہم ایک ہی پہلو یعنی اس کی موت کی طرف ہی رہا۔ چنانچہ فیروز پور میں حافظ محمد یوسف صاحب کے برادروں کے استفسار پر آپ نے بھی فرمایا کہ اس میں کوئی تاویل نہوگی ضرور یہی ہوگا انتہی۔ غرض مرزا صاحب مسلمانوں کی جو شکایت کرتے ہیں اس موقع میں بے محل ہے کیوں کہ انہوں نے تو پوری خیر خواہی کی تھی۔ چاہیے تھا کہ خود کردہ را چہ علاج کہہ کر خاموش ہو جاتے۔ البتہ خلاف شان اشعار اور اشتہارات وغیرہ مرزا صاحب کی شکایت میں چھپوائے گئے تھے اور ان کی ناکامی پر تضحیک بھی کی گئی جیسا کہ ان اشعار مطبوعہ سے معلوم ہوتا ہے جو رسالہ الہامات مرزا میں لکھتے ہیں کسی قدر اس میں زیادتی معلوم ہوتی ہے۔ ان میں سے چند اشعار یہ ہیں۔

بنمائے بصاحب نظرے گوہر خود را عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند

ارے وہ خود غرض خود کام مرزا	ارے منحوس و نافر جام مرزا
ہوا بحثِ نصاریٰ میں بآخر	مسیحائی کا یہ انجام مرزا
مہینے پندرہ بڑھ کے گذرے	ہے آتھم زندہ اے ظلام مرزا
مسلمانوں سے تجھ کو واسطہ کیا	پڑا کھلا نبی نام مرزا
غضب تھی تجھ پر ستمگر چھٹی ستمبر کی	نہ دیکھی تو نے نکل کر چھٹی ستمبر کی
ہے کادیانی بھی جھوٹا مرا نہیں آتھم	یہ گونج اٹھا امر سر چھٹی ستمبر کی
مسیح ومہدی کاذب نے منہ کی کھائی خوب	یہ کہتی پھرتی ہے گھر گھر چھٹی ستمبر کی
اب دامِ مکر اور کسی جا بچھایئے	بس ہو چکی نماز، مصلّٰی اٹھایئے

اس قسم کے اشعار ناشائستہ بکثرت شائع کئے گئے مگر یہ کوئی چنداں برہم ہونے کے قابل بات نہ تھی اگر مرزا صاحب غور فرماتے اور تھوڑی دیر کے لئے حالت غضب سے علیحدہ ہو کر انصاف سے دیکھتے تو یہی اشعار پیرایۂ حسن وصداقت میں دکھائی دیتے۔ مگر افسوس ہے کہ غصّے نے جو ایک قوی شیطانی اثر ہے ان کی آنکھوں کے سامنے پردہ ڈال دیا تھا۔

بات یہ ہے کہ مرزا صاحب نے یہ مباحثہ جو پادریوں کے ساتھ کیا اس وقت سے ان کے ذہنوں میں یہ بات جمادی کہ یہ مقابلہ اسلام اور عیسویت کا ہے اور یہی آخری فیصلہ ہے جس کی خبر حق تعالیٰ نے بذریعۂ الہام دی ہے کہ بحث کا خاتمہ اور اسلام کا غلبہ اس پیشین گوئی پر ہو جائے گا۔ پھر مرزا صاحب اس پیشین گوئی کے جھوٹ ہونے پر بھی یہی کہتے رہے کہ دیکھو اسلام کی فتح ہوگئی۔ جس پر ایک عالم میں بحسب تصریح مرزا صاحب تضحیک ہو رہی ہے۔ اگرچہ مرزا صاحب اس میں بہت کچھ زور لگا کر تاویلیں کر رہے ہیں مگر وہ اس سے زیادہ بدنما ہیں اس موقع میں مسلمانوں کو ضرور تھا کہ مرزا صاحب سے تبرّا کریں اور پادریوں پر یہ بات منکشف کرا دیں کہ ہمیں ان سے کوئی تعلق نہیں۔ دعویٰ نبوت وغیرہ

کرکے وہ پہلے ہی سے دائرہ اسلام سے خارج ہو چکے ہیں ان کا ہار دینا اسلام اور مسلمانوں پر کوئی اثر ڈال نہیں سکتا۔ اور ان کے مقابلے میں ایک الہام حافظ صاحب کا شائع کرکے دکھلا دیا کہ اسلامی سچے الہام ایسے ہوا کرتے ہیں کہ ان میں باتیں بنانے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ صرف مقصود کی ایک بات کہ مسٹر آتھم پندرہ مہینے کے اندر ہرگز نہ مرے گا، نہ اس میں کوئی الہام ہے، نہ تاویل۔ غرض اس تبرّے سے یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ اصل اسلام پر اس مباحثے اور الہام کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ مرزا صاحب کو بھی آخر اسلام کا دعویٰ ہے اسلام کو اس الزام سے بری کرنے کے لئے اگر الہام کی بدعنوانی کو اپنی طرف منسوب کر لیتے تو کس قدر قابل تحسین ہوتے ورنہ مسلمانوں کے تبرا ہی کو غنیمت سمجھ لیتے۔ جس سے اسلام تو اس کارروائی سے بری رہتا۔ اور در اصل سچ بھی یہی ہے کہ مسلمانوں کو اس مباحثے میں دخل ہی کیا وہ تو تماشا دیکھ رہے تھے کہ پرانی مسیحائی مغلوب ہوتی ہے یا نئی۔ جو مغلوب ہو ان کے لئے احدی الحسنین حاصل ہے۔ اب دیکھئے کہ مرزا صاحب جو تحریر فرماتے ہیں کہ پشاور وغیرہ کے مسلمانوں نے اس ناکامی سے دین اسلام پر ٹھٹھے کئے۔ کیسی بے موقع بات ہے۔ انہوں نے تو نئی عیسویت پر ٹھٹے کئے تھے کہ اس نوجوان عیسویت پر سال خوردہ انیس سو برس کی عمر والی عیسویت غالب ہوگئی اگر بالفرض مرزا صاحب اس پیشین گوئی میں صادق ٹھہرتے تو اس کا برا اثر پہلے مسلمانوں پر ڈالا جاتا ان کو گالیاں دے دے کر اپنی عیسویت کی تصدیق پر مجبور کرتے اور بہت سے بھولے بھالے مسلمان غالباً مائل بھی ہو جاتے۔

مرزا صاحب نے اس مباحثے میں جو الہامی طریقہ اختیار کرکے حیلوں سے کام لیا اور اس کو عقلی معجزہ بنانا چاہا اس سے الہاموں کی سخت بے اعتباری ہوگئی اور طرفہ یہ ہے کہ اسی پر فخر فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ کی طرف سے وہ نشانی دی گئی ہے اس سے تو وہی معمولی جنتیں اچھی تھیں جن کی نسبت حقارت کے طور پر فرماتے ہیں وہ تو اور لوگ بھی کر لیتے ہیں اس لئے

کہ ان بحثوں میں اسکاتِ خصم تو ہو جاتا ہے کیونکہ صدہا کتابیں پادریوں کے رد میں موجود ہیں وہی طے شدہ مباحث پیش کردیجائیں تو کافی ہیں۔ اگر الہامی طریقہ اختیار کیا گیا تھا تو اس میں داؤ پیچ سخت معیوب اور شان الٰہی کے منافی ہے۔ وہ تو ایسا زبردست طریقہ ہوتا ہے کہ انسانی قدرت اور عقلی ادراک اس سے عاجز ہوتی ہے۔ دیکھئے جب کفار نے قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں کلام کیا تو آنحضرت ﷺ نے باعلام الٰہی صاف وصریح الفاظ میں فرمادیا کہ تم بھی عرب کے فصحاء ہو سب اکٹھے ہو کر ایک چھوٹی سی سورت اس کے مثل بنالاؤ۔ اور ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ تم ہرگز نہ بنا سکو گے۔ جیسا کہ ارشاد ہے قولہ تعالیٰ **قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِنْ مِثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَاءَ كُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ** (قولہ تعالیٰ) **فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوْا النَّارَ**۔ الآیۃ

باوجودیکہ اس زمانے میں فصاحت وبلاغت کے بڑے بڑے دعوے والے موجود تھے مگر سب مل کر ایک چھوٹی سی سورت بھی نہ بنا سکے اور عار شرمندگی کو قبول کرلیا۔

اسی طرح یہود نے جب مقابلہ کیا تو ان سے کہا گیا کہ اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو اور ہرگز نہ کرسکو گے۔ ظاہر ہے کہ مقابلے کے وقت تمنا کرلینا کوئی بڑی بات نہ تھی مگر خدائے تعالیٰ کو منظور تھا کہ وہ مغلوب ہوں اس لئے کسی یہودی سے نہ ہوسکا کہ پیش ہو کر تمنائے موت کرے **کماقال تعالیٰ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا**۔

پھر نصاریٰ کے مقابلے میں بھی ایسا ہی ہوا کہ مباہلے میں سب ہار گئے جس کا حال آئندہ ان شآء اللہ معلوم ہوگا۔ اب دیکھئے کہ عرب میں بڑے فرقے یہی تین تھے ان کا مقابلہ جو باعلام الٰہی خاص طریقے پر کیا گیا وہ کیسے کھلے الفاظوں میں تھا، نہ اس میں کوئی شرط تھی، نہ تاویل، نہ کسی کو یہ کہنے کی گنجائش کہ الفاظ کچھ ہیں اور مطلب کچھ لیا جاتا ہے۔ اگر مرزا صاحب کے الہام میں منجانب اللہ ہونے کا ذرا بھی شائبہ ہوتا تو کھلے الفاظ میں مسٹر آتھم سے کہہ دیتے

کہ تو اگر میری تصدیق نہ کرے گا تو مارا مارا پھرے گا اور وہ ضرور مارا مارا پھرتا۔ جس سے دیکھنے والوں کو قیل وقال کا موقع نہ ملتا۔ کیا الہام ایسے ہوا کرتے ہیں جن میں اقسام کے حیلے اور باتیں بنانے کی ضرورت ہو اور جب ان میں کلام کیا جائے تو گالیاں دینے کو مستعد۔ چنانچہ لکھتے ہیں اس کا جواب یہ ہے۔ اے بے ایمانو! نیم عیسائیو! دجال کے ہمراہیو! اسلام کے دشمنو! کیا پیشین گوئی کے وہ پہلو نہیں تھے پھر کیا آتھم صاحب نے دوسرا پہلو رجوع الی الحق کے احتمال کو اپنے افعال واقوال سے آپ قوی نہیں کر دیا وہ نہیں ڈرتے رہے۔ الخ

مرزا صاحب پر آتھم صاحب کا جب غلبہ ہوا تھا اس موقع میں اگر اس کی مکافات گالیوں سے کی جاتی اور دل کھول کے آتھم صاحب کو گالیاں دیتے تو ایک مناسبت کی بات تھی مگر مرزا صاحب نے ان کو چھوڑ کر تماش بینوں کے پیچھے پڑ گئے اور لگے گالیاں دینے۔ اگرچہ یہ مشہور ہے کہ کھسیانی بلی کھنبا نوچے۔ مگر عقلاء کی شان سے یہ بعید ہے اگر مغلوب کو یہ حق دیا جائے کہ تماشہ بینوں کو گالیاں دیکر اپنا دل ٹھنڈا کرے تو ایسے موقعوں میں داد دینے والا کوئی نہ ملے گا جو ابتدائی مقابلہ میں طرفین کا مطلوب ہوتا ہے۔

اب مرزا صاحب کی اس کارروائی کو دیکھئے کہ عقل سے انہوں نے کس قدر کام لیا تو ایک بوڑھے شخص ضعیف القویٰ کو تجویز کیا، اس پر ایک مدت وسیع پندرہ مہینے کی، پھر قسمیں کھا کر وہ دھمکیاں موت کی دی گئیں کہ قوی اور تندرست آدمی بھی مارے فکر کے بیمار اور قوت وَاہمہ کا شکار ہو جائے۔ پھر جب وہ دل بہلانے کی غرض سے اور اس بدگمانی سے کہ کہیں خفیہ طور پر موت کی کارروائی نہو، بھاگا بھاگا پھرا تو اسی کا نام رُجوع الی الحق رکھ دیا جو الہام میں شرط بتائی گئی اگر مرزا صاحب سے بھاگنے ہی کا نام رجوع الی الحق ہے تو پھر مرزا صاحب اپنے سے بھاگنے والوں کو کافر اور مائلوں کو مومن کیوں فرماتے ہیں اس لحاظ سے تو معاملہ بالعکس ہونا چاہیے جیسا کہ اس آیۂ شریفہ سے معلوم ہوتا ہے۔ وَمَنْ

يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى غرض اس سے ظاہر ہے کہ عبارت الہامی میں یہ قصداً پیش نظر رکھا گیا تھا کہ جب خواہ مخواہ ان تدابیر سے وہ گھر چھوڑ دے گا تو اس وقت یہ شرط کام دے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بجائے اس کے کہ آسمانی الہام سے فیصلہ قطعی اور واضح ہوتا اس شرط نے معاملہ کو ایسا پیچیدہ بنا دیا کہ کامیابی کی امید ہی نہیں اور جو معنی کہ مرزا صاحب بیان کر رہے ہیں کوئی سمجھ نہیں سکتا۔

اگر بقول مرزا صاحب اس الہام کو آسمانی الہام فرض کریں تو اس سے بھی مرزا صاحب کی فضیلت اور حقانیت ثابت نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ اس کی عبارتوں سے ظاہر ہے۔

قولہ فی الالہام جو فریق جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے پندرہ مہینے میں ہاویہ میں گرایا جائے گا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی۔ مرزا صاحب ہاویہ کے معنی دوزخ کے نہیں لیتے بلکہ فرماتے ہیں کہ مراد اس سے پریشانی ہے جس میں مسٹر آتھم مبتلا ہوا اگرچہ آتھم کی پریشانی اس کے سفر کرنے سے ظاہر ہوتی ہے مگر مرزا صاحب کی پریشانی باطن بھی کم نہ تھی اس لئے کہ ان کو یہ خوف لگا ہوا تھا کہ اگر یہ پیشین گوئی صحیح نہ نکلے تو عمر بھر کا بنا بنایا معاملہ بگڑ جاتا ہے اور ذلت کی تو انتہا نہیں کیونکہ خود ہی کا اقرار ہے کہ منہ کالا کیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ اور ظاہر ہے کہ غیور طبیعتوں کو جان سے زیادہ عزت ریزی کا خوف ہوتا ہے خصوصاً ایسے موقع میں کہ ایک طرف تمام پادری نظر لگائے ہوئے ہیں اور دوسری طرف تمام ہندوستان کے مسلمان ہمہ تن چشم و گوش ہیں کہ دیکھئے اس پیشین گوئی کا کیا حشر ہوتا ہے پھر خوف صرف ذلت ہی کا نہیں بلکہ جان کا بھی خوف اسی الہام کے ایک گوشے میں دکھائی دے رہا ہے کیونکہ پھانسی کا دستاویز اقراری خصم کے ہاتھ میں موجود ہے۔ ہر چند مرزا صاحب اس موقع میں اپنا اطمینان بیان کریں مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ پیشین گوئی کا وجود نہیں ہوا تو سرے سے اس کے الہام ہونے میں شک پڑ گیا اور بغیر الہام کے آدمی کو ایسے موقعوں میں اطمینانی حالت نصیب نہیں ہوسکتی۔

رہا جھگڑا شرط کا سو اگر اس سے توقع کامیابی کی رکھی بھی جائے تو ایک ضعیف احتمال ہے جس پر وثوق نہیں ہوسکتا اور یہ بات ظاہر ہے کہ جہاں احتمال ضرر جانی اور بے عزتی ہو تو فکر غالب ہو جایا کرتی ہے۔ چہ جائیکہ احتمال ضرر ہی غالب ہو غرض ان تمام قرائن سے عقل گواہی دیتی ہے کہ جس مدت میں آتھم صاحب پریشان رہے مرزا صاحب بھی بمقتضائے الحرب سجال کے پریشانی باطنی میں کم نہ تھے اور لفظ ہاویہ دونوں پر منطبق ہے۔

قولہ فی الالہام اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی، اس کا ظہور مرزا صاحب ہی کی تحریر سے ہو گیا۔ اور یہ فقرہ تو خاص مرزا صاحب سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ فریق مقابل اپنے کو کامیاب سمجھ رہا ہے اور خوش ہے اور مرزا صاحب کو گالیاں دینے کی ضرورت ہوئی جو دلیل مغلوبیت ہے یہ کوئی نئی بات نہیں۔ عقلی معجزات کبھی الٹ بھی جاتے ہیں چنانچہ مسیلمہ کذاب کے معجزوں میں یہ ثابت ہے کہ اس نے کسی کی آنکھ میں آشوب دفع ہونے کی غرض سے آب دہن لگایا اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ شخص اندھا ہی ہو گیا۔ اس کے سوا اور بھی نظائر ہیں کہ عقلی معجزات کا اثر منعکس ہو جاتا ہے۔

قولہ فی الالہام جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے اس کی اس سے عزت ہوگی۔ اگرچہ مرزا صاحب اس وقت توحید کی جانب ہیں مگر چونکہ مقصود اس سے صرف اپنی عیسویت کا اثبات ہے اس جہت سے باطل اس پر محیط اور شامل ہو گیا جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خوارج کے استدلال کے جواب میں فرمایا تھا کہ **کلمة الحق ارید بھا الباطل** پھر جب مشاہدے سے ثابت ہو گیا کہ مرزا صاحب کی کمال درجے کی ذلت ہوئی جس کا اظہار خود فرماتے ہیں تو بحسب قیاس استثنائی ان کا سچ پر ہونا بھی باطل ہو گیا۔ کیونکہ اگر سچ پر ہوتے تو اس الہام کے مطابق عزت ہوتی۔ ادنیٰ تامل سے ناظرین پر منکشف ہوگا کہ مرزا صاحب کا حق پر نہ ہونا انہیں کے الہام سے ثابت ہے۔

قولہ فی الالہام اور اس وقت جب پیشین گوئی ظہور میں آئے گی بعض اندھے سوجھا کھی کیے جائیں گے اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے اور بعض بہرے سننے لگیں گے۔ پیشین گوئی کا صدق وکذب پندرہ مہینے کے گذرنے پر منحصر تھا اور مشاہدے سے اور ہزاروں بلکہ لاکھوں گواہیوں سے اس کا کذب ظاہر ہوگیا اس ظہور پیشین گوئی کے وقت بے شک بعض اندھے جن پر پورا حال مرزا صاحب کا منکشف نہیں ہوا تھا اور ان کی طرف ٹھکتے جارہے تھے ضرور سوجھا کھی ہوگئے۔ اور حق کی راہ چلنے اور حق باتیں سننے لگے کیونکہ حق پسند طبیعتوں کا خاصہ ہے کہ جب ایسی کھلی نشانی دیکھ لیتے ہیں تو حق کی جانب حرکت کرتے ہیں۔ چنانچہ انجام آتھم کے صفحہ ۱۲ میں خود تحریر فرماتے ہیں کہ اس پیشین گوئی کی وجہ سے بعض مرید برگشتہ ہوگئے یعنی اندھے سوجھا کھی ہوگئے۔

قولہ فی الالہام اگر یہ پیشین گوئی جھوٹ نکلے تو میں ہر ایک سزا کے لئے تیار ہوں اور میں اللہ جل شانہٗ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ ضرور ایسا ہی کرے گا۔ ظاہر ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے ایسا ہی کیا کہ پیشین گوئی جھوٹ نکلی۔ عجیب خدائے تعالیٰ کی قدرت ہے کہ یہ الہام کس غرض سے بنایا گیا تھا اور انجام کس حسن وخوبی کے ساتھ ہوا۔

اب مرزا صاحب کی توجیہات سنئے جو اس الہام سے متعلق ہیں۔ رسالہ الہاماتِ مرزا مؤلفہ مولوی ابوالوفا ثناء اللہ صاحب میں ضیاء الحق اور انوار الاسلام وغیرہ تحریرات مرزا صاحب سے ان کے یہ اقوال منقول ہیں کہ جو آتھم نے اپنی خوف زدہ ہونے کی حالت سے بڑی صفائی سے یہ ثبوت دے دیا ہے کہ وہ ضرور ان ایام میں پیشین گوئی کی عظمت سے ڈرتا رہا، ایک سخت غم نے اس کو گھیر لیا، وہ بھاگا پھرا اس لئے درحقیقت وہ ہاویہ میں رہا، مسلسل گھبراہٹوں کا سلسلہ اس کے دامن گیر ہوگیا تھا اور اس کے دل پر وہ رنج وغم وبدحواسی وارد ہوئی جس کو آگ کے عذاب سے کم نہیں کہہ سکتے۔ یہی اصل ہاویہ تھا اور وہ درد اور دکھ

کے ہاویہ میں ضرور گرا اور ہاویہ میں گرنے کا لفظ اس پر صادق آ گیا، اس کی یہ مثال ہوئی، قیامت دیدہ ام پیش از قیامت۔ اس پر وہ غم کے پہاڑ پڑے جو اس نے تمام زندگی میں ان کی نظیر نہیں دیکھی تھی۔ پس کیا یہ سچ نہیں کہ وہ ان تمام دنوں میں درحقیقت ہاویہ میں رہا۔

مرزا صاحب کا وہ الہام تھا تو یہ کشف ہے کہ اس کے دل کی حالت اور عمر بھر کے واقعات بیان فرمارہے ہیں جن سے اس کو سراسر انکار ہے۔ اصل بات اتنی تھی کہ آتھم صاحب نے دیکھا کہ اپنی موت پر مرزا صاحب کی کامیابی منحصر ہے ممکن بلکہ اغلب ہے کہ مرزا صاحب کے جان نثار مریدوں کی فوج اپنے پیرومرشد کی کامیابی کی غرض سے اس مہم کے سر کرنے میں سعی کرے گی۔ اس لئے بمشورۂ حزم واحتیاط انہوں نے ایک جگہ کی اقامت کو اس مدّت معینہ میں مناسب نہ سمجھا۔ اور بطور تفریح جیسے مرفہ الحال لوگوں کی عادت ہوتی ہے، سیاحت اختیار کی۔ جس کی بدولت نئے نئے شہر دیکھے، دعوتیں کھائیں، سیر وشکار کئے جس سے **السفر وسیلة الظفر** کے معنی بھی صادق آ گئے۔ مرزا صاحب نے سفر کا نام دیکھ لیا اور شاعرانہ خیال سے صورت سقر قرار دے کر اس کو سچ مچ کا ہاویہ ہی ٹھہرا دیا اور یہ خیال نہیں کیا کہ امراء وسلاطین لکھوکھا روپیہ دے کر یہ دولت حاصل کرتے ہیں خصوصاً گورنمنٹ کے معززین اور پادریوں کے حق میں تو ہندوستان کا سفر گلگشت جناں سے کم نہیں۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ ۴۹۰ میں خود تحریر فرماتے ہیں کہ یہ لوگ ایک قسم کی جنت اپنے ساتھ لئے پھرتے ہیں انتہی۔ پھر ان کو دنیا میں ہاویہ سے کیا تعلق؟ غرض مرزا صاحب نے جس کو ہاویہ قرار دیا تھا وہ جنت ثابت ہوتی ہے۔

مرزا صاحب نے اس الہام میں ہاویہ کا لفظ اس واسطے تجویز کیا تھا کہ قرآن شریف میں یہ لفظ وارد ہے اور اس کے معنی دوزخ کے ہیں **کما قال تعالیٰ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ وَمَا أَدْرَاكَ مَاهِيَه نَارٌ حَامِيَة** اس سے غرض یہ کہ دعوے کی شان شوکت اور الہام

کا کر وفر اس سے نمایاں ہو کہ جو لفظ قرآن میں ایک سخت وعید میں استعمال کیا گیا وہی لفظ اس ہندی الہام میں ذکر فرمایا مگر افسوس ہے کہ وہ صرف لفظ ہی لفظ تھا۔ اگر چہ پندرہ مہینے تک بجائے خود رکھا مگر اس کے بعد کمال مایوسی سے وہ لفظ یوں بدلا گیا کہ اس سے مراد فکر و تشویش لی گئی اوّل تو فکر و تشویش ہی میں کلام ہے اس لئے کہ کسی کے دل کی کیفیت یقینی طور پر معلوم نہیں ہوسکتی اور اگر وہ تسلیم بھی کر لی جائے تو اس کا کیا ثبوت کہ الہام کے صدق کا اس کے دل پر اثر تھا قرائن سے تو ثابت ہے کہ مرزا صاحب کے مریدوں کے خوف سے اس کو سفر کی ضرورت ہوئی۔

بہر حال مرزا صاحب نے ایک ہی شق اختیار کی کہ اس کے دل پر اپنی پیشین گوئی کا اثر ہوا تھا۔ چنانچہ ضیاء الحق میں لکھتے ہیں کہ جس شخص کا خوف ایک مذہبی پیشین گوئی سے اس حد تک پہنچ جائے کہ شہر بشہر بھاگتا پھرے تو ایسا شخص بلاشبہ یقینی طور پر اس مذہب کا مصدق ہوگیا ہے جس کی تائید میں پیشین گوئی کی گئی تھی اور یہی معنی رجوع الی الحق کے ہیں الخ۔

یہاں یہ امر غور کے قابل ہے کہ مرزا صاحب خود تصدیق کرتے ہیں کہ یقینی طور پر اس کا رجوع الی الحق کرنا ثابت ہوگیا۔ اور الہام مرقوم الصدر کا مضمون یہ تھا کہ اگر وہ حق کی طرف رجوع کرے تو ہاویہ میں گرایا نہ جائے گا۔ پھر جب الہام کے سنتے ہی اس پر خوف اور عظمت طاری ہوگئی تو الہام کے مطابق وہ ہاویہ کا مستحق نہ رہا۔ مگر مرزا صاحب کی تحریر سے ابھی معلوم ہوا کہ وہ ہاویہ میں ضرور گرایا گیا اور اس پر ہاویہ میں گرنے کا لفظ صادق آگیا جس کا ماحصل یہ ہوا کہ بحسب الہام اس کا حق کی طرف رجوع کرنا ثابت ہے باوجود اس کے وہ ہاویہ میں گرایا گیا جو خلاف عادت الٰہی اور خلاف شرط الہام ہے۔ یہاں دو باتوں سے ایک بات ضرور ماننی پڑے گی کہ اگر الہام سچا ہے تو ہاویہ میں گرنا جھوٹ ہے۔ اور اگر ہاویہ میں گرنا سچ ہے تو الہام جھوٹا ہے۔ اور چونکہ ہاویہ میں گرائے جانے کی وہ تصدیق کرتے ہیں تو ثابت ہوا کہ الہام جھوٹا ہے۔ پھر اگر غیر معمولی کیفیت ان کو وجدانی طور پر معلوم ہوئی تھی جس کو

انہوں نے الہام سمجھا تھا تو اس کو الہام شیطانی ضرور کہا جائے گا۔ جس سے کل الہاموں کے دعوے ان کے جھوٹے ہو گئے اور اگر یہ الہام انہوں نے بنالیا تھا تو یہ ثابت ہو جائے گا کہ انہوں نے خدائے تعالیٰ پر افترا کیا ہے اور کوئی مسلمان خدا پر افترا نہیں کر سکتا۔

مرزا صاحب جو رجوع الی الحق کا الزام مسٹر آتھم کے ذمہ لگا رہے ہیں اس کو وہ قبول نہیں کرتا اس نے صاف کہہ دیا کہ مجھ پر مرزا صاحب کے الہام کا کچھ اثر نہ ہوا بلکہ مریدوں کے خوف وغیرہ کی وجہ سے سفر کے اختیار کرنے کی ضرورت ہوئی تھی۔ مرزا صاحب نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ وہ ضرور الہام ہی کا اثر تھا ورنہ یہی بات قسم کھا کر کہہ دی جائے۔ اس نے جواب دیا کہ ہمارے دین میں قسم کھانی جائز نہیں جیسا کہ انجیل متی میں مصرح ہے وہ فرماتے ہیں ایسے حیلے کام پر نہیں آتے۔ قسم کھا کر نہ کہنا۔ یہی ہماری کامیابی ہے اس کا جواب ڈاکٹر کلارک نے دیا کہ ہم کہتے ہیں مرزا صاحب مسلمان نہیں ہیں اگر مسلمان ہیں تو مجمع عام میں سور کا گوشت کھائیں۔ اگر کہیں کہ سور کا گوشت مسلمانوں پر حرام ہے اس سے اسلام کا ثبوت کیسے؟ تو ہم کہتے ہیں اسی طرح بالاختیار حلف اٹھانا عیسائیوں کو منع ہے پس جب آتھم پکا عیسائی ہے تو وہ اپنی عیسائیت کا ثبوت قسم سے نہیں دے سکتا جس طرح آپ اپنے اسلام کا ثبوت سور کھا کے نہیں دے سکتے انتہی۔

مرزا صاحب نے الہام میں جو شرط لگائی تھی کہ بشرطیکہ وہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔ اس میں یہی پیش نظر تھا کہ جب موت کی دھمکیوں سے وہ جان بچانے کی غرض سے اپنا مستقر چھوڑ دے گا تو اسی کا نام تاثیر پیشین گوئی اور رجوع الی الحق رکھا جائے گا اور جب وہ اس سے انکار کرے گا تو قسم کی فرمائش کی جائے گی اور چونکہ ان کے مذہب میں قسم درست نہیں اس لئے وہ قسم کبھی نہ کھائے گا اس وقت یہ کہنے کا موقع مل جائے گا کہ آتھم کی قسم درست نہیں اس لئے وہ قسم کبھی نہ کھائے گا اس وقت یہ کہنے کا موقع مل جائے گا کہ

آتھم کی قسم نہ کھانے سے ثابت ہے کہ وہ جھوٹا ہے یہاں تک تو عقلی منصوبے چل گئے، جواعلیٰ درجے کے عقلی معجزے تھے۔ مگر ڈاکٹر کلارک کے عقلی معجزے نے ان سب کو گاؤ خورد کردیا اور مرزا صاحب بھی اس کے تسلیم کرنے میں مجبور ہوئے اور یہ کوئی قابلِ استعجاب بات نہیں، عقلوں میں تفاوت ہوا ہی کرتا ہے۔ مگر قابل توجہ یہ بات ہے کہ اگر وہ الہام واقعی ہوتا تو کیا ڈاکٹر صاحب کی رائے اس میں بھی چل سکتی۔ ادنیٰ تامل سے معلوم ہوسکتا ہے کہ مدار الہامات کا خاص علم قدرتِ الٰہی پر ہوتا ہے اور ممکن نہیں کہ کسی آدمی کی رائے اس پر غالب ہوسکے اس سے ظاہر ہے کہ وہ الہام الٰہی نہ تھا۔

مرزا صاحب جو آتھم کے خوف کا نام رجوع الی الحق رکھتے ہیں اس سے غرض یہ کہ پیشین گوئی یعنی موت کا وقوع اس کی وجہ سے نہیں ہوا مگر ابھی معلوم ہوا کہ اس الہام میں جو ہاویہ میں گرنا مذکور ہے اس کا وقوع تو بحسب اقرار مرزا صاحب ہوگیا اور یہ رجوع الی الحق کچھ کام نہ آیا۔ مرزا صاحب اس رجوع سے دوسرا کام لینا چاہتے ہیں کہ الہام کی تشریح میں جو کہا گیا تھا کہ آتھم بہ سزائے موت ہاویہ میں ڈالا جائے گا اور نیز کرامات الصادقین میں لکھتے ہیں **منھا ما وعدنی ربی اذ جادلنی رجل من المتنصرین الذی اسمہٗ عبداللہ آتھم الی ان قال فاذا بشرنی ربی بعد دعوتی بموتہ الی خمسۃ عشر شھرا من یوم خاتمۃ البحث فاستیقظت و کنت من المطمئنین.** یعنی خودخدا نے مجھے بشارت دی کہ پندرہ مہینے میں آتھم مرجائے گا۔ غرض کہ حق تعالیٰ نے جو آتھم کی موت کی بشارت دی تھی وہ اس رجوع الی الحق سے ٹل گئی، مگر الہام کی بشارت صاف کہہ رہی ہے کہ اس کی موت ضروری تھی۔

ہر شخص جانتا ہے کہ رجوع کے معنی لوٹ جانے کے ہیں اور رجوع الی الحق اسی وقت صادق آتی ہے کہ باطل کو چھوڑ دیا جائے چونکہ اس مباحثے میں حق وہی فرض کیا گیا تھا جس

پر مرزا صاحب ہیں تو ضرور تھا کہ وہ مرزا صاحب کا ہم خیال ہو جاتا جس سے رجوع کے معنی صادق آتے مگر مرزا صاحب کہتے ہیں کہ اس خوف کو بھی ایک درجہ رجوع کا دینا چاہیے۔ رجوع کا اس کو ایک درجہ دینا تو آسان ہے مگر مشکل یہ ہے کہ اس تمام مدت میں حق کے قبول کرنے کا ایک اثر بھی اس سے ظاہر نہ ہوا، بلکہ برخلاف اس کے مرزا صاحب کو وہ دجال اور جھوٹا وغیرہ کہتا رہا۔ جیسا کہ رسالہ الہامات مرزا سے ظاہر ہے اور یہ پوشیدہ نہیں کہ جو شخص جان بوجھ کر حق کو قبول نہ کرے اور مخالفت کرتا رہے وہ زیادہ تر سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ دیکھ لیجئے قرآن شریف سے ثابت ہے کہ کفار آنحضرت ﷺ کی نبوت کو یقینی طور پر جانتے تھے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ** مگر یہ معرفت باعث زیادتی عقوبت ہوئی۔ کما قال تعالیٰ **فَلَمَّا جَآءَھُمْ مَّا عَرَفُوْا کَفَرُوْا بِہٖ فَلَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْکَافِرِیْنَ۔**

الحاصل اگر آتھم نے پیشین گوئی کی عظمت اور اس کے منجانب اللہ ہونے کو معلوم کر لیا تھا تو اس کی سزا زیادہ اور بہت جلد ہونی چاہیے تھی۔ اگر مرزا صاحب کے قابو میں آتھم صاحب آ جاتے اور سزا دینے میں کوئی مانع نہ ہوتا تو کیا مرزا صاحب باوجود ان کو دجال اور جھوٹا کہنے کے اس کو پندرہ مہینے مہلت لینے دیتے ضرور یہ فرما کر فوراً سزائے موت دیتے کہ باوجود حق کی طرف رجوع ہونے کے اور میری اور میرے الہام کی تصدیق کرنے کے مجھ کو دجال اور جھوٹا بتا رہا ہے الحاصل اس موقع میں ضرور تھا کہ جس طرح رجوع الی الحق نے اس کو ہاویہ سے نہ بچایا اسی طرح سزائے موت سے بھی نہ بچاتا۔

مرزا صاحب نے اس رجوع الی الحق کو مانع سزائے موت قرار دیا۔ جیسا کہ تریاق القلوب میں لکھتے ہیں کہ آتھم کی موت کی پیشین گوئی کی گئی تھی جس میں یہ شرط تھی کہ اگر آتھم پندرہ مہینے کی میعاد میں حق کی طرف رجوع کر لیں گے تو موت سے بچ جائیں گے۔ اور انوار الاسلام وغیرہ میں ہے کہ آتھم کی موت اس لئے نہیں ہوئی کہ اس نے رجوع

حق کی طرف کیا تھا۔ اور وہ رجوع الی الحق مانع دخول ہاویہ نہیں ہوئی جیسا کہ ابھی معلوم ہوا کہ وہ ہاویہ میں ضرور گرا۔ حالانکہ اصلی ہاویہ میں داخل ہونا بعد موت ہوگا قبل نہیں ہوسکتا اور مرزا صاحب کی تقریر سے بھی یہی ثابت ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ بسزائے موت داخل ہاویہ ہوگا کیونکہ بسزائے موت داخل ہاویہ ہونا قبل موت ممکن نہیں۔ پھر اس کے کیا معنی کہ رجوع الی الحق سے موت ٹل گئی مگر ہاویہ میں گر گیا اس کی مثال بعینہٖ ایسی ہے جیسے نہ ولایت ہے، نہ نبوت مگر وحی اور الہام ہو رہے ہیں۔ اور اس کی وجہ بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ رجوع الی الحق نے موت سے تو بچا لیا مگر ہاویہ سے نہ بچا سکا اس رجوع کو ناقص کہیں یا کامل اس اعتبار سے کہ موت جیسی چیز کو جس کی نسبت حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ**۔ روک دیا اعلیٰ درجے کی کامل سمجھی جائے گی۔ مگر حیرت یہ ہے کہ ایسی رجوع کامل سزائے ہاویہ کو نہ روک سکی جس سے مراد سفر اور پریشانی لی گئی اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے نزدیک موت سے زیادہ سفر کی وقعت ہے کیونکہ اس رجوع نے موت میں تصرف کر لیا مگر سفر میں نہ کر سکا۔

آیۂ موصوف **اذا جاء اجلھم** سے یہ ظاہر ہے کہ موت وقت مقررہ سے نہ آگے آسکتی ہے، نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے۔ اور الہام مذکورہ کہہ رہا ہے کہ آتھم کی موت ٹل گئی۔ اور مرزا صاحب نے ازالۃ الاوہام صفحہ ۱۳۷ میں لکھا ہے اب کوئی ایسی وحی یا ایسا الہام منجانب اللہ نہیں ہوسکتا جو احکامِ فرقانی کی ترمیم یا تنسیخ یا کسی ایک حکم کی تبدیل یا تغیر کر سکتا ہو اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ ہمارے نزدیک جماعت مومنین سے خارج اور ملحد اور کافر ہے۔ انتہی۔ اب مرزا صاحب خود ہی تصفیہ فرمائیں کہ جب خدائے تعالیٰ کی خبر کے برخلاف جس کی تنسیخ ممکن نہیں وہ الہام خبر دے رہا ہے تو اس کو کیا کہیں اگر اور کچھ نہیں تو اتنا تو ضرور فرمائیں کہ وہ الہام شیطانی تھا۔

مرزا صاحب جو فرماتے ہیں کہ آتھم کی موت اس لئے نہیں ہوئی کہ اس نے

رجوع حق کی طرف کیا تھا اور رجوع الی الحق کے معنی ابھی معلوم ہوئے کہ پیشین گوئی کا خوف اس پر طاری ہو گیا۔ اور یہ خوف اسی وقت طاری ہوا جب مرزا صاحب سے پیشین گوئی سن کر بھاگا بھاگا پھرا۔ جس کی خبر مرزا صاحب کو فوراً ہو گئی تھی اس صورت میں مرزا صاحب کو ضرور تھا کہ یہ اعلان دیتے کہ آتھم رجوع الی الحق کر چکا ہے اب وہ پندرہ مہینوں میں نہ مرے گا اور اس کو صاف لکھ دیتے کہ تم نے رجوع الی الحق کر لی ہے۔ اس وجہ سے اب اس مدت میں ہرگز نہ مرو گے ہاں ہاویہ میں یعنی سفر میں رہو گے۔ حالانکہ ابھی معلوم ہوا کہ مرزا صاحب ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ وہ اسی مدت میں ضرور مرے گا اور اس میں کوئی تاویل نہ ہوگی۔ اب دیکھئے اگر ان کا یہ قول سچ سمجھا جائے کہ اس نے رجوع الی الحق کی ہے تو ان کا وہ قول کہ وہ ضرور مرے گا، جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔ اور اگر وہ قول سچ سمجھا جائے تو قطع نظر خلاف واقع ہونے کے اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ پندرہ ماہ تک مرزا صاحب نے اس کے بھاگتے پھرنے کو رجوع الی الحق نہیں سمجھا تھا بلکہ یہی خیال کرتے رہے کہ بوڑھا تو ہے اگر مر جائے تو کامیابی ورنہ اس وقت کہہ دیا جائے گا کہ رجوع الی الحق کی وجہ سے نہیں مرا۔

یہاں یہ امر قابل توجہ ہے کہ جب اس الہام سے خدا کو مرزا صاحب کی کامیابی مقصود تھی تو جس طرح آتھم کو رجوع الی الحق کی ہدایت کی تھی مرزا صاحب کو یہ الہام کیوں نہیں ہو گیا کہ صاف کہہ دو کہ وہ رجوع کر چکا ہے اب اس مدت میں نہ مرے گا۔ برخلاف اس کے مرزا صاحب سے بھی کہلواتا رہا کہ اسی مدت میں وہ ضرور مر جائے گا۔ کیا ایسے الہام خدائے تعالیٰ پر افترا نہیں۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا۔

اصل یہ ہے کہ جب کسی کی مقبولیت کسی قوم میں ہو جاتی ہے تو اس کی ایسی باتوں پر نگاہ نہیں پڑتی اور ہر بات چل جاتی ہے آپ حضرات نے پولس مقدس کے حالات کتابوں میں دیکھے ہوں گے کہ کیسی کیسی خلاف باتیں انہوں نے کیں کل حرام چیزوں کو حلال کر دیا،

قبلہ سے منحرف کیا، تثلیث کو ذہنوں میں جمادیا مگر سب چل گئیں اور پھر بھی مقدس ہی رہے۔ بولس مقدس صاحب کی سحر بیانی اور تقدس کا کیا اثر ہوا جو تقریباً انیس سو (۱۹۰۰) سال سے آج تک روبہ ترقی ہے۔ یہ بات یادرہے کہ بولس صاحب پر ایسے تقدس کا خاتمہ نہیں ہوا بلکہ ایسے مقدس حضرات سے زمانہ خالی نہیں رہتا۔ بولس صاحب نے تو عیسیٰ علیہ السلام کو ترقی دی تھی کہ ان کو خدا بنادیا مرزا صاحب اپنی ترقی میں کسی کے محتاج نہیں، خود ہی عیسیٰ بنے، نبوت تک ترقی کر گئے اور اب **کُنْ فَیَکُوْن** میں اپنے خالق کے ساتھ اپنی شرکت بتارہے ہیں اور ہر طرف سے **آمَنَّا وَصَدَّقْنَا** کے نعرے خوش اعتقادوں کے بلند ہیں۔ اور یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آتی کہ مرزا صاحب کیا کررہے ہیں یہ اسی کمال تقدس کا اثر ہے جو مدتوں کی خلوت نشینی اور گوشہ گزینی سے حاصل فرمایا تھا۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ عبارت الہام میں مذکور ہے کہ جو فریق عمداً جھوٹ اختیار کررہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنارہا ہے وہ پندرہ ماہ میں ہاویہ میں گرایا جائے گا اس الہام میں جانب مقابل فریق قرار دیا گیا جو بمعنی گروہ اور جماعت ہے جیسا کہ قرآن شریف سے واضح ہے قولہ تعالیٰ **فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّةِ وَفَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ** اس سے بڑھ کر کیا ہو کہ کل جنتی ایک فریق اور کل دوزخی ایک فریق قرار دیئے گئے۔ چونکہ اس الہام میں صراحتاً مذکور ہے کہ جو فریق عمداً جھوٹ کہہ کر عاجز انسان کو خدا بنارہا ہے وہ ہاویہ میں گرایا جائے گا اس لئے بمقتضائے الہام کل فریق عیسائی کا پندرہ ماہ میں ہاویہ میں گرنا ضرور تھا اس لئے کہ کوئی عیسائی ایسا نہیں جو سہواً یا خطاءً عیسیٰ علیہ السلام کو خدا بنایا ہو وہ تو جو کچھ کہتے ہیں عمداً کہتے ہیں پھر جب وصف عامہ پر حکم مرتب ہورہا ہے تو مرزا صاحب کو کوئی حق نہیں کہ اس کلام میں جس کو کلام الٰہی بتلارہے ہیں تصرف کر کے لفظ فریق کو اس جماعت کے ساتھ خاص کریں جو مباحثے میں شریک تھی۔ جیسا کہ نورالاسلام میں لکھتے ہیں کہ فریق سے مراد آتھم نہیں۔ بلکہ

وہ تمام جماعت ہے جو اس بحث میں اس کے معاون تھی۔ مرزا صاحب نے اس الہام کے بعد یہ نہیں کہا تھا کہ خدائے تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ فریق سے مراد خاص جماعت ہے اور نہ اس کی تخصیص الفاظ الہام سے معلوم ہوتی بلکہ اس میں عام طور پر ہے کہ جو فریق انسان کو خدا بنا رہا ہے۔ اس کلام کی تحریف انہوں نے اس خیال سے کی ہے کہ کہیں اس کلام سے گورنمنٹ کا پندرہ ماہ میں ہاویہ میں گرنا نہ سمجھا جائے مگر جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ وہ کلام کلام الٰہی نہ تھا۔ اس لئے کہ وہ فریق اس مدت میں ہاویہ میں نہیں گرا تو اس سے معلوم ہوگیا کہ مرزا صاحب نے اپنی طرف سے کہا تھا کہ اس مدت میں کل عیسائی ہاویہ میں گرائے جائیں گے مرزا صاحب بظاہر گورنمنٹ کے خیر خواہ اپنے کو بتاتے ہیں مگر ایسی منحوس باتوں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف ظاہر داری ہے، خیر اس سے کوئی بحث نہیں۔ کلام اس میں تھا کہ فریق کا لفظ جو متصف بصفت عامہ کیا گیا تھا وہ صحیح نہیں لیکن اس تعمیم میں یہ مصلحت پیش نظر ضرور تھی کہ اس مدت طویلہ میں کہیں تو کوئی عیسائی مرے گا، اس وقت یہ تعمیم کام دے گی اور فوراً اس الہام کے ذیل میں داخل کرلیا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ پادری رابٹ جو اس مباحثہ میں شریک بھی نہ تھا جب مر گیا اور اس کے دوست ڈاکٹر کلارک کو اس کا غم ہوا تو آپ تحریر فرماتے ہیں کہ اس عرصے میں رابٹ ناگہاں مر گیا جس کے مرنے کا ڈاکٹر کلارک کو جو اس کا دوست تھا صدمہ پہنچا۔ (دیکھو اشتہارات الہامی)

اب یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ فریق سے مراد ایک جماعت ہے جس کی نسبت مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ اگر یہ پیشین گوئی جھوٹی نکلے یعنی وہ فریق پندرہ ماہ کے عرصے میں بسزائے موت ہاویہ میں نہ پڑے تو میں ہر سزا کے لئے موجود ہوں اس کا مطلب ظاہر ہے کہ کلارک وغیرہ کل جماعت اس مدت میں مر جاتی حالانکہ اس میں سے کوئی نہیں مرا اور جو شخص مرا سو وہ ایک اجنبی شخص تھا جو مباحثہ میں شریک ہی نہ تھا مگر مرزا صاحب نے اس کی

موت سے بھی اپنا کام نکالا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر آتھم رجوع الی الحق کی وجہ سے بچ گیا تھا تو یہ پوری جماعت کیونکر بچی ان کا تو رجوع الی الحق ہونا بھی ثابت نہیں ہوا۔ شاید یہاں یہ فرمائیں گے کہ اس کا مباحثہ کرنا ہی رجوع الی الحق تھا اگرچہ رد ہی کرنے کے لئے کیوں نہو، آخر حق کی طرف رجوع تو متحقق ہوا۔ اس کو بھی رجوع کا ایک درجہ دینا چاہیے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ توجیہ بھی چل جائے گی جیسے آتھم کے رجوع الی الحق کی توجیہ چل گئی تھی مگر اہل انصاف سمجھ سکتے ہیں کہ وہ کس قدر رکیک ہوگی۔ اس سے زیادہ حیرت انگیز یہ بات ہے کہ کلارک کے مقابلے میں مرزا صاحب نے عین عدالت میں اقرار کیا کہ فریق سے مراد اس الہام میں صرف آتھم تھا۔ ڈاکٹر کلارک وغیرہ کو اس پیشین گوئی سے کوئی تعلق نہیں گویا سرِ عدالت یہ اقرار فرماتے ہیں کہ رابٹ کی موت کے صدمے کی نسبت جو کہا گیا تھا وہ غلط تھا۔ دیکھئے فریق کی ابتدا کہاں سے تھی اور ہٹتے ہٹتے کہاں تک نوبت آ پہنچی۔ دیکھئے اس الہام کا سلسلہ کس قدر طویل ہے کہ احاطۂ بحث میں آ نہیں سکتا۔ پوری بحث اس کی مولوی ابوالوفا ثناء اللہ صاحب نے الہامات مرزا صاحب میں لکھی ہے جو قابل دید ہے۔

تاریخ خمیس میں مواہب اللدنیہ وغیرہ سے لکھا ہے کہ ایک عورت نے مسیلمہ کذاب سے کہا کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی دعا سے کنوؤں میں پانی جوش مارتا ہے آپ بھی ہمارے نخلستان وغیرہ کے لئے دعا کیجئے۔ کہا وہ کیا کرتے ہیں۔ کہا ڈول میں کلی کرتے ہیں اور وہ پانی کنویں میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اس نے بھی ایسا ہی کیا مگر اثر یہ ہوا کہ جس قدر پانی موجود تھا وہ بھی سوکھ گیا۔ آنحضرت ﷺ کے آب دہن سے آشوبِ چشم اچھا ہو گیا تھا۔ اس نے بھی کسی آفت زدہ کی آنکھ میں تھوک لگایا اس کا اثر یہ ہوا کہ بصارت ہی زائل ہو گئی۔ ایک بار کسی کی بکری کے تھن پر اس غرض سے ہاتھ پھیرا کہ دودھ زیادہ ہو اثر یہ ہوا کہ دودھ بالکل خشک ہی ہو گیا۔ بنی حنفیہ میں ایک کنواں کھودا گیا تھا برکت کے لئے اس میں آب دہن اس

کاڈالا گیا اثر یہ ہوا کہ پانی کنویں کا میٹھا تھا، کڑوا ہوگیا۔ ایک عورت نے اس سے شکایت کی میرے بہت سے لڑکے مر گئے اب صرف دو ہی رہ گئے ہیں ان کی درازی کے لئے دعا کیجئے چنانچہ چھوٹے لڑکے کی چالیس برس کی عمر مقرر کی۔ جب وہ گھر آئی تو بڑا لڑکا ایک کنویں میں گر کے مر گیا تھا اور چھوٹا جس کی عمر چالیس سال کی مقرر کی تھی حالت نزع میں پڑا تھا غرض کہ اسی دن ان دونوں لڑکوں کا کام تمام ہوگیا۔ اسی قسم کے اور واقعات بھی لکھے ہیں جس کا ماحصل یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ ایسے لوگوں کو مخذول کرتا ہے۔ عصائے موسیٰ میں لکھا ہے کہ بظاہر تو از روئے قانون قدرت ومشاہدہ واقعات اس کا میعاد مقررہ مرزا صاحب کے اندر مر جانا عجائبات سے نہ تھا بلکہ بلحاظ کبر سنی وضعف ونقص صحت اور ان اسباب سے بڑھ کر مرزا صاحب کی دھمکی موت سے خوف زدہ ہونے کی حالت میں بہت ہی اغلب تھا اور لکھا ہے کہ اس عرصے میں وبا کے بھی کئی دورے ہوئے باوجود ان تمام اسباب کے مسٹر آتھم اس مدت میں تو نہیں مرے ہاں اس کے بعد اور آٹھ ماہ زندہ رہے اگر **لَایَسْتَاخِرُوْنَ سَاعَة** سے قطع نظر کیا جائے تو یہ آٹھ ماہ کی زندگی گویا اس الہام میں رخنہ اندازی کے لئے تھی۔ اور یہ یقینی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ اگر مرزا صاحب کے الہامات کو وقعت دینا منظور الٰہی ہوتا تو بجائے پندرہ ماہ کے تیئیس (۲۳) ماہ ان کی زبان سے کہلوا دیتا۔ اسی طرح جب مرزا صاحب نے پیشین گوئی کی کہ قادیان میں طاعون نہ آئے گا تو اہل قادیان سمجھ گئے کہ اب طاعون کا آنا وہاں ضروری ہوگیا اور اسی وقت سے ان کو خوف پیدا ہوگیا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ طاعون سے قادیان کو سخت صدمہ پہنچا۔

جس طرح آتھم کی موت کی ایک وسیع مدت مقرر کی گئی تھی اس سے زیادہ مدت لیکھرام کی موت کے الہام میں مقرر کی گئی۔ چنانچہ سراج منیر میں مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ لیکھرام کی نسبت یہ الہام ہوا کہ **عجل جسد له خوار له نصب وعذاب** اور اس کے

حق کی طرف کیا تھا۔ اور وہ رجوع الی الحق مانع دخول ہاویہ نہیں ہوئی جیسا کہ ابھی معلوم ہوا کہ وہ ہاویہ میں ضرور گرا۔ حالانکہ اصلی ہاویہ میں داخل ہونا بعد موت ہوگا قبل نہیں ہوسکتا اور مرزا صاحب کی تقریر سے بھی یہی ثابت ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ بسزائے موت داخل ہاویہ ہوگا کیونکہ بسزائے موت داخل ہاویہ ہونا قبل موت ممکن نہیں۔ پھر اس کے کیا معنی کہ رجوع الی الحق سے موت ٹل گئی مگر ہاویہ میں گر گیا اس کی مثال بعینہٖ ایسی ہے جیسے نہ ولایت ہے، نہ نبوت مگر وحی اور الہام ہو رہے ہیں۔ اور اس کی وجہ بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ رجوع الی الحق نے موت سے تو بچا لیا مگر ہاویہ سے نہ بچا سکا اس رجوع کو ناقص کہیں یا کامل اس اعتبار سے کہ موت جیسی چیز کو جس کی نسبت حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ**۔ روک دیا اعلیٰ درجے کی کامل سمجھی جائے گی۔ مگر حیرت یہ ہے کہ ایسی رجوع کامل سزائے ہاویہ کو نہ روک سکی جس سے مراد سفر اور پریشانی لی گئی اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے نزدیک موت سے زیادہ سفر کی وقعت ہے کیونکہ اس رجوع نے موت میں تصرف کر لیا مگر سفر میں نہ کر سکا۔

آیۂ موصوف **اذا جاء اجلهم** سے یہ ظاہر ہے کہ موت وقت مقررہ سے نہ آگے آسکتی ہے، نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے۔ اور الہام مذکورہ کہہ رہا ہے کہ آتھم کی موت ٹل گئی۔ اور مرزا صاحب نے ازالۃ الاوہام صفحہ ۱۳۷ میں لکھا ہے اب کوئی ایسی وحی یا ایسا الہام منجانب اللہ نہیں ہوسکتا جو احکامِ فرقانی کی ترمیم یا تنسیخ یا کسی ایک حکم کی تبدیل یا تغیر کر سکتا ہو اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ ہمارے نزدیک جماعت مومنین سے خارج اور ملحد اور کافر ہے۔ انتہیٰ۔ اب مرزا صاحب خود ہی تصفیہ فرمائیں کہ جب خدائے تعالیٰ کی خبر کے برخلاف جس کی تنسیخ ممکن نہیں وہ الہام خبر دے رہا ہے تو اس کو کیا کہیں اگر اور کچھ نہیں تو اتنا تو ضرور فرمائیں کہ وہ الہام شیطانی تھا۔

مرزا صاحب جو فرماتے ہیں کہ آتھم کی موت اس لئے نہیں ہوئی کہ اس نے

زمانے سے ڈاکٹر وغیرہ مدبروں نے بیمے کا طریقہ ایجاد کر رکھا ہے کہ آدمی کی ایک عمر مشخص کر کے اس کو کہہ دیتے ہیں کہ تم اس مدت کے اندر نہ مرو گے اور اگر مر جاؤ گے تو اتنے ہزار روپے ہم تمہارے ورثاء کو دیں گے اور اس مدت میں کچھ ماہانہ ان سے لیا کرتے ہیں پھر وہ قرائن خارجیہ و داخلیہ کو دیکھ کر اکثر کامیاب ہی ہوتے ہیں۔ چنانچہ اسی رقم کی آمدنی سے لکھو کھا روپے پیدا کر رہے ہیں۔ اگر ان کی یہ پیشین گوئیاں معجزۂ نبوت قرار دی جائیں تو انبیاء کی کثرت ہو جائے گی اور مرزا صاحب کی بھی خصوصیت باقی نہ رہے گی۔

مرزا صاحب نے لیکھرام کی نسبت جو خارق العادات اور ہیبت ناک موت کی پیشین گوئی کی۔ اس کا منشاء یہی ہے کہ جب انہوں نے قرائن سے سمجھ لیا کہ وہ مارا جائے گا تو اسی کا نام ہیبت ناک اور خارق موت رکھ دیا حالانکہ اس قسم کی صدہا موتیں ہوا کرتی ہیں۔

مرزا صاحب کو پہلے الہام کے وقوع کا یقین نہ تھا اور کیونکر ہو سکتا ہے آئندہ کے منصوبے کبھی بگڑ بھی جاتے ہیں۔ اس لئے احتیاطاً دوسرا الہام ہو گیا اس غرض سے کہ اگر خارق عادت وہ موت نہ ہو یا نہ سمجھی تو وہ دوسرا الہام کام میں آئے۔

پہلا الہام تو اس وجہ سے الہام نہیں سمجھا گیا کہ خارق عادت موت نہ ہوئی۔ مگر دوسرا الہام بھی ربانی نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اس کی عبارت میں ست سنة ہے حالانکہ صحیح عبارت ست سنین ہے اور ممکن نہیں کہ خدائے تعالیٰ کے کلام میں غلطی ہو۔ ضرورۃ الامام میں مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ قرآن شریف کے معجزے کے ظل پر عربی بلاغت و فصاحت کا نشان دیا گیا ہوں کوئی نہیں جو اس کا مقابلہ کر سکے انتہی۔

اس سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب جو عبارت لکھیں گے وہ نہایت فصیح و بلیغ ہو گی اور الہام والی عبارت غلط ہو سکتی ہے اب اگر وہ الہام ہے یعنی خدا کی کہی ہوئی عبارت ہے تو یہ سمجھا جائے گا کہ مرزا صاحب کو خدا سے زیادہ فصیح اور بلیغ ہونے کا دعویٰ ہے اور اگر الہام

نہیں ہے تو ثابت ہوا کہ مرزا صاحب خود عبارت بنا کر اس کو الہام قرار دیتے ہیں جو نہایت بدنما کارروائی ہے۔

اور اس سے مخالفین کو ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مرزا صاحب کی اصلی حالت معلوم ہوگئی کہ گو وہ فاضل اور ذہین ہیں مگر فنِ ادب میں مشاق نہیں۔

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسالہ اعجاز المسیح کو مشتہر کر کے جو وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اپنی تصنیف ہے اب اس کی تصدیق کوئی نہ کر سکے گا اس لئے کہ ایسی پر تکلف اور مسجع عبارت جو اس قابل ہو کہ بطور اعجاز پیش کی جائے **ست سنۃ** لکھنے والا شخص ہر گز نہیں لکھ سکتا۔ کسی عالم نے ان کو لکھدیا ہے اور اس زمانے میں یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ دیکھ لیجئے کہ روپے کے لالچ سے کئی ایک مولوی پادری بن گئے جن کے نام مشہور ہیں وہ صاف کہتے ہیں۔ **الدنیازور لایحصل الا بالزور**

مرزا صاحب کی ایک پیشین گوئی یہ بھی ہے جس کو اشتہار میں شائع کیا تھا کہ خدائے تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ مرزا احمد بیگ کی دختر کلاں کے لئے سلسلہ جنبانی کرو (یعنی اس لڑکی کو اپنی نکاح میں لاؤ) اور ان کو کہہ دے کہ یہ نکاح تمہارے لئے موجب برکت ہے اور اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انجام نہایت ہی برا ہوگا۔ اور جس کسی دوسرے شخص سے بیاہی جائے گی وہ روز نکاح سے اڑہائی سال تک اور ایسا ہی والد اس دختر کا تین سال تک فوت ہو جائے گا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ خدائے تعالیٰ نے مقرر کر رکھا ہے کہ اس لڑکی کو انجام کار اس عاجز کے نکاح میں لائے گا انتہی۔

مرزا صاحب نے اس نکاح کی نسبت بڑا ہی زور لگایا اس سے بڑھ کر کیا ہو کہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے پیام پہنچا دیا کہ اگر نکاح نہ کر دے گا تو چناں ہوگا اور چنیں ہوگا مگر اس بزرگ نے ایک نہ مانی اس کے بعد مرزا احمد بیگ صاحب کے نام خط لکھا کہ آپ

کے دل میں گو اس عاجز کی نسبت غبار ہو لیکن خدا جانتا ہے کہ اس عاجز کا دل بکلی صاف ہے مسلمانوں کے ہر ایک نزاع کا اخیر فیصلہ قسم پر ہوتا ہے جب ایک مسلمان خدائے تعالیٰ کی قسم کھا جاتا ہے تو دوسرا مسلمان اس کی نسبت دل صاف کر دیتا ہے سو ہمیں خدائے تعالیٰ کی قسم ہے کہ میں اس بات میں بالکل سچا ہوں کہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا تھا کہ آپ کی دختر کلاں کا رشتہ اس عاجز سے ہوگا۔ اب ادب سے آپ کی خدمت میں ملتمس ہوں کہ اس رشتے سے آپ انحراف نہ فرمائیں اور آپ کو معلوم ہوگا یا نہیں کہ یہ پیشین گوئی اس عاجز کی ہزارہا لوگوں میں مشہور ہو چکی ہے اور میرے خیال میں شاید دس لاکھ سے زیادہ آدمی ہوگا جو اس پیشین گوئی پر اطلاع رکھتا ہے۔ ہزاروں پادری منتظر ہیں کہ یہ پیشین گوئی جھوٹی نکلے تو ہمارا پلّہ بھاری ہو ہزارہا مسلمان مساجد میں نماز کے بعد اس پیشین گوئی کے ظہور کے لئے بصدق دل دعا کرتے ہیں۔ آپ اپنے ہاتھ سے اس پیشین گوئی کے پورا کرنے کے لئے معاون بنیں تاکہ خدائے تعالیٰ کی برکتیں آپ پر نازل ہوں۔ اب آپ کے دل میں وہ بات ڈالے جس کا اس نے آسمان پر سے مجھے الہام کیا ہے انتہیٰ۔ مرزا صاحب قسم کھا کر کہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے آسمان پر سے ان کو کہہ دیا کہ نکاح تمہارے ہی ساتھ ہوگا اور اس کی سلسلہ جنبانی کرو۔ معلوم نہیں باوجود اس کے پھر کیوں اتنی عاجزی اور خوشامد کر رہے ہیں اور پادریوں کا کیوں خوف لگا ہوا ہے کہ ان کا پلّہ بھاری ہو جائے گا۔

اب ان کی پریشانی کا حال اور سنئے۔ اپنے سمدھی مرزا علی شیر بیگ صاحب کے نام یہ خط لکھا مرزا احمد بیگ کی لڑکی کا نکاح تیسری تاریخ ہونے والا ہے اور آپ کے گھر کے لوگ اس مشورے میں ساتھ ہیں آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس نکاح کے شریک میرے سخت دشمن ہیں عیسائیوں کو ہنسانا چاہتے ہیں، ہندوؤں کو خوش کرنا چاہتے ہیں اور اللہ و رسول کے دین کی کچھ پرواہ نہیں رکھتے۔ اور اپنی طرف سے میری نسبت ان لوگوں نے پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ

اس کو خوار کیا جائے، ذلیل کیا جائے، روسیاہ کیا جائے، اپنی طرف سے ایک تلوار چلانے لگے ہیں۔ اگر آپ کے گھر کے لوگ سخت مقابلہ کر کے اپنے بھائی کو سمجھاتے تو کیوں نہ سمجھ سکتا کیا میں چوہڑا چمار تھا جو مجھ کو لڑکی دینا عار یا ننگ ہے۔ میں نے خط لکھا کہ پرانا رشتہ مت توڑو، خدا سے خوف کرو۔ کسی نے جواب نہ دیا۔ بلکہ آپ کی بی بی نے کہا کہ ہمارا کیا رشتہ ہے صرف عزت بی بی نام کے لئے فضل احمد کے گھر میں ہے۔ بیشک وہ طلاق دیوے، ہم راضی ہیں ہم نہیں جانتے کہ یہ شخص کیا بلا ہے۔ ہم اپنے بھائی کے خلاف مرضی نہیں کریں گے کہیں یہ شخص مرتا بھی نہیں۔ اب آپ کو لکھتا ہوں کہ اس وقت کو آپ سنبھال لیں اور احمد بیگ کو پورے زور سے خط لکھیں کہ باز آجائے اور اپنے گھر کے لوگوں کو تاکید کردیں کہ وہ بھائی کو لڑائی کر کے روک دیوے ورنہ مجھے خدا کی قسم ہے کہ اب ہمیشہ کے لئے تمامی رشتے ناطے توڑ دوں گا۔ اگر فضل احمد میرا فرزند اور وارث بننا چاہتا ہے تو ایسی حالت میں آپ کی لڑکی کو گھر میں نہ رکھے گا انتہی۔

البتہ مرزا صاحب کی اس بے کسی کی حالت میں ان کے سمدھی صاحب کو ضروری تھا کہ ان کی عاجزی پر رحم کھا کر ان کو سنبھال لیتے مگر معلوم نہیں انہوں نے قصداً سختی اختیار کی یا یہ سمجھ لیا تھا کہ جب خدا نے خبر دی ہے کہ مرزا صاحب کا نکاح اس لڑکی کے ساتھ ہوگا تو مداخلت کی ضرورت ہی کیا، ضرور ہو رہے گا۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب اس اظہار بے کسی اور عاجزی کے ساتھ اگر اتنا فرما دیتے کہ الہام کا ذکر برائے نام صرف دھمکی کے لئے تھا اب میں اس سے توبہ کرتا ہوں تو ضرور مرزا صاحب کے صدق کا اثر ان کے دل پر پڑتا اور رحم آجاتا اور تعجب نہیں کہ طرف ثانی بھی اس خیال سے کہ ایک بڑا شخص توبہ کر رہا ہے اگر خدا کے واسطے نہیں تو اپنی تعلّی ہی کے واسطے ضرور قبول کر لیتے بہر حال مرزا صاحب کا مقصود تو حاصل ہو جاتا۔

مرزا صاحب لڑکی کے قرابت داروں کی شکایت کرتے ہیں کہ وہ خدا اور رسول

کے دین کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو انہوں نے صرف خدا اور رسول ہی کی رضامندی اور دین کے واسطے یہ کام کیا۔ بات یہ ہے کہ مرزا صاحب نے ناحق کہہ دیا کہ مجھے اللہ نے فرمایا کہ تمہارے نکاح میں وہ لڑکی آئے گی، تم سلسلہ جنبانی کرو۔ اس فقرے نے ان کو اس طرف توجہ دلائی کہ گورنمنٹ یا حکام کو جب کوئی بات منظور ہوتی ہے تو اس کے آثار ہی کچھ اور ہوتے ہیں کہ وہ کام بغیر پورا ہوئے رہ نہیں سکتا چہ جائیکہ خالق عالم چاہے اور کسی کے دل پر اس کا کچھ اثر نہ ہو اور اثر ہو تو ایسا کہ وہ کام کبھی نہ بننے پائے۔ اگر خدائے تعالیٰ کو مرزا صاحب کا نکاح منظور ہوتا تو گھر بیٹھے مخالفین آ کر اپنی طرف سے پیام کرتے دوسروں پر اثر ہونا تو درکنار خود مرزا صاحب کے دل پر اس الہام کا کوئی اثر نہیں۔ عیسائی، ہندو اور دشمنوں کی طرف سے ان کو اپنی خواری ذلت اور روسیاہی کا کچھ ایسا تصور جما ہے کہ الہام تو کیا خدا بھی یاد نہیں آتا۔ قسمیں کھا کھا کر ایک ایک سے لجاجت اور عاجزی کر رہے ہیں کہ اس وقت سنبھال لو۔ اب ارباب دانش اپنے وجدان سے کام لیں کہ مرزا صاحب جو لکھتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ بے پردہ ہو کر اس صفائی سے ایسے مکالمے کرتا ہے کہ دوسروں پر حجت قائم ہو سکے کیا یہ بات صحیح ہو سکتی ہے کہ اگر اسی طرح ان کو الہام ہوا کرتے ہیں اور خود خدا سے سننے پر بھی ان کو اس قدر تردد رہا کرتا ہے تو پھر قرآن پر ان کو کیا ایمان اور تصدیق ہوگی۔ کیونکہ وہ تو صرف خبر ہے کچھ خدا سے انہوں نے سنا ہی نہیں اور اگر سنتے بھی تو کیا ہوتا وہی تردد رہتا جو اس الہام میں ہے۔ غرض ان قرائن سے ان لوگوں نے یہ خیال کیا کہ یہ الہام خدائے تعالیٰ پر تہمت ہے اور خدا پر تہمت کرنے والے کی تائید اور جھوٹے نبی کی مدد باعث عذابِ الٰہی ہے۔ اس لئے انہوں نے صرف دینداری کے لحاظ سے بغض للّٰہی پر عمل کیا ورنہ دنیاداری کے لحاظ سے اس سے بہتر کوئی پیام نہ تھا کیوں کہ لاکھوں روپے کی جائداد اور آمدنی کس کو نصیب ہو سکتی ہے۔ ان لوگوں پر ہزار آفرین ہے کہ

اپنے خیال کے مطابق انہوں نے دنیا کے لحاظ سے دین کو برباد نہیں کیا۔ اس موقع میں ان کے دین کی شکایت بالکل بے موقع ہے۔

مرزا صاحب نے سمدھی صاحب کی تحریر پر کفایت نہ کرکے سمدھن صاحبہ کے نام بھی یہ خط لکھا کہ مجھ کو خبر پہنچی کہ چند روز میں مرزا احمد بیگ کی لڑکی کا نکاح ہونے والا ہے اور میں خدا کی قسم کھا چکا ہوں کہ اس نکاح سے سارے رشتے اور ناطے توڑ دوں گا اور کوئی تعلق نہیں رہے گا اس لئے نصیحت کی راہ سے لکھتا ہوں کہ اپنے بھائی مرزا احمد بیگ کو سمجھا کر یہ ارادہ موقوف کراؤ اور اگر ایسا نہیں ہوگا تو آج میں نے مولوی نورالدین صاحب اور فضل احمد کو خط لکھ دیا ہے کہ اگر تم اس ارادے سے باز نہ آؤ تو فضل احمد عزت بی بی کے لئے طلاق نامہ لکھ کر بھیج دے اور اگر فضل احمد طلاق نامہ لکھنے میں عذر کرے تو اس کو عاق کیا جائے اور اپنے بعد اس کو وارث نہ سمجھا جائے اور ایک پیسہ وراثت کا اس کو نہ ملے۔ طلاق نامے کا یہ مضمون ہوگا کہ اگر مرزا احمد بیگ محمدی غیر کے ساتھ نکاح کرنے سے باز نہ آئے تو پھر اسی روز سے جو محمدی کا نکاح کسی اور سے ہو جائے عزت بی بی کو تین طلاق ہیں اور اگر فضل احمد نے نہ مانا تو میں فی الفور اس کو عاق کر دوں گا اور پھر وہ میری میراث سے ایک دانہ نہیں پاسکتا۔ مجھے قسم ہے اللہ تعالیٰ کی کہ میں ایسا ہی کروں گا اور خدائے تعالیٰ میرے ساتھ ہے جس دن نکاح ہوگا اس دن عزت بی بی کا نکاح نہیں رہیگا انتہی۔ بیچاری سمدھن صاحبہ کی مصیبت کا حال بیان سے خارج ہے۔ اگر مرزا صاحب کی سفارش کرتی ہیں تو غضب الٰہی کا خوف ہے جس کا حال ابھی معلوم ہوا اور اگر نہیں کرتیں تو بیٹی بیوہ ہوئے جاتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ عورتوں پر لڑکیوں کے بے شوہر ہونے کا کس قدر غم ہوتا ہے۔ مگر سبحان اللہ کیسی ایماندار باخدا اور مستقل مزاج بی بی ہیں کہ خوف عذاب الٰہی کے مقابلے میں اپنی لڑکی کے بیوگی کا کچھ بھی خیال نہیں کیا اور صاف کہہ دیا کہ بے شک فضل احمد طلاق دیدے، ہم راضی ہیں۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ مرزا صاحب نے مرزا احمد بیگ صاحب کے خط میں لکھا ہے کہ رشتہ مت توڑو! خدا سے خوف کرو۔ حالانکہ مرزا صاحب کے ساتھ ان کو کوئی ایسا رشتہ نہ تھا چنانچہ مرزا صاحب کی اس تحریر سے مستفاد ہے۔ کیا میں چوہڑا چمار تھا، جو مجھ کو لڑکی دینا عار تھا۔ اگر کوئی قرابت ہوتی تو یہ مقام اس کی تصریح کا تھا کہ باوجودیکہ میں تمہارا بھانجا بھتیجا ہوں پھر کیوں دریغ کیا جاتا ہے۔ اور کوئی رشتہ نہ ہونے کی تصریح خود اسی خط میں موجود ہے کہ مرزا احمد بیگ صاحب کی ہمشیرہ نے صاف کہا کہ ہمارا کیا رشتہ ہے؟ ہم نہیں جانتے کہ یہ شخص (مرزا صاحب) کیا بلا ہے؟ یہ شخص مرتا بھی نہیں۔ غرضیکہ ایک فرضی رشتے کو توڑنے پر تو فرماتے ہیں کہ خدا سے خوف کرو اور اپنے فرزند کو صاف فرماتے ہیں کہ اپنی زوجہ کو طلاق مغلظہ دے دو حالانکہ نفس طلاق کا ابغض الاشیاء ہونا احادیث سے ثابت ہے۔ اس پر طلاق مغلظہ بدعی جس کی قباحت احادیث صحاح میں مذکور ہے۔

حیرت یہ ہے کہ مرزا صاحب نے اتنا بھی خیال نہ فرمایا کہ اس بیچاری کمسن لڑکی بہو کا کیا قصور تھا اگر باوجود باپ کی موجودگی کے چچا کو ولایت ہوتی تو یہ کہنے کی گنجائش تھی کہ اقتداری کام میں قصور کیا گیا۔ مگر جب بھی ماں کے قصور کی سزا بیٹی کو دینا اور خوشدامن کا غصہ داماد پر نکال کر اس کو محروم الارث کر دینا نہ شرعاً جائز ہے، نہ عقلاً۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے **وَلَاتَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔**

مرزا صاحب نے اس فرضی قرابت کو توڑنے پر خوف الٰہی یاد دلایا اور خود کتنے واقعی رشتے توڑ رہے ہیں۔ زوجیت، مصاہرت، ابنیت اور نام کو بھی خوف الٰہی نہیں۔ حالانکہ نسبی رشتہ کسی طرح ٹوٹ نہیں سکتا۔ کیا زبان سے کہہ دینے سے جزئیت باطل ہو جائے گی اگر ایسا ہی زبان سے کہہ دینا مفید ہوتا تو متبنّٰی کو حصہ دلایا جاتا حالانکہ حق تعالیٰ صاف فرماتا ہے۔ **وَمَا جَعَلَ اَدْعِیَاءَکُمْ اَبْنَاءَکُمْ ذَالِکُمْ قَوْلُکُمْ بِاَفْوَاہِکُمْ۔**

عصائے موسیٰ صفحہ ۲۳۲ میں لکھا ہے کہ مرزا صاحب اپنی اہلیہ ثانیہ کی خاطر شرعی وارثوں کو محروم الارث کرنے کے لئے جائداد کو اس کے پاس رہن کر دیا اور ایسا ہی پہلی اولاد و پسروں کو بلا دلیل شرعی عاق کر دیا۔ بی بی کی خاطر اور نفسانی خواہش سے قرآن کی مخالفت کرنا خدا پرستی سے کس قدر دور ہے۔ دیکھئے حق تعالیٰ فرماتا ہے **لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ** یعنی ماں باپ کے ترکے میں لڑکوں کا ایک بڑا حصہ ہے۔ اور مرزا صاحب فرماتے ہیں میرا لڑکا میری میراث سے ایک پیسہ اور ایک دانہ نہیں پا سکتا۔ اس پیرانہ سری میں مرزا صاحب کو یہ کیونکر گوارا ہوا کہ اگر اپنی دلہن نہ آئے تو اپنا لڑکا بھی ہر قسم کے عیش وعشرت سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا جائے، بی بی سے دائمی مفارقت ہو، ماں باپ اور اولاد میں تفرقہ عظیم پڑے، کھانے کو ایک دانہ نہ ملے، خانہ بربادی ہو۔ کیا اولیاء اللہ قوائے شہوانیہ اور غضبانیہ کے ایسے مطیع ہوا کرتے ہیں۔ پھر اپنی بہو کی طرف سے ان کی والدہ کو مصیبت خیز خط لکھوایا کہ اگر تم اپنے بھائی کو نہ سمجھاؤ گے تو مجھ پر طلاق ہوگی اور ہزار طرح کی رسوائی ہوگی اور اس خط پر مرزا صاحب نے یہ لکھا کہ اگر نکاح رک نہیں سکتا تو پھر بلا توقف اپنی لڑکی کے لئے کوئی قادیان سے آدمی بھیج دو تا کہ اس کو لیجائے۔

غرض کہ اس معاملے میں ضرورت سے زیادہ تدبیریں کی گئیں۔ احتمال مطلب برآری پر خود نے متعدد خطوط لکھے، اوروں سے لکھوائے، خوشامدیں کیں، مسجدوں میں دعائیں کرائیں، خود خدا کی طرف سے اپنا ذاتی سنا ہوا پیام پہنچایا کہ اس لڑکی کا نکاح اپنے ہی سے ہوگا اور اگر نہ ہوگا تو خاندان تباہ ہو جائے گا اور یہاں تک عاجزی کی کہ اگر یہ نکاح نہ ہو تو میں ذلیل ہوں گا، میرا منہ کالا ہوگا، عیسائی ہنسیں گے، ہندو خوش ہوں گے اور یہ بھی دھمکی دی کہ اللہ و رسول کے دین کی ذلت ہوگی وغیر ذالک۔ مگر کوئی تدبیر مفید نہ ہوئی اور آخر اس لڑکی کا نکاح مرزا سلطان بیگ صاحب کے ساتھ ہو ہی گیا۔ جس کو تیرہ (۱۳)، چودہ

(۱۴) سال کا عرصہ ہوتا ہے اور وہ اب تک صحیح وسالم موجود ہیں۔ چنانچہ الہامات مرزا میں لکھا ہے کہ وہ مرزا کے سینے پر مونگ دلتا ہوا زندہ ہے اور اسی طرح اپنی مخالفت پر جما ہوا ہے۔ ذات شریف پر تبرّیٰ اور صلواتیں سناتا ہے۔

اس کارروائی میں مریدوں پر عجیب مصیبت ہوگی۔ پیر کی نسبت تو یہ خیال کر ہی نہیں سکتے کہ بشارت الٰہی اور سلسلہ جنبانی کی خبر خدائے تعالیٰ کی طرف سے جھوٹ دی تھی۔ مرزا صاحب تو اس جھوٹ سے بری ہو گئے مگر اس کے ساتھ ہی خدائے تعالیٰ کی طرف ذہن منتقل ہوا ہوگا کہ اس کے کیا معنی کہ بشارت بھی دی اور طرف ثانی پر حکم بھی بھیج دیا اور اعلان شائع کرنے کی اجازت بھی ہوگئی جس سے تمام عیسائی، ہندو، مسلمان ہمہ تن گوش ہو گئے کہ اب مبارک باد کے نعرے قادیان میں بلند ہوتے ہیں۔ مگر وہاں کیا تھا صدائے برنخواست کا مضمون صادق آگیا اور طرفہ یہ کہ صرف سعی سے بڑے بڑے کام نکل آتے ہیں۔ یہاں سعی بلیغ سے بھی کچھ کام نہ نکلا اور وہ بشارت اور حکم بیکار گیا۔ عجیب گومگو کی بات ہے خدا اگر بشارت اور حکم نہ دیتا تو مرزا صاحب کو اتنی پریشانی اٹھانی نہ پڑتی اور نہ اس قدر رسوائی ہوتی۔ اعلیٰ درجے کے مرید تو آخر کچھ بات بنا ہی لیتے ہوں گے، مگر ضعیف الایمان لوگوں کی تو مٹی خراب ہوگئی۔ معلوم نہیں کہ خدائے تعالیٰ کے اخبار میں کیسی کیسی بدگمانیوں کا موقع ان کو مل گیا ہوگا اور قرآن سے ایمان کس طرح ہٹ گیا ہوگا۔

مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ مرزا سلطان بیگ الہامی مدت میں اس وجہ سے نہیں مرا کہ اور پیش گوئی کے بعض الہامات جو پہلے سے شائع ہو چکے تھے ان میں یہ شرط تھی کہ توبہ اور خوف کے وقت موت میں تاخیر ڈال دی جائے گی اور اس واقعے میں بھی ایسا ہی ہوا کہ خوف اور توبہ اور نماز روزہ میں عورتیں لگ گئیں اور مارے ڈر کے کلیجے کانپ اٹھے۔ پس ضرور تھا کہ اس درجے کے وقت خدا اپنی شرط کے موافق عمل کرتا وہ لوگ احمق کاذب ظالم

ہیں جو کہتے ہیں کہ داماد کی نسبت پیشین گوئی پوری نہیں ہوئی بلکہ وہ بدیہی طور پر حالت موجودہ کے موافق پوری ہوگئی اور دوسرے پہلو کا انتظار ہے۔ (سراج منیر) مرزا سلطان بیگ کے موت کے انتظار میں بجائے ڈھائی تین سال کے چودہ، پندرہ سال تو گذر گئے اب اگر انتظار ہے تو صرف موت کا ہے۔ جیسے مرزا صاحب کو اپنی موت کا بھی انتظار ہوگا مگر اس میں پیشین گوئی کے کسی پہلو کو دخل نہیں۔ یہاں کلام اس میں ہے کہ بدیہی طور پر یہ پیشین گوئی پوری کیونکر ہوگئی۔ اس پیشین گوئی میں تو مرزا صاحب نے یہ شرط نہیں لگائی تھی کہ سلطان بیگ صاحب توبہ کریں گے تو میعادی موت ٹل جائے گی البتہ آتھم کی موت میں شرط تھی مگر یہ دونوں واقعے مستقل اور علیحدہ ہیں جن میں کوئی تعلق نہیں۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں جو پہلے الہامات میں شائع ہو چکا ہے وہی کافی ہے۔ یعنی آتھم والی شرط یہاں بھی معتبر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو پیشین گوئی کسی کی موت پر مرزا صاحب کرتے ہیں اگر وہ مدّتِ مقررہ پر نہ مرے تو یہ سمجھا جائے کہ اس نے توبہ کر لی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مرزا صاحب ایسی پیشین گوئیوں پر جراءت کیا کرتے ہیں۔ سنا جاتا تھا کہ کسی منجم نے اعلان دیا تھا کہ میں اپنی زوجہ کی تائید سے جو پیشین گوئی کرتا ہوں وہ کبھی جھوٹ نہیں نکلتی اس کا سر یہ تھا کہ مرد جو کہتا اس کے خلاف عورت کہتی۔ مثلاً اگر مرد کہتا کہ آج پانی برسے گا تو عورت کہتی نہیں برسے گا۔ غرض ایک کا قول ضرور صحیح نکلتا۔ مرزا صاحب نے ایسی تدبیر نکالی کہ کسی دوسرے کی تائید کی بھی ضرورت نہ رہی۔ ایک پہلو ہمیشہ کیلئے بنا کر تیار کر دیا کہ مدت مقررہ گذرتے ہی کہہ دیا جائے گا کہ توبہ کی وجہ سے وہ مدت ٹل گئی۔ خدا کا فضل ہے کہ بیمے والوں کو اس کی اطلاع نہ ہوئی ورنہ وہ بھی مستعد ہو جاتے کہ گناہوں کی وجہ سے میعادی مدت سے پہلے مرا، جو بجائے خودکشی ہے اس لئے اس کے ورثہ کو اب کوئی رقم دینے کی ضرورت نہیں۔ مرزا صاحب کی جراءت اور ڈھٹائی لطف اٹھانے کے قابل ہے کہ جس پیشین گوئی کی نسبت خود فرماتے ہیں کہ دس لاکھ آدمی سے

زیادہ ہوگا جو اس پیشین گوئی پر اطلاع رکھتا ہے اور ہزاروں پادری منتظر ہیں کہ یہ پیشین گوئی جھوٹی نکلے تو ہمارا پلّہ بھاری ہو، ہزار ہا مسلمان مساجد میں نماز کے بعد بصدق دل دعا کرتے ہیں۔ اسی عظیم الشان پیشین گوئی کی مدت معینہ گزر جانے کے بعد فرماتے ہیں کہ وہ بدیہی طور پر پوری ہوگئی اس لئے کہ آتھم کے جیسا انہوں نے بھی توبہ کرلی، اس لئے نہ مرے۔ دس لاکھ آدمیوں کے مقابلے میں ایسی بات کہنی معمولی غیرت وحیا والے کا کام نہیں۔ کاش مرزا صاحب الہام کے وقت ملہم سے پوچھ لیتے کہ حضرت اگر آتھم والے الہام کے بعد جیسی رسوائی ہوئی اور بجائے اس کے کہ تصدیق کرنے والوں میں ترقی ہو، بہت سے مرید مرتد ہوگئے۔ اگر اس پیشین گوئی میں بھی وہی بات ہے تو میں اس الہام سے معافی چاہتا ہوں کسی میرے دشمن پر یہ الہام فرمایا جائے تا کہ اس کی رسوائی دیکھ کر میں خوش ہوں۔

یہاں یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ ڈھائی سال کی مدّت پیش گوئی میں کس لحاظ سے رکھی گئی۔ اگر واقع میں ان کی عمر اتنی ہی باقی تھی جس کو کشف سے مرزا صاحب نے معلوم کیا تھا تو یقیناً کشف کی غلطی ثابت ہوگئی۔ اور توبہ اس میں کچھ مفید نہیں اس لئے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اِذَاجَاءَ اَجَلُھُمْ لَایَسْتَاخِرُوْنَ سَاعَۃً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ**۔ اور اگر مرزا صاحب نے اپنی طرف سے مقرر کی تھی تا معلوم ہو کہ لوگوں کی موت وحیات میں ان کو دخل ہے تو ڈھائی سال کی کیا ضرورت تھی کہہ دیتے کہ ادھر نکاح ہوا اور ادھر دولہا مر گیا۔ اور اگر خدا نے ہی خبر دی تھی تو ان کے خدا کی بے علمی اس سے ثابت ہوتی ہے جب معجزہ اپنے نبی کا دکھانا منظور تھا تو مفصل خبر دیتا اگر وہ توبہ نہ کرے تو ڈھائی سال میں مرے گا اور اگر کرلے تو دس یا بیس سال میں۔ افسوس ہے مرزا صاحب اپنے ساتھ اپنے خدا کو بھی بدنام کر رہے ہیں۔ خاص طور پر غور کرنے کا یہاں یہ مقام ہے کہ مرزا صاحب نے جو کھلے الفاظ میں کہہ دیا کہ ہمیں خدا کی قسم ہے کہ میں اس بات میں سچا ہوں کہ خدا نے مجھ سے فرمایا کہ

مرزا احمد بیگ کی دختر سے میرا نکاح ہوگا اور اگر دوسرے کے ساتھ نکاح ہو تو ڈھائی سال تک شوہر اور تین سال تک اس کا والد فوت ہو جائے گا۔ پھر نہ مرزا صاحب سے اس لڑکی کا نکاح ہوا، نہ اس مدت معینہ میں دونوں کا انتقال ہوا۔ اب اس سے کیا سمجھا جائے؟ کیا فی الحقیقت خدا نے ان کو یہ خبریں دی ہوں گی یا وہ مرزا صاحب کی تراشی ہوئی ہیں۔ جب ہم خدائے تعالیٰ کی شان پر اور مرزا صاحب کی کارروائیوں پر نظر ڈالتے ہیں تو بمقابلہ اس کے کہ خدا تعالیٰ پر جھوٹ اور بے علمی اور عجز کا الزام لگایا جائے۔ مرزا صاحب کی جانب صرف جھوٹ کا الزام لگانے میں کوئی ہرج نہیں۔ دیکھئے خصوصاً اس وجہ سے کہ انہوں نے عقلی معجزات کی ایک نئی مد قائم کی ہے۔ اس سے یہ امر بھی مبرہن ہوگیا کہ مرزا صاحب نے عقلی معجزات میں جھوٹ سے بھی مدد لی ہے اور صرف جھوٹ ہی ہوتی تو چنداں مضائقہ نہ تھا۔ غضب یہ ہے کہ جھوٹ کو قسم سے مؤکد بھی کرتے ہیں۔ جس سے سیدھے سادھے مسلمان دھوکا کھا کر یقین کرلیں کہ وہ خبر بالکل صحیح ہے۔ جب تک مدت مذکورہ منقضی نہیں ہوئی تھی ہر شخص کا خیال تھا کہ جب ایسے معزز شخص جو ظاہراً مقدس بھی ہیں قسم کھا کر کہتے ہیں کہ خدا نے وہ مدت ٹھہرائی ہے تو ممکن بلکہ ضرور ہے کہ ایسا ہی ہوگا اور کسی کو مجال نہ تھی کہ چون وچرا کرے کیوں کہ خدا کے معاملے میں کون دخل دے سکتا ہے یہاں تک کہ ہندو پادری وغیرہ ساکت بلکہ اس فکر میں تھے کہ یہ پیش گوئی پوری ہو جائے تو اس کا کیا جواب ہوگا۔ غرض کہ ہزاروں آدمی تین سال تک سخت فکر میں حیران و پریشان رہے اور مرزا صاحب اس مدت میں خوش تھے کہ تین برس تک تو عیسویت بغیر کھٹکے کے چل جائے گی اس کے بعد اگر زندگی باقی رہے تو کوئی بات بنالی جائے گی اور بے وقوفوں کو دھوکا دینا کون سی بڑی بات ہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا کہ مدت گذرتے ہی فرمادیا کہ بھائیوان لوگوں نے توبہ کرلی ہے اس لئے بچ گئے۔ خوش اعتقادوں نے یہ سن کر پھر دھوکا کھایا اور کسی نے اس کو نہ سمجھا ورنہ دریافت کرلیتے کہ

حضرت خدا نے آپ کے ذریعے سے حکم بھیجا تھا کہ اگر وہ آپ کے ساتھ نکاح نہ کر دیں تو تین سال میں ان کو سزائے موت ہوگی اور انہوں نے تین سال تک خدا کے حکم کو نہ مانا یہاں تک کہ مدت بھی گذر گئی اور اس کے بعد اب تک اسی نافرمانی پر اڑے ہوئے ہیں کہ مرزا صاحب خدا کی بات تو ہرگز نہ مانیں گے پھر انہوں نے توبہ ہی کیا۔ اگر توبہ کرتے تو نکاحِ سابق فسخ کر کے اپنے کیے پر نادم و پشیمان ہوتے اور آپ کے ساتھ نکاح کر دیتے۔

جس طرح مرزا صاحب نے اس موقعے میں قسم کھائی عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے باب میں بھی لکھا ہے کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ خدا نے مجھے یہ کہہ دیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مر گئے۔ اس قسم کے معاملات میں مرزا صاحب کی قسموں کا حال پورے طور پر کھلتا نہ تھا مگر خدا کی قدرت ایک معاملہ ایسا درپیش ہوگیا کہ بمجبوری اُن کو ایسے امر میں قسم کھانے کی ضرورت ہوئی کہ جس سے تمام قسموں کی حقیقت کھل جائے سوچا تو یہ تھا کہ یہ قسم کچھ کام کر جائے گی اور لوگ اس کا اعتبار کر کے نکاح کر دیں گے۔ مگر معاملہ ہی دگرگوں ہوگیا کہ وہی قسم وبال جان ہوگئی اور کل قسموں کا حال اس نے کھول دیا۔

ہر دین میں قسم ایک بھاری چیز سمجھی جاتی ہے کہ کوئی جاہل بھی جھوٹی قسم کھانے پر جراءت نہیں کرتا اور اس کو گناہ کبیرہ سمجھتا ہے اور ہمارے دین میں تو اس پر سخت وعیدیں وارد ہیں۔ مگر مرزا صاحب نے ان کی کچھ پروا نہ کی۔ اب اہل انصاف سمجھ سکتے ہیں کہ جب مرزا صاحب کی قسموں کا یہ حال ہو تو ان کے تمام دعوؤں کا کیا حال ہوگا۔ **عن عمران بن حصین** رضی اللہ عنہما **قال قال رسول اللّٰہ** ﷺ **من حلف علی یمین مصبورۃ کاذبا فلیتبوا مقعدہ من النار** (اخرجہ ابوداؤد) **الیمین المصبورۃ ھی اللازمہ تصاحبھا جھتہ الحکم** (کذا فی تیسیر الوصول)۔ یعنی فرمایا نبی ﷺ نے جو جھوٹی قسم کھائے تو چاہیے کہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔

باوجودیکہ مرزا صاحب نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں مگر قوائے نفسانیہ کی اصلاح ان کے اب تک نہیں ہوئی۔ دیکھئے اپنے نکاح کے واسطے کتنے لوگوں سے قطع رحمی انہوں نے کی۔ حالانکہ اس باب میں یہ حدیثیں وارد ہیں۔ **عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ الرحم شجنة من الرحمٰن فقال الله من وصلک وصله ومن قطعک قطعته.** (متفق عليه كذا فی المشكوٰة)۔ **وعن جبير ابن مطعم رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ لايدخل الجنة قاطع الرحم** (متفق عليه كذا فی المشكوٰة) یعنی جو شخص قطع رحمی کرے وہ جنت میں داخل نہ ہوگا اور خدائے تعالیٰ سے تعلقات اس کے قطع ہوجائیں گے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر مرزا صاحب کو کوئی تعلق حق تعالیٰ سے تھا بھی تو اس کارروائی سے قطع ہوگیا اور یہ حدیث بآواز بلند کہہ رہی ہے کہ نبوت تو کیا ان کے ولایت بھی نہیں ہے بلکہ وہ جنت سے روک دیئے گئے۔

مرزا صاحب نے غصّے سے اپنی اولاد کو جو محروم الارث کردیا۔ اس میں سراسر خدائے تعالیٰ کے کلام کی مخالفت کی۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے **يُوْصِيْكُمُ اللهُ فِيْۤ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ.** و قولہ تعالیٰ **لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ.** دیکھئے حق تعالیٰ اولاد کا حصہ مقرر کرکے بلفظ وصیّت ارشاد فرماتا ہے کہ حصہ ہر حصّہ دار کا دیا کرو۔ مگر مرزا صاحب نے شاید یہ سمجھا کہ **يُوْصِيْكُمُ اللهُ** کا خطاب مسلمانوں کی طرف ہے اور خود مسلمان تو ہیں ہی نہیں اس لئے اس خطاب سے خارج ہیں کیونکہ نبوت کی طرف ترقی کرگئے ہیں۔ مگر یہ خیال ایک جہت سے صحیح نہیں اس لئے کہ جب ہمارے نبی کریم ﷺ کے امتی ہونے کا دعویٰ ہے تو اس خطاب میں بھی شریک ہونا چاہیے۔ مرزا صاحب کی سمدھن کے بھائی صاحب نے حدیث شریف **البغض لِلّٰهِ** پر عمل کرکے مرزا صاحب کو لڑکی نہیں دی حالانکہ شرعاً ان کو اس کی ضرورت تھی۔ اس کا مواخذہ مرزا صاحب نے اپنی بہو،

بیٹے، سمدھن اور سمدھی سے ایسے طور پر کیا کہ ان کے عمر بھر کے لئے کافی ہے اور خدائے تعالیٰ کے اس ارشاد وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِزْرَ اُخْرٰی کی کچھ پروانہ کی۔ اب اہل انصاف غور کریں کہ کلام الٰہی کی ان کے نزدیک کچھ بھی وقعت ہے؟

جب مقتدائے قوم نے یہ طریقہ کیا تو امتیوں کا کیا حال ہو۔ ان کے استدلال کے لئے کافی ہے کہ ہمارے نبی غصے کی وجہ سے قرآن کو چھوڑ دیا کرتے ہیں۔ اب یہ کون پوچھتا ہے کہ مرزا صاحب کا غصہ بجا تھا یا بیجا جس کی وجہ سے قرآن چھوڑ دیا گیا اور ظاہراً تو بیجا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اپنے نکاح کی وجہ سے فرزند محروم الارث کردیئے گئے جس سے بڑی دلیل ان کی امت کو یہ مل گئی کہ بیجابات پر بھی غصہ آجائے تو قرآن ترک کردینا اور نیز قوائے شہوانیہ کے غلبہ سے مرتکب گناہ کبیرہ یعنی قطع رحمی وغیرہ ہونا ایک مسنون طریقہ ہے۔ جس پر ان کے نبی کا عمل ہے۔ جب قرآن کا یہ حال ہو کہ غلبہ قوائے شہوانیہ وغضبانیہ سے متروک العمل ہوجائے تو حدیث کو کون پوچھے اس کی تو پہلے سے ہی مرزا صاحب نے توہین کردی ہے۔

اب دیکھئے اس الہام سے کتنے امور مستفاد ہیں۔ جھوٹ، خدا پر افترا، قطع رحمی، ظلم کو قسم کے ساتھ مؤکد کرنا، جھوٹی قسم کھانی، الہام بنالینا، بے گناہ سے مواخذہ، طلاق بدعی کا حکم، وارث کو محروم الارث کردینا وغیرہ۔ جب ایک پیشین گوئی میں اتنی کارروائیاں ہوں تو سمجھ سکتے ہیں کہ کُل کا کیا حال ہوگا؟ اور اپنی غرض کے لئے خدا کی طرف سے جھوٹا پیام پہنچانے میں تو ان کا رسول اللہ ہونا کس قدر بدیہی البطلان ہے

مرزا صاحب نے ایک پیشین گوئی مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی اور ملا محمد بخش صاحب مالک اخبار جعفرزٹلی اور مولوی ابوالحسن صاحب تبتی کی نسبت بھی کی تھی ان کی عبارتیں بالاختصار الہامات مرزا سے نقل کی جاتی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں نے دعا کی ہے کہ الٰہی اگر میں تیری نظر میں ایسا ہی ذلیل اور جھوٹا اور مفتری ہوں جیسا کہ محمد حسین

بٹالوی نے مجھ کو کذاب اور دجال اور مفتری کے لفظ سے یاد کیا ہے اور جیسا کہ اس نے اور محمد بخش جعفر زٹلی، ابوالحسن تبتی نے اشتہار میں میرے ذلیل کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ تو مجھ پر تیرہ ماہ کے اندر یعنی ۱۵ جنوری ۱۹۰۰ء تک ذلت کی مار وارد کر ورنہ ان کو ذلت کی مار سے دنیا میں رسوا اور تباہ کر اور **ضربت علیھم الذلۃ** کا مصداق کر انتہی۔

اور لکھتے ہیں یہ دعا کے بعد اس کے جواب میں الہام ہوا کہ ظالم کو ذلیل اور رسوا کروں گا اور وہ اپنے ہاتھ کاٹے گا اور خدا ان پر عذاب کرے گا اور اللہ کی مار لوگوں کی مار سے سخت ہے۔ یہ فیصلہ چونکہ الہام کی بناء پر ہے اس لئے حق کے طالبوں کے لئے کھلا کھلا نشان ہو کر ہدایت کی راہ ان پر کھولے گا۔ اب آسانی سے یہ مقدمہ مباہلے کے رنگ میں آ گیا خدائے تعالیٰ سچوں کو فتح بخشے انتہی۔

ماحصل اس پیشین گوئی کا یہی ہوا کہ ان تینوں صاحبوں پر ایسی مار خدا کی پڑے گی جس سے پورے طور پر وہ تباہ ہو جائیں گے اور رسوائی کا اور ذلت کا تو کچھ ٹھکانا ہی نہیں اور یہی قطعی فیصلہ منجانب اللہ ہوگا۔ جس کو کھلے طور پر سب معلوم کر لیں گے اور جھوٹے ظالم ممتاز ہو جائیں گے۔

پھر مرزا صاحب نے اپنے مریدوں کو تاکید کی دیکھو میں نصیحت کرتا ہوں کہ مخالفین جو کچھ کہیں تم صبر کرو جو عدالت کے سامنے کھڑے ہو کر بطور گستاخی ارتکاب جرم کرتا ہے۔ اس کا جرم بہت سخت ہوتا ہے میں تمہیں کہتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ کی عدالت کی توہین سے ڈرو اور نرمی اور تواضع اور تقویٰ اختیار کرو انتہی۔ غرض تیرہ (۱۳) مہینے تک مرزا صاحب اپنے مریدوں کو لے کر عدالت الٰہی میں مؤدب کھڑے رہے۔ پہلے تو مرزا صاحب کی دعا جو بقول ان کے رد ہوتی ہی نہیں اس پر خدائے تعالیٰ کا تسکین بخش جواب الہامی جس کا مطلب یہ کہ مخالفین پر خدا کی مار اور سخت عذاب ہوگا اور وہ رسوا ہوں گے۔ پھر یہ مقدمہ مباہلے کے رنگ میں بھی آ گیا جس سے جھوٹوں کی جماعت ضرور تباہ ہوتی ہے پھر تیرہ

(۱۳) مہینے تک مریدوں کے جم غفیر یعنی ہزاروں آدمی کے ساتھ عدالت الٰہی میں کھڑا رہنا جو بالطبع باعث رحم ہے باوجودان تمام اسباب کے قطعی تو کیا ظنی فیصلہ بھی نہ ہوا بلکہ مقدمہ ہی خارج ہوگیا کیونکہ جو حالت قبل مرافعہ تھی اب بھی وہی ہے۔ حالانکہ پیشین گوئی یہ تھی کہ جھوٹا ممتاز ہوجائے گا یعنی مخالفین سزایاب ہوں گے۔ مگر مرزا صاحب کہتے ہیں کہ مولوی محمد حسین صاحب کو کئی ذلتیں ہوئیں اس سے ظاہر ہے کہ پیشین گوئی کا وقوع بھی ہوگیا۔

ایک ذلت یہ ہوئی کہ اس کی تکفیر پر علماء نے فتوے دیئے مگر الہامات مرزا میں لکھا ہے۔ بعد مشورہ حاشیہ نشینان مرزا صاحب نے یہ تجویز قرار دی کہ ایک آدمی ناواقف علماء سے یہ فتوے حاصل کرے کہ حضرت مہدی کے منکر کا کیا حکم ہے؟ چنانچہ وہ شخص بڑی ہوشیاری یا مکاری سے علماء کے پاس پھر نکلا اور ہر ایک کے سامنے مرزا کی مذمت کرتا اور یہ ظاہر کرتا کہ میں افریقہ سے آیا ہوں۔ قادیانی کے مرید وہاں بھی ہوگئے ہیں ان کی ہدایت کے لئے علماء کا فتویٰ ضروری ہے اس پر علماء نے جو مناسب تھا لکھا۔ پس مرزا جی نے جھٹ اسے شائع کردیا اور بجائے اپنے پر لگانے کے مولوی محمد حسین صاحب پر لگادیا کہ اس نے بھی اشاعۃ السنۃ کے کسی پرچے میں مہدی موعود سے انکار کیا ہے پس جس طرح اس نے مجھ پر فتویٰ لگوایا تھا، اسی طرح اس پر لگایا۔ میری پیشین گوئی کا صرف اتنا ہی مفہوم تھا۔ یہ بات ظاہر ہے کہ اس تکفیر میں مرزا صاحب بھی شریک ہیں گویا اس مسئلے کے موجد وہی ہیں ان کا قول ہے کہ سوائے مسیح موعود کے مہدی کوئی دوسرا شخص نہیں اس سے ظاہر ہے کہ مولوی صاحب ہی فقط اس ذلت کے مصداق نہیں بلکہ اس میں مرزا صاحب نے بھی بڑا حصہ لیا ہے کیونکہ فتوے کے وقت مرزا صاحب ہی علماء کے پیش نظر تھے اور مولوی صاحب کا تو نام بھی نہ تھا اور دوسری ذلت مرزا صاحب کی یہ ہوئی کہ مکاری سے کام لیا گیا۔ جس سے عموماً آدمی ذلیل سمجھا جاتا ہے غرض اس تکفیر کی ذلت میں مرزا صاحب شریک اکبر ہیں بلکہ اگر غور

سے دیکھا جائے تو ظاہر ہے کہ جب تکفیر کے وقت مرزا صاحب کے نام کی تصریح کی گئی تھی تو مرزا صاحب مع جمیع اوصاف علماء کے پیش نظر ہو گئے تھے اس لئے علماء کی نیت کے مطابق یہ تکفیر مرزا صاحب ہی کی تھی۔ جس طرح ملک ملک میں متعدد ان کی تکفیر کے فتوے لکھے گئے۔ الغرض اس موقع میں تو مولوی صاحب کی کوئی ذلت نہ ہوئی بلکہ مرزا صاحب ہی کی ذلت ہوئی۔

مرزا صاحب مولوی صاحب کی ایک ذلت یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کو زمین ملی زمیندار ہو گیا، یہ ذلت ہے۔ دیکھو اشتہار ۲ ادسمبر ۱۸۹۹ء۔ معلوم نہیں مرزا صاحب نے یہ بات کس خیال میں لکھ دی زمینداری تو ایک معزز اور ممتاز بنانے والی چیز تھی جس سے خود مرزا صاحب کو افتخار وعزت و امتیاز حاصل ہے۔ چنانچہ وہ حدیث جس میں یہ ذکر ہے کہ ایک شخص حارث اہل بیت کی تائید کرے گا نقل کر کے ازالۃ الاوہام صفحہ ۹۶ میں لکھتے ہیں کہ میں حارث ہوں باعتبار آباؤ اجداد کے پیشے کے افواہ عام میں یا اس گورنمنٹ کی نظر میں حارث یعنی زمیندار کہلائے گا۔ پھر آگے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ کیوں حارث کہلائے گا اس وجہ سے کہ وہ حراث ہوگا یعنی ممیز زمینداروں میں سے ہوگا اور کھیتی کرنے والوں میں سے ایک معزز خاندان کا آدمی شمار کیا جائے گا انتہی۔ اس سے ظاہر ہے کہ مولوی صاحب کی عزت اور امتیاز اور بڑھ گیا۔ عصائے موسیٰ میں لکھا ہے کہ پیشتر مرزا صاحب مولوی صاحب کو زمین کا نہ ملنا باعث ذلت بتلاتے تھے یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ مرزا صاحب کو حافظے نے یاری نہ دی اس لئے کہیں انہوں نے زمینداری کو باعث فخر بنا دیا اور کہیں باعث ذلت۔ وہ یاد خوب رکھتے ہیں مگر حسب موقع بات بنا لیا کرتے ہیں۔ دیکھ لیجئے لکھ چکے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے وطن گلیل میں جا کر مرے پھر جب کشمیر میں کوئی پرانی قبر نظر آ گئی تو کہہ دیا کہ عیسیٰ یہیں آ کر مرے اور جہاں اعتبار بڑھانے کی ضرورت ہوئی تو جھوٹ کی اس قدر توہین کی کہ اس کو شرک قرار دیا اور جہاں جھوٹ کی ضرورت ہوئی

تو نہایت صفائی سے کہہ دیا کہ خدا نے مجھے ایسا کہا ہے اور خود کو بلکہ خدا کو جھوٹا ثابت کیا۔
غرض کہ مرزا صاحب کی تقریر ازالۃ الاوہام سے ظاہر ہے کہ زمینداری نہایت ممیّز اور باعث عزت ہے۔ پھر جب یہ عزت مولوی صاحب کو ملی تو بحسب پیشین گوئی مذکورہ مرزا صاحب کی ذلت ہوگئی۔ اور یہی کھلی نشانی مولوی صاحب کی صداقت کی ہے،، جس کو مرزا صاحب نے بھی دیکھ لیا۔ مرزا صاحب ایک ذلت ان کی یہ بھی لکھتے ہیں کہ صاحب ڈپٹی کمشنر نے اس سے عہد لے لیا کہ آئندہ کو مجھے دجال کادیانی کافر وغیرہ نہ کہے گا۔ جس سے اس کی تمام کوشش مجھ کو برا کہنے اور کہلانے کی خاک میں مل گئی اور اس نے اپنے فتوے کو منسوخ کر دیا یعنی اب وہ میرے حق میں کفر کا فتویٰ نہ دے گا انتہی۔

الہاماتِ مرزا میں فیصلہ مطبوعہ سے مرزا صاحب کا یہ اقرار نقل کیا ہے کہ میں مولوی ابوسعید کی نسبت کوئی لفظ مثلِ دجال کافر کاذب بطالوی نہیں لکھوں گا انتہی۔ ان دونوں اقرار ناموں میں کسی کا پلہ بھاری نہیں معلوم ہوتا۔ کادیانی کا معاوضہ بطالوی ہوگیا اور باقی الفاظ برابر برابر ہے۔ اس میں فقط مولوی صاحب کی ذلت نہ ہوئی۔ الہامات مرزا میں لکھا ہے کہ ابھی تک مرزا کہے جاتے ہیں کہ اس مقدمے سے مولوی محمد حسین کی ذلت ہوئی کہ اس کا فتویٰ کفر منسوخ ہوگیا۔ یہ بھی غلط ہے۔ فتویٰ منسوخ نہیں ہوا صرف مباحثے میں ایسے الفاظ دجال کافر وغیرہ بولنے سے دونوں فریقوں کو روکا گیا۔ چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب اشاعۃ السنۃ میں لکھتے ہیں کہ مرزا نے اپنے اشتہار میں مضمون غلط اور خلاف واقع مشتہر کیا ہے کہ ابوسعید محمد حسین نے اس اقرار نامے پر دستخط کر کے اپنے فتوے کو منسوخ کیا ہے مرزا نے اس بیان میں مجھ پر اور مجسٹریٹ ضلع پر افترا کیا اور پبلک کو دھوکا دیا۔ خاکسار بشمول تمام مسلمانوں کے جو مذہب باطل مرزا کے مخالف ہیں۔ مرزا کو اس کے عقائد باطلہ مخالف اسلام کے سبب سے ویسا ہی گمراہ جانتا ہے جیسا کہ اس اقرار نامے پر دستخط کرنے سے پہلے جانتا تھا اور اس کے حق میں وہی فتویٰ دیتا ہے، جس کو جلد ۱۳ اشاعۃ السنۃ میں مشتہر کر چکا ہے انتہی۔

مولوی صاحب کس جراءت کے ساتھ مرزا صاحب کی تکفیر پر مصر ہیں اور ان کی غلط بیانی شائع کر رہے ہیں۔ اگر فتویٰ اقرار نامے سے منسوخ ہو جاتا تو اس تحریر کے شائع کرنے پر کبھی جراءت نہ کر سکتے۔ سمجھدار کے لئے صرف یہی ایک مقدمہ مرزا صاحب سے انکار پیدا کرنے کے لئے کافی ہے۔ کیا مسیح موعود کی یہ صفت ہو سکتی ہے کہ غلط بیانیاں کرا کے پبلک کو دھوکا دے۔

مرزا صاحب ایک ذلت مولوی صاحب کی یہ لکھتے ہیں کہ اس نے میرے ایک الہام پر اعتراض کیا کہ **عجبت** کا صلہ **لام** نہیں آتا۔ یعنی **عجبت لهٗ** کلام صحیح نہیں حالانکہ فصحاء کے کلام میں **لام** آتا ہے اس سے اس کی علمی بے عزتی ہوئی۔

مولوی صاحب اس کا جواب دیتے ہیں کہ میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ قرآن میں **عجبت** کا صلہ من آیا ہے۔ **قَالُوْا اتعجبین من امر الله** اس کے بعد مولوی صاحب نے مرزا صاحب کی غلطیوں کی ایک طویل فہرست اشاعۃ السنۃ میں چھاپ دیا جس کا جواب اب تک مرزا صاحب سے نہ ہو سکا جیسا کہ الہامات مرزا و عصائے موسیٰ میں لکھا ہے۔ قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی غلطیاں بہت ہوں گی کیونکہ مرزا صاحب نے آتھم والے الہام میں لکھا ہے **فی ست سنة** جب تمیز کا یہ حال ہو تو اور غلطیاں بے شک بہت ہوئی ہوں گی اگر اس فہرست میں سو غلطیاں ہوں گی تو مرزا صاحب کی ذلت اور بے عزتی مولوی صاحب سے صدق کو زیادہ ہوئی۔ غرض یہاں بھی مرزا صاحب ہی کی ذات کا نمبر بڑھا رہا۔

الہامات مرزا میں مرزا صاحب کے اقرار نامے کے اور فقرات بھی نقل کیے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے۔ کہ میں خدا کے پاس اپیل (فریاد، درخواست) کرنے سے بھی اجتناب کروں گا۔ پھر اس کی تعمیل بھی مرزا صاحب نے کی چنانچہ اشتہار ۵ نومبر ۱۸۹۹ء میں لکھتے ہیں۔ مجھے بارہا خدائے تعالیٰ نے مخاطب کر کے فرما چکا ہے کہ جب تو دعا کرے تو میں تیری سنوں گا۔ سو میں نوحِ نبی کی طرح دونوں ہاتھ پھیلاتا ہوں اور کہتا ہوں **انی مغلوب** مگر

بغیر فانتصر کے میں اس وقت کسی شخص کے ظلم اور جور کا جناب الٰہی میں اپیل نہیں کرتا ہی۔

گورنمنٹ کسی ذلیل سے ذلیل شخص کو بھی دعا کرنے سے نہیں روکتی۔ مگر مرزا صاحب کے اقرار اور عمل سے ظاہر ہے کہ وہ کوئی بات خدائے تعالیٰ سے تنہائی میں بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ جب خدا نے بارہا ان سے کہہ دیا کہ جب تو دعا کرے تو میں تیری سنوں گا۔ اگر تنہائی میں وہ فانتصر یعنی میری مدد کر۔ کہہ دیتے تو فوراً مدد ہو جاتی کیونکہ خدائے تعالیٰ کا وعدہ جھوٹا کبھی نہیں ہو سکتا اور چونکہ اب تک مدد نہ ہوئی تو اس سے معلوم ہوا کہ تخلیہ میں بھی دعا نہیں کر سکتے۔ اب اس سے بڑھ کر کیا ذلت ہو کہ مسلمان کفار چوہڑے چمار تک سب خدا سے مانگتے ہیں اور مرزا صاحب مانگ نہیں سکتے۔ اہل انصاف اپنے وجدان سے سمجھ سکتے ہیں کہ مجھے مخاطب کر کے فرما چکا ہے۔ اگر یہ تخصیص کے طور پر فرماتے ہیں کہ مجھے مخاطب کر کے فرما چکا ہے اگر یہ تخصیص بھی اس قسم کی ہے کہ ہر شخص کلام الٰہی کا مخاطب ہے تو اس میں بھی خدائے تعالیٰ نے ان کو بارہا یہ فرمایا ہوگا کہ جب تو دعا کرے تو میں تیری سنوں گا۔ یہ بات اور ہے کہ خدائے تعالیٰ سمیع ہے ہر ایک کی بات سنتا ہے جیسے مرزا صاحب کی سنتا ہے ویسے ہی مولوی صاحب کی بھی سنتا ہے، مگر اس میں کوئی خصوصیت نہ ہوئی۔ حالانکہ وہ تخصیص کے طور پر فرماتے ہیں کہ مجھے مخاطب کر کے فرما چکا ہے۔ اگر یہ تخصیص بھی اس قسم کی ہے کہ ہر شخص کلام الٰہی کا مخاطب ہے تو اس میں بھی ہمارا کلام نہیں یہ سمجھا جائے گا کہ وہ صرف جاہلوں میں اپنی خصوصیت معلوم کرانے کے لئے ایسے موہوم الفاظ لکھا کرتے ہیں۔ کلام اس میں ہے کہ اگر وہ تخصیص صحیح ہے۔ جیسے دوسرے مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جب چاہتے ہیں۔ خدا سے بات کر لیتے ہیں اور خدا اپنے منہ سے پردہ اٹھا کر ان سے باتیں کیا کرتا ہے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ باوجود یکہ وہ مولوی صاحب کے جانی دشمن ہیں۔ چنانچہ مکہ سے ان کی تکفیر کا فتویٰ حاصل کیا ان کے حق میں بددعائیں کیں کہ

تیرہ مہینوں میں ان کو رسوا کر اور ضربت علیھم الذلۃ کا مصداق کر۔ پھر کیا وجہ ہے کہ کئی سال گذر گئے مگر وہ اپنی اصلی حالت پر ہیں۔ بلکہ زمینداری ملنے سے تو اور زیادہ خوش اور معزز ہیں۔ ایسے ہی دلائل سے اشاعۃ السنۃ میں مولوی صاحب نے ان کو کذاب، دجال، مفتری لکھا ہوگا۔ جس کی شکایت وہ خدا سے کر کے ان کی ذلت کی دعا مانگتے تھے اور اب تک اس کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ انصاف سے دیکھا جائے تو تیرہ (۱۳) مہینے والی بددعا مرزا صاحب ہی کے حق میں قبول ہوئی۔

ایک پیشین گوئی یہ ہے جو الہامات مرزا میں لکھی ہوئی ہے کہ مرزا صاحب نے دعا کے طور پر لکھا ہے جس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ اے خدا اگر میں تیری جناب میں مستجاب الدعوات ہوں تو ایسا کر کہ جنوری ۱۹۰۰ء سے اخیر دسمبر ۱۹۰۲ء تک یعنی تین سال میں میرے لئے کوئی ایسا نشان دکھلا کہ جو انسان کے ہاتھوں سے بالاتر ہو۔ گویہ الفاظ دعا ہیں مگر مرزا جی اپنے رسالۂ اعجاز احمدی کے صفحہ ۸۶ پر اس دعا کو پیشین گوئی قرار دیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ایک عظیم الشان نشان ہے جس کو سلطان کہتے ہیں جو اپنی قبولیت اور روشنی کی وجہ سے دلوں پر قبضہ کر لے۔ (اشتہار ۲۲/ اکتوبر ۱۸۹۹ء)

پس جو تعریف مرزا جی نے سلطان کی کی ہے۔ وہی مرزا جی کے اس مطلوبہ نشان کی ہے جس کے نہونے پر آپ فیصلہ دیتے ہیں کہ اگر تو (اے خدا) تین برس کے اندر دسمبر ۱۹۰۲ء تک میری تائید میں اور میری تصدیق میں کوئی نشان نہ دکھلائے اور اپنے بندے کو ان لوگوں کی طرح رد کر دے جو تیری نظر میں شریر اور پلید اور بے دین اور کذاب اور دجال اور خائن اور فاسد ہیں تو میں تجھے گواہ کرتا ہوں کہ میں اپنے تئیں صادق سمجھ لوں گا جو میرے پر لگائے جاتے ہیں میں نے اپنے لئے قطعی فیصلہ کر لیا ہے کہ اگر میری دعا قبول نہ ہو تو میں ایسا ہی مردود اور ملعون اور کافر اور بے دین اور خائن ہوں جیسا کہ مجھے سمجھا گیا۔ (صفحہ ۳) انتہی۔

اہل دانش سمجھ سکتے ہیں کہ جس پیشین گوئی کے لئے تین (۳) سال کی مدت قرار دی گئی جس کی نشانی یہ قرار دی گئی کہ انسان کے ہاتھوں سے بالاتر ہو اور قبولیت اور روشنی کی وجہ سے دلوں پر قبضہ کر لے۔ وہ کیسی ہونی چاہیے کم سے کم اس میں اتنی بات تو ضرور ہے کہ مرزا صاحب کی تدابیر کو اس میں دخل نہ ہو۔ مگر ایسا نہوا بلکہ مرزا صاحب نے ایسی تدبیر کی کہ موضع مدہ ضلع امرت سر میں ان کے مریدوں نے بلوہ کر دیا۔ جس سے سنیّوں کو مولوی ابوالوفا ثناء اللہ صاحب کو مناظرے کے لئے بلانے کی ضرورت ہوئی۔ مولوی صاحب کے وہاں پہنچتے ہی مرزا صاحب نے ایک رسالہ اعجاز احمدی جو نصف اردو اور نصف عربی نظم تھا۔ جس میں مولوی صاحب کی ہجو بھی تھی۔ ان کے پاس بھیج کر یہ کہلایا اتنی ہی ضخامت کا رسالہ اردو اور عربی نظم پانچ روز میں بنادیں۔ اور اس نظم کا نام قصیدۂ اعجاز یہ رکھ کر ایک اشتہار بھی اس مضمون کا جاری کیا کہ یہ اشتہار خدائے تعالیٰ کے اس نشان کے اظہار کے لئے شائع کیا جاتا ہے جو اور نشانوں کی طرح ایک پیشین گوئی کو پورا کرے گا۔ یعنی وہ نشان ہے جس کی بابت وعدہ تھا کہ دسمبر ۱۹۰۲ء تک ظہور میں آجائے گا۔ اب مولوی صاحب حیران ہیں کہ مرزا صاحب نے کئی سال یا کئی ماہ میں جو قصیدہ اطمینانی حالت میں خود لکھا یا کسی سے لکھوایا ہے۔ اس کا جواب ایسی حالت میں کہ ہر طرف شور و شغب برپا ہے ایک گاؤں میں جہاں نہ کوئی کتاب علم کی مل سکے، نہ اور کسی قسم کی تائید کی۔ امید اس قلیل مدت میں کیونکر لکھا جائے اس پر بھی اپنی ذاتی لیاقت کے بھروسے پر لکھ بھیجا اور اخبار میں شائع کر دیا کہ آپ پہلے ایک مجلس میں اس قصیدۂ اعجازیہ کو ان غلطیوں سے جو میں پیش کروں۔ صاف کر دیں تو پھر میں آپ سے زانو بزانو بیٹھ کر عربی نویسی کروں گا، مگر مرزا صاحب نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔

اگر غور کیا جائے تو مرزا صاحب نے مولوی صاحب سے معجزہ طلب کیا تھا اگر اس حالت میں حسب فرمائش مرزا صاحب وہ قصیدہ لکھ دیتے تو ان کا بھی معجزہ سمجھا جاتا اور اس

لحاظ سے مرزا صاحب اور ان کے متبعین کو ضرور ہوتا کہ مولوی صاحب کی بھی نبوت کے قائل ہو جائیں کیوں کہ معجزہ دکھلانا نبی کا کام ہے۔ چونکہ مولوی صاحب کو نبوت کا دعویٰ نہیں ہے ممکن ہے کہ اسی وجہ سے انہوں نے اس سے پہلوتہی کی ہو۔ پھر اگر قصیدے سے نبوت ثابت ہو سکتی ہے تو اس کا کیا ثبوت کہ مرزا صاحب ہی نے وہ لکھا تھا کیوں کہ انہوں نے مولوی صاحب کی فرمائش پر ان کے روبرو تو لکھا ہی نہیں اور اگر تسلیم کیا جائے تو اس سے زیادہ بلیغ و فصیح لکھنے والے شعراء ہندوستان میں بکثرت موجود ہیں ان سب کا اس نبوت میں حصہ ہے حالانکہ نبوت کو شعر گوئی سے من وجہ منافات ہے۔ اسی وجہ سے ہمارے نبی کریم ﷺ نے کبھی شعر نہیں کہا اور حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ** یعنی قرآن رسول کریم کا قول ہے شاعر کا قول نہیں۔ مرزا صاحب نے اس خیال سے کہ اگر نبوت کا ثبوت نہ ہو تو افتخار کے لئے شاعری بھی کچھ کم نہیں ایک قصیدہ لکھ کر اپنے اتباع کو توجہ دلائی کہ بہر حال مولوی صاحب پر اپنے کو تفوق حاصل ہے مگر یہ کوئی بات نہیں اس لئے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اَلشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ** یعنی شاعروں کا اتباع گمراہ کیا کرتے ہیں۔ پھر لطف خاص یہ ہے کہ قصیدہ بھی ایسا کہا جو غلطیوں سے بھرا ہوا ہے۔ چنانچہ الہامات مرزا میں اس کے اغلاط بالتفصیل مذکور ہیں۔ اگر مرزا صاحب شروط و قیود بالائی کو اٹھا دیں تو اس وقت صدہا اس کے جواب لکھے جا سکتے ہیں۔

مولوی محمد یونس خاں صاحب رئیس دتاؤلی نے پیسہ اخبار میں مرزا صاحب کے نام پر اعلان اسی زمانے میں دیا تھا جس کا مضمون یہ ہے۔ پیسہ اخبار مطبوعہ ۲۲ نومبر ۱۹۰۲ء میں ایک مضمون مرزا صاحب کا دیکھنے میں آیا کہ وہ قصیدہ عربی لکھنے والے کو صرف بیس دن کی مہلت دیتے ہیں۔ پیسہ اخبار میں مضمون شائع کرایا ہے جو ۱۸ نومبر کا لکھا ہوا ۲۲ نومبر کو شائع ہوا۔ ناظرین کے پاس بھیجنے کے واسطے بھی کچھ عرصہ چاہیے۔ پھر اشعار کا بنانا بھی

ایک وقت چاہتا ہے۔ لیجئے وقت ختم اور مرزا صاحب کے داؤ پیچ کی جیت رہی۔ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کو بھی اپنے دعاوی کی غلطی کا پورا یقین اور اپنی ہار کا خوف دامنگیر ہوتا ہے۔ اسی واسطے دور دراز کار شرائط پیش کیا کرتے ہیں۔

قرآن شریف کی جن آیات میں اس کا مثل طلب کیا گیا ہے، نہ کوئی تاریخ اس کے واسطے معین کی گئی ہے، نہ اشخاص، بلکہ چھوٹی سورۃ لانے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ مرزا صاحب ایک قلیل مدت کی قید لگاتے ہیں۔ پھر تماشا یہ کہ وہ عربی قصیدہ چھاپ کر اپنے پاس رکھ لیا ہے۔ اخبار میں شائع تک نہ کیا کہ کہیں ناظرین کو طبع آزمائی کا موقع نہ مل جائے۔ اس پر یہ فیاضی ہے کہ تمام علمائے ہند کو اذن عام دیا جاتا ہے کہ آپس میں مشورہ کر کے اس کا جواب لکھیں حالانکہ ان لوگوں کی نگاہ سے ہنوز قصیدہ بھی نہیں گزرا۔ اب میں بذریعۂ تحریر ہذا مرزا صاحب سے گزارش کرتا ہوں کہ آپ فوراً قصیدۂ مذکور میرے نام روانہ فرمائیں یا اخبار میں شائع فرمائیں اور اپنے اعجاز کے زمانے کو ذرا سی وسعت بخشیں جس دن وہ قصیدہ میرے پاس پہنچے گا اس سے بیس دن کے اندر **ان شآء اللہ** اس سے بہتر جواب آپ کی خدمت میں حاضر کیا جائے گا۔ (پیسہ اخبار ۱۴ دسمبر ۱۹۰۲ء) چاہیے تو تھا کہ مرزا صاحب فوراً راقم مضمون کو کتاب مذکور بھیج دیتے مگر جہاں تک ہمیں معلوم ہے آج تک وہ کتاب نہیں پہنچی (ابھی)۔

تقریر سابق سے معلوم ہوا کہ تین سال میں ظاہر ہونے والی قدرتی نشانی جو انسان کے ہاتھوں سے بالاتر ہو وہی ایک قصیدہ ہے مگر اول تو وہ انسان کے ہاتھوں سے بالاتر نہیں۔ کیوں کہ خود نے لکھا ہے اور اس سے بہتر لکھنے کو اور علماء بھی مستعد ہیں اس پر غلطیوں سے بھرا ہوا، اس کے سوا مرزا صاحب نے پیسہ اخبار مورخہ ۲۲ نومبر ۱۹۰۲ء میں صاف لفظوں میں مشتہر کرایا تھا کہ دس سال سے میرا دعویٰ عربی اعجاز نمائی کا ہے جب دس سال سے یہ اعجاز حاصل ہے تو ظاہر ہے کہ تین سال والے اعلان میں ایک عظیم الشان نشانی

کے لئے جو دعا کی گئی تھی اور یہ کہا گیا تھا کہ اگر وہ نشان نہ دکھلایا جائے تو میں اپنے کو ملعون وغیرہ سمجھوں گا تو وہ نشان یہ قصیدۂ اعجازیہ نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اعجاز جو پہلے سے حاصل تھا اس کی طلب ممکن نہیں کیوں کہ تحصیل حاصل محال ہے۔ غرض کہ کئی وجوہ سے یہ قصیدہ تو وہ مطلوبہ نشانی نہیں ہو سکتا۔ اور اس کے سوا کوئی دوسری نشانی بھی اس مدت میں ظاہر نہ ہوئی اگر ہوتی تو مرزا صاحب خود اس کا حوالہ دیتے اس سے معلوم ہوا کہ وہ دعا قبول نہیں ہوئی اور اس سے ثابت ہوا کہ حق تعالیٰ کو منظور وہی تھا جو مرزا صاحب نے کہا تھا کہ اگر تو کوئی نشانی میری تصدیق میں نہ دکھلائے تو میں تجھی کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اپنے لئے قطعی فیصلہ کر لیا ہے کہ اگر میری دعا قبول نہ ہو تو میں ایسا ہی مردود اور ملعون اور بے دین اور خائن ہوں جیسا کہ مجھے سمجھا گیا ہے، ظاہر ہو جائے۔ **سبحان اللہ!** عجیب خدائے تعالیٰ کی قدرت ہے کہ مرزا صاحب نے جو القاب اوروں کے لئے تجویز کئے تھے ان میں سے بڑے بڑے ان کی طرف کس عمدگی سے رجوع کر گئے۔ پہلے اعلان دلایا گیا جس کی وجہ سے لاکھوں آدمی ہمہ تن چشم و گوش ہو گئے۔ پھر بغیر کسی کی جبر کے خوشی سے اقرار کرایا گیا۔ پھر خدا کی اس پر گواہی لکھی گئی۔ صدق اللہ تعالیٰ **وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ** اب مریدین راسخ الاعتقاد کو کون چیز مانع ہے کہ جن اوصاف و القاب کو مرزا صاحب نے بطوع و رغبت اپنی شان میں استعمال فرمایا اور ویسا ہی اپنے کو سمجھنے کا وعدہ خدائے تعالےٰ سے کیا جس کی منظوری بھی ہو گئی۔ ان کو مرزا صاحب کی شان میں استعمال کریں اور ان کا مصداق ان کو سمجھیں۔

الہامات مرزا میں لکھا ہے کہ مرزا صاحب نے بذریعۂ اشتہار یہ الہام مشتہر کرایا۔ **انه اوی القرية** جس سے اصلی مقصود یہ ہے کہ قادیان میں طاعون نہ آئے گا اس کے بعد رسالۂ دافع البلا میں تمام دنیا کے لوگوں کو للکارا کہ کوئی ہے کہ وہ بھی ہماری طرح اپنے اپنے شہر کی بابت کہے۔ **انه اوی القرية** یعنی یہ گاؤں طاعون سے محفوظ ہے اور لکھا کہ طاعون

کا یہاں آنا کیسا؟ باہر سے طاعون زدہ کوئی آتا ہے تو وہ اچھا ہو جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس کے بعد جب طاعون وہاں پہنچا تو اعلان جاری کیا کہ چونکہ آج کل مرض طاعون ہر ایک جگہ بہت زور پر ہے۔ اگرچہ قادیان میں نسبتاً آرام ہے لیکن مریدوں کا اجتماع قرین مصلحت نہیں اس لئے دسمبر کی تعطیلوں میں جیسا کہ پہلے اکثر احباب قادیان میں جمع ہو جایا کرتے تھے۔ اب کی دفعہ اس اجتماع کو موقوف رکھیں اور اپنی جگہ پر خدا سے دعا کرتے رہیں کہ وہ اس خطرناک ابتلاء سے ان کو اور ان کے اہل و عیال کو بچائے۔

فقرہ ''نسبتاً آرام ہے'' میں یہ صنعت کی گئی کہ لفظ آرام سے نمایاں تو یہی رہے کہ وہاں طاعون نہیں ہے۔ جس سے اس الہام کا صادق ہونا معلوم ہو جائے۔ مگر نسبتاً کے لفظ سے نکتہ شناس سمجھ جائیں کہ طاعون موجود ہے اس لئے وہاں جانے سے رک جائیں۔ پھر جب چوہڑوں میں قادیان کے طاعون کی کثرت ہوئی تو فرمایا کہ الہام **انہ اوی القریۃ** میں قادیان کا نام ہی نہیں۔ اور قریہ قرا سے نکلا ہے۔ جس کے معنی جمع ہونے اور اکٹھے بیٹھ کر کھانے کے ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو آپس میں مواکلت رکھتے ہیں اس میں ہندو اور چوہڑے داخل نہیں ہیں۔ (اخبار البدر) مطلب یہ ہوا کہ ہندو اور چوہڑے مل کر نہیں کھاتے۔ حالانکہ لفظ قریہ سے مل کر کھانا سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے ان میں طاعون ہو تو الہام کے مخالف نہیں۔ مگر اس کا جواب کیا کہ دافع البلاء مطبوعہ ریاض ہند میں فرماتے ہیں کہ خدا نے سبقت کر کے قادیان کا نام لے دیا۔ عجیب ملہم ہے کہ ابھی سبقت کر کے قادیان کا نام لے دیا تھا اور ابھی انکار کرا دیا کہ الہام میں قادیان کا نام ہی نہیں۔ اللہ اللہ کیا سچ ہے خدا کی شان ہے کل ہی کا ذکر ہے کہ یوں کہا جاتا تھا اور شور مچایا جاتا تھا کہ قادیان کو اس کی خوف ناک تباہی سے محفوظ رکھے گا کیونکہ یہ اس کے رسول کی تخت گاہ ہے اور یہ تمام امتوں کے لئے نشان ہے۔ (دافع البلاء) مگر آج یہ بات کھلی کہ کادیان کا نام ہی نہیں۔ کادیان کے رہنے والوں سے ہم

نے خود سنا ہے کہ جس روز مرزا نے یہ پیشین گوئی کی تو ہم سمجھ گئے تھے کہ خدا اس کی تکذیب کرنے کو قادیان میں ضرور طاعون بھیجے گا سو ایسا ہی ہوا۔ اس کے بعد البدر قادیان میں (جو مرزا صاحب کا اخبار ہے) لکھا ہے کہ قادیان میں طاعون حضرت مسیح علیہ السلام کے الہام کے ماتحت اپنا کام برابر کررہا ہے جس سے ظاہر ہے کہ طاعون اپنا پورا کام کر رہا ہے اور معتبر شہادتوں سے ثابت ہے کہ مارچ اور اپریل ۱۹۰۴ء کے دو مہینوں میں تین سو تیرہ (۳۱۳) آدمی طاعون سے مرے حالانکہ کل آبادی اٹھائیس سو (۲۸۰۰) کی ہے اور سب لوگ اِدھر اُدھر بھاگ گئے اور تمام قصبہ ویران سنسان نظر آتا تھا انتہی۔ ملخصاً آپ نے دیکھا کہ اس خلاف بیانی کی کوئی حد بھی ہے۔ پہلے تو قادیان رسول کی تخت گاہ ہونے کی وجہ سے طاعون کی مجال نہ تھی کہ اس میں قدم رکھے۔ بلکہ طاعون زدہ اس میں آکر اچھے ہوتے تھے پھر چوہڑوں کے مرنے سے وہی قادیان مسلمانوں کا نام ٹھہرا کہ وہ نہیں مریں گے مگر اس کی وجہ معلوم نہیں ہوئی کہ مریدین وہاں آنے سے کیوں روکے گئے۔ مرزا صاحب کا فرض تھا کہ ان کو اس آرام میں شریک کرتے جو تمام مسلمانوں کو تھا۔ بلکہ ایک اعلان کل مریدوں میں جاری کرتے کہ طاعون زدہ مقاموں کو چھوڑ کر مع اہل وعیال فوراً اس دارالامان میں چلے آئیں پھر جب دو ہی مہینوں میں قریب آٹھویں حصے کے باشندگان قادیان شکار طاعون ہوگئے تو وہی طاعون جو وہاں قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔ مرزا صاحب کے ماتحت ہوکر برابر اپنا کام کرنے لگا۔ اب مرزا صاحب کی یہ حالت ہے کہ بجائے اس کے باہر کے آنے والے وہاں اچھے ہوتے اپنے حوارئین کو نذر طاعون فرما رہے ہیں۔ چنانچہ اخبارات سے ظاہر ہے کہ خاص اخبار البدر کے ایڈیٹر جنہوں نے بڑے شدومد سے لکھا تھا کہ طاعون حضرت مسیح کے ماتحت ہوکر اپنا کام کررہا ہے طعمہ طاعون ہوگئے اور ہنوز اس کا دورہ ختم نہیں ہوا۔ اس الہام کی جولانی بھی طاعون سے کم نہیں قدم بقدم طاعون کے ہمراہ ہے۔ اگر کوئی دہریہ اس

قسم کی بات کہتا تو یہ سمجھ جاتا کہ خدائے تعالیٰ کی توہین کی تدبیر اس نے نکالی ہے۔ کمال حیرت کا مقام یہ ہے کہ مرزا صاحب آخر خدا کو مانتے ہیں اور جمیع عیوب سے اس کو منزہ جانتے ہیں باوجود اس کے ایسے الزام اس پر لگارہے ہیں۔ کیا کوئی مسلمان اس الہام کی صحت کی رائے قائم کرسکتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے مرزا صاحب سے کہا تھا کہ پورا قادیان طاعون سے محفوظ رہیگا اور اس کے بعد یہ کہا کہ نہیں صرف مسلمان محفوظ رہیں گے۔ پھر ہوا یہ کہ ہندو مسلمان دونوں ہلاک اور گاؤں تباہ ہوگیا۔ فلاسفہ اس پر کیسے ٹھٹے کرتے ہوں گے کہ یہ لوگ جس کو خدا سمجھتے ہیں اس کی یہ حالت کہ اتنا بھی اس کو معلوم نہیں کہ طاعون وہاں آئے گا یا نہیں۔ اور اتنی بھی اس کو قدرت نہیں کہ اپنی بات سچ کرنے کو طاعون سے اس کی حفاظت نہ کرسکا اور اتنا عاجز کہ ایک چھوٹے سے گاؤں کو بچانے کا وعدہ کرکے نہ بچاسکا اور ایسا تلون کہ کہا کچھ اور کیا کچھ اور جس کو رسول بناکر خود نے بھیجا اس کو جھوٹا ثابت کرکے ہم چشموں میں ذلیل وخوار کیا۔ غرض فلاسفہ کو خدا اور رسولوں سے انکار کرنے کے لئے بھی ایک حیلہ بس ہے اور اسی پر قیاس جما سکتے ہیں۔ حالانکہ مرزا صاحب کو فلاسفہ کا اتنا خوف ہے کہ کہتے ہیں اگر عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر جانا تسلیم کیا جائے تو فلاسفہ ہنسیں گے۔ یہاں یہ خیال نہیں فرمایا کہ فلاسفہ خدا پر ہنسیں گے۔ اہل انصاف سمجھ سکتے ہیں کہ مرزا صاحب کو نہ کسی کی ہنسی سے کام ہے، نہ دین کی برہمی کی پروا۔ ان کو صرف اپنی عیسویت سے کام ہے۔

تقریر سابق سے یہ بات ظاہر ہے کہ مرزا صاحب نے کسی بات کے سوجھ جانے کا نام الہام رکھا ہے۔ دیکھئے جب تک قادیان میں طاعون نہ تھا تو مضمون الہام یہ تھا کہ وہ تو تختِ گاہِ رسول ہے۔ طاعون کی کیا مجال کہ وہاں قدم رکھے اور کس وثوق سے کہا گیا کہ کوئی ہے اپنے شہر کی بابت کہے **انہ اوی القریۃ**۔ پھر جب چوہڑے مرنے لگے تو قریہ قرا سے ماخوذ ہونا مضمون الہام ٹھہرا۔ اور یہ بھی اسی کا مضمون تھا کہ کہیں باہر سے آنے والے مرنہ

جائیں اور باعث اشتد ادنہ ہوں اس لئے ان کو وہاں آنے سے روک دیا۔ پھر جب عموماً ہندو، مسلمان مرنے لگے اور اس قریہ کی ویرانی کی صورت بندھی تو یہ ہوا کہ طاعون ماتحت الہام ہو کر اپنا کام کر رہا ہے۔ ادنیٰ تامل سے یہ بات معلوم ہوسکتی ہے کہ اس میں مرزا صاحب کا کوئی قصور نہیں۔ کذب وافترا وغیرہ قبائح اس زمانے میں ایسے عالم گیر ہو رہے ہیں کہ خود مرزا صاحب کو اس کی شکایت ہے۔ اگر ایسے زمانے میں کوئی فرضی نبی بھی آئے تو بحسب اقتضائے زمانہ ضرور ہے کہ وہ انہیں اوصاف کے ساتھ متصف ہو۔ چنانچہ مستطرف میں لکھا ہے کہ معتصم باللہ کے زمانے میں کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ جب گرفتار کیا گیا تو خلیفہ نے اس سے پوچھا کیا تو نبی ہے؟ کہا ہاں۔ کہا کس کی طرف تو بھیجا گیا ہے؟ کہا آپ کی طرف۔ کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ تو سفیہ اور احمق ہے۔ کہا درست ہے۔ جیسی قوم ہوتی ہے ویسا ہی نبی بھیجا جاتا ہے۔ خلیفہ اس لطیفے پر پھڑک گیا اور کچھ انعام دے کر اس کو چھوڑ دیا۔

اور ایک پیشین گوئی الہامات مرزا میں لکھی ہوئی ہے۔ کہ مرزا صاحب اعجاز احمدی میں لکھتے ہیں کہ واضح رہے کہ مولوی ثناء اللہ کے ذریعے سے عنقریب تین (۳) نشان میرے ظاہر ہوں گے۔ ایک یہ ہے کہ وہ تمام پیشین گوئیوں کی پڑتال کے لئے میرے پاس ہرگز نہ آئیں گے اور سچی پیشین گوئیوں کی اپنے قلم سے تصدیق کرنا ان کے لئے موت ہوگی انتہیٰ۔ یہ پیشین گوئی بھی جھوٹی ثابت ہوئی۔ چنانچہ صرف پیشین گوئی کی پڑتال اور تحقیق کے لئے مولوی ثناء اللہ قادیان گئے اور وہاں پہنچ کر مرزا صاحب کے نام رقعہ لکھا۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ آپ نے اعجاز احمدی میں جو لکھا ہے کہ اگر مولوی ثناء اللہ سچے ہیں تو قادیان میں آکر کسی پیشین گوئی کو جھوٹی ثابت کریں اور ہر ایک پیشین گوئی کے لئے ایک سو (۱۰۰) روپے انعام دیئے جائیں گے جس کے پندرہ ہزار روپے ہوتے ہیں اور ایک لاکھ روپیہ مریدوں سے دلوایا جائے گا اور آمد ورفت کا کرایہ علیحدہ اور نیز آپ نے لکھا ہے کہ

مولوی ثناء اللہ صاحب نے کہا تھا کہ سب پیشین گوئیاں جھوٹی نکلیں اس لئے ہم ان کو مدعو کرتے ہیں اور خدا کی قسم دیتے ہیں کہ وہ اس تحقیق کے لئے قادیان میں آئیں۔ اس لئے میں اس وقت حاضر ہوں اور جناب کی دعوت قبول کرنے میں آج تک رمضان شریف مانع رہا ورنہ توقف نہ ہوتا۔ مجھے امید قوی ہے کہ آپ میری تفہیم میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں گے اور حسب وعدہ مجھے اجازت بخشیں گے کہ میں مجمع میں آپ کی پیشین گوئیوں کی نسبت اپنے خیالات ظاہر کروں انتہیٰ۔ چونکہ مرزا صاحب نے اس پیشین گوئی کو اپنا معجزہ قرار دیا اور مولوی صاحب کے وہاں پہنچ جانے سے اس کا اور اس کی وجہ سے نبوت کا ابطال ہوگیا۔ اس لئے مرزا صاحب پر مولوی صاحب کی دعوت قبول کرنا نہایت شاق ہوا۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ ایک مہینے کے توقف کے باعث اس معجزے کے وقوع پر مبارک بادیاں بھی دی گئی تھیں۔ چنانچہ رسالۂ فتح قادیان میں لکھا ہے کہ مرزائی یہاں تک بڑھ گئے کہ ۱۰ دسمبر ۱۹۰۲ء کے اخبار الحکم میں مولوی صاحب کے قادیان میں نہ پہنچنے کو معجزہ لکھ کر اپنے گروگھنٹال کو مبارک بادیں دیں انتہیٰ۔ انصاف کی بات تو یہ تھی کہ اس وقت جیسے مبارک باد دی گئی تھی۔ مولوی صاحب کے وہاں پہنچ جانے پر نبوت کو سلام اور خیر باد کہہ دیا جاتا مگر افسوس ہے اتنی بڑی نشانی پر بھی متنبہ نہ ہوا۔ الغرض مرزا صاحب اس رقعے کو دیکھتے ہی برہم ہوئے اور جواب لکھا کہ اگر آپ لوگوں کی صدق دل سے یہ نیت ہو کہ اپنے شکوک اور شبہات پیشین گوئیوں کی نسبت رفع کریں تو آپ لوگوں کی خوش قسمتی ہوگی۔ مگر میں قسم کھا چکا ہوں کہ میں اس گروہِ مخالف سے مباحثات نہیں کروں گا آپ کے رفع شکوک اور شیطانی وسوسوں کے دفع کرنے کی یہ صورت ہوگی کہ آپ زبانی بولنے کے ہرگز مجاز نہیں ہوں گے۔ اور آپ کی مجال نہ ہوگی کہ ایک کلمہ بھی زبان سے بول سکیں۔ صرف آپ مختصر ایک یا دو سطر حد تین سطر تحریر دے دیں کہ میرا یہ اعتراض ہے اور میں بآواز بلند لوگوں کو سنا دوں گا۔ کہ میری

پیشین گوئی کی نسبت مولوی ثناء اللہ صاحب کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوا ہے اور یہ اس کا جواب ہے تین گھنٹے میں تقریر کرتا رہوں گا اور ہر ایک گھنٹے پر آپ کو متنبہ کیا جائے گا کہ اگر تسلی نہیں ہوئی تو اور لکھ کر پیش کرو۔ آپ کو بالکل منہ بند رکھنا ہوگا جیسے **صُمٌّ بُكْمٌ**۔ اگر آپ شرافت اور ایمان رکھتے ہیں تو قادیان سے بغیر تصفیہ کے خالی نہ جائیں۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ میں زبانی آپ کی کوئی بات نہیں سنوں گا۔ اور آپ کو بھی خدائے تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ اگر آپ سچے دل سے آئے ہیں تو اس کے پابند ہو جائیں اب ہم دونوں میں سے ان دونوں قسموں سے جو شخص انحراف کرے گا اس پر خدا کی لعنت ہے اور وہ اس لعنت کا پھل بھی اپنی زندگی میں دیکھے لے۔ آمین۔ سو میں اب دیکھوں گا کہ آپ سنت نبوی کے موافق اس قسم کو پوری کرتے ہیں۔ قادیان سے نکلتے ہوئے اس لعنت کو ساتھ لئے جاتے ہیں انتہی۔ مرزا صاحب اس موقع میں جو کچھ فرمائیں تھوڑا ہے۔ اس لئے کہ مدعی نبوت جب کسی بات کو اپنا معجزہ قرار دیتا ہے اور اس کا وقوع نہیں ہوتا تو اہل حق کے نزدیک وہ کاذب اور مفتری مسلّم ہو جاتا ہے گو باطل پسند طبائع کو کوئی جنبش نہ ہو جیسے ابھی معلوم ہوا کہ مسیلمہ کذاب جو کام دعوے سے کرتا اس کے خلاف وقوع میں آتا۔ بایں ہمہ اس کے مریدوں کے مجمع میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ بہر حال مرزا صاحب کو اس موقع میں سخت ناکامی اور ذلت ہوئی۔ پھر اگر اتنا بھی نہ کہیں تو نفس کو کیوں کر تسکین ہو۔

مرزا صاحب اگر انصاف سے کام لیتے تو مولوی صاحب کو نہایت خوشی سے مناظرے کا موقع دیتے کیوں کہ پیشین گوئیوں کا جب وقوع ہو چکا تھا تو ممکن نہیں کہ ان واقعات کی تکذیب کسی سے ہو سکے۔ مثلاً مرزا صاحب نے کسی کی نسبت پیشین گوئی کی کہ اتنی مدت میں فلاں شخص مر جائے گا اور فی الواقع وہ مر بھی گیا تو کیا ممکن ہے کہ دلائل سے اس کی موت کا ابطال ہو سکے۔ ایک جماعت گواہی کے لئے کھڑی ہو جاتی کہ ہم لوگ اس

کے دفن میں شریک تھے اسی طرح ہر پیشین گوئی کی تصدیق گواہوں سے ہو جاتی۔ مرزا صاحب کا اس موقع میں پہلو تہی کرنا صاف بتلا رہا ہے کہ جیسے مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ کسی پیشین گوئی کا وقوع ہوا ہی نہیں، وہی صحیح ہے۔

اب یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ مرزا صاحب نے مولوی صاحب کو دعوت کس غرض سے دی تھی یہ نہیں لکھا تھا کہ قادیان تشریف لائیں صدق دل سے **آمنا و صدقنا** کہہ کر اپنے مریدوں میں داخل ہو جائیں جس کے صلے میں ایک لاکھ پندرہ ہزار روپے دیئے جائیں گے۔ اگر یہی بات پیش نظر تھی تو یوں فرماتے کہ آپ قادیان آ کر ہماری پیشین گوئیوں کی تصدیق کر لیں تو ایک لاکھ پندرہ ہزار روپے آپ کو انعام دیئے جائیں گے۔ حالاں کہ برخلاف اس کے تحریر مذکورہ بالا میں مصرح ہے کہ اگر آپ قادیان میں آ کر کسی پیشین گوئی کو جھوٹی ثابت کریں تو ہر ایک پیشین گوئی کے لئے ایک ایک سو روپے دیئے جائیں گے وغیرہ وغیرہ۔ مرزا صاحب بھی سمجھتے ہوں گے کہ یہ روپیہ تصدیق کے صلے میں قرار دیا گیا تھا یا تکذیب کے صلے میں۔ پھر جب جھوٹ ثابت کرنے کے لئے دعوت دی گئی تھی تو معاملہ برابر کا ٹھہرا۔ اگر صدق ثابت کرنے کے لئے مرزا صاحب نے تین گھنٹے لئے تھے تو مولوی صاحب کو کذب ثابت کرنے کے لئے بھی اسی قدر مدّت درکار تھی پھر **صُمٌّ بُکْمٌ** بیٹھ رہنے سے کذب خود ہی کیوں کر ثابت ہو سکتا تھا۔ مناسب تو یہ تھا کہ مرزا صاحب **صُمٌّ بُکْمٌ** بیٹھ کر اپنا دعویٰ ثابت کرتے کیوں کہ مدعی نبوت ہیں۔ اس خرق عادات کا اظہار ان کے ذمہ ہونا چاہیے تھا۔ مولوی صاحب تو مدعی نبوت تھے ہی نہیں۔ پھر یہ معجزہ ان سے کیوں طلب کیا گیا کہ حالت خاموشی میں اپنا دعویٰ ثابت کر دیں۔ اگرچہ مرزا صاحب نے فیاضی کی کہ اپنا منصب ان کو دیا مگر ان پر تو ظلم ہوگا۔ مرزا صاحب اس قسم کے معاملات میں دل کھول کے فیاضی فرماتے ہیں چنانچہ قسم تو آپ نے کھائی اور لعنت میں

مولوی صاحب کو بھی شریک کرنا چاہا۔ انہوں نے کب قسم کھائی تھی جو پوری نہ کرتے تو قادیان سے نکلتے ہوئے لعنت کو ساتھ لے جاتے انہوں نے اسی لحاظ سے قسم نہیں کھائی کہ کہیں وہ لعنت قادیان سے ان کے ساتھ چلی نہ جائے البتہ مرزا صاحب کو لعنت کا کچھ خوف نہیں۔ چنانچہ ابھی معلوم ہوا کہ انہوں نے خدا سے کہہ کر اپنے کو ملعون سمجھ لیا ہے۔

مرزا صاحب نے فقط **صُمٌّ بُکْمٌ** رہنے ہی کا بار مولوی صاحب پر نہیں ڈالا بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر شرافت اور ایمان رکھتے ہیں تو قادیان سے بغیر تصفیہ کے خالی نہ جائیں۔ اب اس کج دار و مریز کو دیکھئے کہ زبان نہ ہلائیں اور جھوٹ ثابت کر دیں یا **آمَنَّا وَصَدَّقْنَا** کہہ دیں ورنہ نہ مسلمان رہ سکتے ہیں، نہ شریف۔

مرزا صاحب نے خوش اعتقادی سے مولوی صاحب کو شاید اپنے معتقدوں میں سمجھ لیا جو فرماتے ہیں کہ آپ سچے دل سے آئے ہیں تو اس کے پابند ہو جائیں اور اپنے شکوک وشبہات رفع کریں۔ حالانکہ وہ اس غرض سے آئے تھے کہ جو مرزا صاحب کی تقریروں سے لوگ شک میں پڑ گئے تھے اس کو اس طور پر رفع کریں کہ واقعات بتلا کر یہ ثابت کر دیں کہ کسی پیشین گوئی کا وقوع ہوا ہی نہیں جیسا کہ خود مرزا صاحب مولوی صاحب کا قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا تھا کہ کل پیشین گوئیاں جھوٹی نکلیں۔ اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کو ان کے کذب کا یقین تھا پھر معلوم نہیں کہ کس بنیاد پر ان کی طرف شک منسوب کیا گیا۔

آپ نے دیکھ لیا کہ مولوی صاحب کے قادیان میں جانے کی پیشین گوئی جھوٹی ہونے کا ایک بدنما اثر یہ بھی ہوا کہ مرزا صاحب نے قسمیں دے کر مولوی صاحب کو جس کام کے لئے دعوت دی تھی اس سے بھی انکار کر گئے اور ایسی شرطیں لگائیں کہ مولوی صاحب کا مطلب فوت ہو جائے اس پر بھی مولوی صاحب نے جواب لکھا کہ آپ کی بے انصافی کو بھی قبول کرتا ہوں کہ میں دو تین سطریں ہی لکھوں گا۔ اور آپ بلاشک تین گھنٹے تک تقریر

کریں مگر اتنی اصلاح ہوگی کہ میں اپنی دو تین سطریں مجمع میں کھڑا ہو کر سنا دوں گا۔ اور ایک گھنٹے کے بعد پانچ منٹ نہایت دس منٹ تک آپ کے جواب کی نسبت رائے ظاہر کروں گا انتہی۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ مرزا صاحب کے تین گھنٹوں کی فصیح و بلیغ تقریر کا جواب مولوی صاحب دس پانچ منٹ میں کیونکر دے سکتے ہیں۔ اور اگر جواب دیتے بھی تو لوگ اس کو کیا سمجھ سکتے اور اس کا کیا اثر ہوتا اس میں شک نہیں کہ اگر مولوی صاحب دس پانچ منٹ میں مرزا صاحب کا جھوٹ ثابت کر دیتے تو بلاشبہ ان کی کرامت اس سے ثابت ہوتی۔ مرزا صاحب کو اسی کا خوف ہوا کہ کہیں وہ کرامت معجزے پر غالب نہ ہو جائے اس لئے انہوں نے دس پانچ منٹ تقریر کرنے سے بھی انکار فرما دیا۔

اس خیال کرامت کا کس قدر اثر ہوا کہ مرزا صاحب کی حالت ہی متغیر ہوگئی اور لگے کانپنے مگر اس رعب کی حالت کو غصے کی صورت میں بنا کر چھپا دیا۔ چنانچہ حکیم محمد صدیق صاحب وغیرہ جو مولوی صاحب کا جواب مرزا صاحب کے پاس لے گئے تھے قسم کھا کر کہتے ہیں کہ مرزا صاحب سنتے جاتے تھے اور بڑے غصے سے بدن پر رعشہ تھا اور دہن مبارک سے خوب گالیاں دیتے تھے اور کتا، سور وغیرہ خاص خاص اسماء بتا کر فرماتے کہ ہم اس کو کبھی بولنے نہ دیں گے۔ گدھے کی طرح لگام دے کر بٹھائیں گے اس کو کہہ دو کہ لعنت لے کر قادیان سے چلا جائے وغیرہ وغیرہ۔ مرزا صاحب کے قول و فعل کا اندازہ اس سے ہوگیا کہ خود ہی نے قسمیں دے کر ان کو دعوت دی اور جب وہ آگئے تو عین موقع بحث پر اس شد و مد اور غیظ و غضب سے انکار کیا کہ حصول مقصود حیز امکان سے خارج ہوگیا۔ کیا کوئی منصف مزاج شخص ان کی اس حرکت کو رضامندی کی نگاہ سے دیکھ سکتا ہے؟

مرزا صاحب نے دعوت دینے کے وقت یہ خیال کیا ہوگا کہ اتنی رقم کثیر کی شرط جب لگائی جائے گی تو مولوی صاحب پر رعب پڑ جائے گا کیونکہ عادت ہے کہ جس کو اپنے صدق

اور قوت دلائل پر وثوق ہوتا ہے تو شرط میں بے دریغ روپیہ لگا دیتا ہے اور رعب کی وجہ سے جب وہ نہ آئیں گے تو تمام پیشین گوئیاں اس اشتہاری دعوت کی وجہ سے ناواقف لوگوں کے ذہنوں میں وقعت پیدا کرلیں گے اور اسی خیال کے بھروسے انہوں نے یہ پیشین گوئی کر ڈالی کہ وہ ہر گز ان پیشین گوئیوں کی پڑتال کے لئے قادیان نہ آئیں گے اور یہ خیال اس قدر متمکن ہوا کہ یہ پیشین گوئی بھی معجزہ قرار دی گئی۔ مگر چونکہ مولوی صاحب ان کے چالوں سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ کسی پیشین گوئی کا وقوع نہیں ہوا۔ صرف سخن سازیوں سے کام لیا جا رہا ہے۔ اس لئے اس تخویف کی کچھ پروانہ کر کے قادیان پہنچ گئے۔ پھر کیا تھا۔ مرزا صاحب لگے منہ دیکھنے اور بدحواسی کی حالت میں جیسے جیسے ان کی یاس بڑھتی تھی ویسے ویسے ان کی زبان دراز ہوتی جاتی تھی۔ کما قیل **اذا یئیس الانسان طال لسانه**۔ اور کیوں نہ ہو جب اتنی بڑی تخویف کا کچھ اثر نہ ہو تو صرف سخن سازیوں سے کیا کام نکل سکے۔ آخر مولوی صاحب کو بھی وہ جانتے تھے کہ فاضل ہم ملک واقف ہیں۔ کہاں تک ان کے مقابلے میں زبان یاری دے گی اور واقعات مساعدت کریں گے اور یہ سوچا کہ اگر ان کا دم مسیحائی نہ روکا جائے تو اپنی عیسویت کا خاتمہ ہے۔ اس لئے یہاں تک اس بات میں مبالغہ کیا کہ دو تین سطر جو اعتراض میں لکھی جائیں وہ بھی مولوی صاحب اپنی زبان سے نہ سنائیں۔ چنانچہ لکھا کہ آپ کا کام نہیں ہوگا کہ اس کو سنائیں ہم خود پڑھ لیں گے مگر چاہیے کہ دو تین سطروں سے زیادہ نہ ہو۔ غرض مولوی صاحب کی کوئی درخواست قبول نہ ہوئی۔ اور حواریین سے یہ لکھنے کو کہہ دیا کہ چوں کہ مضامین تمہارے رقعے کے محض عناد اور تعصب آمیز تھے اور حضرت اقدس انجام آتھم میں قسم کھا چکے ہیں کہ مباحثے کی شان میں مخالفین سے کوئی تقریر نہ کریں گے اس لئے آپ کی درخواست ہر گز منظور نہیں ہے **وَالسَّلام** جب اس قدر نازک دماغی تھی کہ دس پانچ منٹ کی تقریر کی درخواست محض عناد و تعصب آمیز سمجھی گئی تو معلوم نہیں کہ ابتدائی درخواست میں قادیان کو آنے اور پیشین گوئیوں کی تحقیق کرنے کے کیا معنی رکھے گئے تھے۔

اب یہ بات بھی دیکھ لی جائے کہ مرزا صاحب جوفرماتے ہیں کہ رسالہ انجام آتھم میں مباحثہ نہ کرنے پر قسم کھا چکے ہیں۔ اس کی پابندی کہاں تک ہوئی۔

الہامات مرزا میں لکھا ہے کہ انجام آتھم سے چار سال بعد اخبارالاخیار میں مرزا صاحب نے یہ اشتہار شائع کیا کہ آپ لوگ اے علمائے اسلام اب بھی اس قاعدے کے موافق جو سچے نبیوں کی شناخت کے لئے مقرر کیا گیا ہے قادیان سے کسی قریب مقام میں ایک مجلس مقرر کریں۔ اور نیز واجب ہوگا کہ منصفانہ طور پر بحث کریں اوران کا حق ہوگا کہ تین طور سے مجھ سے تسلی کرلیں قرآن وحدیث کی رو سے، عقل کی رو سے، آسمانی تائیدات اورخوارق وکرامت کی رو سے انتہٰی ملخصاً۔ اس میں تو مرزا صاحب خود علماء سے مباحثہ کی درخواست کررہے ہیں پھر نہ یہ شرط ہے کہ دوسطروں سے زیادہ نہ لکھیں، نہ یہ کہ **صمٌّ بکمٌ** بیٹھ رہیں بلکہ صاف لفظوں میں بحث کی اجازت دی گئی ہے۔ اس میں صراحتاً حلف کے توڑنے پراقدام کیا گیا۔ اوراگر خدا سے اس کی اجازت مل گئی تھی تو مولوی صاحب کا مباحثہ بھی اسی اجازت میں شریک تھا کیونکہ اخبارالاخیار والی درخواست مباحثے کے بعد کی ہے۔ اور مولوی صاحب مباحثے کے لئے گئے تھے۔ رہا منصفانہ مباحثہ سو یہ علم قبل از وقوع واقعہ کیوں کر ہوا کہ مولوی صاحب منصفانہ مناظرہ نہ کریں گے اگر کشف سے معلوم ہوگیا تھا تو اتمام حجت کے لئے صرف دوتین گھنٹے ان کی تقریر ایک مجمع میں سن لی جاتی۔ اوراس کے بعد ثابت کیا جاتا کہ وہ تقریر ظالمانہ تھی جس سے اہل مجمع خود انصاف کرلیتے کہ کون حق پر ہے۔

مرزا صاحب کا مقصود اس قسم کے اشتہارات سے یہی ہوا کرتا ہے کہ بالائی تدابیر سے کام نکال لیں جن سے ناواقف معتقد ہوجائیں اوراگر کوئی مقابل ہوجائے تو پہلو تہی کرنے میں کون چیز مانع ہے جیسا کہ مولوی صاحب کو دعوت دے کر پہلو تہی کرگئے۔ اسی طرح اخبارالاخیار کے اشتہار کا بھی وہی حال ہوا اب دیکھئے کہ اشتہار مذکور کے دیکھنے

والوں کو کیونکر دھوکا نہ ہو کس تصریح سے لکھتے ہیں کہ قرآن سے، حدیث سے، عقل سے، کرامتوں سے ہر طرح سے اپنا مدعا ثابت کرنے کو موجود ہوں۔ ایسے اعلان کے بعد ان کی حقانیت میں کس کو شبہ رہے گا۔ ہر جاہل یہی کہے گا کہ مرزا صاحب قرآن وحدیث وکرامات سے اپنی عیسویت ثابت کرنے کو موجود ہیں اور کوئی مولوی مقابل نہیں ہو سکتا۔ مگر جب اس کا موقع آیا اور علماء مباحثہ پر آمادہ ہوئے تو وہ سب کالعدم اور نسیاً منسیاً ہو گیا۔ چنانچہ الہامات مرزا میں لکھا ہے کہ اس اشتہار کے بعد جب ندوۃ العلماء کا جلسہ امرت سر میں ہوا تو علمائے موجودین جلسہ نے مرزا صاحب کے نام خط لکھا کہ آپ کی تحریر کے مطابق ہم لوگ بحث کرنے کے لئے حاضر ہیں اور پہلے آپ کو اس کی اطلاع بھی ہو چکی ہے اس لئے قلت وقت کا عذر بھی نہیں رہا اور آپ کو اپنے خیالات کی اشاعت اور تحقیق حق کا اس سے بہتر موقع نہ مل سکے گا الخ۔ اور یہ خط مرزا صاحب کو پہنچ بھی گیا چنانچہ ڈاک خانے کی رسید موجود ہے مگر مرزا صاحب نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔

عقلاء سمجھ سکتے ہیں کہ اس شد و مد کے اشتہار کے بعد مرزا صاحب کا سکوت کیا کہہ رہا ہے؟ یہی کہہ رہا ہے کہ وہ لمبے چوڑے دعوے سب الفاظ ہی الفاظ تھے، نہ وہاں قرآن ہے، نہ حدیث، نہ عقل، نہ کرامت۔ کیوں کہ **السکوت فی موضع البیان بیان** اگر ان امور سے ایک خبر بھی مرزا صاحب کے پاس ہوتی تو اتنے علماء اور ایسے کثیر التعداد حاضرین جلسہ کے روبرو پیش کرنے کو ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھتے اور اس موقع میں ایسا الزام اپنے ذمہ نہ لگا لیتے جس سے غور کرنے والوں کے روبرو ایک مجموعہ بدعنوانیوں کا پیش ہو جاتا ہے۔

یوں تو مرزا صاحب کی پیشین گوئیاں بہت ساری ہیں۔ مگر یہ جو مذکور ہوئیں بطور دعوے اور تحدی اور معجزے کے رنگ میں تھیں جن پر مدار ان کی نبوت کا تھا اور الہاموں کی بنیاد پر یہاں تک زور دیا گیا تھا کہ اگر وہ صحیح نہ نکلیں تو مرزا صاحب کاذب دجال وملعون وغیرہ سمجھ لئے جائیں بلکہ سولی پر چڑھائے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ان میں ایک بھی صحیح

نہ نکلی۔ بلکہ مرزا صاحب نے صرف حیلوں اور سخن سازیوں سے کام لیا۔ انبیاء علیہم السلام جب معجزات بتلاتے تو کیا کسی کی مجال تھی کہ انکار کر سکے اور کیا ممکن ہے کہ محسوسات کا بھی انکار کیا جائے۔ مثلاً جس نے قمر کو شق ہوتے دیکھا اور کنکریوں کی تسبیح کانوں سے سن لی تو ان محسوسات کا کیونکر انکار کر سکتا تھا۔ اسی وجہ سے کفار یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ اس کارروائی میں دھوکا دیا گیا بلکہ بے ساختہ کہتے کہ یہ تو سحر ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ اس کو خلاف عقل اور انسانی طاقت سے خارج سمجھتے تھے اگر کہا جائے کہ کفار نبیوں کو کاذب بھی تو کہتے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبوت کی شان ان کے اذہان میں بہت ارفع تھی وہ آدمی کو اس قابل نہیں سمجھتے تھے کہ خدائے تعالیٰ اس کو اپنا رسول بنا کر بھیجے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **وَقَالُوْا مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَا اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ** چوں کہ رسالت امر غیر محسوس ہے اس لئے ان کو اس میں گفتگو کرنے کا موقع مل جاتا تھا اور باوجود معجزات وآیات بینات دیکھنے کے ازراہ عناد رسالت کی تکذیب کرتے کما قال اللہ تعالیٰ **وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ**۔ لیکن ان میں جو اہل انصاف تھے آیات ومعجزات دیکھنے کے بعد ضرور ایمان لاتے غرض کہ نبوت صادقہ کے پہچاننے کا طریقہ بھی معجزات ہیں جو طاقتِ بشریہ سے خارج ہوں۔

اگر مرزا صاحب کا کوئی دعویٰ خارق عادت اور طاقت بشریہ سے خارج ہوتا تو ان کے مخالف ان کو ساحر وکاہن کہتے۔ حالانکہ اس قسم کے القاب ان کے نہیں سنے گئے البتہ علماء نے ان کو کاذب، مفتری، دجال وغیرہ وغیرہ القاب سے ذکر کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے صرف فطری طاقت سے کام لیا۔ بخلاف انبیاء علیہم السلام کے کہ وہ اپنی حول وقوت سے علیحدہ تھے وہ صرف حق تعالیٰ کے حکم سے دعویٰ اور خوارق عادت چیز کا وعدہ کر دیتے تھے اور خدائے تعالیٰ ان کو سچا کرنے کے واسطے وہ دعویٰ اور وعدہ پورا فرما دیا کرتا

چنانچہ اس آیۂ شریفہ سے مستفاد ہے۔ وَقَالُوْا لَوْلَانُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّ اللهَ قَادِرٌ عَلٰى اَنْ يُّنَزِّلَ آيَةً۔

تقریر سابق سے معلوم ہوا کہ مرزا صاحب نے مولوی ثناء اللہ صاحب اور علمائے ندوہ کے مقابلے میں مناظرے سے گریز کیا۔ اور عبدالمجید صاحب مالک مطبع انصاری دہلی بیان للناس میں لکھتے ہیں کہ مرزا صاحب نے ۱۸۹۱ء میں اشتہار دیا تھا کہ میرے مسیح موعود ہونے کا سارا قرآن مجید مصدق اور تمام احادیث صحیحہ اس کی صحت کے شاہد ہیں۔ اس پر مولوی صاحب نے مرزا صاحب کے نام نوٹس دی کہ اگر آپ اپنے دعوے کو مجمع علماء میں ثابت کر دیں گے تو میں ایک ہزار روپیہ نقد آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا اور ایک سال تک ہر روز آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ یہ نوٹس ۱۳۰۹ھ میں دی گئی مگر اس کا کچھ جواب نہ دیا حالانکہ یہ نوٹس انجام آتھم کے پہلے دی گئی تھی اس وقت تو مرزا صاحب نے مناظرہ نہ کرنے پر قسم بھی کھائی نہ تھی کیوں کہ انجام آتھم کی تاریخ ''الہامات مرزا'' میں ۱۸۹۶ء لکھی ہے۔

الحاصل کئی شہادتوں سے ثابت ہے کہ مرزا صاحب نے علماء کے مقابلے میں آنے سے گریز کیا۔ اسی طرح مباہلے سے بھی گریز کیا جیسا کہ اس تحریر سے ظاہر ہے جو ازالۃ الاوہام صفحہ ۳۳۶ میں فرماتے ہیں۔ میاں عبدالحق صاحب نے مباہلے کی بھی درخواست کی تھی لیکن اب تک میں نہیں سمجھتا کہ ایسے اختلافی مسائل میں جن کی وجہ سے کوئی فریق کافر یا ظالم نہیں ٹھہر سکتا کیوں کر مباہلہ جائز ہے۔ قرآن شریف سے ظاہر ہے کہ مباہلے میں دونوں فریق کا اس بات پر یقین چاہیے کہ فریق مخالف میرا کاذب ہے یعنی عمدًا سچائی سے روگرداں ہے۔ مخطی نہیں ہے تا ہر ایک فریق **لعنت اللہ علی الکاذبین** کہہ سکے۔ اب اگر میاں عبدالحق اپنے قصور فہم کی وجہ سے مجھے کاذب خیال کرتے ہیں لیکن میں انہیں کاذب نہیں کہتا بلکہ مخطی جانتا ہوں اور مخطی مسلمان پر لعنت جائز نہیں کیا بجائے **لعنت**

الله علی الکاذبین کہ یہ کہنا جائز ہے کہ **لعنت الله علی المخطئین**۔ کوئی مجھے سمجھائے کہ اگر میں مباہلے میں فریق مخالف حق پر لعنت کروں تو کس طور سے کروں اگر میں **لعنت الله علی الکاذبین** کہوں تو صحیح نہیں کیوں کہ میں اپنے مخالفین کو کاذب تو نہیں سمجھتا بلکہ ماؤل مخطی سمجھتا ہوں اگر مخطی سے مباہلہ اور ملاعنہ جائز ہوتا تو اسلام کے تمامی فرقے باہم اختلاف سے بھرے ہوئے ہیں۔ بے شک باہم مباہلہ وملاعنہ کرسکتے تھے اور مباہلے میں جماعت کا ہونا بھی ضرور ہے۔ نص قرآن کریم جماعت کو ضروری ٹھہراتی ہے لیکن میاں عبدالحق صاحب نے اب تک ظاہر نہیں کیا کہ مشاہیر علماء کی جماعت اس قدر میرے ساتھ ہے اور نساء وابناء بھی ہیں۔ اور مباہلے میں یہ بھی ضرور ہے کہ اوّل ازالۂ شبہات کیا جائے بجز اس صورت کے کاذب قرار دینے میں کوئی تامل اور شبہ کی جگہ باقی نہ ہو لیکن میاں عبدالحق بحث مباحثہ کا تو نام تک نہیں لیتے انتہی۔

تفسیر درمنثور وابن جریر وغیرہ میں واقعہ مباہلے کی جو احادیث منقول ہیں۔ ان کا ماحصل یہ ہے کہ نجران کے چند نصاریٰ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر پوچھا کہ عیسیٰ بن مریم کے باب میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا مجھے اس وقت تو کچھ معلوم نہیں تم ٹھہرے رہو۔ جب مجھے معلوم کرایا جائے گا میں تم سے کہہ دوں گا اس کے بعد یہ آیۂ شریفہ نازل ہوئی۔ **اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ فَمَنْ حَاجَّکَ فِیْہِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَکُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَکُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَہِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ**۔ خلاصہ مطلب اس کا یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پیدائش میں مثل آدم علیہ السلام کے ہیں۔ یعنی بغیر باپ کے اگر اس میں کوئی جھگڑے تو کہہ دو کہ آؤ ہم تم اپنی اولاد اور عورتوں کو بلائیں اور عاجزی سے دعا کریں کہ

خدائے تعالیٰ جھوٹوں پر لعنت کرے۔ حضرت نے جب یہ آیہ شریفہ ان کو سنائی تو انہوں نے مسئلہ خلق عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں مانا اور چلے گئے۔ دوسرے روز حسب آیہ شریفہ آنحضرت ﷺ امام حسن اور امام حسین اور فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو لے کر تشریف لائے جب ان لوگوں نے حضرت کے جزم وصداقت کو دیکھا، گھبرا گئے اور جزیہ دینا قبول کیا۔ حضرت ﷺ نے فرمایا اگر وہ مباہلہ کرتے تو ضرور ہلاک ہو جاتے۔ انتہی ملخصاً

حق تعالیٰ میاں عبدالحق صاحب کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے طریقہ مسنونہ کو موقع پر یاد کر کے عمل میں کیا۔ جس کی صداقت کا معنوی اثر یہ ہوا کہ مرزا صاحب باوجود لمبے چوڑے دعووں کے خدا سے دوبدو ہو کر باتیں کیا کرتے ہیں۔ ان کے خدا نے ان کی کچھ مدد نہ کی اور عین معرکے کے وقت پیچھے ہٹ گئے۔ اگرچہ کہ اصل سبب کچھ اور تھا۔ لیکن بظاہر یہ چند اسباب بیان فرماتے ہیں۔

۱......مباہلے میں جماعت کا ہونا ضرور ہے۔

۲......دونو فریق کو یقین چاہیے کہ فریق مخالف میرا کاذب ہے۔

۳......اختلافی مسائل میں مباہلہ جائز نہیں۔

۴......پہلے مباحثہ اور ازالۂ شبہات ضرور ہے۔

امر اوّل کا ضروری نہ ہونا اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صرف اپنے فرزندوں کو ساتھ لیا تھا اور کفار کی طرف دو ہی شخص تھے جو اس وقت موجود تھے چنانچہ اس حدیث سے ثابت ہے جو بخاری اور مسلم وترمذی ونسائی وغیرہ میں ہے **ان العاقب والسید اتیا رسول اللہ فار ادان یلاعنھا** (الحدیث کذافی الدر المنثور) یعنی عاقب اور سیّد دو شخص تھے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تھے۔ جن سے مباہلہ کرنا حضرت نے چاہا تھا اگر طرفین میں جماعت شرط ہوتی تو کم سے کم دس ۱۰ بیس ۲۰ صحابہ کو آپ ساتھ لیتے

اور کفاروں سے بھی فرماتے کہ تمہارے بھی دس بیس علماء کو بلاؤ تا کہ میں مباہلہ کروں تم صرف دو ہی شخص ہو اس لئے میں مباہلہ کرنا نہیں چاہتا۔ جہاں آفتاب صداقت چمکتا ہوتا ہے۔ حیلوں کے تنگ و تاریک غاروں میں چھپے رہنا کب گوارا ہوتا ہے۔ اس کا تو مقتضائے ذاتی یہ ہے کہ کسی طرح بلند ہو کر خفاش طبیعتوں سے عرصۂ جہاں کو خالی کر دے۔ مقصود مباہلے سے یہی ہے کہ جھوٹے لوگ بددعا اور لعنت کے خوف سے ہٹ دھرمی چھوڑ دیں اور سچے اپنی صداقت کی وجہ سے کامیاب ہوں چوں کہ آدمی کو اپنی اولاد اور خاندان کی تباہی کا صدمہ اپنی تباہی سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے ذکور و اناث کو مباہلے میں ساتھ رکھنا حصول مقصود میں زیادہ تر موثر ہوگا۔ اسی وجہ سے حضرت نے صاحبزادی اور صاحبزادوں کو ہمراہ لیا اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نساء سے مراد یہاں لڑکیاں ہیں اور چونکہ حضرت کو یہ بات معلوم ہوگئی تھی کہ وہ لوگ جھوٹے ہیں مباہلے پر ہرگز جرات نہ کر سکیں گے۔ اس وجہ سے ان کو یہ فرمایا بھی نہیں کہ تم بھی اپنی اولاد کو لے آؤ غرض کہ جب انہوں نے حضرت کے جزم و صداقت کو دیکھا اور اپنی افترا پردازی پر بھی نظر ڈالی تو ان کو یقین ہوگیا کہ یہ دوہری لعنت فریقین کی خالی نہ جائے گی۔ بہت سے خاندانوں کو تباہ کر دے گی اس لئے وہ اس درخواست پر مجبور ہوئے کہ جس قدر روپیہ بطور جزیہ ہر سال کے لئے مقرر کیا جائے منظور ہے اور پورے قبیلے کی طرف سے ادا کرنے کو ہم حاضر ہیں مگر مباہلے سے معاف کئے جائیں جیسا کہ اس قول سے واضح ہے۔ **نعطیک ما سالت فابعث معنا رجلا اینا**۔ (کمافی البخاری والمسلم)۔ اس سے ایک بات اور معلوم ہوئی کہ مباہلہ قطعی فیصلہ ہوتا ہے اس لئے کہ جب وہ مقابلہ میں سر برنہ ہوئے تو خود ان کے دلوں نے انصاف کر لیا کہ ہم ہار گئے اور صلح پر مجبور ہو گئے ورنہ انہوں نے ابتداء مباہلے کی کوئی درخواست یا معاہدہ نہیں کیا تھا جس کے عدم ایفاء کے معاوضے میں زر کثیر جزیہ کا اپنے ذمہ لیا

بلکہ حضرت نے ان سے مباہلے کو فرمایا تھا اگر مباہلہ فیصلہ نہ سمجھا جاتا تو وہ صاف کہہ دیتے کہ حضرت ہم نے کب اس کی درخواست کی تھی جو ہم پر یہ لازم کیا جارہا ہے۔ غرض اس سے معلوم ہوا کہ دونوں فریقوں میں سے جو فریق مباہلہ چاہے دوسرے پر وہ لازم ہوجاتا ہے اور نہ کرنے کی صورت میں وہ جھوٹا سمجھا جائے گا۔ جیسے مدعی علیہ کے نکول یعنی انکار قسم سے مدعی کا حق ثابت ہوجاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ انکار کی وجہ سے مرزا صاحب کا جھوٹ پر ہونا ثابت ہوگیا۔

اور یہ جو فرماتے ہیں کہ دونوں فریق کو فریقین چاہیے کہ فریق مخالف میرا کاذب ہے سو وہ صرف حیلہ ہے ابھی معلوم ہوا کہ مباہلے سے مقصود یہی ہے کہ سچے اور جھوٹے کی تمیز ہوجائے اس لئے کہ قولہ تعالیٰ **ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ.** سے ظاہر ہے کہ دونوں فریق کمال تضرع وزاری سے دعا کریں کہ الٰہی خواہ میں ہوں یا میرا مخالف دونوں میں سے جو جھوٹا ہو اس پر تو لعنت کر اور اس کے خاندان کو تباہ کردے اس سے ظاہر ہے کہ جھوٹے پر دوہری لعنت ہوتی ہے ایک وہ جو جان بوجھ کر تضرع کے ساتھ ایک مجمع کو گواہ کرکے خدائے تعالیٰ سے کہتا ہے کہ مجھ پر لعنت کر اور میرے خاندان کو تباہ کردے۔ دوسری لعنت مقابل کی جانب سے جو صدق دل سے نکلتی ہے۔ اور مرزا صاحب بھی کسی مقام میں فرماتے ہیں کہ سچے کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے غرض کہ اس دوہری لعنت سے جھوٹے پر رعب غالب ہوجاتا ہے جس سے وہ جرات نہیں کرسکتا اور سب لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ وہ جھوٹا ہے۔ اس کی تصدیق آیت لعان سے ہوتی ہے جو سورۂ نور میں ہے کہ جب مرد اپنی عورت پر زنا کی تہمت لگائے اور عورت اس سے انکار کرے تو لعان پر فیصلہ قرار دیا گیا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے مرد چار بار قسم کھا کر کہے کہ میں اس دعوے میں سچا ہوں اور پانچویں بار کہے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔ اس کے بعد عورت پر ضرور ہوتا ہے کہ وہ بھی چار بار قسم کھا کر پانچویں بار کہے کہ اگر مرد سچا ہو تو مجھ پر خدا

کا غضب آئے۔ اس موقع میں اگر عورت یہ حیلہ کرے کہ میں اس کو جھوٹا نہیں سمجھتی شاید اس کو اشتباہ ہوگیا ہے کہ تاریکی میں دوسری عورت کو دیکھ کر میرا خیال کرلیا ہے یا اس قسم کی کوئی اور بات بتائی تو مقبول نہیں، بلکہ قید کی جائے گی۔ اس وقت تک کہ لعان کرے یا مرد کی تصدیق کرلے اس سے بھی معلوم ہوا کہ لعنت صرف اس غرض سے طرفین میں مقرر کی گئی ہے کہ جھوٹا لعنت کے خوف سے فریق مقابل کی تصدیق کرلے اور فیصلہ ہوجائے۔ الغرض مباہلے میں جو **لعنۃ اللہ علی الکاذبین** کہا جاتا ہے اس سے یہ مقصود نہیں جو مرزا صاحب کہتے ہیں کہ اپنے مقابل کو جھوٹا سمجھ کر اس پر لعنت کرے اور یہ کہے کہ تو جھوٹا ہے تجھ پر لعنت ہے پھر مقابل اس کے جواب میں کہے تو جھوٹا ہے اور لعنت تجھ پر ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ طرفین سے مار پیٹ ہوکر بجائے مباہلہ مقاتلہ ہوجائے گا جس سے شریعت روکتی ہے۔ بلکہ یہ دعا ہوتی ہے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھی پر لعنت ہو۔ حیرت ہے مرزا صاحب ایسی موٹی بات کو بھی نہیں سمجھتے اس پر معارف و دقائق کا دعویٰ ہے اب ہم اس بات پر بھی دلیل پیش کرتے ہیں کہ مرزا صاحب جو مباہلے سے ہٹ گئے اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ انہوں نے اپنے فریق مخالف کو کاذب نہیں سمجھا ان کے اقوال سے ظاہر ہے کہ وہ مخالفوں کو کیا سمجھتے ہیں۔ عصائے موسیٰ صفحہ ۱۴۴ میں ایک فہرست ان کی تصنیفات سے نقل کی ہے جن الفاظ اور القاب سے مخالفین کو یاد کرتے ہیں منجملہ ان کے چند یہ ہیں۔ اوّل الکافرین، دشمن اللہ ورسول کے، بے ایمان، حق وراستی سے منحرف، جھوٹ کی نجاست کھائی، جھوٹ کا گوہ کھایا، زندیق، سچائی چھوڑنے کی لعنت انہیں پر برستی ہے، لعنت کی موت، منافق ہامان ہالکین، یہودی سیرت علیہم نعال لعن اللہ الف الف مرۃ۔ مخالف اور مکذبوں پر لعنت پڑی ہے جو دم نہیں مار سکتے۔ مکذبوں کے دل پر خدا کی لعنت پس میں نے اشتہار دیدیا ہے جو شخص اس کے بعد سیدھے طریق سے میرے ساتھ معاملہ نہ کرے اور نہ تکذیب سے باز آئے وہ خدا

کی لعنت اور فرشتوں کی لعنت اور تمام صلحاء کی لعنت کے نیچے ہے۔ انتہی ملخصا۔ اب دیکھئے کہ مخالفین کو جھوٹا سمجھا یا نہیں؟ اور لعنت کا تو اشتہار ہی دے دیا پھر مباہلے میں اس کے سوا اور کیا رکھا تھا۔ اس کے بعد مباہلے سے انکار کرنے کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ دوہری لعنت سے گھبرا گئے جس سے یک طرفہ فیصلہ ہو گیا۔ اب باتیں بنانے سے کیا ہوگا۔ جب مرزا صاحب کا یہی خیال تھا کہ مباہلے میں فریق مقابل کو جھوٹا کہنا اور لعنت کرنا ہوتا ہے تو یہ دونوں کام تو ہمیشہ جاری ہیں صرف ایک منٹ کے لئے تضیع اوقات ہی سمجھ کر مقابلے میں مباہلہ کر لیتے اگر چہ طرفین سے قسماقسمی ہونے کی وجہ سے فیصلہ تو کیا ہوتا مگر ان کے اتباع کو یہ کہنے کا موقع تو ملتا کہ مرزا صاحب بھی مباہلے میں ٹلے نہیں۔ رہی اندرونی سزا وہ جس کے حصے میں ہوتی، وقت پر ہو رہتی۔ اور جو یہ صفحہ ۵۹۶ میں لکھتے ہیں کہ اب عقلمند سوچ سکتا ہے کہ اگر مباہلہ اور بلاغت کے بعد صاعقۂ قہر الٰہی فرقۂ مخطیہ پر ضروری الوقوع ہے تو کیا اس کا بجز اس کے کوئی اور نتیجہ ہوگا کہ ایک دفعہ خدائے تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ہلاک کر دے گا انتہی۔ مرزا صاحب کو اگر یہ خوف ہوتا تو کسی پر لعنت ہی نہ کرتے اور جب خود بھی لعنت بکثرت کرتے ہیں۔ اور دوسرے بھی ان پر کیا کرتے ہیں جس کی ان کو شکایت ہے تو اس صورت میں ملاعنہ خود ہی ہو گیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ فقط ملاعنہ سے دنیوی عذاب نہیں ہوتا اور حضرت ﷺ نے جو فرمایا کہ یہود و نصاریٰ مباہلہ کرتے تو ہلاک ہو جاتے۔ وہ حضرت ﷺ کا معجزہ تھا۔ البتہ مباہلے سے جھوٹے کے لئے عذاب اخروی کا استحقاق ہو جاتا ہے اور اس کو دنیوی عذاب کا خوف بھی لگا رہتا ہے اس لئے وہ مباہلے پر راضی نہیں ہو سکتا۔

اس سے زیادہ لطف کی بات یہ ہے جو فرماتے ہیں اگر مباہلہ کے وقت فریق مخالف حق پر لعنت کروں تو کس طور سے کروں۔ مرزا صاحب کو اب تک حق کے معنی کی طرف توجہ کرنے کا اتفاق ہی نہیں ہوا۔ حضرت حق مقابل باطل ہے۔ اسی وجہ سے اہل اسلام کہتے ہیں کہ ہمارا دین حق

ہے اوراس کے مخالف ادیان کوادیان باطلہ کہتے ہیں پھر جب آپ مخالفین کو مخالف حق فرمارہے ہیں تو ان کوکاذب سمجھنے میں کیوں تامل کیا گیا اور طرفہ یہ کہ آپ کو الہام بھی ہو چکا ہے کہ جتنے ان کے منکر ہیں سب کافر ہیں۔ جیسا کہ ازالۃ الاوہام صفحہ ۸۵۵ میں لکھتے ہیں یہ الہام مجھ کو ہوا۔ **وَاِنْ یتخذونک الا ھزوا اھذا الذی بعث اللہ قل یا ایھا الکفار انی من الصادقین**۔ یعنی وہ لوگ مجھ سے ٹھٹھا کرتے ہیں کہ کیا اسی کو اللہ نے بھیجا ہے ان سے کہہ دے اے کافرو میں سچا ہوں۔ اب دیکھئے کہ جب اللہ نے ان سے کہہ دیا کہ تو سچا ہے اور مقابلے کے لوگ جھوٹے ہیں۔ بلکہ کافر ہیں تو اب مباہلے میں کیا تامل تھا پورا پورا سامان وہی ہو گیا، جو آنحضرت ﷺ کے وقت ہوا تھا۔ حق تعالیٰ نے جب حضرت کو خبر دی فوراً مباہلے کے لئے میدان میں تشریف لے گئے۔ پھر مرزا صاحب کو بھی تو خدا ہی نے خبر دی کہ وہ صادق ہیں اور ان کے مقابل کاذب بلکہ کافر ہیں تو بجائے سبقت کے پسپائی کیسی۔ اگر اہل انصاف اسی ایک واقعہ کو پیش نظر کر لیں تو مرزا صاحب کے جملہ دعاوی کے فیصلہ کے لئے کافی ہے۔ مشت نمونہ از خروارے۔

اس سے ظاہر ہے کہ **قل یا ایھا الکفار** والا الہام ان پر ہوا ہی نہیں۔ خلاصہ یہ کہ کوئی حیلہ بن نہیں سکتا اور جو حیلے بنا رہے ہیں وہ انکار مباہلے سے بھی زیادہ تر بدنما قابلِ شرم ہیں۔

اور یہ جو فرماتے ہیں کہ اختلافی مسائل میں مباہلہ جائز نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں فریقین کا استدلال قرآن وحدیث سے ہوتا ہے اور معانی محتملہ نصوص یا ضعف وقوت احادیث یا اختلاف طرق استدلال وغیرہ کی وجہ سے اختلاف جو پیدا ہوتا ہے اس کی وجہ سے کسی جانب قطعیت نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے مباہلے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ مرزا صاحب کے ساتھ اختلاف ایسا نہیں ہے۔ وہ جو اپنی عیسویت ثابت کرتے ہیں ممکن نہیں کہ اس کا ذکر کہیں قرآن یا حدیث میں مل سکے اور جو علامات عیسیٰ علیہ السلام کی احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں وہ مرزا صاحب میں پائی نہیں جاتیں۔ اور ان کی کاروائیوں سے مسلمانوں کو یقین کلی ہے کہ

مثل اور جھوٹے نبیوں کے وہ بھی ایک مدعی نبوت ہیں۔ اور مرزا صاحب کہتے ہیں کہ خدا نے مجھے الہاموں اور وحی سے بلکہ بے پردہ ہو کر بالمشافہ فرمادیا کہ تو خلیفۃ اللہ اور عیسیٰ موعود وغیرہ ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ ان کو بھی اپنے حق پر ہونے کا اور مخالفین کے باطل پر ہونے کا یقین کامل ہے۔ جب دونوں جانب اس بات کی قطعیت اور یقین ہے کہ ہم حق پر ہیں اور ہمارا مخالف باطل پر ہے۔ تو اب مباہلہ کرنے اور جھوٹے پر لعنت کرنے میں کیا تامل ہے اگر یہ دعویٰ ان کا فی الواقع صحیح اور سچا تھا تو مباہلے کی درخواست پہلے ان کی جانب سے ہوتی بلکہ بغیر مباہلے کے خود یہ کہتے کہ اگر اس دعوے میں میں جھوٹا ہوں تو خدا مجھ پر لعنت کرے بخلاف اس کے عجیب بات یہ ہے کہ مخالفین تو مباہلے پر آمادہ ہیں اور مرزا صاحب گریز کر رہے ہیں اور فرماتے کیا ہیں کہ میں ان کو کاذب نہیں سمجھتا۔ جس کا مطلب یہ ہوا میں جو کہتا ہوں، جھوٹ ہے۔ کیوں کہ جب مخالف کاذب نہ ہوں تو لامحالہ مرزا صاحب کی طرف الزام کذب عائد ہوگا۔ غرض کہ مرزا صاحب کے دعوے کا قیاس اختلافی مسائل پر ہو نہیں سکتا۔ یہاں یہ بھی غور کرلیا جائے کہ اگر بالفرض ابومنصور کشف کے ساتھ مرزا صاحب کو مباہلے کا اتفاق ہوتا اور وہ یہ کہتا کہ میں آپ کو کاذب نہیں سمجھتا بلکہ مخطی سمجھتا ہوں۔ اس لئے مباہلہ نہیں کرتا تو کیا اس کا یہ قول صحیح ہوسکتا اور مرزا صاحب منظور فرمالیتے۔ اس فرضی مثال کو بھی جانے دیجئے۔ نصارائے نجران اگر آنحضرت ﷺ کے مقابلے میں کہتے کہ ہم آپ کو کاذب نہیں سمجھتے بلکہ مخطی سمجھتے ہیں۔ اس لئے مباہلہ نہیں کرتے تو کیا ان کی بات چل جاتی آخر وہ بھی بڑے ہوشیار تھے اگر ذرا بھی موقع پاتے تو لاکھوں روپیوں کا نقصان کیوں گوارا کرتے بلکہ اگر یہ احتمال قابل پذیرائی ہوتا تو خود آنحضرت ﷺ اپنی طرف سے ان کو فرمادیتے۔

الحاصل مباہلے میں نہ فریق مقابل کا لحاظ ہے، نہ مسئلہ کی خصوصیت، بلکہ مدار اس کا جزم پر ہے۔ جس کو کسی بات کا جزم ہوتا ہے وہ مباہلے کے واسطے مستعد ہوجاتا ہے جیسا

کہ اس روایت سے ظاہر ہے جو کنز العمال صفحہ ۱۱ج ۶ میں ہے۔ **عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما قال وددت انی وھولاء الذین یخالفون فی الفریضۃ تجتمع فنضع ایدینا علی الرکن ثم نبتھل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین ماحکم اللہ بماقالوا (ض غب)** یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ مجھے خواہش ہے کہ میں اور وہ لوگ جو مسائل فرائض میں مخالفت کرتے ہیں کعبہ کے پاس جمع ہوں اور رکن پر اپنے ہاتھ رکھ کر عاجزی سے دعا کریں اور یہ کہیں کہ اللہ جھوٹوں پر لعنت کرے۔ اور روح المعانی میں آیۂ مباہلہ کی تفسیر میں یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کسی مسئلہ میں ایک شخص کے ساتھ مباہلہ کیا اور آیت مباہلہ کو پڑھ کر کمال تضرع سے دعا کی کہ جو جھوٹا ہے اس پر لعنت ہو۔ اور عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مباہلہ بھی ثابت ہے۔ چنانچہ مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ ۵۹۶ میں لکھتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو مباہلے کی درخواست کی تھی وہ ایک معمولی آدمی تھا اگر جزئی اختلاف میں مباہلے کی درخواست کی تو سخت خطا کی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی جلالت شان تمام صحابہ میں مسلّم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نسبت فرمایا کہ اگر بغیر مشاورت کے کسی کو میں امیر کرتا تو ابن مسعود کو کرتا۔ حضرت کے ساتھ ان کو وہ خصوصیت تھی کہ اہل بیت میں سمجھے جاتے تھے اور ان کا تبحر علمی اور کثرت روایت کتب حدیث واقوال محدثین سے ثابت ہے جیسا کہ **اصابہ فی احوال الصَّحابہ اور اسد الغابہ** وغیرہ میں مذکور ہے۔ مرزا صاحب ایسے جلیل القدر صحابی کی نسبت لکھتے ہیں کہ وہ ایک معمولی آدمی تھا یعنی بے علم محض اسی لئے مسئلہ مباہلہ میں انہوں نے سخت خطا کی۔ مرزا صاحب نے جہاں ان کی خطا کو ذکر کیا تھا کوئی روایت یا حدیث بھی لکھ دیتے کہ انہوں نے اس کے خلاف کیا تا کہ مرزا صاحب کا مبلغ علم بھی معلوم ہو جاتا۔

الغرض جلیل القدر صحابہ کے عمل سے مرزا صاحب کا وہ عذر بھی جاتا رہا کہ اختلافی

مسائل میں مباہلہ جائز نہیں مگر حیرت یہ ہے کہ مرزا صاحب اس مسئلے کو اب تک اختلافی سمجھ رہے ہیں، نئی نبوت قائم کرلی، اس کے مخالفین کافر ٹھہرائے گئے، مباینت ملت کا حکم قائم کردیا گیا، اگر اس پر بھی اختلاف ہی سمجھا جائے تو مسیلمہ کذاب کی نبوت کو بھی اختلافی کہنا پڑے گا۔ حالانکہ کوئی مسلمان اس کا قائل نہیں اب رہا یہ کہ مباہلے کے پہلے ازالۂ شبہات اور مباحثہ ضرور ہے سو وہ بھی خلاف واقع ہے اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے نصارائے نجران سے نہ مباحثہ فرمایا، نہ ازالۂ شبہات بلکہ ابتداء یہی ارشاد ہوا کہ اگر ہماری بات نہیں مانتے ہو تو مباہلہ کرو۔ جیسا کہ آیۂ شریفہ **فَاِنْ حَاجُّوکَ فَقُلْ تَعالَوْا** سے ظاہر ہے اور مباحثہ تو مرزا صاحب کے ساتھ سالہائے سال سے جاری ہے مناظرے سے تجاوز کرکے نوبت مکابرہ اور مجادلہ تک پہنچ گئی ہے۔ آخر نوبت بایں جارسید کہ جناب عبدالحق صاحب نے جو فریق مقابل ہی کے ایک شخص ہیں۔ مباہلے پر فیصلہ قرار دیا اور بفضلہ تعالیٰ ان کی ہمت اور رعب صداقت سے فیصلہ ہو ہی گیا۔ **اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ**

یہاں ایک بات اور بھی معلوم کرلیجئے کہ مرزا صاحب کا جوش غضب فریق مقابل پر اور لعنت کی بوچھاڑ اور تکفیر وغیرہ کا حال ابھی معلوم ہوا اور مباہلے کے وقت کمال تہذیب اور دبی زبان سے جو فرمایا وہ بھی معلوم ہوا کہ میں فریق مقابل کو کاذب نہیں کہتا۔ اگر مباہلے میں ان پر لعنت کروں تو کس طرح کروں۔ اس سے ظاہر ہے کہ جس قدر آپ نے مخالفین پر لعنت وغیرہ کی ہے، سب واپس لیا۔ اس کا مسلمانوں کو شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ اب رہیں وہ حدیثیں جو لعنت اور تکفیر کے باب میں وارد ہیں سو وہ مرزا صاحب اور خدائے تعالیٰ کا درمیانی معاملہ ہے اس میں ہمیں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ اگرچہ اس باب میں احادیث بکثرت وارد ہیں۔ مگر ہم صرف دو ہی اس غرض سے نقل کرتے ہیں کہ ہمارے احباب مرزا صاحب کا طریقہ اختیار نہ کریں۔ **عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ ایما رجل قال لاخیہ کافر فقد باءبھا احد ھما** (متفق

علیہ) یعنی بخاری اور مسلم میں ہے کہ فرمایا نبی ﷺ نے جو شخص کسی مسلمان کو کافر کہے تو وہ تکفیر ان دونوں سے کسی ایک کی ضرور ہو جاتی ہے۔ **عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ انه من لعن شيئاً ليس له باهل رجعت اللعنة عليه** (رواہ الترمذی وابوداؤد وذکرھما فی المشکوٰۃ)۔ فرمایا نبی ﷺ نے جو شخص کسی پر لعنت کرے جس کا وہ مستحق نہیں تو لعنت اسی لعنت کرنے والے پر لوٹتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ لعنت وتکفیر اگر بے محل کی جائے تو لعنت کرنے والا ہی کافر اور ملعون ہو جاتا ہے۔ اور اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کہا گیا ہے۔

مصرع　　　　برآید انچہ از فوارہ فوراً ہم بر ور یزد

جب احادیث صحیحہ سے تکفیر اور لعنت کا لوٹنا بحسب اقرار مرزا صاحب ثابت ہے تو دوسرے تمام الفاظ مندرجۂ فہرست مذکورہ سب اس میں داخل ہیں۔ جیسا کہ عرب کا مقولہ ہے۔ **کل الضید فی جوف الفرا۔**

الحاصل کئی واقعوں کی شہادت سے ثابت ہے کہ مرزا صاحب بڑے بڑے معرکوں اور علماء کے مقابلے میں گریز کرتے رہے۔ حالانکہ نبی کی یہ شان نہیں کہ کسی کے مقابلے میں گریز کر جائے۔

اگرچہ اس موقعہ میں آنحضرت ﷺ کے حالات کا لکھنا بالکل نامناسب تھا لیکن **الضرورات تبيح المحظورات** پر عمل کر کے چند واقعات ہم نقل کرتے ہیں۔ جن کو امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے خصائص کبریٰ میں کتب معتبرہ سے نقل کیا ہے۔ ان سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ جو کوئی کسی بد نیتی یا امتحان یا الزام کی غرض سے حضرت ﷺ کے روبرو آیا اس کا جواب پورے طور سے دیا گیا۔ کبھی ایسا نہوا کہ آپ کسی کے مقابلے سے ہٹ گئے ہوں۔

ایک بار بنی تمیم کے قبیلے کے خطیب وشاعر وغیرہ حسب عادت عرب مقابلہ کی غرض سے حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جب ان کے خطیب نے خطبہ پڑھا تو حضرت ﷺ نے ثابت بن قیس کو حکم فرمایا کہ خطبہ پڑھیں اور جب ان کے شاعر نے اشعار

پڑھے تو حضرت نے حسان بن ثابت سے جواب دینے کو کہا۔ چنانچہ فی البدایہ انہوں نے اسی بحر و قافیہ میں جواب دیا۔ غرض کہ حضرت کی تائید باطنی سے اسلامی خطیب و شاعر نے ایسے دندان شکن جواب دیئے کہ مخالفین بھی مان گئے اور بے اختیار کہہ اٹھے کہ ان کو غیبی تائید ہے۔

ابی بن خلف جو ایک مشہور جوانمرد شخص تھا بڑی تیاری سے غزوۂ احد میں خاص اس غرض سے آیا تھا کہ فقط حضرت ﷺ ہی سے مقابلہ کرے۔ حضرت ﷺ یہ سن چکے تھے جب وہ معرکے میں گھوڑے کو دوڑا کر حضرت ﷺ کے قریب پہنچ گیا۔ صحابہ نے چاہا کہ حائل ہوں۔ حضرت ﷺ ان کو ہٹا کر خود آگے بڑھے اور ایک نیزہ اس کو ایسا مارا کہ جس سے وہ واصل جہنم ہو گیا۔

رکانہ نام ایک پہلوان نہایت قوی اور زور آور تھا جس سے تمام عرب ڈرتے تھے اس نے حضرت سے کشتی کی درخواست کی اور یہ شرط ٹھہرائی کہ اگر آپ غالب ہو جائیں تو دس بکریاں لا دوں گا۔ حضرت ﷺ نے تین بار اس کو پچھاڑا۔ ہر بار وہ یہی کہتا کہ لات وعزیٰ نے میری مدد نہیں کی اور آپ کے معبود نے آپ کی مدد کی۔ جب وہ حسب وعدہ بکریاں دینا چاہا۔ آپ نے فرمایا اس کی ضرورت نہیں اسلام قبول کر۔ اس نے کہا کہ فلاں درخت آپ کے بلانے پر آجائے تو میں اسلام قبول کر لوں گا۔ چنانچہ آپ کے اشارے پر وہ درخت زمین پر چلتا فوراً روبرو آ کھڑا ہوا اور واپسی کے حکم پر اپنے مقام پر چلا گیا۔

عامر بن طفیل اور اربد بن قیس جو کسی قبیلے کے سردار اور جوانمرد لوگ تھے یہ مشورہ کر کے حضرت ﷺ کے پاس آئے کہ عامر حضرت ﷺ کو باتوں میں مشغول کرے اور اربد قتل کر ڈالے۔ چنانچہ عامر نے تخلیہ کے بہانے سے حضرت ﷺ کو علیحدہ لے جا کر باتوں میں مشغول کیا اور اربد نے چاہا کہ تلوار کھینچے، اس کا ہاتھ خشک ہو گیا۔ پھر وہ دونوں چلے گئے اور اسی قربت میں اربد پر بجلی گری اور عامر کے حلق میں غدود پیدا ہوا۔ غرض تھوڑے عرصے میں دونوں فی النار ہو گئے، یہ باطنی مقابلہ تھا۔

ایک بار ابوجہل وغیرہ کفار حضرت ﷺ کے قتل کے ارادے سے آئے آپ اس وقت نماز میں مشغول اور قرآن باآواز بلند پڑھ رہے تھے۔ ہر شخص آواز کی طرف قصد کرتا مگر یہ معلوم ہوتا کہ آواز اپنے پیچھے کی جانب ہے، فوراً مڑ جاتا۔ جب بھی آواز پیچھے ہی معلوم ہوتی۔ غرض ہر شخص نے بہت کوشش کی کہ آواز کے مقابل ہو کر ہاتھ چلائے مگر وہ موقع کسی کے ہاتھ نہ آیا، آخر مایوس ہو کر لوٹ گئے۔ بہر حال کفار کا غلبہ نہ ہو سکا۔

ایک بار کفار اذیت رسانی کی غرض سے حضرت ﷺ کے پاس آئے جب قریب پہنچے تو سب کے ہاتھ بغیر رسی کے گردنوں پر بندھ گئے۔

نضر بن حارث نے حضرت ﷺ کو کسی جنگل میں تنہا پا کر چاہا کہ حملہ کرے فوراً چند شیر نمودار ہو گئے جن سے ڈر کر بھاگ گیا۔

ایک روز کفار نے حضرت ﷺ پر حملہ کرنا چاہا غیب سے ایسی سخت ہیبت ناک آواز آئی کہ سب بے ہوش ہو گئے اور اتنی دیر پڑے رہے کہ حضرت ﷺ باطمینان نماز سے فارغ ہو کر گھر تشریف لے گئے۔

اس قسم کے اور بہت سے واقعات ہیں جن کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں غرضکہ احادیث متعددہ سے بتواتر ثابت ہے کہ ہر موقع میں حق تعالیٰ اپنے نبی کریم ﷺ کی تائید غیب سے فرماتا اور حضرت کو اس کی فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہ ہوتی بخلاف اس کے مرزا صاحب کے یہاں معاملہ بالعکس ہے کہ مخالفین کو وہ اعتراض کے مواقع غیبی تائید سے ہاتھ آ جاتے ہیں۔ جن کے جواب میں مرزا صاحب کا دماغ یاری نہیں دیتا۔ آخر زبان سے کام لینے لگتے ہیں اور ایسے مغلظات سناتے ہیں کہ **الامان** یہ امر پوشیدہ نہیں کہ آدمی گالیاں اسی وقت دیتا ہے جب جواب دینے سے عاجز ہو جاتا ہے۔ **اذا یئس الانسان طال لسانہ**

مرزا صاحب کی پیشین گوئیوں کا حال معلوم ہوا کہ کس قدر تدابیر ان میں عمل میں

لائی گئیں باوجود اس کے ان کو وہ ثابت بھی نہیں کر سکتے۔ چنانچہ الہامات مرزا کے عنوان پر لکھا ہے کہ اس رسالے میں مرزا صاحب قادیانی کے الہاموں پر مفصل بحث کر کے ان کو محض غلط ثابت کیا گیا ہے۔ اس کے جواب کے لئے طبع اول پر مرزا صاحب کو مبلغ پانسو روپیہ (۵۰۰) انعام تھا۔ طبع ثانی پر ہزار (۱۰۰۰) کیا گیا۔ اب طبع ثالث پر پورا مبلغ دو ہزار (۲۰۰۰) کیا جاتا ہے۔ اگر وہ ایک سال تک جواب دیں تو انعام مذکور ان کے پیش کش کیا جائیگا۔ **وَاِنْ لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التي وقودها الناس والحجارة**۔ واضح رہے کہ رسالۂ مذکورہ میں وہی الہامات ہیں جو پیشین گوئیوں سے متعلق ہیں جن کے اثبات پر مولوی ثناء اللہ صاحب نے بار بار انعام کا وعدہ کیا۔ مگر مرزا صاحب ثابت نہ کر سکے جس سے ظاہر ہے کہ وہ الہامی پیشین گوئیاں صرف دعوای ہی دعوی تھیں وقوع ایک کا بھی نہیں ہوا۔

اب چند وہ پیشین گوئیاں بھی دیکھ لیجئے جو مناسب حال انبیاء ہیں خصائص کبریٰ میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے معتبر حدیثوں کی کتابوں سے جو روایتیں نقل کی ہیں اختصار کے لئے ان کا ماحصل یہاں لکھا جاتا ہے۔

بدر کے روز حضرت ﷺ نے سرداران قریش کے گرنے کی جگہ بتلا دی تھی۔ جب دیکھا گیا تو ہر شخص کی لاش وہیں پڑی تھی جہاں اس کے گرنے کی پیشین گوئی کی گئی تھی۔

عتبہ بن ابی وقاص کی نسبت فرمایا کہ وہ ایک برس کے اندر کفر پر مرے گا ایسا ہی ہوا۔

غزوۂ احزاب میں تقریباً تمام ملک عرب کے قبائل نے مدینہ منورہ پر چڑھائی کی حضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایک ایسی ہوا چلے گی کہ وہ سب پریشان ہو کر بھاگ جائیں گے ایسا ہی ہوا کہ ایسی سخت ہوا چلی کہ ان کے خیمے اڑ گئے، کجاوے زمین میں دھنس گئے اور اس بدحواسی سے بھاگے کہ کسی کو کسی کی خبر نہ تھی۔

حضرت ﷺ نے ابن بیح کو قتل کرنے کے لئے عبداللہ ابن انیس سے فرمایا وہ اس کو پہچانتے نہ تھے اس لئے نشانی پوچھی۔ فرمایا کہ جب تم اس کو دیکھو گے ہیبت اور خوف سے تمہارے جسم پر بال کھڑے ہو جائیں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھ پر کسی کا خوف کبھی غالب نہیں ہوتا تھا مگر اس کو دیکھتے ہی تھوڑی دیر وہ حالت طاری رہی جو حضرت ﷺ نے فرمایا تھا میں نے پہچان کر اس کو قتل کر ڈالا۔

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو کچھ لشکر کے ساتھ آپ نے دومۃ الجندل کو روانہ کیا اور فرمایا کہ تمہارے ہاتھ پر وہ ملک فتح ہو گا وہاں کے بادشاہ کی لڑکی کو تم نکاح کر لو چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

خالد بن ولید اسلام لانے کے لئے جب مدینے کی طرف روانہ ہوئے حضرت ﷺ نے ان کے آنے کے پہلے ہی خبر دے دی کہ وہ آ رہے ہیں۔

عامر ایک رات اشعار پڑھتے جا رہے تھے۔ حضرت ﷺ نے پوچھا یہ کون ہیں؟ کسی نے کہا عامر ہیں۔ فرمایا اللہ عامر پر رحم کرے۔ یہ سنتے ہی بعض صحابہ نے مطلب حضرت ﷺ کا سمجھ کر عرض کیا۔ اور چند روز ان سے ہمیں فائدہ اٹھانے کیوں نہ دیا یا رسول اللہ؟ غرض اسی سفر میں وہ شہید ہو گئے۔

حضرت ﷺ نے پہلے ہی خبر دی تھی کہ روم اور فارس اور یمن مفتوح ہوں گے اور یہ خبر اس وقت دی تھی کہ سوائے حضرت خدیجہ کبریٰ اور علی اور ابوبکر صدیق رضوان اللہ علیہم اجمعین کے کوئی حضور ﷺ کا رفیق اور غم خوار نہ تھا۔

ایک بار حضرت ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ چار سو (۴۰۰) سوار لے کر جاؤ اور اکیدر دومۃ الجندل کو گرفتار کر کے لے آؤ انہوں نے عرض کیا ایسے بڑے شخص کا مقابلہ اتنے لوگ کیونکر کریں گے؟ فرمایا وہ شکار کو نکلے گا اس وقت اس کو گرفتار کر لینا، جب وہ وہاں پہنچے گا وحشی اس کے قلعہ کے نیچے آیا جس کو دیکھ کر وہ چند ہمراہیوں کیساتھ شکار کے قصد سے اترا اور گرفتار کر لیا گیا۔

ایک سفر میں تمام لشکر پیاسا ہوگیا اور پانی نہ تھا۔ علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ اس طرف جاؤ فلاں مقام میں ایک عورت ملے گی جو پانی اونٹ پر لے جارہی ہے اس کو لے آؤ وہ روانہ ہوئے۔ اسی مقام میں وہ عورت ملی اس کو لے آئے اور اس پانی سے تمام لشکر سیراب ہوا اور وہ کم نہ ہوا۔ اس معجزے سے اس عورت کا کُل قبیلہ مسلمان ہوگیا۔

غزوہ موتہ کے لئے جو لشکر روانہ کیا گیا تھا۔ اس پر حضرت ﷺ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر فرمایا کہ اگر وہ شہید ہوں تو جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ امیر بنائے جائیں اور اگر وہ بھی شہید ہوں تو عبداللہ بن رواحہ اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمان مختار ہیں جس کو چاہیں امیر قرار دیں۔ وہاں ایک یہود کا عالم بھی موجود تھا حضرت ﷺ کا ارشاد سن کر کہا کہ اگر آپ نبی ہیں تو یہ لوگ ضرور قتل ہوں گے۔ پھر جس روز وہاں معرکۂ جنگ تھا۔ حضرت ﷺ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو برابر خبر دے رہے تھے کہ زید نے رایت لیا ہر چند شیطان نے ان کے دل میں وسوسے ڈالے مگر انہوں نے کچھ توجہ نہ کی اور شہید ہوگئے۔ پھر فرمایا کہ جعفر نے رایت لیا ان کے بھی دل میں شیطان نے وسوسے ڈالے مگر انہوں نے بھی کچھ التفات نہ کیا اور شہید ہوگئے۔ پھر فرمایا عبداللہ نے رایت لیا اور وہ بھی شہید ہوگئے پھر خالد بن ولید نے خود مختاری سے رایت لیا یہ کہہ کر حضرت ﷺ نے دعا کی الٰہی وہ تیری ایک تلوار ہے تو ہی اس کو مدد دے گا۔ اسی روز سے ان کا نام سیف اللہ قرار پایا۔ اس روایت سے ظاہر ہے کہ مغیبات پر حضرت ﷺ کو ایسی اطلاع ہوتی تھی کہ خواہ وہ ماضی ہوں یا مستقبل پیش نظر ہو جاتے تھے۔

کسی سفر میں حضرت ﷺ کی ناقہ گم ہوگئی لوگ اس کی تلاش میں پھر رہے تھے ایک منافق نے کسی مجلس میں کہا کہ خدا ان کو ناقہ کا پتا کیوں نہیں دیتا۔ یہ کہہ کر حضرت ﷺ کی مجلس میں آگیا۔ حضرت ﷺ نے فرمایا ایک منافق کہتا ہے۔ خدا ناقے کا پتا نہیں دیتا جاؤ فلاں مقام میں وہ ہے اس کی مہار کسی درخت میں اٹک گئی ہے۔ غرض اس کو وہاں سے لے آئے اور وہ منافق مسلمان ہوگیا۔

جُوَیرِیہ رضی اللہ عنہا کا باپ اپنی لڑکی کے فدیہ کے واسطے چند اونٹ لے کر چلا رستے میں اچھے دو اونٹ کسی پہاڑ میں چھپا دیئے۔ جب باقی اونٹ پیش کئے تو فرمایا وہ دو اونٹ کہاں ہیں جو فلاں مقام میں چھپا دیئے گئے ہیں۔ یہ سن کر وہ مسلمان ہو گیا۔

جب ستر (۷۰) صحابہ بئر معونہ پر شہید ہوئے اسی وقت حضرت ﷺ نے ان کی شہادت کی خبر دی۔

شیبہ بن عثمان کہتے ہیں کہ جب مکہ کو فتح کر کے حضرت ﷺ نے حنین کا ارادہ کیا تو میں بھی اس غرض سے حضرت ﷺ کے ساتھ ہولیا کہ جب لڑائی کی گڑبڑ ہوگی تو دھوکا دے کر حضرت ﷺ کو قتل کرنے کا کوئی موقع مل جائے گا جس سے اپنی بڑی نام آوری ہوگی۔ جب معرکۂ کارزار گرم ہوا اور حضرت ﷺ دلدل سے اترے تو میں تلوار کھینچ کر حضرت ﷺ کے قریب پہنچا ہی چاہتا تھا کہ ایک برق سا آگ کا شعلہ سامنے آ گیا جس سے میری آنکھیں جھپک گئیں اور ساتھ ہی حضرت ﷺ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمادیا کہ اے شیبہ میرے نزدیک آ جاؤ میں اور نزدیک ہوا۔ حضرت ﷺ نے دست مبارک میرے سینے پر پھیر کر فرمایا۔ اللہ اس کو شیطان سے پناہ دے وہ کہتے ہیں کہ اقسام کے برے خیال میرے دل میں جمے ہوئے تھے، مگر دست مبارک کی برکت سے فوراً وہ سب دفع ہو گئے۔ اور حضرت ﷺ کی ایسی محبت دل میں پیدا ہوگئی کہ حضرت ﷺ کے آگے آگے کفار کو قتل کرتا جاتا تھا۔ بخدا اگر اس وقت میرا باپ میرے سامنے آتا تو اس کو بھی مار ڈالتا۔ پھر فتح کے بعد جب حضرت ﷺ خیمۂ مبارک میں تشریف فرما ہوئے تو میرا ایک ایک خیال مجھ سے بیان فرمایا جس سے میں نے مغفرت چاہی اور حضرت ﷺ نے **غفر اللہ لک** فرمایا انتہی ملخصاً۔

اب اہل انصاف ان احادیث میں جو بطور مشتے نمونہ از خروارے ہیں غور فرمائیں کہ یہ پیشین گوئیاں کیسی کھلی کھلی ہیں، نہ ان میں کوئی شروط بچاؤ کے لئے ہیں، نہ داؤ پیچ، نہ

بات بنانے کی ضرورت ہے۔ اسی قسم کی پیشین گوئیوں میں حضرت ﷺ نے قیامت تک کے واقعات بیان فرمادیے ہیں۔ چنانچہ اس روایت سے واضح ہے جو بخاری اور مسلم میں ہے۔**عن حذیفة قال قام فینا رسول الله ﷺ مقاما ما ترک شیئًا یکون فی مقامه ذلک الی قیام القیامة الا حدث به حفظه من حفظه ونسیه من نسیه قد علمه اصحابی هولاء وانه لیکون منه الشیٔ قد نسیة فاراه فاذکره کمایذکر الرجل وجه الرجل اذا غاب عنهٗ ثم اذاراه عرفه** انتہی۔یعنی یہ صحابہ جانتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت ﷺ نے خطبہ پڑھا اور قیامت تک جو ہونے والا ہے سب بیان فرمادیا کسی نے اس کو یاد رکھا اور کوئی بھول گیا۔بعض ایسے امور کا وقوع ہوتا ہے جو خیال سے جاتے رہے ہیں۔مگر دیکھتے ہی ان کا خیال آجاتا ہے کہ حضرت ﷺ اس کی خبر دے چکے ہیں جیسے غائب جب سامنے آجاتا ہے تو چہرہ دیکھتے ہی پہچان لیا جاتا ہے انتہی ملخصًا۔کتب احادیث وتواریخ دیکھنے سے اس کا انکار نہیں ہوسکتا کہ حضرت ﷺ نے جو پیشین گوئیاں کی ہیں اب تک ان کا ظہور برابر ہوتا جاتا ہے۔ چنانچہ اسی ایک پیشین گوئی کو دیکھ لیجیے جو دجالوں سے متعلق ہے۔**عن ابی هریره** رضی اللہ عنہ **ان رسول الله ﷺ قال لا تقوم الساعةحتی یبعث دجالون کذابون قریب من ثلثین کلهم یزعم انه رسول الله** (رواہ البخاری ومسلم)۔

اورابوداؤد وترمذی میں ہے**سیکون فی امتی کذابون کلهم یزعم انه نبی الله وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی**۔یعنی فرمایا نبی ﷺ نے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی کہ تیس (۳۰) دجال جھوٹے نہ پیدا ہولیں ان میں ہر ایک کا دعویٰ نبوت اور رسالت کا ہوگا یاد رکھو کہ میں خاتم النّبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا انتہی۔ دیکھئے اس پیشین گوئی کا وقوع حضرت ﷺ ہی کے زمانے سے شروع ہوگیا اور بہت سے دجال

اب تک نکلے۔ جنہوں نے رسالت کا دعویٰ کیا اور معلوم نہیں ابھی کتنے باقی ہیں۔ اب مرزا صاحب جو رسالت کا دعویٰ کرتے ہیں اگر ان کی تصدیق کی جائے تو بخاری اور مسلم کی احادیث کی تکذیب ہوئی جاتی ہے۔ کیونکہ ان روایتوں میں صاف موجود ہے کہ حضرت ﷺ کے بعد جو شخص رسالت کا دعویٰ کرے وہ دجال ہے اب مرزا صاحب ہی انصاف سے شرعی فیصلہ فرمادیں کہ مسلمانوں کے حق میں کیا اعتقاد رکھنا چاہیے۔ اگر یہ روایتیں صحاح کے سوا دوسری کتابوں میں ہوتیں تو یہ کہنے کو موقع مل سکتا کہ شاید یہ وہ احادیث صحیح نہوں وہ تو بخاری اور مسلم وغیرہ میں ہیں۔ جن کی نسبت کل اہل سنت و جماعت کا یہ اعتقاد ہے **اصح الکتب بعد کتاب اللہ البخاری ثم مسلم** اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ کتابیں بے اعتبار سمجھی جائیں تو مرزا صاحب کا دعویٰ عیسویت خود باطل ہو جاتا ہے کیوں کہ یہ مسئلہ عقلی تو ہے ہی نہیں کہ قیامت کے پہلے مسیح پیدا ہوگا اور نہ قرآن میں صراحت ہے تو ناگزیر احادیث پیش کرنے کی ضرورت ہوگی۔ اور جب بخاری اور مسلم قابل اعتبار نہ ہوں تو وہ احادیث بھی موضوع اور جھوٹی سمجھی جائیں گی۔ پھر تیس (۳۰) دجالوں والی حدیث قطع نظر اس کے کہ بخاری اور مسلم میں ہے۔ مرزا صاحب کے اقرار کے موافق بھی صحیح ہے۔ اس لئے کہ وہ فرماتے ہیں جو حدیث قرآن کی تائید میں ہو وہ صحیح ہوتی ہے۔ اب دیکھئے کہ وہ حدیث آیۂ شریفہ **خاتم النّبیین** کی تائید میں ہے۔ اس لئے بحسب اقرار مرزا صاحب اس زمانے میں رسالت کا دعویٰ کرنے والا تیس دجالوں سے ایک دجال ضرور سمجھا جائے گا۔ غرض کہ جس کو نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان ہوگا۔ اور یہ حدیث سن لے گا کہ جو کوئی میرے بعد رسالت کا دعویٰ کرے وہ دجال وکذاب ہے تو ممکن نہیں کہ مرزا صاحب کو رسول کہے اور پھر نبی آخر الزمان ﷺ کے امتی ہونے کا بھی دعویٰ کرے۔

ان پیشین گوئیوں کو دیکھئے کہ سوائے بیان واقعات کے کوئی اس قسم کی فضول بات

نہیں جو مرزا صاحب کی پیشین گوئیوں میں ہوتی ہیں کہ اگر وہ صحیح نہ نکلیں تو اپنے پر لعنت ہے، منہ کالا کیا جائے اور پھانسی دی جائے اور اشتہار پر اشتہار دیا جا رہا ہے کہ وہ صحیح نکلی۔ اور کوئی جھوٹی ثابت کردے تو لاکھ روپیہ دیں گے اور چنیں وچناں ہوگا۔ پھر جھوٹ ثابت کرے تو کوئی جائے تو مغلظات سنائی جاتی ہیں اور مباحثے تک نوبت ہی نہیں پہنچتی اور ان پیشین گوئیوں کی تکذیب میں رسالہ لکھا گیا تو باوجود وعدہ انعام کے سالہائے سال گذر گئے مگر جواب نہ ہو سکا۔ حالت تو یہ اور اس پر دعوای نبوت کا۔ مرزا صاحب کو تمام معجزات میں سے ایک پیشین گوئی کا ایسا نسخہ ہاتھ لگ گیا ہے کہ ہر وقت پیشین گوئی کچھ نہ کچھ دھندا لگا رہتا ہے اور یہ کوئی نہیں پوچھتا کہ حضرت معجزہ صرف پیشین گوئی کا نام نہیں یہ کام تو ہر ملک کے منجم، ہندو، نصاریٰ وغیر ہم بھی ہمیشہ کیا کرتے ہیں پھر جتنی پیشین گوئیاں بحسب اتفاق ان کی صحیح نکلتی ہیں، آپ کی صحیح نہیں نکلتیں۔ اور اگر بالفرض اتنی صحیح نکلیں بھی تو منجموں پر بھی فضیلت ثابت نہیں ہوسکتی چہ جائیکہ نبوت۔ معجزہ تو وہ چیز ہے کہ اس کے مقابلے میں تمام مخلوق عاجز ہو جائے، نہ نجوم اس کی ہمسری کر سکتا ہے، نہ عقل وغیرہ۔

اب ہم چند معجزات یہاں بیان کرتے ہیں جن سے ناظرین کو معلوم ہو جائے گا کہ معجزہ کیا چیز ہے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے خاص نبی کریم ﷺ کے معجزات میں ایک کتاب بڑی بڑی دو جلدوں میں لکھی ہے جس کا نام ''خصائص کبریٰ'' ہے اس کے دیکھنے سے یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت ﷺ کے معجزات کی ابتدا ولادت شریف سے پہلے ہی ہوگئی تھی اور وہ سلسلہ انتقال شریف تک برابر جاری رہا اور اہل بصیرت کے نزدیک تو وہ سلسلہ اب تک بھی منقطع نہیں ہے۔ امتحان اور درخواست کے وقت معجزے کا ظاہر ہونا تو نبوت کا لازمہ ہی ہے علاوہ اس کے جب حضرت ﷺ کو عالم علوی یا سفلی میں کسی چیز کی ضرورت متعلق ہوتی

تو بلا تکلف اس میں تصرف فرماتے اس قسم کے چند واقعات ذیل میں خصائص کبریٰ سے لکھے جاتے ہیں، چونکہ یہ کتاب چھپ گئی ہے۔ اس لئے احادیث کا ترجمہ لکھ دیا گیا۔ اگر کسی صاحب کو شک ہو تو وہ کتاب مطبع دائرۃ المعارف حیدر آباد سے طلب کر کے دیکھ لیں۔

جب کبھی لشکر کو پانی کی ضرورت ہوئی حضرت ﷺ نے کبھی کسی ظرف میں ہاتھ رکھ دیا جس سے پانی جوش مارنے لگا۔ کبھی خشک کنویں میں کلی کر دی۔ کبھی کوئی نشانی مثل تیر کے اس میں رکھوا دی۔ کبھی ایک آدھ مشک یا ڈولچی میں برائے نام تھوڑا سے پانی منگوا لیا۔ غرض کہ جس طرح چاہا تھوڑے پانی کو غیبی مدد سے اتنا کثیر بنا دیا کہ ہزارہا آدمی اور جانور اس سے سیراب ہوئے اور کبھی فوراً ابر آ کر لشکر پر کافی پانی برسا دیا۔ ایک صحابی نے شکایت کی کہ اپنے کنویں میں کھاری پانی نکلا ہے حضرت ﷺ نے تھوڑا پانی اس میں ڈالنے کو دیا جس سے اس کا پانی میٹھا ہو گیا کہ ملک یمن میں اس کا نظیر نہ تھا۔ چونکہ عرب میں پانی کی بہت قلت ہے اس لئے پانی سے متعلق بہت معجزات ہیں۔

اسی طرح کھانے میں برکت ہونے کے واقعات بھی بکثرت ہیں۔ مثلاً کبھی ایک روٹی جو ایک آدمی کو کفایت کر سکتی تھی دست مبارک کی برکت سے اسی (۸۰) شخصوں کو کافی ہوئی اور پھر بھی بچ رہی۔ کبھی ایک پیالہ دودھ ایک بڑی جماعت کے لئے کافی ہو گیا۔ عصیدہ کی ایک صحنک سے کل مسجد شریف کے نمازی سیر ہو گئے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ چند دانے کھجور کے میرے پاس تھے حضرت ﷺ نے اس پر ایک جماعت کثیر کی دعوت کی، بعد فراغت کے جو بچ رہے میں نے ان کو اپنے توشہ دان میں اٹھا رکھے۔ ان میں ایسی برکت ہوئی کہ ہمیشہ کھاتا کھلاتا رہا صرف راہ خدا میں پچاس وسق دیئے جس کے سیکڑوں من ہوتے ہیں۔

بارہا حضرت ﷺ کے دست مبارک میں کنکریوں سے تسبیح اور رسالت کی گواہی

سن گئی۔ایک لکڑی کا کھم (ستون) تھا جس کے پاس حضرت ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا کرتے۔ جب منبر خطبہ کے لئے تیار ہوا اور حضرت ﷺ اس پر تشریف لے گئے وہ کھم بآواز بلند رونے لگا جس کو تمام حضار مجلس نے سنا۔ پھر جب حضرت ﷺ نے اس کو تسکین دی تو چپ ہوا۔ حضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا۔ وہ قابل ملامت نہیں ہر چیز کا میری مفارقت میں یہی حال ہوتا ہے۔ایک بار حضرت ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہما اور ان کی اولاد کے لئے دعا کی اس وقت در و دیوار سے آمین کی آواز آ رہی تھی۔ جنگ بدر اور حنین میں جب آتش قتال گرم ہوئی۔حضرت ﷺ نے ایک مٹھی خاک وہیں سے اٹھا کر کفار کی طرف پھینکی۔ اس نے یہ کام کیا کہ کل کفار کی آنکھوں میں جا کر گویا ان کو اندھا بنا دیا۔ عکاشہ رضی اللہ عنہ کی تلوار جنگ بدر میں ٹوٹ گئی، حضرت ﷺ نے ایک لکڑی ان کو دی وہ چمکتی ہوئی تیغ براں بن گئی جس سے بہت سارے کفار کو انہوں نے قتل کیا۔لڑائیوں میں یہ اتفاق تو بارہا ہوا کہ کسی کی آنکھ نکل پڑی، ہتھیلی سے اس کو داب دیا اور اچھی ہوگئی۔ کسی کے ہاتھ پیر ٹوٹ گئے یا زخمی ہوئے ان پر ہاتھ پھیر دیا یا آب دہن لگا دیا اور اچھے ہو گئے۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو کفار نے جلانا چاہا حضرت ﷺ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا **یا نار کونی بَردًا وَسَلامًا عَلی عمار کما کنت علی ابراھیم**۔یعنی اے آگ عمار پر ایسی سرد ہو جا جیسے ابراہیم علیہ السلام پر ہوئی تھی چنانچہ وہ محفوظ رہے۔ اسود عنسی جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا جب صنعا پر غالب ہوا تو ذویب رضی اللہ عنہ کو اس جرم میں آگ میں ڈال دیا کہ حضرت ﷺ پر ایمان لائے تھے مگر آگ کا ان پر کچھ اثر نہ ہوا یہ صرف صحبت کی برکت تھی۔ اندھیری راتوں میں صحابہ حضرت ﷺ کے پاس سے مکانوں کو جاتے تو کسی کی لکڑی روشن ہو جاتی۔ کسی کا کوڑا کسی کی انگشت کسی کے لئے آسمان سے روشنی اتر آتی پھر دو شخص متفرق ہوتے تو ہر ایک کے ساتھ روشنی علیحدہ ہو جاتی۔ حضرت ﷺ کو جنگل میں حاجت بشری کی ضرورت ہوتی

اور وہاں آسرا نہ ہوتا تو درختوں کو فرماتے کہ مل جائیں، وہ مل جاتے، پھر بعد فراغت ان کو اپنی اپنی جگہ جانے کا حکم فرماتے اور وہ چلے جاتے۔ بڑے بڑے سرکش اور شریر اونٹ جو کسی کو پاس آنے نہ دیتے حضرت ﷺ کے دیکھتے ہی سجدے میں گر جاتے اور حضرت ﷺ جو کچھ فرماتے اس کی تعمیل کرتے۔ اکثر اونٹ حضرت ﷺ کی خدمت میں آکر اپنے مالکوں کی شکایت کرتے اور حضرت ﷺ رفع شکایت فرمادیتے۔ نافع کہتے ہیں کہ حضرت ﷺ ایک ایسے مقام پر اترے جہاں پانی نہ تھا۔ لوگ پریشان تھے کہ یکا یک ایک بکری حضرت ﷺ کے پاس آگئی جس کے دودھ سے تمام لشکر سیراب ہوگیا۔ بارہا یہ اتفاق ہوا کہ دبلی دبلی اونٹنیاں اور بکریاں جن میں نام کو دودھ نہ تھا حضرت ﷺ کا دست مبارک لگتے ہی دودھ دینے لگیں۔ سفینہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں کسی جنگل میں بھٹک کر رستے سے دور جا پڑا تھا، ناگہاں ایک شیر مقابل ہوگیا، میں نے کہا اے شیر میں رسول اللہ ﷺ کا غلام ہوں یہ سنتے ہی وہ دُم ہلانے لگا اور میرے ساتھ ہولیا یہاں تک کہ مجھے رستے پر پہنچا کر چلا گیا یہ صرف غلامی کا اثر تھا۔ جابر رضی اللہ عنہ نے اپنی پلی ہوئی بکری کو ذبح کر کے حضرت ﷺ کی دعوت کی، تناول طعام کے بعد آپ نے اس کی ہڈیوں کو جمع کروا کے ان پر اپنا دست مبارک رکھ کر کچھ فرمایا فوراً وہ بکری زندہ ہوگئی۔ ایک عورت نے حضرت ﷺ کی خدمت میں اپنا لڑکا لا کر کہا کہ جب سے یہ پیدا ہوا ہے کبھی بات نہیں کیا، حضرت ﷺ نے اس لڑکے سے فرمایا کہ میں کون ہوں؟ اس نے جواب دیا۔ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ۔ ایک شخص اپنے مجنون لڑکے کو حضرت ﷺ کی خدمت میں لایا، آپ نے دست مبارک اس کے چہرے پر پھیرا اور دعا کی فوراً اس کا جنون جاتا رہا اور دوسروں سے زیادہ عقلمند ہوگیا۔

کسی مقام میں حضرت تشریف لے جارہے تھے صحابہ پر اسباب کا اٹھانا بار ہوگیا، حضرت ﷺ نے ایک شخص سے کہا تم اٹھالو۔ انہوں نے بہت سا سامان

اٹھانے کے لئے جمع کیا، حضرت ﷺ نے فرمایا تم تو سفینہ یعنی کشتی ہو اس روز سے ان کا نام سفینہ ہو گیا، وہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد مجھ میں اتنی طاقت پیدا ہو گئی کہ چھ سات اونٹ کا بوجھ اٹھا لیتا ہوں اور کچھ بار نہیں ہوتا۔ حکم بن العاص نے مسخرگی سے حضرت ﷺ کو چڑھایا فرمایا ایسا ہی رہ۔ مرنے تک اس کا چہرہ ویسے ہی بگڑا رہا۔ ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت ﷺ کی خدمت میں مشغول تھے اور قریب تھا کہ آفتاب غروب ہو جائے۔ حضرت ﷺ آفتاب سے ٹھہرے رہنے کے لئے فرمایا تو وہ ایک ساعت تک اور ٹھہرا رہا، جس سے انہوں نے باطمینان نماز عصر ادا کی۔ اور معجزہ شق القمر تو اظہر من الشمس ہے۔

روایات مذکورہ اور ان کے سوا احادیث کثیرہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے تصرفات عناصر، جمادات، نباتات، حیوانات سے لے کر اجرام سماویہ تک نافذ تھے اور یہ شرط نہ تھی کہ معجزات صرف مخالفین کے ایمان لانے کی غرض سے دکھلائے جائیں بلکہ جب حضرت ﷺ کو کوئی ضرورت پیش آتی اور تصرف کرنا منظور ہوتا تو بلا تکلف تصرف فرماتے باوجود اس کے آنحضرت ﷺ نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ خدائے تعالیٰ نے اپنی خاص **کن فیکون** کی صفت مجھے دی ہے۔ اب مرزا صاحب کو دیکھئے کہ نبوت کے دعوے کے ساتھ یہ بھی دعویٰ ہے کہ جب چاہتے ہیں حق تعالیٰ سے باتیں کر لیتے ہیں اور حق تعالیٰ ان کے سامنے ایسے طور پر آتا ہے کہ منہ سے پردہ بھی گرا دیتا ہے اور یہ بھی دعویٰ ہے کہ خاص صفت **کن فیکون** ان کو عطا ہوئی ہے باوجود اس کے اس وقت تک ایک معجزہ بھی نہیں دکھلایا۔ ازالۃ الاوہام صفحہ ۷۸۰ میں لکھتے ہیں کہ میں نے ڈاکٹر صاحب کو یہ کہا تھا کہ آسمانی نشان کی اپنی طرف سے کوئی تعین ضروری نہیں بلکہ جو امر انسانی طاقتوں سے بالاتر ثابت ہو خواہ وہ کوئی امر ہو اسی کو آسمانی نشان سمجھ لینا چاہیے انتہی۔ معلوم نہیں تعین معجزات سے مرزا صاحب کیوں گھبراتے ہیں اس سے ظاہر ہے کہ ان کو خدا پر بھروسہ نہیں اگر ذرا بھی تقرب ہوتا تو خدا

سے پوچھ کر دعوے سے کہتے کہ تم جو چاہو میں باذن خالق کر سکتا ہوں اور جب **کن فیکون** مل چکا ہے تو پوچھنے کی بھی ضرورت نہ رہی ، مگر یاد رہے کہ دراصل کچھ بھی نہیں ہے سب ابلہ فریبیاں ہیں اور چند پیشین گوئیاں جو برائے نام بیان کی جاتی ہیں ، ان میں بھی ایسی بدنما تدابیر سے کام لیا کہ کوئی عاقل اور متدین ان کو پسند نہ کرے گا۔ ہر طرف سے شور مچا ہے کہ کوئی پیشین گوئی صحیح نہیں نکلی اور آپ تاویل پر تاویل جمائے جاتے ہیں کہ فلاں پیشین گوئی میں فلاں لفظ کے یہ معنی تھے اور اس میں فلاں شرط لگی ہوئی تھی وغیرہ وغیرہ۔ حیرت ہے کہ جب خدائے تعالیٰ سے اتنا تقرب حاصل ہے کہ جب چاہتے ہیں بلا حجاب بات کر لیتے ہیں کبھی تو اس سے کہا ہوتا کہ حضرت معجزات تو درکنار ، جو تدبیریں کرتا ہوں ان سے اور زیادہ رسوائی ہوتی جاتی ہے اور علاوہ اس کے صفت **کن فیکون** عطا ہونے سے تو بدنامی اور بھی دوبالا ہوگئی اور اس سے اتنا بھی کام نہ نکلا کہ مخالفوں کو ساکت کردوں اگر اسی کا نام **کن فیکون** ہے تو وہ آپ ہی کو مبارک ، مجھے اس وقت صرف ایک بات کی ضرورت ہے کہ کوئی ایسی بات مجھ سے دعوے سے ظہور میں آجائے کہ کسی کو اس میں کلام کرنے کی گنجائش نہ رہے۔ اگر سحر کا الزام لگے تو قبول ہے مگر مکاری اور دجالی سے تو نجات حاصل ہو۔

الحاصل نبوت کی علامت معجزہ ہے اور اسی کی تصدیق کے لئے پیشین گوئیوں کی فکر کی گئی مگر صحیح نہ نکلنے سے ثابت ہوگیا کہ خدائے تعالیٰ کے ساتھ ان کو کوئی خاص قسم کا غیر معمولی سچا تعلق نہیں جس سے ظاہر ہے کہ وہ عیسیٰ موعود نہیں ہو سکتے یہاں تک تو ان کے ان دعووں کا بیان تھا جو اپنی عیسویت پر انہوں نے پیش کئے ہے۔

اب ہم مرزا صاحب کی چند تحقیقات بطور مشتے نمونہ از خروارے پیش کرتے ہیں۔ جن کے دیکھنے سے ان کی جراءت ، بے باکی ، خلاف بیانی کلام میں تعارض کسی قدر معلوم ہوجائے۔ تحریر فرماتے ہیں کہ ہمارے بھائی مسلمان کسی ایسے زمانے سے کہ جب

سے بہت سے عیسائی دین اسلام میں داخل ہوئے ہوں گے اور کچھ کچھ حضرت مسیح کی نسبت اپنے مشرکانہ خیال ساتھ لائے ہوں گے اس بیجا عظمت دینے کے عادی ہو گئے ہوں گے انتہی (کذافی ازالۃ الاوہام صفحہ ۲۵۲) مشرکانہ خیالات سے مراد عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی ہے جو صحیح صحیح احادیث سے ثابت اور جن کی ابتداء صحابہ ہی کے زمانے سے ہو چکی ہے۔ اور لکھتے ہیں کہ اگر آنحضرت ﷺ پر ابن مریم اور دجال وغیرہ کی حقیقت موبمو منکشف نہ ہوئی تو کچھ تعجب کی بات نہیں۔ (ازالۃ الاوہام:۶۹۱) یہ الزام نبی ﷺ پر اس وجہ سے لگایا جا رہا ہے کہ احادیث نبویہ مسلمانوں کو مرزا صاحب پر ایمان لانے سے روک رہی ہیں۔

درازی ایام زمانہ دجال میں ہونا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ اس کی نسبت لکھتے ہیں یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ ایسے امور میں جو عملی طور پر سکھلائے نہیں جاتے اور نہ ان کے جزئیات خفیہ سمجھائی جاتی ہیں، انبیاء سے بھی اجتہاد کے وقت امکان سہو وخطا کی ہے۔ (ازالہ:۶۸۷) مطلب یہ ہوا کہ افضل الانبیاء ﷺ نے اس باب میں خطا کی ہے، جس پر مرزا صاحب مطلع ہوئے۔ (نَعُوْذُ بِاللہِ مِنْ ذَالِکَ) اور دوسرے مقام میں لکھتے ہیں کہ جب تک خدائے تعالیٰ نے خاص طور پر تمام مراتب کسی پیشین گوئی کے آپ پر نہ کھولے تب تک آپ نے اس کی کسی شق خاص کا کبھی دعویٰ نہ کیا۔ (ازالۃ الاوہام:۲۰۶)

دیکھئے دونوں بیانوں میں کس قدر تعارض ہے۔ خود غرضی کی کچھ انتہا بھی ہے، جہاں کسی پیشین گوئی سے نفع اٹھانا مقصود ہوا تو تعریف کر دی اور جو صراحتاً مخالف ہوئی کہہ دیا کہ نبی ﷺ نے اس میں خطا کی۔ (معاذ اللہ) لکھتے ہیں کہ خدا نے مجھے بھیجا اور میرے پر خاص الہام سے ظاہر کیا کہ مسیح ابن مریم فوت ہو چکا ہے۔ (ازالۃ الاوہام:۵۶۱) مسیلمہ کذاب سے لے کر آج تک جتنے جھوٹے نبی گذرے ہیں سب کا یہی دعویٰ تھا کہ خدا نے ہم کو بھیجا مگر خاتم النبیین پر ایمان لانے والے ایسے نبیوں پر کب ایمان لا سکتے ہیں۔ مرزا صاحب

کوتو الہام کا دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ اسحٰق اخرس نے تو اس کو مدلل بھی کر دکھایا۔ کتاب المختار میں علامہ جوہری نے لکھا ہے کہ یہ شخص مغربی تھا تمام آسمانی کتابیں پڑھ کر اصفہان کے مدرسے میں آیا۔ اور دس (۱۰) برس تک خاموش رہا یہاں تک کہ گونگا مشہور ہو گیا ایک رات اٹھ کر اہل مدرسہ کو جمع کر کے کہا کہ آج دو فرشتے میرے پاس آئے اور مجھ کو جگا کر میرے منہ میں ایک ایسی چیز ڈالی جو شہد سے زیادہ شیریں اور برف سے زیادہ سرد تھی پھر مجھے نبوت دی۔ ہر چند میں کہتا رہا کہ محمد ﷺ خاتم النّبیین ہیں مگر انہوں نے نہ مانا اور معجزہ یہ دیا کہ باوجود گونگا ہونے کے میں فصیح ہو گیا، پھر مجھے انہوں نے قرآن، توریت، انجیل اور زبور پڑھنے کو کہا میں نے فوراً تمام کتابیں ان کو سنا دیں اور وہ مجھے یاد ہو گئیں چنانچہ اب پڑھ بھی سکتا ہوں اب جو شخص خدا پر اور محمد ﷺ پر اور مجھ پر ایمان لائے اس کو نجات ہے اور جو کوئی عذر کرے یاد رکھو وہ محمد ﷺ پر بھی ایمان نہیں لایا غرض کہ یہ سن کر لاکھوں آدمی اس کے تابع ہو گئے اور اصفہان سے بصرہ اور عمان تک وہ قابض ہو گیا، چنانچہ اب تک اس کے اتباع موجود ہیں۔ غرض کہ جھوٹوں کی عادت ہے کہ الہاموں کے ذریعے سے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔

اور لکھتے ہیں کہ جب تم مسیح کا مُردوں میں داخل ہونا ثابت کر دو گے اور عیسائیوں کے دلوں میں نقش کر دو گے تو اس دن سمجھ لو کہ عیسائی مذہب آج دنیا سے رخصت ہو گیا۔ یقیناً سمجھ لو کہ جب تک ان کا خدا فوت نہو، ان کا مذہب بھی فوت نہیں ہو سکتا۔ (ازالہ ص ۵۶) ابلہ فریبیوں کی کچھ انتہا ہے۔ مرزا صاحب یہ تدبیر اس غرض سے بتا رہے ہیں کہ کسی طرح مسلمانوں کی زبانوں سے عیسیٰ علیہ السلام کی موت نکل آئے تو اس کے ساتھ ہی فرمائیں گے کہ لیجئے وہ تو مر گئے اور احادیث سے عیسیٰ علیہ السلام کا آنا ثابت ہے اب مجھ ہی کو عیسیٰ سمجھ لو۔ مرزا صاحب پچیس (۲۵)، تیس (۳۰) برس سے یہی کہہ رہے ہیں کہ عیسیٰ مر گیا، مر گیا، مر گیا۔ اور ان کے ساتھ بقول ان کے لاکھ آدمی بھی کہہ رہے ہیں مگر اب تک عیسائیوں کا مذہب فوت ہونا تو کیا، اس کو جنبش تک نہ ہوئی۔ بلکہ عیسائی

ہنستے ہیں کہ یہ بے وقوف کیسے ہیں ہمارے رد کے ضمن میں اپنے دین کو بھی رد کر رہے ہیں۔ انہیں کے اقرار سے ان کے دین کی کتابیں بے اعتبار ہو رہی ہیں۔ پھر جس دین کا مدار ایسی ساقط الاعتبار کتابوں پر ہو تو اس کے بے بنیاد ہونے میں کیا تامل ہے۔

عیسائی تو خود ہی قائل ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو کر کفارہ ہو گئے جس کی تصدیق مرزا صاحب بھی کر رہے ہیں اور ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں کہ بے شک وہ فوت ہو گئے اور سولی پر بھی چڑھائے گئے۔ جس کی نفی خدائے تعالیٰ فرماتا ہے قولہ تعالیٰ **وَمَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ**۔ پھر جب عیسائی خود ان کے فوت ہونے کے معترف ہیں تو وہ ان کے دلوں میں نقش ہونے میں کیا تامل رہا۔ بعد موت ان کا زندہ ہونا سو وہ آیۂ شریفہ **وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ** سے استدلال کر سکتے ہیں۔ اس صورت میں باوجود مخالفت قرآن و حدیث کے، جس کے مرتکب مرزا صاحب ہیں اس طریقے سے عیسائیوں کا مقابلہ ہو نہیں سکتا۔ مرزا صاحب کو عیسائیوں کے رد سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کو عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے صرف اسی قدر نفع حاصل کرنا ہے کہ خود عیسیٰ بن جائیں۔ لکھتے ہیں کہیں عیسائیوں کے خدا کو مرنے بھی دو کب تک اس کو **حی لایموت** کہتے جاؤ گے کچھ انتہا بھی ہے۔ (ازالہ: ۴۶۹) ان کو **حی لایموت** تو کسی نے بھی نہیں کہا۔ صرف انتظار اس کا ہے کہ کہیں تیس دجالوں کا دورہ جلد ختم ہو جائے اور اصلی دجال نکل آئے۔ اس کے بعد وہ تشریف لائیں گے اور اس کو قتل کر کے خود بھی مر جائیں گے۔ اگر انیس سو سال ہی کی حیات پر مرزا صاحب **حی لایموت** کا اطلاق کرتے ہیں تو ملائکہ کے لئے کونسا لفظ تجویز کریں گے وہ تو لاکھوں سال سے زندہ ہیں۔ بہر حال **حی لایموت** کا لفظ جاہلوں کو دھوکا دینے کے لئے اس مقام میں مرزا صاحب نے چسپاں کر دیا۔

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں پر زندہ موجود رہنا اور قیامت

کے قریب زمین پر اترنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ تو کہتے ہیں کہ راویوں کا تزکیہ نفس اور طہارت ثابت نہیں اور ان کی راست بازی اور خداترسی اور دیانت یا انکشاف تام ثابت نہیں۔ کیوں جائز نہیں کہ انہوں نے عمداً سہواً بعض احادیث کی تبلیغ میں خطا کی ہو۔ (ازالہ: ۵۳۰) اور نیز لکھتے ہیں کہ احادیث تو انسان کے دخل سے بھری ہوئی ہیں۔ حدیثوں میں ضعف کی وجوہات اس قدر ہیں کہ ایک آدمی ادھر نظر ڈال کر ہمیشہ اس بات کا محتاج ہوتا ہے کہ ان کو تقویت دینے کے لئے کم سے کم نص قرآنی کا کوئی اشارہ ہو۔ (ازالہ: ۵۲۹) اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ اکثر احادیث اگر صحیح بھی ہوں تو مفید ظن ہیں۔ **والظن لایغنی من الحق شیئًا**۔ (ازالہ: ۲۵۴) ماحصل ان تحریرات کا یہ ہوا کہ صحابہ اور راویوں نے عمداً یا سہواً احادیث حیات ونزول عیسیٰ علیہ السلام میں غلطی کی ہے اور احادیث صحیح بھی ہوں تو مفید ظن ہوں گی، جس سے کوئی حق بات ثابت نہیں ہوسکتی۔ پھر جب نیچریوں نے اسی قسم کی تقریروں سے نزول عیسیٰ علیہ السلام کی حدیثوں کو غلط ٹھہرا کر مرزاصاحب کے دعووں کو فضول اور بے بنیاد ثابت کیا۔ تو لکھتے ہیں کہ گو اجمالی طور پر قرآن اکمل واتم کتاب ہے مگر ایک حصہ دین کا اور طریقہ عبادت وغیرہ کا احادیث ہی سے ہم نے لیا ہے۔ (ازالہ: ۵۵۶) اور لکھتے ہیں کہ مسیح ابن مریم کی پیشین گوئی ایک اوّل درجے کی پیشین گوئی ہے، جس کو سب نے بااتفاق قبول کرلیا ہے اور جس قدر صحاح میں پیش گوئیاں لکھی گئی ہیں کوئی پیش گوئی اس کے ہم پہلو اور ہم وزن ثابت نہیں ہوتی، تواتر کا اوّل درجہ اس کو حاصل ہے، انجیل بھی اس کی مصدق ہے۔ اب اس قدر ثبوت پر پانی پھیر دینا اور یہ کہنا کہ یہ تمام حدیثیں موضوع ہیں درحقیقت ان لوگوں کا کام ہے۔ جس کو خدا نے بصیرت دینی اور حق شناسی سے کچھ بخرہ اور حصہ نہیں دیا اور بباعث اس کے کہ ان لوگوں کے دلوں میں **قال اللہ** اور **قال الرسول** کی عظمت باقی نہیں رہی۔ اس لئے جو بات ان کی اپنی سمجھ سے بالاتر ہو اس کو محال اور ممتنعات میں داخل کرتے ہیں۔ (ازالہ: ۵۵۷)

اور لکھتے ہیں کہ سلف خلف کے لئے بطور وکیل کے ہوتے ہیں اور ان کی شہادتیں آنے والی ذریت کو ماننی پڑتی ہیں۔ (ازالہ:۳۷۵)

دیکھئے ابھی سب راوی بے اعتبار اور حدیثیں بیکار ہوگئی تھیں اور ابھی ان کی کایا پلٹ ہوگئی اور انہیں پر دین کا مدار ٹھہر گیا۔ کیا اس قسم کی کارروائیوں سے عقلاء کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ مرزا صاحب کو قرآن وحدیث سے اسی قدر تعلق ہے کہ اپنا مطلب حاصل کریں اور جہاں مطلب برآری میں رکاوٹ ہوئی انہوں نے ان پر وار کر دیا۔

مسلم شریف میں یہ حدیث مذکور ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دمشق میں اتریں گے۔ اس کی نسبت لکھتے ہیں کہ یہ وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں امام مسلم صاحب نے لکھی ہے جس کو ضعیف سمجھ کر رئیس المحدثین محمد اسمٰعیل بخاری نے چھوڑ دیا۔ (ازالہ:۲۲۰) اور دوسری جگہ کہتے ہیں کہ امام بخاری جیسے رئیس المحدثین کو یہ حدیث نہیں ملی کہ مسیح ابن مریم دمشق کے شرقی کنارے میں منارے کے پاس اترے گا۔ (ازالہ:۲۲۱)

اب دیکھئے کہ مسلم کی حدیث پر تو یہ جرح ہوگئی ہے۔ اور گلاب شاہ مجذوب کی حدیث پر وہ وثوق کہ معرکۂ استدلال میں نہایت جراءت کے ساتھ پیش کی جاتی ہے جس کا حال معلوم ہوگا۔ اور رسالہ نشان آسمانی میں تحریر فرماتے ہیں کہ ماسوا اس کے (یعنی گلاب شاہ کے) ایک اور پیش گوئی ہے۔ جو ایک مرد باخدا نعمت اللہ نے جو ہندوستان میں اپنی ولایت اور اہل کشف ہونے کا شہرہ رکھتا ہے۔ اپنے ایک قصیدے میں لکھی ہے اور یہ بزرگ سات سو انچاس (۷۴۹) برس پہلے ہمارے زمانے سے گذر چکے ہیں۔ وہ پیشین گوئی یہ ہے۔

ا ح م و دال می خوانم   نامِ آں نامداری بینم

یہ قصیدہ نہ بخاری میں ہے نہ اس کی کوئی ضعیف سے ضعیف سند مل سکتی ہے جو مصنف تک پہنچے مگر اس پر اتنا وثوق ہے کہ مسلم شریف کی حدیث پر نہیں۔ اور فرماتے ہیں

کہ حضرت یحییٰ کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **لم نجعل له من قبل سميا**۔ یعنی یحییٰ سے پہلے ہم نے کوئی اس کا مثیل دنیا میں نہیں بھیجا جس کو باعتبار ان صفات کے یحییٰ کہا جائے یہ آیت ہماری تصدیق کے بیان کے لئے اشارۃ النص ہے کیوں کہ خدائے تعالیٰ نے اس جگہ آیت موصوفہ میں قبل کی شرط لگائی بعد کی نہیں لگائی تا معلوم ہو کہ بعد میں بنی اسرائیلی نبیوں کے آنے کا دروازہ کھلا ہے جن کا نام خدائے تعالیٰ کے نزدیک وہی ہوگا جو ان نبیوں کا نام ہوگا جن کے وہ مثیل ہیں یعنی جو مثیل موسیٰ ہے اس کا نام موسیٰ ہوگا اور جو مثیل عیسیٰ ہے اس کا نام عیسیٰ ہوگا۔ اور خدائے تعالیٰ نے اس آیت میں **سمی** کہا، مثیل نہیں کہا تا معلوم ہو کہ اللہ کا منشا یہ ہے کہ جو شخص کسی بنی اسرائیل نبی کا مثیل بن کر آئے گا، وہ مثیل کے نام سے نہیں پکارا جائے گا بلکہ بوجہ انطباق کلی اسی نام سے پکارا جائے گا جس نبی کا وہ مثیل بن کر آئے گا۔ (ازالہ:۵۳۹)

مطلب اس کا یہ ہوا کہ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ مرزا صاحب کو کوئی مثیل عیسیٰ نہ پکارے بلکہ عیسیٰ پکارے کیونکہ خدائے تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام کی نسبت فرمایا ہے کہ ان کا کوئی ہمنام نہیں، یعنی مثیل۔ پوری آیۂ شریفہ یہ ہے۔ **یٰزَکَرِیَّا اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ اِسْمُہٗ یَحْیٰی لَمْ نَجْعَلْ لَہٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا**. یعنی جب زکریا علیہ السلام نے دعا کی کہ الٰہی مجھے ایک لڑکا عنایت فرما تو ارشاد ہوا کہ اے زکریا ہم تمہیں ایک لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام ہم نے یحییٰ رکھا اس کے پہلے ہم نے کسی کا نام یحییٰ نہیں رکھا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس نام کا کوئی اور شخص پہلے نہیں گزرا۔ کیونکہ **اسمه** کے بعد لفظ **سميا** صاف کہہ رہا ہے کہ ان کا ہمنام کوئی پیشتر نہ تھا۔ اور اگر سمی کے معنی مثیل بھی لیں تو یہ مطلب ہوگا کہ ان کے پہلے ان کا مثیل نہ تھا۔ اور اگر مفہوم مخالف بھی لیا جائے تو اسی قدر معلوم ہوگا کہ ان کے بعد ان کا ہم نام یا مثیل ہوگا۔ مرزا صاحب نے اس سے یہ نکالا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا بھی مثیل ہوگا۔ لیکن یہ بات غور طلب ہے کہ مفہوم مخالف سے اگر دروازہ کھلا تو یحییٰ کے مثیل کا کھلا،

عیسیٰ کا مثیل اس سے کیسے نکل آیا۔ پھر اس حالت میں یحییٰ علیہ السلام کی نبوت کا ذکر ہی کب ہے جس سے خیال کیا جائے کہ ان کا سا کوئی نبی ان کے بعد ہوگا بلکہ عیسیٰ کا بھی مثیل ہوگا۔

دیکھئے یہاں تو اس قدر توسیع ہو رہی ہے کہ سمی کے حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی لئے جائیں یعنی مثیل اور یحییٰ کا مثیل پیشتر نہ ہونے سے مطلب یہ کہ آئندہ ضرور ہوگا اور اس کا مطلب یہ کہ عیسیٰ کا بھی مثیل ہوگا اور مثیل ہی نہیں بلکہ سمی بھی ہوگا جس سے ثابت ہوگیا کہ خود عیسیٰ ہیں۔ یہ سب **من قبل سمیا** سے نکلا۔ یہ سلسلہ ایسا ہوا جیسا کہ ایک **نقل** مشہور ہے کہ ایک صاحب نے کسی سے پوچھا کہ آپ کا کیا نام ہے؟ اس نے کہا مجھے حاجی کہتے ہیں۔ کہا تم کتے ہو اس لئے کہ حاجی اور چاچی کی ایک شکل ہے اور چاچی کمان ہوتی ہے اور کمان اور گمان کی ایک شکل ہے اور گمان شک کی معنی میں مستعمل ہے اور شک اور سگ کی ایک شکل ہے سگ کتے کو کہتے ہیں۔ غرض کہ چند وسائط سے اپنا مطلب ثابت کر دیا۔ الغرض **من قبل سمیا** میں اس قدر توسیع کی کہ کئی واسطوں کے بعد مطلب نکل آیا اور آیہ شریفہ **انی متوفیک ورافعک** میں اس وجہ سے کہ اپنا مقصود فوت ہوتا ہے۔ اس قدر تنگی اور تشدد کیا کہ گو **توفی** کے حقیقی معنی نیند کے ہوں جیسا کہ آیہ شریفہ **وَھوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُم بِاللَّیْلِ** سے ظاہر ہے **مگر** مشہور معنی یعنی موت ہی لئے جائیں اور ترتیب لفظی جو وفات اور رفع میں ہے فوت نہ ہونے پائے۔ گو قرآن سے ثابت ہے کہ **واو** ترتیب کے واسطے نہیں جس کا حال معلوم ہوگا۔ اہل انصاف سمجھ سکتے ہیں کہ کسی قدر خود غرضی سے کام لیا جا رہا ہے۔

اب ہم مرزا صاحب سے پوچھتے ہیں کہ اس آیہ شریفہ میں کیا فرمائے گا قولہ تعالیٰ **وَمَا کُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِہٖ مِنْ کِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّہٗ بِیَمِیْنِکَ** یعنی اے **پیغمبر** صلی اللہ علیہ وسلم قرآن سے پہلے نہ تم کوئی کتاب پڑھتے تھے نہ اپنے داہنے ہاتھ سے لکھتے تھے انتہی۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے قبل کی شرط لگائی بعد کی نہیں لگائی۔ کیا یہاں بھی یہی فرمایا جائے گا کہ

حضرت قرآن سے پہلے پڑھتے نہ تھے اور بعد پڑھنے لگے اور پہلے داہنے ہاتھ سے لکھتے نہ تھے بعد اس کے لکھنے لگے۔ اگر اس کا یہی مطلب سمجھا جائے تو قرآن سے ثابت ہو جائے گا کہ حضرت ﷺ پیشتر لکھنا ضرور جانتے تھے لیکن بائیں ہاتھ سے اور اگر فرمائیں کہ اس آیت سے یہ معنی نہیں نکلتے تو من قبل سمیا سے وہ معنی کیوں کر نکلیں گے۔ مرزا صاحب جو تفاسیر و احادیث پر ہمیشہ حملے کیا کرتے ہیں۔ اس کا سبب یہی ہے کہ یہ دونوں قرآن میں اس قسم کے تصرفات کرنے سے ہمیشہ مزاحم ہوا کرتے ہیں اور طرفہ یہ ہے کہ نیچریوں کی شکایت میں لکھتے ہیں کہ جو بات ان کی عقل میں نہیں آتی فی الفور اس سے منکر اور تاویلات رکیکہ شروع کر دیتے ہیں۔ (ازالہ ۲۵۲) مرزا صاحب کے تاویلات کا حال ان شآء اللہ آئندہ تو بہت کچھ معلوم ہوگا مگر سر دست اسی کو دیکھ لیجئے کہ احادیث متواترہ اور اجماع سے جس کا ذکر خود بھی کرتے ہیں، ثابت ہے کہ وہ عیسیٰ اتریں گے جو ابن مریم اور مسیح اور روح اللہ اور نبی اللہ اور رسول اللہ تھے اور باوجود اس کے فرماتے ہیں کہ وہ میں ہی ہوں۔ اور حق تعالیٰ فرماتا ہے **وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰۃِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ**. یعنی عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بشارت دی کہ میرے بعد ایک رسول آئیں گے جن کا نام احمد ہوگا۔ مرزا صاحب کہتے ہیں وہ رسول میں ہوں چنانچہ میرا نام احمد ہے مرزا صاحب نے اپنی بعثت کی تاریخ ۱۳۰۰ھ اپنے نام نامی سے نکالی ہے مگر اس میں جب تک غلام کے عدد نہ لئے جائیں سنہ نہیں نکلتا پھر جب عیسیٰ بننے کے لئے غلام کی ضرورت ہوئی تو مقام احمدی میں جہاں فرشتوں کے پر جلتے ہیں وہ کیوں کر پہنچ سکتے ہیں۔

اور لکھتے ہیں پھر مسیح کے بارے میں یہ بھی سوچنا چاہیے کہ کیا طبعی اور فلسفی لوگ اس خیال پر نہیں ہنسیں گے کہ جب کہ تیس یا چالیس ہزار فٹ تک زمین سے اوپر کی طرف

جانا موت کا موجب ہے۔ حضرت مسیح اس جسم عنصری کے ساتھ آسمان تک کیوں کر پہنچ گئے۔ (ازالہ:۴۶) خود ہی نیچریوں کی شکایت کرتے ہیں کہ جو بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی، محالات میں داخل کر لیتے ہیں اور آپ بھی وہی کر رہے ہیں۔ فقط فلسفی نہیں بلکہ سارا عالم مرزا صاحب کے الہام اور خدا سے باتیں کرنے پر قہقہے اڑاتا ہے مگر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صلیب پر چڑھ کر زخمی ہونا طب کی کتاب سے ثابت کرتے ہیں کہ مرہم عیسیٰ اسی واسطے بنایا گیا تھا۔ اور حق تعالیٰ جو فرماتا ہے کہ **وَمَا صَلَبُوْهُ** یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو کسی نے سولی پر نہیں چڑھایا اس کی کچھ پرواہ نہیں۔ سبحان اللہ! قرابادین سے قرآن کو رد کرتے ہیں۔ عیسائیوں کی کتابوں سے خود ہی نقل کرتے ہیں کہ عیسیٰ سولی پر مر گئے اور ان کی لاش دفن کی گئی۔ اور جو قصہ خود نے تراشا ہے اس میں یہی ہے کہ سولی سے اتارنے کے بعد وہ گڑبڑ میں بھاگ گئے۔ بہرحال ان مواقع میں کس نے ان پر رحم کھا کر مرہم لگایا اور کس ڈاکٹر خانے میں وہ زیر علاج رہے اور اگر خود ہی نے وہ نسخہ بنایا تھا تو وہ بھی کسی تاریخی کتاب سے لکھ دیتے مگر ایسا نہ کیا اور بغیر کسی ثبوت کے قرآن کو رد کر رہے ہیں۔

اور لکھتے ہیں قولہ تعالیٰ **فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ.** یعنی اگر تمہیں ان بعض امور کا علم نہ ہو جو تم میں پیدا ہوں تو اہل کتاب کی طرف رجوع کرو اور ان کی کتاب کے واقعات پر نظر ڈالو، تا اصل حقیقت تم پر منکشف ہو جائے۔ (ازالہ:۶۱۶) اور ان کتابوں کی توثیق اس طرح کی جاتی ہے کہ ہمارے امام المحدثین اسمٰعیل صاحب اپنی صحیح بخاری میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ ان کتابوں میں کوئی لفظی تحریف نہیں۔ (ازالہ:۲۲۳) یہ اس موقع میں لکھا جہاں ان کو انجیل سے استدلال کرنا تھا اور جب یہ الزام دیا گیا کہ انجیلوں میں مصرح ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے تو وہی **اہل الذکر** جن سے واقعات سابقہ کا پوچھنا قرآن کی رو سے فرض ٹھہرایا تھا مردود الشہادۃ قرار دیئے گئے۔ چنانچہ لکھتے ہیں مسیح

کا آسمان کی طرف اٹھائے جانا انجیل کی کسی الہامی عبارت سے ہرگز نہیں ثابت ہوسکتا اور جنہوں نے اپنی اٹکل سے بغیر رویت کے کچھ لکھا ہے ان کے بیانات میں علاوہ اس خرابی کے کہ ان کا بیان چشم دید نہیں اس قدر تعارض ہے کہ ایک ذرہ ہم ان میں سے شہادت کے طور پر نہیں لے سکتے۔ (ازالہ: ۲۷۷) اور ضرورۃ الامام میں لکھتے ہیں کہ ایسی غلطیاں حوارئین کی سرشت میں تھیں۔ (صفحہ ۱۵) اور فرماتے ہیں کہ یہ انجیلیں حضرت مسیح کی انجیلیں نہیں اسی وجہ سے باہمی اختلاف ہے۔ (ضرورۃ الامام: ۱۴) لیجئے وہی کتابیں جن کی نسبت تحریف کا لفظ ناگوار تھا اور قرآن سے ثابت تھا کہ عیسائیوں سے پوچھا جائے کہ انجیلوں میں کیا لکھا ہے۔ انہیں کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ وہ مردود الشہادۃ اور غلط بیانوں کے خیالات ہیں۔ اس خودغرضی کی کوئی انتہا بھی ہے جو جی چاہتا ہے قرآن کے معنی ٹھہرا لیتے ہیں۔

مرزا صاحب نے عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر یہ دلیل قائم کی ہے۔ کہ قرآن شریف میں **اِذْ قَالَ اللہ یا عیسٰی** بصیغہ ماضی ہے جس سے ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ نے ان سے مرتے ہی سوال کیا تھا۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ ۶۰۲ میں لکھتے ہیں تعجب ہے کہ وہ اس قدر تاویلات رکیکہ کرنے سے ذرا بھی شرم نہیں کرتے وہ نہیں سوچتے کہ آیت **فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ** سے پہلے یہ آیت ہے **وَاِذْ قَالَ اللہُ یا عیسٰی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ** الخ اور ظاہر ہے کہ **قال** کا صیغہ ماضی کا ہے اور اس کے اوّل **اِذْ** موجود ہے جو خاص واسطے ماضی کے آتا ہے جس سے یہ ثابت ہے کہ یہ قصہ وقت نزول آیت زمانہ ماضی کا ایک قصہ تھا، نہ زمانہ استقبال کا اور پھر ایسا ہی جو جواب حضرت عیسیٰ کی طرف سے ہے یعنی **فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ** وہ بھی بصیغہ ماضی ہے انتہی۔ اس کے بعد الحکم نمبر مورخہ ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۲۳ء میں طاعون کی پیشین گوئی کی نسبت لکھتے ہیں کہ مجھے خدا کی طرف سے یہ وحی ہوئی **عفت الدیار محلھا ومقامھا** یعنی اس کا ایک حصہ مٹ جائے گا جو عمارتیں ہیں نابود ہوجائیں گی۔ اس پر

اعتراض ہوا کہ یہ مصرع لبید کا ہے۔ جس میں اس نے گزشتہ زمانے کی خبر دی ہے کہ خاص خاص مقامات ویران ہو گئے۔ اس کا جواب خود تحریر فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کافیہ یا ہدایۃ النحو بھی پڑھی ہو گی وہ خوب جانتا ہے کہ ماضی مضارع کے معنوں پر بھی آ جاتی ہے بلکہ ایسے مقامات میں جب کہ آنے والا واقعہ متکلم کے نگاہ میں یقینی الوقوع ہو مضارع کو ماضی کے صیغہ پر لاتے ہیں تا اس امر کا یقینی الوقوع ہونا ظاہر ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ونفخ فی الصّور۔ واذ قال اللہ یا عیسٰی ابْنَ مَریم ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللہ** الآیۃ **ولوتری اذ وقفوا عَلی النَّار وَلَوْ تری اذ وقفوا عَلی ربھم** وغیرہ اب معترض صاحب فرمائیں کہ کیا قرآنی آیات ماضی کے صیغے ہیں یا مضارع کے۔ اور اگر ماضی کے صیغے ہیں تو ان کے معنی اس جگہ مضارع کے ہیں یا ماضی کے۔ جھوٹ بولنے کی سزا تو اس قدر کافی ہے کہ آپ کا حملہ صرف میرے پر نہیں بلکہ یہ تو قرآن شریف پر بھی حملہ ہو گیا۔ گویا صرف ونحو جو آپ کو معلوم ہے خدا کو معلوم نہیں اسی وجہ سے خدا نے جابجا غلطیاں کھائیں اور مضارع کی جگہ ماضی کو لکھدیا انتہی۔ مرزا صاحب کو جب منظور ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت کریں تو کہا کہ **واذ قال عیسٰی** صیغۂ ماضی ہے اور اذ خاص ماضی کے واسطے آتا ہے۔ اور جب **عفت الدیار** پر اعتراض ہوا کہ ماضی کے معنی مضارع کے کیسے تو وہی **وَاذ قال عیسٰی** وغیرہ کو پیش کر کے کہا کہ ہدایۃ النحو بھی پڑھنے والے جانتے ہیں کہ ماضی بمعنی مستقبل آتی ہے۔ ہمیں اس بات کی خوشی نہیں کہ دونوں تقریروں میں جو الفاظ مخالفین کے لئے تجویز کئے تھے وہ اب واپس ہوتے ہیں بلکہ کمال افسوس سے ان کا طریقہ استدلال بتلانا منظور ہے کہ ایک ہی آیت کو ایسے دو موقعوں میں پیش کرتے ہیں کہ باہم متخالف ہوں۔ جن لوگوں نے **عفت الدیار** کے معنی کے مستقبل ہونے میں کلام کیا، ان کی غرض یہ ہے کہ قائل یعنی لبید کی مراد اس مصرع میں ماضی ہے جیسا کہ قرائن

قوبہ سے ظاہر ہے پھر اس کی مراد کے مخالف کوئی معنی لینا توجیہ **الکلام بما لا یرضی قائلہ** ہے، جو درست نہیں۔ اس پر فرماتے ہیں کہ ہدایۃ النحو پڑھنے والا بھی جانتا ہے کہ ماضی کے معنی میں مستقبل ہو سکتے ہیں۔ ہمیں اس مباحثہ میں دست اندازی کی ضرورت نہیں مگر اس تقریر سے یہ بات منکشف ہوگئی کہ مرزا صاحب قرآن کے معنی قصداً غلط کیا کرتے ہیں اس لئے کہ جس وقت انہوں نے **اذ قال اللہ یا عِیسٰی** کے معنی یہ بیان کئے تھے۔ کہ **قال** صیغہ ماضی ہے اور **اذ** خاص واسطے ماضی کے آتا ہے۔ جس سے ثابت ہے کہ یہ قصہ وقت نزول آیت زمانہ ماضی کا قصہ تھا، نہ مستقبل کا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ خدا عیسیٰ سے پوچھ چکا تھا۔ اس وقت وہ ہدایۃ النحو پڑھ چکے تھے بلکہ فاضل اجل تھے پر **اذقال** کے معنی مستقبل لینے سے انکار کیوں کیا۔ اس موقع میں یہ بھی نہیں کہہ سکتے۔ کہ وہ خطائے اجتہادی تھی کیوں کہ جو ایسی بدیہی بات ہو کہ ہدایۃ النحو پڑھنے والا بھی اس کو جانتا ہو وہ اجتہادی نہیں ہو سکتی۔ اس سے ثابت ہے کہ باوجود اس کے کہ معنی مستقبل وہاں صادق ہیں جس کی تصریح مفسرین نے کی ہے اور خود بھی جانتے ہیں مگر قصداً اس کو بمعنی ماضی قرار دیا جو خلاف مراد الٰہی ہے۔ جس کے خود بھی معترف ہیں۔ یہ بات واضح رہے کہ مرزا صاحب کا وہ استدلال کہ قرآن میں عیسیٰ علیہ السلام کا قول **فلما تَوَفَّیْتَنِیْ** بصیغہ ماضی ہے۔ جس سے ان کی وفات ثابت ہوتی ہے **عفت الدیار** والی تقریر سے ساقط ہو گیا۔ کیوں کہ وہ خود کہتے ہیں کہ یہ سوال و جواب عیسیٰ علیہ السلام سے آئندہ ہوں گے اور یہ ماضی بمعنی مستقبل نہ سمجھی جائے تو قرآن پر حملہ ہے۔

اور لکھتے ہیں کہ یہ سچ ہے کہ مسیح اپنے وطن گلیل میں جا کر فوت ہو گیا۔ ازالہ صفحہ ۴۷۳ گلیل شام کے ملک میں ہے مگر ان کی قبر کشمیر میں بتلاتے ہیں۔ چنانچہ رسالہ عقائد مرزا میں رسالۃ الہدیٰ سے ان کا قول نقل کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی قبر کشمیر میں ہے۔ حالانکہ وہاں کے علماء اور مشائخین اور معززین نے ایک محضر تیار کیا کہ نہ کسی تاریخ میں ہے، نہ

بزرگوں سے سنا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی قبر کشمیر میں ہے اور جو مرزا صاحب نے پرانی قبر تلاش کر کے نکالی ہے، وہ یوز آسف کی مشہور ہے۔ شیعہ لاشیں کربلائے مُعلّٰی میں لے جا کر دفن کرتے ہیں۔ اس غرض سے کہ متبرک مقام ہے عیسیٰ کی لاش گلیل سے جو کشمیر میں لائی گئی۔ اس سے ظاہر ہے کہ شاید اس زمانے میں کشمیر بیت المقدس سے بھی زیادہ متبرک ہوگا مگر مگر کسی کتاب سے اس کا ثابت ہونا ضرور ہے۔ اور الحکم مورخہ ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۲۳ھ میں لکھتے ہیں کہ مسیح صلیب سے نجات پا کر کشمیر کی طرف چلے آئے انتہی۔ جب کشمیر کو آجانا ثابت ہو جائے تو ایک بات باقی رہ جائے گی کہ اس زمانے میں کشمیر اور گلیل دونوں ایک تھے اور اس میں نصاریٰ کی شہادت کی ضرورت ہوگی کیوں کہ ایسے امور میں بقول مرزا صاحب وہی اہل الذکر ہیں۔ جن سے پوچھنے کی ضرورت **فَاسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ** کی رو سے ثابت ہے۔ بہرحال واقعات کے اختلاف بیان سے ثابت ہے کہ ان کے بیان کو اصل واقعات سے کوئی تعلق نہیں۔ اور حکایت بغیر محکی عنہ کے ہوا کرتی ہے جس کو اردو زبان میں جھوٹ کہتے ہیں۔ جب واقعات کی نسبت یہ بات متعدد مقام میں ثابت ہوگئی تو ان کے الہامات مطابق واقع کیوں سمجھے جائیں آخر وہ بھی انہیں کے بیانات ہیں۔

اور لکھتے ہیں کہ ان سب میں سے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ یہ تمام الفاظ واسماء (عیسیٰ دمشق وغیرہ) ظاہر پر ہی محمول ہیں بلکہ صرف پیشین گوئی پر ایمان لے آئے پھر اجماع کس بات پر ہے۔ ہاں تیرہویں صدی کے اختتام پر مسیح موعود کا آنا ایک اجماعی عقیدہ معلوم ہوتا ہے سو اگر یہ عاجز مسیح موعود نہیں تو پھر آپ لوگ مسیح موعود کو آسمان سے اتار کر دکھلا دیں۔ (ازالہ: ۱۸۵) اور تیرہویں صدی کے اختتام پر مسیح کے آنے کا اجماع یوں ثابت کیا گیا کہ شاہ ولی اللہ صاحب اور نواب صدیق حسن خاں صاحب کی رائے ہے کہ شاید کہ چودھویں صدی کے شروع میں مسیح علیہ السلام اتر آئیں۔ (ازالہ: ۱۸۴) حالانکہ

خود تصریح کرتے ہیں کہ اجماع کا ثابت کرنا بغیر تین چار سو صحابہ کے نام بیان کرنے کے نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ لکھتے ہیں صحابہ کا ہرگز اس پر اجماع نہیں بھلا ہے تو کم سے کم تین چار سو صحابہ کا نام لیجئے۔ جو اس باب میں شہادت ادا کر گئے ہیں۔ (ازالہ: ۳۰۳) افسوس ہے صحابۂ کرام کی وقعت نواب صاحب سے کم سمجھی گئی جب ہی تو یہ ضرورت ہوئی کہ جب تک سینکڑوں صحابہ بالاتفاق نہ کہیں اعتبار کے قابل نہیں۔ اور یہاں دو ہی قولوں سے اجماع ہوگیا۔ وہ بھی احتمالی کہ لفظ شاید سے ظاہر ہے۔

نبی ﷺ نے آنے والے مسیح علیہ السلام کی تعیین ہر طرح سے کی ہے۔ عیسیٰ فرمایا، ابن مریم فرمایا، روح اللہ فرمایا، رسول اللہ اور نبی اللہ فرمایا۔ غرض تعیین وتشخیص میں کوئی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا پھر ان کے اترنے کا مقام معین فرمایا کہ دمشق ہے جو ایک شہر کا علَم ہے۔ اور ہر عالم وجاہل جانتا ہے کہ اعلام اور صفات مختصہ صرف تعیین کے لئے ہیں۔ ایسی تعیین کی نسبت مرزا صاحب کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے اس کو لغو ٹھہرادیا اور بے معنی الفاظ پر ایمان لائے۔ مرزا صاحب مسلمانوں کو اپنے پر قیاس کرتے ہیں مگر یہ قیاس مع الفارق ہے اس لئے کہ اس تعیین کا لغو کرنا مرزا صاحب کو مفید ہے جس سے ان کی ذاتی غرض متعلق ہے دوسرے مسلمانوں کو کیا ضرورت کہ اپنے نبی کی بات کو لغو ٹھہرادیں۔

ایک مجذوب کا قول جس کے راوی صرف کریم بخش ہیں۔ نقل کرتے ہیں کہ کریم بخش کا اظہار ہے کہ گلاب شاہ مجذوب نے تیس (۳۰) سال کے پہلے کہا کہ اب عیسیٰ جوان ہوگیا اور لدھیانے میں آکر قرآن کی غلطیاں نکالے گا۔ انہوں نے پوچھا کہ عیسیٰ نبی اللہ تو آسمان پر اٹھائے گئے اور کعبہ پر اتریں گے۔ تب انہوں نے جواب دیا کہ ابن مریم نبی اللہ تو مر گیا اب وہ نہیں آئے گا ہم نے اچھی طرح تحقیق کیا ہے کہ وہ مر گیا۔ (ازالہ: ۷۰۸) اس روایت میں لطف خاص یہ ہے کہ اگر مسلسل بالمجاذیب کہیں تو بجا ہے۔ راوی ایسے کہ عیسیٰ

کو کعبہ پر اتار رہے ہیں اور جن سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ قرآن میں غلطیاں نکالے گا۔ معلوم نہیں کہ انہوں نے اپنی زِڑ میں کیا کہہ دیا اور انہوں نے کیا سمجھا۔ پہلے تو انہوں نے یہی کہا کہ قرآن میں غلطیاں نکالے گا۔ پھر جب دوبارہ پوچھا گیا تو تفسیروں کا نام بھی لے لیا۔ اب دیکھئے کہ نبی کریم ﷺ تو فرماتے ہیں کہ ابن مریم نبی اللہ روح اللہ زندہ ہیں اور زمین پر آئیں گے اور وہ مجذوب صاحب اپنی زِڑ میں اس کے خلاف کہہ رہے ہیں۔ اب اہل اسلام خود ہی فیصلہ کرلیں کہ کونسی بات ایمان لانے کے قابل ہے اور مرزا صاحب کو نبی ﷺ کے ارشادات سے کس قسم کا تعلق ہے۔

احادیث میں عیسیٰ علیہ السلام کے اترنے کی حالت اس طرح وارد ہے کہ وہ دمشق میں مشرقی منارے کے پاس دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھ کر اتریں گے اس وقت ان پر زرد لباس ہوگا اور پسینہ چہرے سے ٹپکتا ہوگا۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں دمشق سے مراد قادیان ہے۔ (ازالہ:۱۳۵) اور زرد لباس سے مراد یہ ہے کہ ان کی حالت صحت اچھی نہ ہوگی اور فرشتوں پر ہاتھ رکھنے سے یہ مقصود کہ دو شخص ان کو مدد دیں گے۔ (ازالہ:۳۱۹) جو امور ایسے تھے کہ مرزا صاحب ان کو اپنے لئے ثابت نہیں کر سکتے تھے بجبوری ان میں تاویل کی اور منار بنوالینا چوں کہ اختیاری امر تھا اس لئے بکشادہ پیشانی اس کو قبول کیا بلکہ اپنا شعار قرار دیا۔ چنانچہ اخبار الحکم کے ہر پرچے پر منار کا نقشہ کھچا ہوتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ وہی نشانی ہے جو حدیث میں ہے کہ منارۂ دمشق کے پاس مسیح اتریں گے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ (ازالہ:۱۵۸)

از کلمۂ منارۂ شرقی عجب مدار   چوں خود ز مشرق است تجلی نیرم
اینک منم کہ حسب بشارات آمدم   عیسیٰ کجاست تا بنہد پا بمنبرم

مرزا صاحب نے اس موقع میں یہ خیال نہ کیا کہ حدیث میں تو منارۂ دمشق ہے پھر جب دمشق ندارد اور منار موجود ہو تو مسئلہ انیاب اغوال پیش نظر ہو جائے گا۔ غرض کہ یہ

طریقہ بد جو اختیار کیا گیا کہ ایک ہی حدیث میں تمام امور کی تاویلیں کی جائیں اور ایک چیز اپنے ہاتھ سے بنا کر اس کے ظاہری معنی لئے جائیں، لطف سے خالی نہیں۔

اور لکھتے ہیں کہ ہر ایک جگہ جو اصل مسیح ابن مریم کا حلیہ لکھا ہے اس کے چہرے کو احمر بیان کیا ہے اور ہر ایک جگہ جو آنے والا مسیح کا حلیہ بقول آنحضرت ﷺ بیان فرمایا ہے اس کے چہرے کو گندم گوں ظاہر کیا۔ (ازالہ: ۹۰۰) مرزا صاحب بار بار ذکر کرتے ہیں کہ میں گندمی رنگ ہوں اس وجہ سے مسیح موعود ہوں یہاں تک اس پر وثوق ہے کہ اس کو نظم میں لکھا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

موعودم و بحلیۂ ماثور آمدم — حیف است گر بدیدہ نہ بینند منظرم

رنگم چو گندم است و بمو فرق بین است — زانساں کہ آمدہ است در اخبار سرورم

ایں مقدمم نہ جائے شکوک است والتباس — سیّد جدا کند ز مسیحائے احمرم

عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا واقعہ اسلام میں چوں کہ ایک مہتم بالشان ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کے ذاتی اور اخلاقی اور مقامی وغیرہ علامات بکثرت بیان فرمائے ہیں جن کا ذکر یہاں موجب تطویل ہے۔ وہ سب کتب احادیث اور قیامت نامۂ مولانا رفیع الدین صاحب وغیرہ میں مذکور ہیں۔ غرض کہ ان تمام علامتوں سے مرزا صاحب نے ان دو علامتوں کو بلا تاویل قبول کیا۔ ایک اس وجہ سے کہ منارہ بنوالینا آسان ہے۔ دوسری رنگ والی جو صادق آ گئی۔ باقی کل علامات مختصہ میں تاویلیں کیں۔ پھر رنگ والی حدیث میں یہ بھی مذکور نہیں کہ جب وہ اتریں گے تو ان کا رنگ گندمی ہوگا اس حدیث میں تو نزول کا ذکر ہی نہیں وہ تو ایک خواب کا واقعہ تھا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا، اس وقت ان کا رنگ گندمی تھا۔

جن علامات کا بیان کرنا مقصود بالذات ہے۔ وہ تو ماؤل ٹھہریں اور جو مقصود

بالذات نہیں وہ محکم۔ عجب حیرت انگیز بات ہے اب مرزا صاحب کی اس تقریر پر غور کیجئے کہ مشکل تو یہ ہے کہ روحانی کوچے میں علماء کو دخل ہی نہیں یہودیوں کی طرح ہر ایک بات کو جسمانی قالب میں ڈھالتے جاتے ہیں۔ (ازالہ:۸۴) جیسے مرزا صاحب نے رنگ اور منار کو جسمانی قالب میں ڈھالا ہے اور اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر بات جسمانی قالب میں نہ ڈھالی جائے بلکہ جو اتفاقاً منطبق ہو سکے منطبق کی جائے اور جو کہ منطبق نہ ہو بمجبوری اس کو روحانی بنالیں تو یہ طریقہ آسان تو ہے لیکن اس میں جھوٹوں کو بہت کامیابی ہوگی۔

یہ طریقہ جو مرزا صاحب نے اختیار کیا ہے اس میں ان کا بھی ضرر ہے اس لئے کہ اگر خدانخواستہ کوئی مفتری کذاب زباں دراز شیخ عیسیٰ ہو۔ دمشق کی مسجد کے منار پر دو لڑکوں کو لے جا کر دو زرد چادریں اوڑھے اور ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اترے اور یہ دعویٰ کرے کہ میرا نام بھی عیسیٰ ہے اور یہ دو معصوم فرشتہ خصال میرے ساتھ ہیں اور میرا رنگ بھی گندمی ہے اور خاص دمشق کی مسجد کے منارے سے اترا بھی ہوں اور باقی علامات مختصہ مثل قتل دجال وغیرہ میں وہی تاویلیں کرے جو مرزا صاحب کرتے ہیں تو اس میں ظاہری علامتیں بہ نسبت مرزا صاحب کے زیادہ جمع ہونے سے ظاہر بین معتقد اس کی طرف ضرور جھک پڑیں گے۔ مگر اہل اسلام کیا صرف ایسے غیر مختصہ علامتوں کو دیکھ کر اس کی ان بیہودہ باتوں کی تصدیق کر لیں گے؟ ہرگز نہیں۔

اب رنگ کا بھی حال تھوڑا سا سن لیجئے۔ حدیث شریف میں عیسیٰ علیہ السلام کے رنگ کے باب میں لفظ **آدم** وارد ہے۔ لسان العرب میں لکھا ہے **الآدم من الناس الاسمر** اور اسی میں لکھا ہے۔ **وفی وصفه ﷺ کان اسمر اللون وفی روایة ابیض مشرباً بالحمرة.** یعنی آدم اسمر کو کہتے ہیں۔ اور آنحضرت ﷺ اسمر اللون تھے اور ایک روایت سے ثابت ہے کہ حضرت ﷺ کا رنگ گورا تھا جس میں نہایت سرخی تھی۔ اس سے ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مثل آنحضرت ﷺ کے نہایت سرخ و سفید تھے۔ غرض کہ اس تقریر سے

احمر و آدم میں جو تعارض معلوم ہوتا ہے، اٹھ جاتا ہے۔ اور اگر تسلیم بھی کیا جائے کہ گندمی رنگ میں سرخی نہیں ہوتی بلکہ مائل بسیاہی ہوتی ہے تو اس کی وجہ نہایت ظاہر ہے۔ ہر ذی علم جانتا ہے کہ چند میل پر آسمان کی جانب کرۂ زمہریر ہے۔ جب عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے اور کرۂ زمہریر پر سے ان کا گذر ہوگا۔ تو رنگ میں کسی قدر سیاہی آجائے گی کیونکہ تجربے سے ثابت ہے کہ سخت سرما میں سردی کی وجہ سے رنگ میں سیاہی آجاتی ہے اور چونکہ آنے کے وقت کی علامتیں بتلانا منظور تھا اس لئے یہ عارضی رنگ معلوم کرایا گیا اس کے بعد جب رنگ اپنی اصلیت پر آجائے گا تو دوسری حدیث کی بھی تصدیق ہو جائے گی۔ مرزا صاحب کبھی کہتے ہیں کہ میں مثیل عیسیٰ ہوں اور اس پر یہ استدلال پیش کرتے ہیں کہ **علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل** حدیث میں وارد ہے۔ اور کبھی کہتے ہیں کہ میرا نام ہی حق تعالیٰ نے عیسیٰ بن مریم رکھ دیا جیسے شیخ داؤد وغیرہ نام ہوا کرتے ہیں۔ مگر ان دونوں صورتوں میں نبوت ثابت نہیں ہوتی۔ حالانکہ آنے والے عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ نبی اور رسول تھے۔ اب اگر مرزا صاحب نبوت کا بھی دعویٰ کرتے ہیں تو تمیں دجالوں سے ایک دجّال قرار پاتے ہیں جیسا کہ اوپر معلوم ہوا اور اگر نبوت کا انکار کرتے ہیں تو عیسیٰ موعود نہیں ہو سکتے۔ غرض کہ اس مقام میں سخت مصیبت کا سامنا اور عجب پریشانی لاحق حال ہے۔ چنانچہ تحریرات ذیل سے معلوم ہوگا کہ کیسی کیسی کارسازیوں کی ضرورت پڑی۔

تحریر فرماتے ہیں یہ عاجز بار بار کہتا ہے کہ میں بھی تمہاری طرح ایک مسلمان ہوں اور ہم مسلمانوں کے لئے بجز قرآن کے کوئی کتاب نہیں اور بجز جناب ختم المرسلین احمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی ہادی اور مقتدا نہیں۔ (ازالہ:۱۸۴) اور لکھتے ہیں کہ میں نہیں سمجھتا کہ میرے قبول کرنے میں نقصان دین کس وجہ سے ہو سکتا ہے نقصان تو اس صورت میں ہوتا کہ اگر یہ عاجز برخلافِ تعلیم اسلام کے کسی اور نئی تعلیم پر چلنے کے لئے انہیں مجبور کرتا۔ (ازالہ:۱۸۱)

اور لکھتے ہیں کسی نبی کا اپنے تئیں مثیل ٹھہرانا عند الشرع جائز ہے یا نہیں۔ سو ہم نماز میں اس دعا کے مامور ہیں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یعنی اے خدا ہمیں ایسی ہدایت بخش کہ ہم آدم صفی اللہ حتی کہ محمد مصطفی ﷺ کے مثیل ہو جائیں اور علمائے ربانی کے لئے یہ خوشخبری ہے کہ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ (ازالہ:۲۵۶)

اور لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے کہ ہر ایک صدی پر ایک مجدد کا آنا ضرور ہے اب ہمارے علماء جو بظاہر اتباع حدیث کا دم بھرتے ہیں انصاف سے بتلائیں کہ کس نے اس صدی پر خدائے تعالیٰ سے الہام پا کر مجدد ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ (ازالہ:۱۵۴)

اور لکھتے ہیں کہ الہام الٰہی و کشف صحیح ہمارا مؤید ہے۔ ایک متدین عالم کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ الہام اور کشف کا نام سن کر چپ ہو جائے اور لمبی چوڑی چون چرا سے باز آ جائے۔ (ازالہ:۱۴۸) اور لکھتے ہیں کہ جنہوں نے اس عاجز کا مسیح موعود ہونا مان لیا انہوں نے اپنے بھائی پر حسن ظن کیا اور اس کو مفتری اور کذاب نہیں ٹھہرایا۔ (ازالہ:۱۷۹) اور لکھتے ہیں پھر میرے اس دعوے پر ایمان لانا جس کی الہام الٰہی پر بنیاد ہے کون سے اندیشے کی جگہ ہے۔ بفرض محال اگر میرا یہ کشف غلط ہے اور جو کچھ مجھے حکم ہو رہا ہے اس کے سمجھنے میں دھوکا کھایا ہے تو ماننے والے کا اس میں حرج ہی کیا۔ (ازالہ:۱۸۲)

اس قسم کی اور عبارتیں بہت سی ہیں جن سے واضح ہے کہ مرزا صاحب بھی مثل اور مسلمانوں کے ایک مسلمان ہیں اگر دعویٰ ہے تو صرف مجددیت اور کشف و الہام کا ہے اور اس میں بھی غلط فہمی کا احتمال بیان کرتے ہیں اور اگر مثیل عیسیٰ بھی ہیں تو اسی حد تک جو دوسرے علمائے امت کو مثلیت حاصل ہے اور درخواست اسی قدر ہے کہ حسن ظن کر کے مفتری اور کذاب نہ کہا جائے۔ غرض کہ یہاں تک کوئی ایسی بات نہیں جو مرزا صاحب کو دوسرے امتیوں سے ممتاز کر دے کیوں کہ ہزارہا اہل کشف و الہام و مجددین امت میں گزر چکے ہیں

اوراب بھی موجود ہیں، سب امتی کہلاتے ہیں۔ مرزا صاحب ان تقریرات میں دجالیت سے اپنی براءت ثابت فرماتے ہیں کہ مجھے نبوت اور رسالت کا دعویٰ نہیں جس سے بحسب حدیث دجال ہونا لازم آئے۔ اب رہی وہ حدیثیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے القاب نبی اللہ اور رسول اللہ ثابت کرتی ہیں سو ان سے بھی انکار نہیں۔ چنانچہ لکھتے اب اگر مثالی طور پر مسیح یا ابن مریم کے لفظ سے کوئی امتی شخص مراد ہو جو محدثیت کا مرتبہ رکھتا ہو تو کوئی بھی خرابی لازم نہیں آتی کیونکہ محدث من وجہ نبی بھی ہوتا ہے مگر وہ ایسا نبی ہے جو نبوت محمدی کے چراغ سے روشنی حاصل کرتا ہے اور اپنی طرف سے براہِ راست نہیں بلکہ اپنے نبی کے طفیل سے علم پاتا ہے۔ (ازالہ:۵۸۶)

اور لکھتے ہیں کہ اس حکیم مطلق نے اس عاجز کا نام آدم اور خلیفۃ اللہ رکھ کر اور **اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً** کی کھلی کھلی طور پر براہین احمدیہ میں بشارت دے کر لوگوں کو توجہ دلائی کہ تا اس خلیفۃ اللہ آدم کی اطاعت کریں اور اطاعت کرنے والی جماعت سے باہر نہ رہیں اور ابلیس کی طرح ٹھوکر نہ کھائیں اور **من شذ شذ فی النار** کی تہدید سے بچیں۔ (ازالہ:۶۹۵) اور عقائد مرزا میں مرزا صاحب کا قول نقل کیا ہے کہ میں نبی اللہ اور رسول اللہ ہوں اور میرا منکر کافر ہے۔

عبارت سابقہ میں محدث کو نبی من وجہ قرار دیا تھا چونکہ اس امت میں محدث بھی بہت سے ہیں خاص کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا محدث ہونا تو صراحتاً حدیث سے ثابت ہے مگر انہوں نے کبھی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ کبھی یہ کہا کہ خدا نے مجھے بھیجا ہے اس لئے اس طریقہ سے اعراض کر کے یہ طریقہ اختیار کیا کہ خود خدا نے مجھے اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے۔ اور براہین احمدیہ میں یہ اعلان دے دیا کہ جو مرزا صاحب کی اطاعت نہ کرے وہ دوزخی ہے۔ اب اگر مرزا صاحب سے پوچھا جائے کہ خاتم النبیین کے بعد خلافت الٰہی اور نبوت کیسی؟ تو صاف فرمائیں گے کہ جاؤ خدا سے پوچھو کہ ایسا کیوں کیا۔ جیسا کہ فرمایا تھا کہ اگر میں عیسیٰ موعود نہیں ہوں تو جاؤ عیسیٰ کو آسمان سے اتار لاؤ۔ اب یہ کس سے ہو سکے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان سے

اتارے یا خدا سے پوچھے اور یہ تو پہلے ہی کہہ دیا کہ عالم کو ضرور ہے کہ کشف کا نام سن کر چپ ہوجائے اور لمبی چوڑی چوں وچرا سے باز آجائے۔ یہی وجہ ہے کہ مرزا صاحب کے پیرو دم بخود ہیں۔ نہ خدا سے پوچھ سکتے نہ چوں وچرا کر سکتے مگر اتنا تو پوچھا ہوتا کہ کس قوم کے خدا نے اپنی کتاب براہین احمدیہ میں آپ کی بشارت دی کیونکہ آسمانی کتابوں میں تو اس کا نام سنا نہیں جاتا۔

یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ مرزا صاحب کا منکر کافر اور دوزخی کیوں ہے۔ محدثیت اور مجددیت وغیرہ تو ایسے امور نہیں کہ ان کے انکار سے آدمی کافر ہوجائے۔ کیونکہ ان امور کا نہ قرآن میں صراحتاً ذکر ہے، نہ احادیث سے ثابت کہ مدعی محدثیت وغیرہ کا منکر کافر ہے۔ پھر جن احادیث میں ان امور کا ذکر ہے وہ آحاد ہیں جن کا منکر کافر نہیں ہوتا۔ اور بقول مرزا صاحب اگر احادیث صحیح بھی ہوں تو مفید ظن ہیں **والظن لایغنی من الحق شیئاً۔** (ازالہ: ۴۵۴) یعنی اعتبار کے قابل نہیں۔ اب رہا ان کی عیسویت کا انکار سو وہ بھی باعث کفر نہیں اس لئے کہ اس کا ثبوت نہ عقلاً ممکن ہے، نہ نقلاً۔ کیونکہ کسی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ غلام احمد قادیانی کو خدا عیسیٰ بنا کر بھیجے گا اور قطع نظر اس کے خود مسئلہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کا انکار باعث کفر نہیں۔ چنانچہ خود تحریر فرماتے ہیں یہ جاننا چاہیے کہ مسیح کے نزول کا عقیدہ کوئی ایسا عقیدہ نہیں ہے جو ہمارے ایمانیات کا جز یا ہمارے دین کے رکنوں میں سے کوئی رکن ہو۔ (ازالہ: ۱۴۰)

جب اصل نزول عیسیٰ کا مسئلہ ضروری نہ ہوا تو مرزا صاحب کی فرضی عیسویت پر ایمان کیوں کر ضروری ہوسکتا ہے۔ غرض کہ ان میں سے کوئی بات ایسی ضروری نہیں کہ اس پر ایمان نہ لانے سے آدمی کافر اور دوزخی بن جائے اور مرزا صاحب بھی اس کے مدعی نہیں جیسا کہ عقیدہ نزول مسیح میں اس کی تصریح کردی۔ البتہ تمام اہل اسلام کے نزدیک مسلّم ہے کہ جو شخص کسی نبی کا منکر ہو وہ کافر اور دوزخی ہے۔ چنانچہ صفتِ ایمان سے ثابت ہے کہ رسل اور کتبِ الٰہی کا اقرار جزوِ ایمان ہے۔ اور مرزا صاحب اخبار الحکم مورخہ ۱۱ صفر ۱۳۲۳ھ میں اپنی امت کو حکم دیتے ہیں کہ

یادرکھو کہ جیسا خدا نے مجھ کو اطلاع دی ہے تمہارے پر حرام اور قطعی حرام ہے کہ مکفر یا مکذب یا متردد کے پیچھے نماز پڑھی جائے کیونکہ زندہ مردے کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو کوئی ان کی نبوت میں شک کرے وہ مردہ ہے یعنی کافر۔ اس لئے کہ نبی ﷺ پر ایمان نہ لانے والوں کو حق تعالیٰ نے کئی جگہ قرآن میں مردہ فرمایا ہے اور خود مرزا صاحب بھی لکھتے ہیں کہ قرآن نے کافر کا نام بھی مردہ رکھا ہے۔ (ازالہ: ۶۲۰) غرض کہ ان تحریرات سے اور نیز تصریحات سے ثابت ہے کہ وہ اپنے آپ کو نبی اور رسول کہتے ہیں اسی بناء پر اپنے منکر اور متردّد کو کافر اور دوزخی قرار دیتے ہیں۔ بہر حال احادیث میں جو نبوت عیسیٰ کا ذکر تھا اور مرزا صاحب کی عیسویت میں کمی رہ گئی تھی اس کی تکمیل انہوں نے یوں کر لی کہ خدا نے مجھے رسول اللہ اور نبی اللہ بنا کر بھیجا۔ اب رہ گیا ابن مریم اور روح اللہ۔ سو الہام کے ذریعے سے خود مریم بن کر اپنے بیٹے کو ابن مریم بنادیا اور خود نبی اللہ ہو گئے اور روح اللہ بننے کی کوئی تدبیر نہیں سوجھی سو اس کے لئے مثیل والے الہام موجود ہیں۔ غرض کہ عیسیٰ علیہ السلام کی تعین جو احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ عیسیٰ رسول اللہ، نبی اللہ، روح اللہ، ابن مریم اتریں گے سب اپنے پر چسپاں کر کے عیسیٰ موعود ہو گئے۔ اور اس کے ضمن میں نبوت اور رسالت مستقلہ بھی ثابت کر لی اب اس کی بھی ضرورت نہیں کہ کوئی عیسیٰ کہے اس لئے کہ نبوت سے بہتر عیسویت کا درجہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اس امت میں عیسیٰ علیہ السلام بحیثیت نبی نہ آئیں گے۔ اسی وجہ سے اپنے منکر کو کافر کہہ دیا اور نزول عیسیٰ کے منکر کو کافر نہیں کہا جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اور عیسیٰ کا درجہ اپنے بیٹے کو دے دیا اس میں شک نہیں کہ مرزا صاحب دعویٰ نبوت وغیرہ کر کے عوام کے ذہن میں عیسویت کے زینے تک پہنچ گئے تھے۔ مگر احادیث نبویہ نے اس سے علیحدہ کر کے فوراً ان کو مخالفین عیسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمرے میں داخل کر دیا۔ چنانچہ بخاری وغیرہ کی احادیث صحیحہ صاف کہہ رہی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد جو کوئی نبوت کا دعویٰ کرے وہ دجال اور کذاب ہے۔

کیا اب بھی مسلمانوں کو اس باب میں شبہ ہوسکتا ہے کہ مرزا صاحب نے جو لکھا ہے کہ ان کو نہ ماننے والا کافر اور دوزخی ہے یہ بات صحیح اور مطابق واقع کے ہوسکتی ہے۔ اگر نبی ﷺ کی صحیح حدیثوں کا بھی دل پر کچھ اثر نہ ہوتو سوائے اِنَّا لِلّٰہِ پڑھنے کے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ البتہ اپنے مسلمان بھائیوں سے اتنا تو ضرور کہیں گے کہ اپنے نبی کریم ﷺ کے ارشادات کو ہر وقت پیش نظر رکھیں ورنہ ہر زمانے میں بہکانے والے اقسام کی تدابیر سوچتے رہتے ہیں۔ چنانچہ مولانائے روم قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

ہر یکے در کف عصا کہ موسیم　　　　میدمد در جاہلاں کہ عیسیم

مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ آج کل یہ کوشش ہورہی ہے کہ مسلمانوں کو جہاں تک ممکن ہے کم کردیا جائے اور بدسر رشت مولویوں کے حکم اور فتوے سے دین اسلام سے خارج کردیئے جائیں اور اگر ہزار درجہ اسلام کی پائی جائے تو اس سے چشم پوشی کرکے ایک بیہودہ اور بے اصل وجہ کفر کی نکال کر ان کو ایسا کافر ٹھہرادیا جائے کہ گویا وہ ہندوؤں اور عیسائیوں سے بدتر ہیں۔ (ازالہ:۵۹۴) مقام غور ہے کہ مولویوں نے جہاں تک ممکن تھا تحقیق کی جب دیکھا کہ صحیح صحیح حدیثیں مدعیان نبوت کی دجالیت اور کذابیت ثابت کررہی ہیں تو مجبوری جو احکام اور ارشادات اپنے نبی ﷺ کے وارد ہیں بلا کم وکاست پیش کردیئے۔ مگر مرزا صاحب نے بلاتحقیق ایک ہی بات میں فیصلہ کردیا کہ جو کوئی میری نبوت میں تردد کرے وہ کافر ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا قطعی حرام ہے۔ پھر اس بیہودہ اور بے اصل وجہ کفر سے ہزاروں کیا جمیع وجوہ اسلام بھی کسی میں پائے جائیں تو بھی وہ اس دائرۂ کفر سے خارج نہیں ہوسکتا۔ سوائے اپنی امت کے انہوں نے کل اہل اسلام کو کافر اور دوزخی قرار دیا اور اس قابل بھی نہیں سمجھا کہ ان کی نماز صحیح ہوسکے۔ پھر اپنی ہی تکفیر پر کفایت نہیں کرتے۔ بلکہ خدا کی طرف سے بھی پیام پہنچارہے ہیں کہ جتنے مسلمان ہیں

سب کافر ہیں۔ چنانچہ یہ الہام **قُلْ یَاأَیُّھَا الکفار انی مِنَ الصَّادقین فَانظُرُوا آیاتی حَتّٰی حین۔** (ازالہ:۸۵۵) یعنی خدا نے مرزا صاحب سے کہا تو کہہ اے کافرو میں سچا ہوں میری نشانیوں کا ایک وقت تک انتظار کرو انتہی۔

اب مرزا صاحب ہی انصاف سے فرمائیں کہ بدسرشتی میں نمبر کس کا بڑھا رہے گا۔ مرزا صاحب مخالفین کی تکفیر بھی کرتے ہیں اور جہاں ضرورت ہوتی ہے انکار بھی کر جاتے ہیں۔ چنانچہ ابھی معلوم ہوا کہ جب بعض حضرات مباہلہ کرنے پر مستعد ہوئے کہ اگر دعویٰ عیسویت ہے تو مرزا صاحب میدان میں نکلیں اور ہم بھی نکلتے ہیں اور ہر فریق جھوٹے پر لعنت کرے۔ مرزا صاحب نے اس موقع میں صاف یہ کہہ دیا کہ میں اپنے مخالفین کو جھوٹا اور لعنتی ہرگز نہیں سمجھتا۔ اس قسم کی تحریرات مرزا صاحب کی بہت ہیں۔ اگر وہ سب لکھی جائیں اور ان میں بحث کی جائے تو کئی جلدیں ہو جائیں گی۔ چونکہ اس کتاب میں ہمیں صرف اہل انصاف کو یہ دکھلانا منظور ہے کہ مرزا صاحب کی کارروائیاں کس قسم کی ہوتی ہیں۔ سو بفضلہٖ تعالیٰ معلوم ہوگیا کہ مرزا صاحب کے کلام میں کس قدر تعارض اور نصوص کی مخالفت اور خودغرضیاں ہوا کرتی ہیں۔

مرزا صاحب نے جو لکھا ہے کہ جنہوں نے مجھ کو مسیح موعود مان لیا ہے انہوں نے اپنے بھائی پر حسن ظن کیا۔ جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اور سب کو حسن ظن کی ہدایت فرماتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں مکاشفات میں استعارات غالب ہیں اور حقیقت سے پھیرنے کے لئے الہامِ الٰہی قرینۂ قویہ کا کام دے سکتا ہے اور آپ حسن ظن کے مامور ہیں۔ (ازالہ:۲۰۹) فی الحقیقت مسلمانوں کے ساتھ حسن ظن کی ضرورت ہے چنانچہ خود حق تعالیٰ فرماتا ہے **اِنَّ بَعضَ الظَّنِّ اِثمٌ** مگر افسوس ہے کہ مرزا صاحب نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ہمارے نبی کریم ﷺ کی غلطیاں بیان کیں۔ جیسا کہ معلوم ہوگا اور حسن ظن سے ذرا بھی کام نہ لیا کہ افضل الانبیاء

سے کیونکر غلطی ہو سکتی ہے۔ ضرور ہے کہ کوئی توجیہہ ایسی ہو گی جس تک ہماری عقل نہیں پہنچ سکتی۔ اب اگر اہل اسلام مرزا صاحب پر حسن ظن کر کے ان کے الہاموں کو صحیح مان لیں تو اپنے نبی کی غلطیوں کی تصدیق اور بہت سی حدیثوں کی تکذیب کرنی پڑتی ہے جو حرام قطعی بلکہ **مفضی الی الکفر** ہے اور ظاہر ہے کہ **مقدمة الحرام حرام** اس لئے مرزا صاحب پر حسن ظن حرام سمجھا جاتا ہے اور یہ بات بھی قابل تسلیم ہے کہ جتنے مدعیان نبوت آنحضرت ﷺ کے بعد ہوئے ہیں۔ سب کو اسلام کا دعویٰ اور نبی کریم ﷺ کی تصدیق تھی یہاں تک کہ مسیلمہ کذاب بھی حضرت ﷺ کو نبی ہی سمجھتا تھا جیسا کہ زاد المعاد میں ابن قیم نے لکھا ہے۔ پھر اگر بقول مرزا صاحب ان تمام مسلمانوں پر حسن ظن کیا جاتا تو اب تک دین کی حقیقت ہی کچھ اور ہو گئی ہوتی۔ اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ان سے بدگمان اور دور رہنے کے لئے تاکید فرمائی ہے (کمافی المشکوۃ) **عَنْ اَبِیْ هُرَیرة قَالَ قَالَ رَسُوْل الله ﷺ یَکُوْن فِیْ آخِرِ الزَّمَان دَجَّالُوْنَ کَذَّابُوْنَ یَاتُوْنَکُمْ مِنَ الْاَحَادِیث بِمَا لَاتَسْمَعُوْا اَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُکُمْ فَاِیَّاکُمْ وَاِیَّاهُمْ لَایُضِلُّوْنَکُمْ وَلَا یَفْتِنُوْنَکُمْ** (رواہ مسلم) یعنی فرمایا نبی ﷺ نے کہ آخری زمانے میں دجال اور جھوٹے پیدا ہوں گے وہ لوگ ایسی باتیں کریں گے کہ نہ تم نے سنا، نہ تمہارے آباؤ اجداد نے، ان سے بچو اور ڈرتے رہو کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کریں اور فتنے میں نہ ڈال دیں انتہی۔ مولائے روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست — پس بہر دستی نباید داد دست

عقائد مرزا میں ان کا قول اشتہار دافع البلاء سے نقل کیا ہے کہ میں اللہ کی اولاد کے رتبے کا ہوں۔ میرا الہام ہے کہ **اَنْتَ منی بمنزلة اولادی** انتہی۔ اس کے دیکھنے سے ابتداء تو بڑی پریشانی ہوئی کہ اللہ کی اولاد مرزا صاحب نے کہاں سے ڈھونڈ نکالی اور کس کتاب سے معلوم کیا ہو گا۔ مگر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ خود قرآن میں اس کا ذکر ہے قال

اللہ تعالیٰ وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارىٰ نَحْنُ اَبْنَاءُ اللهِ وَاَحِبَّاؤُهُ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ. یعنی یہود ونصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کی اولاد اور اس کے دوست ہیں ان سے کہو جب ایسا ہے تو تمہیں تمہارے گناہوں کی سزا کیوں دیتا ہے۔ غرض کہ اولاد کا ذکر تو معلوم ہوا مگر اس میں تأمل ہے کہ مرزا صاحب کا رتبہ یہود ونصاریٰ کے رتبے کے برابر کیوں کر ہو سکے گا۔ اگر دنیوی حیثیت سے دیکھئے تو مرزا صاحب نہ ان کے سے مالدار ہیں، نہ صاحب حکومت۔ اور آخرت کے لحاظ سے بھی یقینی طور پر ہم رتبہ نہیں کہہ سکتے کیوں کہ ممکن ہے کہ مرزا صاحب ان خرافات سے توبہ کر لیں۔ یہاں یہ بات معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ جب کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہی ممتنع الوجود ہے تو ان کا ہم رتبہ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا تھا اور یہ الہام لغو ہو جاتا تھا اس لئے کسی اولاد فرضی کے تصور کی ضرورت ہوئی۔

ابن حزم نے کتاب الملل والنحل میں اور ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں لکھا ہے کہ ابو منصور مستر عجلی جس کا لقب کسف تھا اس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور اس دعوے کو اس طرح مدلل کیا تھا کہ ایک بار مجھے معراج ہوئی۔ جب میں آسمان پر گیا تو حق تعالیٰ نے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا یَابُنَی اذهب فبلغ عنی یعنی اے میرے پیارے بیٹے! جا اور لوگوں کو میرا پیام پہنچا۔ یہ بات پوشیدہ نہیں کہ ہر زمانے میں ہر قسم کی طبیعت کے لوگ ہوا کرتے ہیں۔ بعضوں نے دیکھا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعَابِدِيْنَ یعنی کہو اے محمد ﷺ کہ اگر خدا کا کوئی بیٹا ہو تو میں اس کی عبادت کرنے والوں میں پہلا شخص ہوں گا انتہی۔ ممکن ہے کہ وہ اس کی تلاش میں ہوں پھر جب ابو منصور نے کہا کہ خدا نے مجھ کو بُنَی فرمایا تو انہوں نے اس کو نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر یہ خیال کیا ہوگا کہ آخر ہم اپنے بھائی پر حسن ظن کرنے کے مامور بھی ہیں۔ اور ایک اعلیٰ درجہ کا شخص جو نبوت کا دعویٰ رکھتا ہے یہ کہہ رہا ہے تو ضرور مطابق واقع کے ہوگا اس لئے اس کو مان لیا اور اس کے برابر اپنا رتبہ تصور کر لیا۔

مرزا صاحب نے دیکھا کہ بیٹا کہنے میں جھگڑا پڑ جائے گا، مقصود محبت ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ اولاد کی محبت سے زیادہ کسی کے ساتھ محبت نہیں ہوا کرتی اس لئے بمنزلہ اولاد بننا بہتر ہوگا۔ اور پرستش جاری ہونے کے لئے اتنا بھی کافی ہے کیوں کہ اگر خدائے تعالیٰ کو نعوذ باللہ حقیقی اولاد ہوتی تو ضرور قابل پرستش ہوتی جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔ مرزا صاحب جو کہتے ہیں کہ میں اللہ کی اولاد کے رتبے کا ہوں۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ اپنے کو مستحق عبادت بھی قرار دے رہے ہیں۔ کیونکہ ہر رتبے کے احکام معین ہوا کرتے ہیں۔ خدا کی اولاد کا رتبہ یہی ہے کہ مستحق عبادت ہو جیسا کہ قرآن شریف سے ظاہر ہے۔ جب مرزا صاحب نعوذ باللہ خدا کے متبنیٰ ٹھہرے تو عقلاً اتنا ضرور ہے کہ ان کی امت ان کی عبادت کرتی ہوگی۔ افسوس ہے کہ مرزا صاحب کو اس الہام کے بنانے کے وقت ذرا بھی شرم نہ آئی۔

اب کس طرح سمجھا جائے کہ مرزا صاحب کو خدائے تعالیٰ پر اور روز جزا وسزا پر ایمان بھی ہے۔ پھر یہ دعویٰ تو پہلے ہی ہو چکا تھا کہ حق تعالیٰ سے بے تکلف بات چیت کر لیا کرتے ہیں۔ چنانچہ ضرورۃ الامام صفحہ ۱۳ اور ۱۴ میں لکھتے ہیں کہ جو لوگ امام الزماں ہو خدائے تعالیٰ ان سے نہایت صفائی سے مکالمہ کرتا ہے اور ان کی دعا کا جواب دیتا ہے اور بسا اوقات سوال اور جواب کا ایک سلسلہ منعقد ہو کر ایک ہی وقت میں سوال کے بعد جو اب اور پھر سوال کے بعد جواب ایسی صفائی اور لذیذ اور فصیح الہام کے پیرایہ میں شروع ہوتا ہے کہ صاحب الہام خیال کرتا ہے کہ گویا وہ خدائے تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے خدائے تعالیٰ ان سے بہت قریب ہو جاتا ہے اور کسی قدر پردہ اپنے پاک اور روشن چہرے سے جو نور محض ہے اتار دیتا ہے اور وہ اپنے تئیں ایسا پاتے ہیں کہ گویا ان سے کوئی ٹھٹا کر رہا ہے اس کے بعد لکھتے ہیں کہ میں اس وقت بے دھڑک کہتا ہوں کہ وہ امام الزماں میں ہوں انتہی۔

غرض کہ ٹھٹا اور مزاح کی انبساطی حالت میں درخواست کر کے الہام بھی اتروالیا

کہ انت منی بمنزلة اولادی جس سے معتقدین کا حسن ظن اور دوبالا ہو گیا اور جب آیہ موصوفہ یعنی قل ان کان للرحمن ولد قرآن شریف میں پڑھتے ہوں گے تو کیسی خوشی ہوتی ہو گی کہ ہمارے مرزا صاحب کو بھی یہ رتبہ حاصل ہے اور اس خوشی میں معلوم نہیں کیسے کیسے خیالات پیدا ہوتے ہوں گے، جن کی تصریح کرنے پر زبان اٹھ نہیں سکتی۔ کم سے کم اتنا تو ضرور ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے رتبے سے ان کا مرتبہ بلند تر سمجھتے ہوں گے۔ جس کا لازمہ یہ ہے کہ اس نص قطعی سے ان کو مستحق عبادت سمجھ لیا ہو گا کیوں کہ اگر اس رتبے میں تامل کیا تو الہام پر ایمان نہ ہوا اور جب الہام صحیح مان لیا گیا ہے تو ان کی پرستش لازم ہو گئی۔ نعوذ باللہ من ذالک مگر مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ سے زیادہ کوئی محبوب رب العالمین نہیں ہو سکتا باوجود اس کے نہ حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں اس قسم کی محبت بیان کی، نہ آنحضرت ﷺ نے کبھی فرمایا۔ دیکھئے ابتداء کیا تھی اور انتہا کہاں ہوئی۔ اس کے بعد صرف انا ربکم الاعلی کا دعویٰ باقی رہ گیا تھا۔ سو اس میں بھی یوں دخل دیا گیا کہ یہ الہام ہوا انما امرک اذا اردت شیًا ان تقول له کن فیکون۔ جس کو الحکم مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۰۵ء میں لکھا ہے۔ جس کا مطلب صاف ہے کہ وہ جو کچھ پیدا کرنا چاہیں صرف کن کہہ دینے سے وہ چیز پیدا ہو جائے گی۔ لیجئے خالقیت بھی مسلم ہو گئی پہلے نبوت کی وجہ سے عیسویت کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ اب تو نبوت کی بھی ضرورت نہ رہی۔

حق تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے احیاء موتی کی خبر قرآن شریف میں دیتا ہے قولہ تعالیٰ اِنِّیْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ وہ احیائے موتی نہ تھا بلکہ قریب الموت مردہ کو مسمریزم کے عمل سے چند منٹ کے لئے حرکت دے دیتے تھے۔ (ازالہ: ۳۱۱) اور لکھتے ہیں یاد رکھنا چاہیے کہ اگر یہ عاجز عمل مسمریزم کو مکروہ

اور قابل نفرت نہ سمجھتا تو امید قوی رکھتا تھا کہ ان اعجوبہ نمائیوں میں حضرت ابن مریم سے کم نہ رہتا۔ (ازالہ:۳۰۹) یہ قدر دانی خدائے تعالیٰ کے اس کلام کی ہوئی جس پر ایمان لانا فرض ہے اور بغیر اس کے آدمی مسلمان ہی نہیں ہوسکتا اور اپنے الہام پر اس قدر وثوق کہ اعلان اس مضمون کا دے دیا کہ میں بھی خالق ہوں کہ **کن** کہہ کر سب کچھ پیدا کر سکتا ہوں حالانکہ قولہ تعالیٰ **احی الموتٰی** کے ابطال کی غرض سے لکھ چکے ہیں کہ خدائے تعالیٰ اپنی ہر ایک صفت میں وحدہٗ لاشریک ہے اپنی صفات الوہیت میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ (ازالہ:۳۱۲) اور لکھتے ہیں خدائے تعالیٰ اپنے اذن اور ارادے سے کسی شخص کو موت اور حیات اور ضرر اور نفع کا مالک نہیں بناتا۔ (ازالہ:۳۱۵) اور حق تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کے پرندے بنانے کا معجزہ جو آیہ موصوفہ میں فرماتا ہے اس کی حقیقت یوں بیان کرتے ہیں کہ کچھ تعجب کی جگہ نہیں کہ خدائے تعالیٰ نے حضرت مسیح کو عقلی طور سے ایسے طریق پر اطلاع دیدی کہ مٹی کا کھلونا کسی کل کے دبانے سے یا پھونک مارنے سے کسی طور پر ایسا پرواز کرتا ہو جیسے پرندہ پرواز کرتا ہے کیونکہ حضرت مسیح ابن مریم اپنے باپ یوسف کے ساتھ بائیس برس کی مدت تک نجاری کا کام بھی کرتے رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ بڑھئی کا کام درحقیقت ایک ایسا کام ہے جس میں کلوں کے ایجاد کرنے اور طرح طرح کی صنعتوں کے بنانے میں عقل تیز ہوجاتی ہے۔ (ازالہ:۳۰۳) غرض کہ بقول مرزا صاحب معاذ اللہ عیسیٰ علیہ السلام ایک بڑھئی کے لڑکے اور معمولی آدمی تھے اور اس فن میں بھی کامل نہ تھے۔ کیوں کہ لکھتے ہیں کہ امریکہ میں جو آج کل چڑیاں بنتی ہیں وہ بدرجہا ان کی چڑیاں سے بہتر ہوتی ہیں۔ الحکم مورخہ ۲۵ ربیع الاول ۱۳۲۳ھ میں لکھتے ہیں مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر مسیح ابن مریم میرے زمانہ میں ہوتا تو وہ مریم جو میں کر سکتا ہوں وہ ہرگز نہ کر سکتا اور وہ نشان جو مجھ سے ظاہر ہو رہے ہیں وہ ہرگز نہ دکھلا سکتا اور خدا کا فضل اپنے سے زیادہ مجھ پر پاتا انتہیٰ۔ وجہ اس کی ظاہر ہے کہ مرزا صاحب کو خالقیت

کا بھی دعویٰ ہے کہ لفظ کن سے جو چاہتے ہیں پیدا کرتے ہیں۔ **نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ**۔ اس سے تو ثابت ہو رہا ہے کہ ان کا روئے سخن صرف عیسیٰ علیہ السلام ہی کی طرف نہیں ہے، کیوں کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کی نسبت بھی حق تعالیٰ نے کہیں یہ نہیں فرمایا کہ یہ صنعت خاصۂ آپ کو بھی دی گئی اور نہ وہ کسی حدیث میں حضرت ﷺ نے فرمایا ہے اس سے ثابت ہے کہ گو مرزا صاحب زبانی غلامی کا دعویٰ کرتے ہیں مگر در حقیقت **معاذ اللہ** افضلیت کا دعویٰ ہے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر در منثور میں متعدد روایات ذکر کیے ہیں کہ نصاریٰ نے یہ الزام دینا چاہا کہ عیسیٰ علیہ السلام جو بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں اس سے ثابت ہے کہ وہ خدا یا خدا کے بیٹے تھے تب یہ آیت نازل ہوئی **اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنَ** یعنی اللہ کے ہاں جیسے آدم ویسے عیسیٰ، مٹی سے پیدا کر کے کن فرمایا سو وہ پیدا ہو گئے۔ غرض کہ بغیر باپ کے وہ پیدا کیے گئے مگر یہود ان پر بھی الزام لگاتے رہے کہ بغیر باپ کے پیدا ہونا ممکن نہیں۔ اس آیۂ شریفہ میں حق تعالیٰ نے ان کا بھی رد کر دیا کہ بغیر باپ کے پیدا کرنا قدرتِ الٰہی سے کچھ بعید نہیں اور اس کی نظیر بھی موجود ہے کہ آدم علیہ السلام اسی طرح پیدا ہوئے تھے۔ باوجود اس تصریح کے مرزا صاحب یہی کہے جاتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے باپ بھی تھے اور دادا بھی تھے۔ باپ کا ہونا تو ان کی تصریح سے ابھی معلوم ہوا کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ نجاری کا کام کرتے تھے اور دادا کا ہونا اس عبارت سے ظاہر ہے۔ کہ مسیح نے اپنے دادا سلیمان کی طرح عقلی معجزہ دکھلایا۔ (ازالہ: ۳۰۴) اس میں شک نہیں کہ نص قطعی کے مقابلے کے لحاظ سے مرزا صاحب اپنے کلام میں کوئی تاویل کر لیں گے یا نص ہی کے معنی بدل دیں گے مگر قرآن کے مخالف ان الفاظ کا استعمال کرنا کس قدر بدنما اور خلافِ شانِ ایمان ہے، خصوصاً ایسے موقع میں کیا سمجھا جائے جب کہ وہ اقسام کی توہین حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی کر رہے ہیں جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔

مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ میں امام حسین کے ساتھ مشابہت رکھتا ہوں اور حسینی الفطرۃ ہوں۔ (ازالہ: ۶۸) اور لکھتے ہیں مجھے خدائے تعالیٰ نے آدم صفی اللہ اور نوح اور یوسف اور موسیٰ اور ابراہیم کا مثیل قرار دیا اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ بار بار احمد کے خطاب سے مخاطب کر کے ظلّی طور پر مثیل محمد کا قرار دیا۔ (ازالہ: ۲۵۳) اور لکھتے ہیں جب تم اشد سرکشیوں کی وجہ سے سیاست کے لائق ٹھہر جاؤ گے تو محمد بن عبداللہ ظہور کرے گا جو مہدی ہے مطلب یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک اس کا نام محمد ابن عبداللہ ہوگا کیوں کہ آنحضرت کا مثیل بن کر آئے گا۔ (ازالہ: ۵۷۲) ان تقریروں میں سے اگرچہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی مشابہت سے ابتداء کی گئی جس سے یہی سمجھا گیا کہ عام طور پر مشابہت کا دعویٰ ہے مگر در باطن ایک بڑے دعوے کی تمہید تھی کہ آنحضرت ﷺ کے مثیل ہیں۔ اور مثیل بھی وہ نہیں جس کو ہر شخص سمجھتا ہے بلکہ خود حضرت ﷺ ہی ہیں جو بروزی طور پر ظہور فرمائے ہیں۔ جیسا کہ الحکم مورخہ ۱۳ ربیع الاوّل ۱۳۲۳ھ میں جو قصیدہ انہوں نے مشتہر کیا ہے اس سے ظاہر ہے اس قصیدے کا عنوان بخط جلی لکھا ہے۔ پیام شوق بجناب رسالت حضرت خاتم الانبیاء سیّد الاصفیاء فداہ ابی وامی صلعم از خاکسار ابو یوسف احمدی سیالکوٹی

دعویٰ ہمتائے جاناں ہو بھلا کس کی مجال　　　　کس کو تاب ہمسری ہے سیّد لولاک سے

تو نے دکھلایا بروزی طور سے اپنا جمال　　　　قادیاں ہے جلوہ گر اب تیرے رُوئے پاک سے

غالباً مضمون بروز کسی مقام میں مرزا صاحب نے لکھا ہے مگر چوں کہ مرزا صاحب اپنی امت کی ہدایت کے واسطے جاری کرتے ہیں اس لئے استدلال کے لئے وہی کافی ہے۔ چنانچہ اس شعر سے ظاہر ہے جو الحکم مورخہ ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۲۳ھ میں لکھا ہے۔

احمدیت کا مسلم ارگن ہے الحکم　　　　اور انفاس مسیحا کا دہن ہے الحکم

مسئلہ بروز قدیم حکما کا مسلک ہے جس کو فی زمانہ ہر شخص نہیں جانتا۔ چوں کہ

مرزا صاحب نے اپنے وسیع معلومات سے اس کی تجدید کی ہے اس لئے اولاً اس کا حال معلوم کرنے کی ضرورت ہے۔

شیخ بو علی سینا نے شفاء میں اور قطب الدین شیرازی نے شرح حکمۃ الاشراق میں لکھا ہے کہ بعض حکماء بروز و کمون کے قائل تھے۔ ان کا قول ہے کہ استحالہ فی الکیف ممکن نہیں یعنی مثلاً پانی گرم کیا جائے تو یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ اس کی برودت جاتی رہی۔ اور بجائے اس کے اس میں کیفیت حرارت آ گئی اس لئے کہ حرارت و برودت وغیرہ کیفیات اولیہ محسوسہ عناصر کی صورنوعیہ ہیں اور ممکن نہیں کہ صورنوعیہ فنا ہونے پر بھی حقائق نوعیہ باقی رہیں، پھر پانی جو گرم ہو جاتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی میں بھی کامن یعنی پوشیدہ تھی جب حرکت جو باعثِ حرارت اس کو لاحق ہو یا آگ اس سے متصل ہو تو وہ حرارت ظاہر ہو جاتی ہے جو اس میں کامن تھی۔ اصل یہ ہے کہ جتنے عناصر ہیں اس طور پر مخلوق ہوئے ہیں کہ ہر ایک میں تمام عناصر موجود ہیں مثلاً پانی میں آگ بھی ہے اور ہوا اور خاک بھی ہے، نہ خالص پانی کہیں پایا جائے گا، نہ خالص آگ وغیرہ۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ کسی میں پانی غالب ہے اور کسی میں ہوا وغیرہ مثلاً پانی میں پانی غالب ہے اور ہوا وغیرہ مغلوب ہیں۔ پھر جب مغلوب عنصر کو قوت دینے والا عنصر اس کے ساتھ ملتا ہے تو مغلوب کو قوت ہو جاتی ہے اور سب پر وہی غالب ہو جاتا ہے اور محسوس ہونے لگتا ہے غرض کہ نہ پانی آگ ہوتا ہے، نہ آگ پانی۔ بلکہ آگ کی قربت سے پانی میں جو آگ چھپی ہوئی ہے ظاہر ہو جاتی ہے اور باقی دوسرے عناصر اس سے متفرق ہو جاتے ہیں۔ اس مذہب کو شیخ نے شفاء میں اور شیخ الاشراق نے حکمۃ الاشراق میں متعدد دلائل سے باطل کیا ہے چونکہ ہماری غرض یہاں اس سے متعلق نہیں اس لئے ان دلائل کے ذکر کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ بلکہ یہاں یہ معلوم کرنا مقصود ہے کہ جو لوگ بروز کے قائل تھے وہ بھی بروز کو صرف عناصر ہی تک محدود رکھتے تھے اور وہ ہرگز

اس کے قائل نہ تھے کہ ایک آدمی کے جسم میں دوسرے آدمی کا جسم بروز کرتا ہے اور غالباً مرزا صاحب بھی یہاں بروز سے بروز جسمانی مراد نہ لیتے ہوں گے بلکہ اس بروز کا مطلب یہی فرماتے ہوں گے کہ روح مبارک آنحضرت ﷺ کی بروز کی ہے۔ جس سے یہ صادق آجائے گا کہ قادیان میں آنحضرت ﷺ کا بروز ہوا ہے جیسا کہ قصیدے میں مذکور ہے۔

گو مرزا صاحب نے اس کو بروز خیال کیا ہو مگر درحقیقت یہ تناسخ ہے جس کا قائل فیثا غورس تھا۔ تاریخ فلاسفہ یونان جس کو عبداللہ بن حسین نے لغت فرنساوی سے عربی میں ترجمہ کیا ہے اس میں لکھا ہے کہ حکیم فیثا غورس اس بات کا قائل تھا کہ ارواح فنا نہیں ہوتیں بلکہ ہوا میں پھرتی رہتی ہیں اور جب کوئی جسم مردہ پاتی ہیں فوراً اس میں گھس جاتی ہیں پھر اس میں یہ پابندی بھی نہیں کہ انسان کی روح انسان ہی کے جسم میں داخل ہو بلکہ گدھے، کتے وغیرہ کے جسم میں بھی داخل ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح حیوانات کی روحیں انسانوں کے اجسام میں بھی داخل ہو جاتی ہیں اسی وجہ سے وہ کسی حیوان کے قتل کو جائز نہیں رکھتا تھا۔ قرائن تو یہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو ان خرافات پر آمادہ کرنے والا صرف ایک خیال تھا کہ اپنا تفوق سب پر ثابت کرے اور تعلّی کا موقع اچھی طرح حاصل ہو۔ چنانچہ لکھا ہے کہ اس کا دعویٰ تھا کہ میری روح پہلے ایثالیدس کے جسم میں تھی جو عطارد کا بیٹا تھا، جس کو اہل یونان اپنا معبود سمجھتے تھے۔ اور یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک روز عطارد نے اپنے بیٹے ایثالیدس سے کہا کہ سوائے بقاودوام کے جو جی چاہے مجھ سے مانگ لے اس نے یہ خواہش کی کہ میرا حافظہ ایسا قوی ہو جائے کہ جتنے واقعات زندگی میں اور موت کے بعد مجھ پر گذریں سب مجھ کو یاد رہیں۔ چنانچہ اس وقت سے اس کو یہ بات حاصل ہوگئی۔ پھر اس لئے اس دعوے کی تصدیق پر چند واقعات بیان کئے کہ اثالیدس کی روح جب اس کے جسم سے نکلی تو اوقعدیہ کے جسم میں گئی اور شہر تروادہ کے محاصرے میں اس کو منیلاس نے زخمی کیا پھر اس کے جسم سے جب نکلی

تو برہمونیوس کے جسم میں داخل ہوئی پھر ایک صیاد کے جسم میں گئی، جس کا نام یوروس تھا اس کے بعد اس عاجز کے جسم میں بروز کی، جس کو تم فیثا غورس کہتے ہو۔ اور چند درمیانی واقعات اور بھی بیان کئے۔ غرض کہ خدا کی صاجزادگی کا اعزاز حاصل کرنے کی وہ تدبیر نکالی کہ جس کا جواب نہیں اور حافظ اور طبیعت خداداد تو اس کو پہلے ہی سے حاصل تھی جس کے سبب سے شہرۂ آفاق ہو چکا تھا سب نے حسن ظن کر کے اس کی تصدیق کی۔ چوں کہ اس زمانے میں الہام کا رواج نہ تھا اس لئے اس کو تناسخ کا سلسلہ قائم کرنے اور ان خرافات کے تراشنے کی ضرورت ہوئی ورنہ الہام کا ہتھکنڈا اگر اس کے ہاتھ آتا تو اس بکھیڑے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ عطارد کی قسم کھا کر کہہ دیتا کہ مجھے الہام ہوا بلکہ عطارد نے اپنے روشن چہرے سے پردہ ہٹا کر روبرو سے کہہ دیا کہ تو میرا بیٹا ہے۔ اور نشانی یہ ہے کہ میں جو سنتا ہوں یاد رکھ لیتا ہوں اور نئے نئے ہندسے وغیرہ کے مسائل ایجاد کرتا ہوں اگر اس کو نہیں مانتے ہو تو مقابلہ کر لو۔ غرض کہ اس دعوے کے بعد اس کی تعظیم و تکریم اور بھی بڑھ گئی دور دور سے لوگ اس کے پاس آتے اور اس کی شاگردی پر افتخار کرتے یہاں تک کہ سعید وہ شخص سمجھا جاتا تھا جو اس کے نزدیک بیٹھے۔ چوں کہ تعلیم میں خدا کے بیٹے کا بروز داخل تھا اس لئے اس کے شاگردوں کے ذہن میں اس کی الوہیت متمکن تھی اگر چہ اس نے عقل سے بہت سارے کام لئے چنانچہ شکل عروس جو فن ہندسہ میں ایک مشہور اور مشکل شکل ہے اس کو اسی نے مدلل کیا مگر معتقدوں کے اعتقاد بڑھانے کے لئے اور تدابیر کی بھی ضرورت ہوئی چنانچہ ایک بار اس نے ایک چھوٹا سا حجرہ زمین کے اندر تیار کر کے ایک سال اپنے تئیں اس میں محبوس کیا اور یہ مشہور کیا کہ دوزخ کی سیر کو جاتا ہوں اور اپنی ماں سے کہہ دیا کہ جو کچھ نئے واقعات شہر میں ہوں ان کو تحقیق کر کے لکھ دیا کرے۔ ایک سال کے بعد جب اس حجرۂ تنگ و تاریک سے نکلا جو فی الحقیقت اس کے حق میں دوزخ ہی تھا تو ایسی حالت اس کی ہو گئی تھی کہ بمشکل

پہچانا جاتا تھا اسی حالت میں سب کو جمع کر کے دوزخ کے واقعات بیان کئے کہ اس میں ہریودس شاعر کو دیکھا کہ زنجیروں میں مقید اور مصلوب ہے اور ہومیرس کی روح کو دیکھا کہ ایک درخت پر لٹکی ہوئی ہے جس کے اردگرد اژدہے احاطہ کئے ہوئے ہیں اور اس قسم کے واقعات بیان کر کے کہا کہ اس مدت میں میں تم لوگوں سے بھی غافل نہ تھا۔ چنانچہ شہر کے تاریخ وار پورے واقعات بیان کر دیئے جو ماں کی تحریر میں ایک بار دیکھ لیا تھا اب اس کشف کے بیان سے تو اور بھی عزت دوبالا ہوگئی۔ ایک بار کہیں کھیل کود کا مجمع تھا اس میں چلا گیا۔ جب اس کے پاس معتقدین کا مجمع ہوا تو ایک خاص طور کی سیٹی دی۔ ساتھ ہی ایک گدھ ہوا سے اتر آیا لوگوں کو اس سے نہایت تعجب ہوا جس سے اور زیادہ معتقد ہو گئے۔ اور دراصل اس گدھ کو اس نے تعلیم دے رکھی تھی جس سے کسی کو اطلاع نہ تھی۔ یہ سب تدابیر اسی غرض سے تھیں کہ مافوق العادت امور معجزے کے رنگ میں پیش کر کے احمقوں میں امتیاز حاصل کیا جائے۔ ایسے ہی لوگوں کی شان میں حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ**۔ ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ عقلاء کیسی کیسی تدابیر اپنی کامیابیوں کی سوچتے ہیں جن کی تہ تک پہنچنا ہر کسی کا کام نہیں۔ دیکھ لیجئے یہ شخص کیسا مدبر اور مقرر ہوگا کہ یونان جیسے خطے کے عقلاء اور حکماء کو احمق بنا کر ان کے خدا کا بیٹا بلکہ خود خدا بن بیٹھا۔ یہی مسئلہ تناسخ و بروز تھا، جس نے اس کو ترقی کے اعلیٰ درجے کے زینے تک پہنچا دیا تھا۔ مرزا صاحب چوں کہ اعلیٰ درجے کے حاذق اور زمانے کے نبض شناس ہیں، تشخیص کر کے وہی نسخہ استعمال کیا جو ایک حاذق کے تجربے سے مفید ثابت ہو چکا ہے۔ اگرچہ کہ اس زمانے کے عقلاء نے اعلیٰ درجے کی طبیعتیں پائی تھیں مگر فیضان کا سلسلہ منقطع نہیں۔ اہل کمال کے مثیل ہر زمانے میں پیدا ہوتے رہتے ہیں بلکہ انصاف سے دیکھا جائے تو جو صنعتیں اس زمانے میں ظہور پا رہی ہیں اوّل زمانے سے بدرجہا بڑی ہوئی ہیں اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ اذکیاء کے ذہنوں

کو متوجہ کرنے والی متقدمین کی کارروائیاں بطور مادہ پیش نظر ہیں اور قاعدے کی بات ہے کہ تلاحق افکار سے ایک ایسی بات پیدا ہو جاتی ہے جو موجد کو حاصل نہ تھی۔ دیکھئے فیثا غورس کو ایک سلسلہ گھڑنے کی ضرورت ہوئی کہ اس کی روح کئی جسموں میں ماری ماری پھری اور مرزا صاحب کو اس کی بھی ضرورت نہ ہوئی بلا واسطہ روح انہیں میں بروز کر گئی۔ اس کو عطارد کا بیٹا بننے میں کس قدر دشواریاں اٹھانی پڑی اور مرزا صاحب صرف ایک ہی الہام سے متبنی اپنے خدا کے بن گئے۔ اس کو دوزخ کی سیر کا فخر حاصل کرنے کے لئے ایک برس دوزخ کا عذاب بھگتنا پڑا اور مرزا صاحب آرام سے اپنی خوابگاہ میں بیٹھے ہوئے تمام افلاک کی سیر کر لیتے ہیں بلکہ جب چاہتے ہیں خدا سے باتیں کر کے چلے آتے ہیں۔ اس کو معجزۂ خارق العادت بتانے کے لئے گدھے کو تعلیم کی زحمت اٹھانی پڑی اور مرزا صاحب کو خارق دکھلانے کی ضرورت ہی نہیں، بیٹھے بیٹھے عقلی معجزے گھڑ لیتے ہیں۔ مرزا صاحب نے دیکھا کہ نبوت کے دعوے میں مولوی پیچھا نہ چھوڑیں گے حسب احادیث صحیحہ دجال وکذاب کہا کریں گے۔ اس لئے یہ تدبیر نکالی کہ خود نبی کریم ﷺ نے ان میں بروز کیا ہے تاکہ جہال حضرت ﷺ کا نام سن کر دم نہ مار سکیں اس لئے کہ دجال وکذاب تو وہ ہو جو حضرت ﷺ کے سوا کوئی دوسرا حضرت ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے جب خود حضرت ﷺ ہی وہ دعویٰ کر رہے ہیں تو اس لفظ کا محل نہ رہا۔ مگر یاد رہے کہ جب تک اس دعوے کو قرآن حدیث سے وہ ثابت نہ کریں کوئی مسلمان ان کی ان ابلہ فریبیوں کو قابل توجہ نہیں سمجھ سکتا کیوں کہ ہمارے دین میں تناسخ بالکل باطل کر دیا گیا۔ مرزا صاحب سے کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ حضرت آپ نے حمامة البشریٰ الی اہل مکة وصلحاء ام القریٰ میں تو یہ لکھ کر اہل مکہ وغیرہم کو اطمینان دلایا تھا کہ میں علماء سے جو مناظرہ کرتا ہوں وہ صرف نزول عیسیٰ علیہ السلام کے مسئلہ میں ہے اس کے سوا کسی مسئلے میں مجھے اختلاف نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں **واما ایمان قومنا وعلمائنا بالملٰئكة**

وغيرها من العقائد فلسنا نجادلهم فيه ولا نخطيهم في ذالك وليس في هذه العقائد لا التسليم وانما نحن مناظرون في امر نزول المسيح من السَّماء (حمامة البشرى:۴۳) پھر یہ بروز کمون اور دعویٰ نبوت وغیرہ کیسا؟

کیا یہ اعتقادی مسائل نہیں ہیں یا تمام مسلمانوں کے متفق علیہ یہ مسائل ہیں مرزا صاحب جھوٹ کو شرک کے برابر فرما چکے ہیں اور اس موقع میں یہ بھی نہیں فرمایا کہ جہاں دھوکا دینا مقصود ہو وہ جھوٹ نہیں ہوتا۔

یہ چند تحقیقات اور اجتہادات مرزا صاحب کے اس غرض سے بیان کئے گئے کہ ان کی رفتار اور طبیعت کا اندازہ معلوم ہو جائے۔ **العاقل تكفيه الاشارة**۔ سنن دارمی صفحہ ۳۱ میں روایت ہے کہ صبیغ عراقی اکثر قرآن کی آیات میں پوچھا پاچھی کیا کرتا تھا۔ جب مصر کو گیا اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو اس کا یہ حال معلوم ہوا تو اس کو اپنی عرضی کے ساتھ حراست میں دے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس روانہ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرضی پڑھ کر چھڑیاں منگوائیں اور اس کو اتنا مارا کہ زندگی سے وہ مایوس ہو گیا۔ پھر بہت عجز و الحاح پر چھوڑا تو گیا مگر احکام جاری ہو گئے کہ کوئی مسلمان اس کو نزدیک نہ بیٹھنے دے۔ آخر جب اس نے توبہ کی اور اس کا یقین بھی ہوا تو اس وقت مجالست کی اجازت دی گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے **العاقل تكفيه الاشارة** کے معنی عملی طور پر تمام مسلمانوں کو مشاہدہ کرا دیا کہ اس کی یہ پوچھا پاچھی اشارۃً کہہ رہی ہے کہ کبھی نہ کبھی کچھ نہ کچھ رنگ لانے والی ہے اس لئے پیش از پیش ایسا بندوبست کیا کہ اس کے ہم خیالوں کا بھی ناطقہ بند ہو جائے پھر کس کی مجال تھی کہ قرآن کے معنی میں دم مار سکے۔ افسوس ہے کہ اسلام کا ایک زمانہ وہ تھا کہ اشارات و امارات پر اہل اسلام چونک کر حزم و احتیاط کو کام میں لاتے تھے اور ایک زمانہ یہ ہے کہ سر پر نقارے بج رہے ہیں مگر جنبش نہیں اور حسن ظن کے خواب غفلت میں بے حس و حرکت

ہیں۔ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حسن ظن کا مسئلہ معلوم نہ تھا۔ صبیغ عراقی نے تو نہ کوئی بات ایجاد کی تھی، نہ نبوت وغیرہ کا دعویٰ کیا وہ تو صرف بعض آیات کے معانی پوچھتا تھا، جس میں حسن ظن کو بڑی گنجائش تھی کہ نیک نیتی سے خدائے تعالیٰ کی مراد پر مطلع ہونا چاہتا ہے جو ہر مسلمان کا مقصود دلی ہے اب عقلاء بصیرت سے کام لے کر غور فرما سکتے ہیں کہ اگر مرزا صاحب کی یہ تحریرات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں پیش ہوتیں تو کیا کیا ہو جاتا۔ وہ زمانہ تو کچھ اور ہی تھا، مرزا صاحب اس زمانے میں بھی اسلامی سلطنتوں سے نہایت خائف ہیں یہاں تک کہ باوجود اس قدر دولت وثروت کے حج فرض کو بھی نہیں جا سکتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے صاف طور پر روایت ہے کہ جو کوئی ایسے کاموں کا مرتکب ہو جن سے لوگوں کو بدگمانی کا موقع ملے تو بدگمانی کرنے والے قابل ملامت نہیں ہو سکتے۔ جیسا کہ کنز العمال میں ہے۔ **عن عمر رضی اللہ عنہ من تعرض للتهمة فلايلومن من اساء به الظن**۔ اور یہ تو قرآن شریف سے بھی ثابت ہے کہ بعض وقت نیک گمان بھی گناہ ہو جاتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔ قولہ تعالیٰ **يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيراً مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ**. ترجمہ: اے مسلمانو بہت گمانوں سے بچتے رہو کیوں کہ بعض گمان گناہ ہیں انتہی۔ اس آیۂ شریفہ میں حق تعالیٰ نے ظن سوء یعنی بدگمانی کی تخصیص نہیں کی بلکہ مطلقاً ظن فرمایا جو ظن خیر اور ظن سوء دونوں پر شامل ہے، جس سے ثابت ہے کہ جیسے باوجود آثار علامات تدین کے بدگمانی درست نہیں ویسے ہی تخریب وفساد دین کے آثار وعلامات کسی سے نمایاں ہونے پر حسن ظن جائز نہیں۔ اسی وجہ سے صبیغ عراقی پر حسن ظن نہیں کیا گیا اور حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا**۔ یعنی اے مسلمانو اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو اچھی طرح اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ مفسرین نے اس آیت کی شان نزول یہ لکھی ہے کہ حارث ابن ضرار خزاعی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کر کے گئے کہ میں

اپنے قبیلے کی زکوۃ جمع کر کے رکھتا ہوں حضرت ﷺ کسی کو بھیج کر منگوالیں۔ حضرت ﷺ نے ولید بن عقبہ کو بھیجا اس نے راستے ہی سے واپس آ کر یہ شکایت پیش کی کہ حارث بجائے اس کے کہ مجھے مال زکوۃ دے میرے قتل کا ارادہ کیا تھا اس لئے میں جان بچا کر آ گیا ہوں۔ اس پر صحابہ نے غالباً ولید پر حسن ظن اور اس کی خبر کی تصدیق کر کے حضرت ﷺ سے کچھ عرض کیا ہوگا۔ جس پر حضرت ﷺ نے خالد بن ولید کو مع لشکر ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا اور فرمایا ان کے قتل میں جلدی نہ کرنا۔ چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے وہاں جا کر مخفی طور پر خوب تحقیق کی جس سے ثابت ہو گیا کہ ان لوگوں کے اسلام میں کوئی اشتباہ نہیں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے واپس آ کر حقیقت حال بیان کی اور حارث بھی مال زکوۃ لے کر حاضر ہو گئے اور یہ آیت ان کی براءت میں نازل ہوئی اور ہمیشہ کے لئے یہ حکم ہو گیا کہ احتیاطی امور میں حسن ظن سے کام نہ لیا جائے۔ دیکھئے باوجودیکہ ولید صحابہ میں تھا اور معتمد علیہ سمجھا گیا چنانچہ خود آنحضرت ﷺ نے اس کام کے لئے اس کا انتخاب فرمایا تھا ایسے شخص پر صحابہ نے اگر حسن ظن کیا تو کیا برا کیا تھا۔ مگر حق تعالیٰ نے اس کی بھی تاکید فرمادی کہ گو بعض قرائن حسن ظن کے موجود ہوں مگر جب تک پوری تحقیق نہ کر لی جائے اسباب ظاہری قابل اعتبار نہیں۔ یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ ہر چند صحابہ کل عدول اور اعلیٰ درجے کے متدین تھے مگر معصوم نہ تھے حکمت الٰہی اسی کو مقتضی تھی کہ ان سے بھی اتفاقی طور پر اقسام کے گناہ صادر ہوں تاکہ تمام امت کو جو قیامت تک باقی رہنے والی ہے ہر ایک گناہ کا حکم عملی طور پر معلوم ہو جائے۔

اب یہاں اہل اسلام غور فرمائیں کہ جب صحابہ کی نسبت یہ حکم ہو گیا کہ ان کے خبر مجرد احتیاطی امور میں قابل حسن ظن نہیں تو کسی دوسرے کی مجرد خبر وہ بھی کیسی کہ مجھے اللہ نے اپنا رسول اور نبی بنا کر بھیجا ہے وغیرہ وغیرہ کیوں کر مانی جائے۔ شاید یہاں یہ شبہ ہو کہ حق تعالیٰ نے فاسق پر حسن ظن کرنے سے منع فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ نے ولید

کوحسن ظن کے وقت فاسق نہیں سمجھا کیوں کہ حسن ظن کے قرائن موجود تھے۔ پھر ان حضرات پر کیوں کر یہ بدگمانی کرے کہ باوجود فاسق سمجھنے کے اس پر حسن ظن کیا البتہ فسق کا حال اس خبر کے بعد کھلا جس سے اس کا فاسق ہونا مسلّم ہوگیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے افک کے معاملے میں عبداللہ بن سلول اور حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ اور مسطح ابن اثاثہ رضی اللہ عنہ اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا لوگوں کو خبر دیتے پھرے یہاں تک کہ یہ خبر مشہور ہوگئی۔ ہر چند صحابہ نے اس کی تصدیق نہیں کی کہ مگر اس خیال سے کہ خبر دینے والے صحابہ ہیں اس کی تکذیب بھی نہیں کہ اس پر حق تعالیٰ نے کمال عتاب سے فرمایا کہ خدا کا فضل تھا کہ تم لوگ بچ گئے ورنہ اس تکذیب نہ کرنے پر بڑا عذاب تم پر نازل ہوتا **کماقال تعالیٰ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْمَا اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ.** یعنی اگر تم مسلمانوں پر دنیا اور آخرت میں خدا کا فضل اور اس کا کرم نہ ہوتا تو جیسا تم نے اس (نالائق) بات کا چرچا کیا اس میں تم پر کوئی بڑی آفت نازل ہوگئی ہوتی انتہی۔ اور ارشاد ہوتا ہے کہ اس خبر کے سنتے ہی مسلمانوں کو لازم تھا کہ صاف کہہ دیتے کہ یہ خبر بالکل غلط اور بہتان ہے **کماقال تعالیٰ وَلَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَا اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ** یعنی اور تم نے ایسی (نالائق) بات سنی تھی (سننے کے ساتھ ہی) کیوں نہیں کہ ہم کو ایسی بات منہ سے نکالنی زیبا نہیں حاشاوکلا یہ تو بڑا بھاری بہتان ہے خدا تم کو نصیحت کرتا ہے کہ اگر ایمان رکھتے ہو تو پھر کبھی ایسا نہ کرنا انتہی۔ صحابہ نے اس خبر کو مشہور کرنے والوں کی گو تصدیق نہ کی مگر تکذیب نہ کرنا خود قرینہ ہے کہ مخبروں پر کسی قدر حسن ظن ضرور کیا تھا ورنہ تکذیب کرنے کو کون مانع تھا۔ اتنے ہی حسن ظن پر عذاب عظیم کی تخویف کے مستحق ہوگئے اگر حسن ظن سے تصدیق بھی

کر لیتے تو معلوم نہیں کہ کس آفت کا سامنا ہوتا؟ اب غور کیا جائے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان کرنا کیا خدائے تعالیٰ پر بہتان کرنے کے برابر ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں! پھر مرزا صاحب جو کہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے جس سے حق تعالیٰ کا وہ ارشاد کہ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ہے، خلاف واقع ٹھہرتا ہے کیا بہتان نہیں ہے اور ان پر حسن ظن کر کے اس بہتان عظیم کی تصدیق کرنا کس عذاب کا استحقاق حاصل کرنا ہے۔ حق تعالیٰ کس صراحت سے فرماتا ہے يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ یعنی اگر تم ایمان رکھتے ہو تو پھر کبھی ایسا نہ کرنا۔ مگر افسوس ہے کہ اس پر بھی عمل نہیں کیا جاتا جس کی وجہ سے آفتوں پر آفتیں آتی جاتی ہیں حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ. یعنی کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ وہ ہر سال ایک بار یا دو بار مبتلائے مصیبت ہوتے رہتے ہیں اس پر بھی نہ تو توبہ ہی کرتے ہیں اور نہ نصیحت ہی پکڑتے ہیں انتہی۔ مرزا صاحب جو اکثر لکھتے ہیں کہ ان کے نہ ماننے کے سبب سے طاعون اور زلزلوں کا سلسلہ جاری ہے سو اس کا تو ثبوت کسی طرح مل نہیں سکتا مگر اس نص قطعی سے اشارۃً اس بات کا ثبوت مل سکتا ہے کہ مرزا صاحب کے بہتان علی اللہ کے ماننے کی وجہ سے یہ مصیبتیں آ رہی ہیں۔ اور قاعدہ ہے کہ جب کسی قوم کے بد اسلوبیوں کی وجہ سے عذاب آسمانی اترتا ہے تو وہ عام ہو جاتا ہے۔ اور اس میں کسی کی تمیز باقی نہیں رہتی جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے اور افک کے واقعہ میں حق تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا۔ وَلَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ. (یعنی جن لوگوں نے یہ طوفان اٹھا کھڑا کیا) اپنے بیان کے ثبوت پر چار گواہ کیوں نہ لائے پھر جب نہ لا سکے تو خدا کے نزدیک (بس) یہی جھوٹے ہیں انتہی۔ اس سے ظاہر ہے کہ ایسے دعووں پر معتبر گواہوں کی ضرورت ہے، ورنہ قابل التفات نہیں۔

مرزا صاحب دعویٰ نبوت پر جو مصنوعی گواہ پیشین گوئیاں وغیرہ پیش کرتے ہیں جو کاہن رمال نجومی بھی کیا کرتے ہیں، وہ اس قابل نہیں کہ اس معاملے میں گواہ سمجھے جائیں۔ کتاب المختار فی کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ بعض دوائیں ایسی بھی ہیں کہ اگر آدمی سونے کے وقت ان کا بخور لے تو آئندہ کے واقعات خواب میں معلوم ہوتے ہیں۔ جھوٹے دعوے کرنے والے اس قسم کی تدابیر سے پیشین گوئیاں کیا کرتے ہیں۔ قرآن وحدیث واجماع وغیرہ سے جو ثابت ہے کہ مدّعی کچھ بھی دعویٰ کرے اس سے گواہ طلب کئے جائیں۔ یہ امر ہمارے دعوے پر گواہ صادق آتا ہے کہ کسی مدعی پر حسن ظن نہ کیا جائے۔ پھر جب خود دعویٰ اس قسم کا ہو کہ سرے سے دین ہی اس کو قبول نہیں کرتا تو حسن ظن وہاں کیوں کر درست ہوگا۔ اس قسم کے دعووں پر نہ گواہ طلب کرنے کی حاجت ہے، نہ اُن کی گواہی مقبول ہوسکتی ہے۔ ان دعووں میں کیسی ہی طمع سازیاں کی جائیں، بدگمانی واجب ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں **اَلحزم سُوء الظّن** جس کا مضمون سعدی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے۔

نِگہدارد آں شوخ در کیسہ در ‏ ‏ ‏ ‏ کہ داند ہمہ خلق را کیسہ بُر

اہل ایمان جانتے ہیں کہ ایمان کیسا دُرِّ بے بہا ہے۔ جب ایک پتھر کی حفاظت کے لئے کس قدر بدگمانی کی ضرورت ہے ورنہ یہ سمجھا جائے گا کہ ایمان ایک پتھر کے برابر نہیں سمجھا گیا۔

دین میں بہتر فرقے جو ہو گئے جن کا ناری ہونا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے سب کا وجود و بقا اسی حسن ظن ہی کی بدولت ہوا۔ اگر کسی بانی مذہب پر حسن ظن نہ کیا جاتا تو نہ اوروں کے حوصلے بڑھتے نہ کسی کا خیال اس طرف متوجہ ہوتا۔ دیکھئے یہ حدیث صحیح ہے **عَن عرفجة قَال سمعت رسول الله ﷺ يقُول سَيكون هنات وهنات فمن اراد ان يفرق امرهٰذه الامة وهُوجميع فَاضْرِبُوْه با لسَّيف كائِنًا مَن كَانَ** (رواہ مسلم)۔ یعنی فرمایا نبی ﷺ نے کہ قریب ہے کہ شر و فساد ہوں گے سو یاد رکھو کہ جو کوئی اس اُمّت

کے اجتماعی حالت میں تفرقہ ڈالنا چاہے اس کو تلوار سے قتل کرڈالو جبھی۔ کیا اچھا ہوگا کہ اگلے زمانے کے لوگ تفرقہ اندازوں پر حسن ظن نہ کرکے جس طرح اس حدیث شریف نے قطعی فیصلہ کردیا ہے، ان کو قتل ہی کرڈالتے۔ جس سے ان مذاہب باطلہ کا نام لینے والا ہی کوئی نہ رہتا اور تمام امت متفق اور ایک دوسرے کی معاون رہتی اور لاکھوں فرق باطلہ کے لوگ دوزخ سے محفوظ رہتے۔ الحاصل اس کا انکار نہیں ہوسکتا کہ بے موقع حسن ظن نے اسلام میں بڑی بڑی رخنہ اندازیاں کیں۔ مگر افسوس ہے کہ ہمارے برادران دینی اب تک ہوشیار نہیں ہوئے اور اس مقولے پر غور نہ کیا **من جرب المجرب حلت به الندامة**۔ روح البیان وروح المعانی وغیرہا تفاسیر میں یہ روایت ہے **عن الحسن البَصری قال کُنَّا فی زمَان الظن بالنّاس حرام وانت الیوم فی زمان اعمل واسکت وظن بالناس ما شئت**۔ یعنی ہم نے ایسا زمانہ بھی دیکھا ہے کہ بدگمانی اس وقت حرام تھی اس لئے کہ عموماً صلحاء اور سب سے آثار خیر نمایاں تھے اور اب وہ زمانہ آگیا کہ اپنی ذات سے عمل کرکے ساکت رہو اور جس پر جو چاہو گمان کرو کیوں کہ لوگوں سے ایسے ہی افعال صادر ہورہے ہیں جن سے بدگمانی کو موقع ملتا ہے۔ دیکھئے جب پہلی صدی کے اواخر کا یہ حال ہو تو چودھویں صدی کا کیا حال ہوگا۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے مستفاد ہے کہ جس کا خبث باطن ظاہر ہونے لگے تو اس عالم میں اس کو اتنی سزا تو ضرور ہے کہ اس کے ساتھ بدگمانی کی جائے۔ کسی شاعر نے لکھا ہے۔

خیانتہائے پنہاں میکشد آخر برسوائی　　　　کہ دزد خانگی را شحنہ در بازار میگیرد

تاریخ دانوں پر یہ امر پوشیدہ نہیں کہ اس بے موقع حسن ظن ہی نے نصاریٰ کے دین کو تباہ کیا اور ایسی چشم بندی کی کہ انیس سو برس سے اب تک کسی کی آنکھ نہ کھلی۔ اس اجمال کی تفصیل اس واقعہ سے ظاہر ہے جو علامہ خیر الدین آفندی آلوسی نے الجواب الفصیح

صفحہ ۳۱۳ میں اسلامی اور نصاریٰ کی تواریخ سے نقل کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کے بعد جب عیسائیوں کی حقانی پر اثر تقریریں یہود کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے لگیں اور یہودی جوق در جوق دین عیسائی قبول کرنے لگے تو بولس نے جو یہود کا بادشاہ تھا، کل عیسائیوں کو شام کے ملک سے خارج کر دیا، مگر دیکھا کہ اس سے بھی کچھ فائدہ نہ ہوا اور عیسویت ویسی ہی ترقی پذیر ہے۔ مجبور ہو کر ارا کین دولت سے کہا کہ یہ فتنہ روز افزوں ترقی کر رہا ہے اور اس کے فرو ہونے کی کوئی تدبیر نہیں بنتی۔ اب میں ایک رائے سوچا ہوں خواہ وہ اچھی ہو یا بری، تم میری موافقت کرو۔ انہوں نے قبول کیا۔ ان سے اس نے معاہدہ لے کر سلطنت سے علیحدہ ہو کر عیسائیوں کا لباس پہن کران میں چلا گیا، وہ اس حالت میں اس کو دیکھتے ہی خدا کا شکر بجالائے اور بہت کچھ آؤ بھگت کی اس نے کہا کہ اکابر قوم کو جلد جمع کرو کہ میں کچھ ان سے کہنا چاہتا ہوں۔ سب فوراً جمع ہو گئے۔ اس وقت اس نے یہ تقریر کی کہ جب تم لوگوں کو میں نے شام سے نکال دیا مسیح نے مجھ پر لعنت کی اور میری سماعت، بصارت، عقل سب چھین لی، جس سے میں اندھا، بہرا، دیوانہ ہو گیا۔ اس حالت میں مجھے متنبہ اور یقین ہوا کہ بے شک سچا دین یہی ہے جس پر تم ہو۔ اب بفضلہٖ تعالیٰ اپنے باطل دین اور دنیائے فانی کی سلطنت کو چھوڑ کر تمہاری رفاقت اور فقر و فاقے کو سعادت ابدی جانتا ہوں اور عہد کر لیا ہوں کہ بقیہ عمر انجیل کی تعلیم اور اہل حق کی صحبت میں بسر کروں۔ آپ صاحبوں سے میری اسی قدر خواہش ہے کہ ایک چھوٹا سا گھر بنا دو جس میں میں عبادت کیا کروں اور اس میں بجائے بستر راکھ بچھا دو۔ میں نہیں چاہتا کہ عمر دو روزہ میں کسی قسم کی آسائش حاصل کروں یہ کہہ کر انجیل کی تلاوت اور اس کی تعلیم میں مشغول ہو گیا۔ یہ امر پوشیدہ نہیں کہ اگر کسی بستی کا زمیندار ایسے حقانی پر جوش الہامی کلمات کہتا ہے اور حالت موجودہ بھی کسی قدر اس کی تصدیق کرتی ہو تو طبیعتوں میں ایک غیر معمولی جوش پیدا ہو جاتا

ہے چہ جائیکہ کہ بادشاہ وقت سلطنت ترک کرکے زمرۂ فقراء میں داخل ہوجائے اور منشاء اس کا ایک زبردست الہام بیان کرے۔ جس نے تخت وتاج شاہی سے لباس فقر وبستر خاک پر قانع کردیا اور حالت موجودہ بھی ازسرتاپا اس کی تصدیق کررہی تو پھر اس زمرۂ فقراء میں کس کا دل ایسا ہوگا کہ جان ومال اس پر فدا کرنے پر آمادہ نہ ہو۔ غرض کہ عبادت خانہ فوراً تیار ہوگیا اور اس میں عزلت اختیار کی دوسرے روز جب سب معتقدین جمع ہوئے تو دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ اثنائے تقریر وتعلیم میں کہا کہ ایک بات میرے خیال میں آتی ہے۔ اگر مناسب سمجھو تو قبول کرو سب ہمہ تن گوش ہوگئے۔ کہا جتنی جہان کو روشن کرنے والی چیزیں عالم غیب سے آتی ہیں کیا یہ بات سچ ہے؟ سب نے کہا ہاں! یقیناً سچ ہے۔ کہا میں صبح وشام دیکھتا ہوں کہ آفتاب ماہتاب وغیرہ سب مشرق کی طرف سے نکلتے ہیں اس لئے میری رائے میں قبلہ بنانے کے لائق مشرق سے بہتر کوئی سمت نہیں۔ نماز اسی طرف پڑھنی چاہیے سب بطیب خاطر **آمنّا وصدّقنا** کہہ کر بیت المقدس کو جو تمام انبیاء کا قبلہ تھا ایک ہی بات میں چھوڑ دیا۔ اس کے بعد وہ عبادت خانے میں چلا گیا اور دو روز تک نہیں نکلا جس سے لوگوں کو سخت تشویش ہوئی۔ تیسرے روز جب معتقدین کا ہجوم ہوا برآمد ہوکر تعلیم وتقریر شروع کی۔ اثنائے تقریر میں کہا کہ مجھے ایک اور بات سوجھی ہے سب تحقیق جدید سننے کے تو پہلے ہی سے مشتاق تھے۔ یہ مژدہ سن کر بسمع قبول متوجہ ہوگئے۔ کہا کیا یہ بات سچ ہے کہ جب کوئی معزز شخص کسی معمولی آدمی کے پاس ہدیہ بھیجے اور وہ قبول نہ کرے تو اس کی کسر شان ہوتی ہے؟ سب نے کہا بے شک نہایت درجہ کسر شان ہے۔ کہا جتنی چیزیں زمین وآسمان میں ہیں خدائے تعالیٰ نے سب تمہارے ہی لئے بنائی ہیں ایسے ہدیہ کو رد کردینا یعنی بعض اشیاء کو حرام سمجھنا کیسی گستاخی ہے عقیدت مندی یہی ہے کہ جتنے چھوٹے بڑے حیوانات سب کو شوق سے کھانا چاہیے۔ سب نے **آمنّا وصدّقنا** کہہ کر نہایت کشادہ دلی سے وہ قبول

کرلیا اس کے بعد عبادت خانے سے تین دن تک نہیں نکلا! جس سے لوگوں کو سخت پریشانی اور ملاقات کا نہایت شوق ہوا۔ چوتھے روز دروازہ کھول کر مشتاقان دیدار کو تسلی دی پھر پوچھا کہ تم نے سنا ہے کہ کوئی آدمی مادرزاد اندھے کو نابینا اور ابرص کو چنگا اور مُردوں کو زندہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا ممکن نہیں۔ کہا دیکھو مسیح یہ سب کام کرتے تھے۔ اس لئے میں تو یہی کہوں گا کہ مسیح آدمی نہ تھا، خود اللہ تعالیٰ تھا جو چند روز تم میں ظاہر ہو کر چھپ گیا۔ یہ سنتے ہی خوش اعتقادوں کے نعرے **آمنا وصدقنا** کے ہر طرف سے بلند ہوئے اور سوائے معدودے چند کے سب نے بالاتفاق کہہ دیا کہ بے شک مسیح آدمی نہ تھا۔ غرض تین ہی معرکوں میں اس نے میدان مارلیا اور سب کو **خسر الدنیا والآخرہ** کا مصداق بنا کر ایک نئی سلطنت قائم کرلی۔ حیرت کا مقام یہ ہے کہ ان سادہ لوحوں نے یہ بھی نہ پوچھا کہ حضرت آپ کو عیسائی ہونے کا دعویٰ ہے پھر یہ مخالف باتیں کیسی؟ آخر ہم بھی اپنے نبی کے کلام اور ان کے طریقے سے واقف ہیں کبھی اس قسم کی بات ان سے نہیں سنی۔ اور اگر یہ الہامات ہیں تو جس نبی کے امتی ہونے کا دعویٰ ہے اس کے طریقے کے مخالف الہام کیسے؟ بہر حال جدت پسند طبائع حسن ظن کرکے اس کے مکروتزویر کے دام میں پھنس گئے مگر ایک شخص کامل الایمان جس کا شمار ان لوگوں میں تھا، جس کو اس زمانے کی اصطلاح میں لکیر کے فقیر کہتے ہیں، اٹھ کھڑا ہوا اور سب کو مخاطب کرکے کہا تم پر خدا کی مار اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ یہ کمبخت تمہارا دین بگاڑنے کو آیا ہے ہم نے خود مسیح علیہ السلام کو دیکھا ہے کبھی ان سے اس قسم کی باتیں نہیں سنیں مگر ایک شخص کی بات نقارخانے میں طوطی کی آواز تھی کسی نے نہ سنی آخر وہ بزرگ اپنے چند رفقاء کو لے کر علیحدہ ہو گئے۔ نصاریٰ کو اس شخص پر حسن ظن اس قدر ہے کہ اب تک اس کو پولوس مقدس لکھتے ہیں۔ دیکھئے اسی حسن ظن کا اثر ہے کہ ان کو قطعی کافر بنا دیا اس میں شک نہیں کہ اس کی ظاہری حالت قابل حسن ظن تھی مگر اس قسم کے اقوال کے بعد ایسے شخص پر حسن ظن رکھنا کیا

کسی نبی کی شریعت میں جائز ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں! جس چیز کا انجام کفر ہو وہ اگر کفر نہیں تو گناہ کبیرہ تو ضرور ہوگی۔ اسی وجہ سے یہ قاعدہ مسلّم ہے کہ **مقدمة الحرام حرام**۔ ہر چند اس زمانے کے لوگوں نے دھوکا کھایا مگر ادنیٰ تامل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سبب قوی تھا اس لئے کہ انہوں نے دیکھا کہ بادشاہ وقت دین کا دشمن اپنے نبی کے معجزے سے ایمان ظاہر کر رہا ہے اور اس کی حالت بھی گواہی دے رہی ہے کہ جب تک باطنی نور کا اثر اس کے دل پر نہ ہوا ممکن نہیں کہ سلطنت چھوڑ کر فقر و فاقے کی مصیبتیں برداشت کر سکے۔ اس قسم کے مکروں پر مطلع ہونا سوائے اہل بصیرت کے کسی کا کام نہیں مگر حیرت یہ ہے کہ پولس صاحب نے جن باتوں کے جمانے کے لئے سلطنت چھوڑی تھی، مرزا صاحب اسی قسم کی باتوں کی بدولت ایک ایک قسم کی سلطنت حاصل کر رہے ہیں اور لاکھوں روپے کما رہے ہیں۔ اقتضائے زمانہ اسے کہتے ہیں کہ باوجود یکہ عقل و فراست آج کل ترقی پر ہے اور قدیم لوگ بے وقوف سمجھے جاتے ہیں مگر بہت سے عقلمندوں کی سمجھ میں نہیں آتا کہ مرزا صاحب کیا کر رہے ہیں؟ اس کی نظیریں اسلامی دنیا میں بھی بہت سی موجود ہیں جو تاریخ دانوں پر پوشیدہ نہیں ہے۔

کتاب المختار میں علامہ جوہری نے لکھا ہے کہ سفاح کے زمانے میں ایک شخص جس کا نام اسحاق تھا اصفہان میں آ کر مفسدہ پردازیاں برپا کیا یہ شخص مغرب کا رہنے والا تھا اسی طرف وہ قرآن توریت وانجیل وزبور وغیرہ کتب آسمانی پڑھ کر جمیع علوم مروجہ کی تحصیل اور اکثر السنہ اور اقسام کے خطوط کی تکمیل کر کے اصفہان آیا اور دس برس تک ایک مدرسے میں مقیم رہا۔ اس مدت میں نہ کوئی کمال ظاہر کیا، نہ کسی سے بات کی۔ یہاں تک کہ اخرس یعنی گونگا مشہور ہو گیا مگر معرفت سب سے پیدا کر لی۔ پھر اس نے ایک رات ایک خاص قسم کا روغن تیار کر کے اپنے منہ پر ملا اور دو شمعیں خاص قسم کی روشن کیں۔ جن کی روشنی میں چہرے کا روغن ایسا چمکنے لگا کہ جس سے نگاہ خیرہ ہوتی تھی پھر تین چیخیں ایسی ماریں کہ سب

مدرسے کے لوگ چونک پڑے اور آپ نماز میں مشغول ہو کر نہایت تجوید اور عمدہ لہجے سے باآواز بلند قرآن پڑھنے لگا۔ مدرسین اور اعلیٰ درجے کے طلباء نے جب دیکھا کہ وہ گونگا نہایت فصیح ہو گیا اور چہرہ ایسا پر انوار ہے کہ نگاہ نہیں ٹھہر سکتی تو اس قدرت خدا کے مشاہدے سے صدر مدرس تو بیہوش ہو گئے اور دوسرے لوگ سکتے کے عالم میں تھے جب افاقہ ہوا تو صدر مدرس صاحب نے خیال کیا کہ یہ قدرت خدا کا نیا تماشا اگر عمائد بلد بھی دیکھیں تو اچھا ہوگا۔ مدرسے کے دروازے پر جب آئے تو وہ مقفل تھا اور کلید مفقود کسی تدبیر سے باہر نکلے وہ آگے اور تمام فقہاء ان کے پیچھے پیچھے قاضی شہر کے مکان پر آئے اور اس ہجوم اور چیخم چاخ سے بدحواس باہر نکل آئے اور اس عجیب وغریب واقعے کو سن کر وزیر کو اطلاع دی۔ غرض کہ تمام شہر میں اس رات ایک ہنگامہ تھا ہر طرف سے جوق در جوق لوگ چلے آرہے تھے کہ چلو قدرت خدا کا تماشا دیکھو۔ چنانچہ وزیر وقاضی وغیرہ معززین شہر مدرسے کے دروازے پر آئے دیکھا تو دروازہ بند ہے۔ کسی نے پکار کر کہا حضرت آپ کو اسی خدا کی قسم ہے جس نے آپ کو یہ درجہ عطا فرمایا خدا کے لئے دروازہ کھولئے اور مشتاقان دیدار کو اپنے جمال باکمال سے مشرف فرمائیے۔ اس نے کوئی تدبیر ایسی کی کہ قفل گر پڑے مگر بظاہر باآواز بلند کہا اے قفلوں کھل جاؤ اس کی آواز کے ساتھ قفلوں کے گرنے کی آواز نے لوگوں کے دلوں پر عجیب قسم کی تاثیر کی کہ سب خائف وترساں ہو گئے اور دروازہ کھول کر کمال ادب سے روبرو جا بیٹھے۔ قاضی صاحب نے جراءت کرکے پوچھا کہ اس واقعہ حیرت انگیز سے تمام شہر گرداب اضطراب میں ہے اگر اس کی حقیقت بیان فرمائی جائے تو سب پر منت ہوگی۔ کہا چالیس روز سے مجھے کچھ آثار نمایاں ہو رہے تھے۔ آخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ اسرار خلق مجھ پر اعلانیہ منکشف ہو گئے تھے مگر میں بیان نہیں کر سکتا تھا۔ آج رات ایک عجیب واقعہ دیکھا کہ دو فرشتے میرے پاس آئے مجھ کو جگا کر انہوں نے نہلایا اس کے بعد مجھ پر

نبوتی سلام اس طور سے کہا کہ **اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَانَبِی اللہ** مجھے خوف ہوا کہ معلوم نہیں اس میں کیا ابتلاء ہے؟ اس لئے جواب سلام میں پس وپیش کر رہا تھا کہ ان میں سے ایک نے مجھ سے کہا **افتح فاک باسمِ اللہ الازلی** یعنی بسم اللہ کہہ کر منہ تو کھولو۔ میں نے منہ کھول دیا اور دل میں **باسم اللہ الازلی** کو دہراتا رہا۔ انہوں نے ایک سفیدسی چیز میرے منہ میں رکھ دی۔ یہ تو معلوم نہیں کہ وہ کیا چیز تھی مگر اتنا کہہ سکتا ہوں کہ وہ برف سے زیادہ سرد اور شہد سے زیادہ شیریں اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھی۔ اس کے حلق سے نیچے اترتے ہی میری زبان گویا ہوگئی اور ابتداءً میری زبان سے یہی نکلا۔ **اَشْھَدُ ان لَّااِلٰہ اِلَّا اللہ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللہ**۔ یہ سن کر فرشتوں نے کہا تم بھی رسول اللہ برحق ہو۔ میں نے کہا اے بزرگوارو! یہ کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا اللہ نے تم کو نبی بنا کر اس قوم میں مبعوث کیا ہے۔ میں نے کہا یہ کیسی بات ہے؟ حق تعالیٰ نے تو ہمارے سیّد روحی فداہ محمد ﷺ کی نسبت خاتم النبیین فرمادیا ہے۔ انہوں نے کہا یہ سچ ہے مگر محمد ﷺ ان انبیاء کے خاتم تھے جن کی ملت اور شریعت دوسری تھی تم اس ملت کے نبی ہو یعنی تمہاری نبوت ظلی ہے، مستقل نہیں۔ میں نے کہا مجھ سے تو یہ دعویٰ کبھی نہ ہوسکے گا اور نہ میری کوئی تصدیق کرے گا کیوں کہ میرے پاس کوئی معجزہ نہیں۔ انہوں نے کہا جس نے تمہیں گونگا پیدا کر کے ایک مدت کے بعد فصیح بنادیا وہ خود تمہاری تصدیق لوگوں کے دلوں میں ڈال دے گا تمہیں اس سے کیا کام اور معجزات بھی لیجئے۔ جتنی آسمانی کتابیں تمام انبیاء پر نازل ہوئیں سب کا علم تمہیں دیا گیا اور کئی زبانیں اور کئی قسم کے خطوط تم کو عطا کئے گئے۔ پھر انہوں نے کہا کہ قرآن پڑھ میں نے جس طرح نازل ہوا پڑھ کر ان کو سنادیا پھر انجیل پڑھوائی وہ بھی سنادی پھر توریت وزبور وصحف پڑھنے کو کہا وہ بھی سنادیئے۔ اوران کتابوں کا القاء جو میرے دل پر ہوا اس میں کوئی تصحیف تحریف اور اختلاف قراءت کی آمیزش نہیں تھی بلکہ جس طرح **منزّل من اللہ**

ہوئی ہیں بلاکم وبیش اسی طرح میرے دل میں ڈالی گئیں جس کی تصدیق فرشتوں نے بھی کی۔ پھر ملائکہ نے کل کتب سماویہ مجھ سے سن کر کہا قم فانذر النّاس یعنی اب اٹھو اور لوگوں کو خدا سے ڈراؤ۔ یہ کہہ کر وہ چلے گئے اور میں نماز میں مشغول ہوگیا۔ اس وقت انوار وتجلیات جو میرے دل پر نازل ہو رہے تھے ان کا یہ عالم تھا کہ کچھ بیان نہیں کرسکتا۔ غالباً اس کے کسی قدر آثار چہرے پر بھی نمایاں ہوگئے ہوں گے اور اب تک بھی محسوس ہوتے ہوں گے یہ تو میری سرگزشت تھی اب میں آپ لوگوں سے کہتا ہوں کہ جو شخص خدا پر اور محمد ﷺ پر پھر مجھ پر ایمان لایا اس کو تو نجات ملی اور جس نے میری تکذیب کی اس نے محمد ﷺ کی شریعت کو بھی معطل کردیا اور وہ کافر ہے۔ اگرچہ علماء اور سمجھدار لوگوں نے اس کی تصدیق نہ کی ہوگی لیکن پھر بھی ظاہر پرست اتنے اس کے مرید ہوگئے کہ سلطنت کا مقابلہ کرکے بصرہ عمان وغیرہ تک قبضہ کرلیا پر چند آخر میں مارا گیا لیکن اس کی امت اب تک عمان میں موجود ہے۔ اخرس کو دس بیس برس تو محنت کرنی پڑی مگر رائے بڑی پختہ تھی آخر باطل قیاسوں سے نتیجہ خاطر خواہ نکال ہی لیا کہ ایک ہی رات میں حسن ظن کی روح ایسی پھونک دی کہ بات بات آمنّا وصدّقنا کی آواز بلند ہونے لگی، بقول مرزا صاحب یہ عقلی معجزہ تھا اور کس زور کا تھا کہ ایک ہی رات میں اس نے اپنا سکہ جمالیا دس برس گونگا رہنے کی مشقت اس کو اس وجہ سے اٹھانی پڑی کہ اس زمانے میں خارق العادت معجزے قابل اعتبار سمجھے جاتے تھے، مرزا صاحب نے عقلی معجزے نکال کر اس مشقت کو بھی اٹھادی۔ اس نے الہام کی عزت ثابت کرنے کے لئے دس سال کی مشقت گوارا کی، مرزا صاحب نے یہ مدّت براہین احمدیہ کی تالیف اور اعتبار بڑھانے میں صرف کی جس سے ان کے الہاموں کی عزت ہونے لگی۔

تاریخ دول اسلامیہ میں لکھا ہے کہ ایک شخص خوزستان سے سواد کوفہ میں آکر ایک مدت تک ریاضت میں مشغول رہا۔ یہاں تک کہ کثرت صوم وصلوٰۃ وعبادات سے اقران

ومعاصرین پر اس کی فوقیت مسلّم ہوگئی اس کے زہد وتقویٰ کا یہ عالم تھا کہ صرف بوریا بن کر گذراوقات کرتا اور کسی سے کچھ نہ لیتا اور وعظ ونصائح کی پرزور تقریروں کی یہ کیفیت کہ سامعین کے دلوں کو ہلا دیتی۔ غرض کہ ہر طرح سے معتقدین کے دلوں پر جب پورا تسلط کرلیا اور حسن ظن کا اندازہ کرکے دیکھ لیا کہ اب ہر بات چل جائے گی تو پہلے تمہیداً تقلید کا مسئلہ چھیڑا کہ دین میں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کی تسلیم کے بعد کہا کہ اجماع بھی کوئی چیز نہیں۔ پھر احادیث میں وہی کلام کیا جو آج کل ہو رہا ہے جب اس پر بھی سب نے **آمنا وصدقنا** کہہ دیا تو بطور امتحان چند مسائل معمولی نماز وروزہ کے ایسے بیان کئے جو مخالف اجماع واحادیث تھے، معتقدین نے اسی پر عمل شروع کردیا۔ اس امتحان کے بعد بطور راز کہا کہ دیکھو حدیث **مَنْ لَمْ یعرف امام زمانه** کی رو سے امامِ زماں کو معلوم کرنا نہایت ضروری امر ہے مگر یاد رکھو کہ امامِ زماں کا خاندان نبوت اور اہل بیت سے ہونا ضروری ہے اور وہ قریب میں نکلنے والے ہیں، الحاصل ان کو امام زمان کا مشتاق بنا کر شام کو چلا گیا، وہاں بھی اسی تدبیر سے لوگوں کو امام زماں کا مشتاق اور منتظر بنا دیا جب ایک وسیع ملک امامِ زماں کا مشتاق اور منتظر ہوگیا تو اس کے قرابت داروں سے ایک شخص جس کا نام ذکرویہ یحییٰ تھا اس نے اپنے آپ کو محمد بن عبداللہ ابن اسمٰعیل ابن امام جعفر صادق مشہور کرکے مہدویت کا دعویٰ کیا۔ لوگ تو منتظر ہی تھے اور دیکھا کہ نام بھی وہی ہے جو احادیث میں وارد ہے ان کو مہدی موعود کا مل جانا ایک نعمت غیر مترقبہ تھا۔ غرض کہ حسن ظن والوں کا ایک لشکر عظیم جمع ہوگیا اور مہدی موعود صاحب نے اپنے معتقدین کو لوٹ کھسوٹ پر لگا دیا اور مکہ معظمہ میں اس قدر مسلمانوں کی خونریزی کی کہ کسی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ یہ وہی فتنہ قرامطہ ہے جس سے تواریخ کے جزو کے جزو سیاہ ہیں۔ دیکھ لیجئے اس فتنے کی بنیاد اسی حسن ظن پر تھی جو خوزستانی کے تقدس پر کیا گیا تھا۔ مرزا صاحب کے تقدس کا اثر بھی کچھ کم نہیں آپ کے جراحات جو التیام پذیر نہیں قرامطہ کے

جراحات سنان سے کم نہیں اگر وہاں جسمانی قتل تھا تو یہاں روحانی ہے۔ **عن ابن مسعود عبداللہ بن غافر وثابت ابن ضحاک رضی اللہ عنہ قالوا قال رسول اللہ ﷺ لعن المومن کقتله** (رواہ الطبرانی والخرائطی، کنز العمال صفحہ ۱۲۵ جلد ۲) یعنی فرمایا نبی ﷺ نے، مسلمان پر لعنت کرنا گویا اس کو قتل کرنا ہے انتہی۔ اب دیکھئے کہ مرزا صاحب کا لشکر لعن مسلمانوں کو برابر قتل کر رہا ہے یا نہیں۔ چونکہ امام مہدی علیہ السلام کا قیامت کے قریب تشریف فرما ہونا تواتر کو پہنچ گیا ہے اور اسلام کے مسلمہ مسائل سے ہے، جس کی وجہ سے ہر زمانے میں لوگ مہدویت کا دعویٰ کرتے رہے۔ جس کا حال کتب تواریخ سے ظاہر ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ وہ اہل بیت سے ہوں گے اور ان کا نام محمد ابن عبداللہ ہوگا۔ اس لئے جن لوگوں نے مہدویت کا دعویٰ کیا ان کو اس کی بھی ضرورت ہوئی کہ اس نام ونسب کے ساتھ متصف ہوں اسی وجہ سے خوزستانی مذکور نے زکرویہ کا نام محمد بن عبداللہ بتلایا اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں اس کا ہونا بیان کیا۔ اگر مہدویت کے لئے اس نام ونسب کی ضرورت نہ سمجھی جاتی تو اس کو اس جھوٹ کہنے اور نسب سیادت میں داخل کر کے اس کو ملعون بنانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اس سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک مہدی کے لئے یہ نام ونسب لازم ہے۔

خوزستانی کو زکرویہ کا نام ونسب بدلنے کا موقع مل گیا تھا اس لئے کہ جن لوگوں کے روبرو اس کا حال بیان کیا تھا وہ اس کو جانتے نہ تھے صرف حسن ظن سے اس کے بیان کی تصدیق کر لی تھی کہ واقع میں اس کا نام ونسب وہی ہوگا جو وہ کہہ رہا ہے مرزا صاحب کو نام ونسب بدلنے کا موقع نہ ملا اس لئے کہ قادیان کے لوگ ان کو جانتے تھے اس وجہ سے انہوں نے یہ تدبیر نکالی کہ احادیث میں جو نام ونسب امام مہدی علیہ السلام کا وارد ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ نام غلام احمد ہو اور مرزا ہو، مگر مہدی ضرور ہیں۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ ۵۷۲ میں لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ جب تم سرکشیوں کی وجہ سے سیاست کے

لائق ہو جاؤ گے تو محمد بن عبداللہ ظہور کرے گا، جومہدی ہے واضح رہے کہ یہ دونوں وعدے کہ محمد بن عبداللہ آئے گا یا عیسیٰ بن مریم آئے گا دراصل اپنی مراد ومطلب میں ہم شکل ہیں محمد ابن عبداللہ کے آنے سے۔ مقصود یہ ہے کہ جب دنیا ایسی حالت میں ہو جائے گیا جو اپنی درستی کے لئے سیاست کی محتاج ہوگی تو اس وقت کوئی شخص مثیل محمد ہو کر ظاہر ہوگا۔ اور یہ ضرور نہیں کہ درحقیقت نام محمد بن عبداللہ ہو بلکہ احادیث کا مطلب یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک اس کا نام محمد ابن عبداللہ ہوگا، کیونکہ محمد کا مثیل بن کر آئے گا۔

یہ بھی غنیمت ہے کہ مرزا صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ جن حدیثوں میں مہدی کا وعدہ ہے اس میں ان کا نام محمد ابن عبداللہ ہے۔ اب ان حدیثوں کو دیکھئے جن میں مہدی رضی اللہ عنہ کے آنے کا وعدہ ہے۔ کنز العمال کی کتاب القیامت میں بکثرت روایات موجود ہیں جن میں یہ الفاظ مذکور ہیں کہ **قال النبی ﷺ ابشروا بالمھدی رجل من قریش من عترتی یواطی اسمه اسمی واسم ابیه اسم ابی مولده بالمدینة اکحل العینین براق الثنایا فی وجهه خال** وغیرہ یعنی تمہیں بشارت ہے کہ مہدی ایک شخص قبیلہ قریش سے میری عترت اور اہل بیت میں ہوں گے۔ ان کا نام میرے نام کے مطابق اور ان کے باپ کا نام میرے والد کے نام کے مطابق ہوگا ان کی آنکھیں سرگیں اور دانت چمکتے ہوئے ہوں گے اور چہرے پر ان کے ایک خال ہوگا۔ اور اس کے سوا اور بہت سی علامات احادیث میں مذکور ہیں جو آئندہ **ان شآء اللہ تعالیٰ** لکھی جائیں گی۔ اب دیکھئے کہ مرزا صاحب نہ قریشی ہیں، نہ سیّد، نہ ان کا نام محمد بن عبداللہ ہے، نہ اور علامتیں ان میں پائی جاتی ہیں باوجود اس کے کہے جاتے ہیں کہ میں مہدی موعود بھی ہوں اور ان سب علامات کو بالائے طاق رکھ کر کہتے ہیں کہ کسی بات کی ضرورت نہیں مطلب ان احادیث کا یہی ہے کہ مہدی وہ شخص ہوگا جس کا نام غلام احمد قادیانی ہوگا اور مغلوں کی نسل سے ہوگا۔

مرزا صاحب نے ناموں میں تصرف کرنے کا طریقہ ابو منصور سے سیکھا ہے۔جس نے صلوٰۃ،صوم وحج وزکوۃ اور نیز میتہ اور خنزیر وغیرہ کو چند آدمیوں کے نام قرار دیئے تھے اور اس سے مقصود اس کا یہ تھا کہ نماز وروزہ وحج وزکوۃ جو مشہور ہیں ان کی کوئی اصل نہیں اور نہ خمر وخنزیر وغیرہ حرام ہیں،الحاصل مرزا صاحب کی کارروائیوں کی نظیریں بہت سی موجود ہیں۔

الآثار الباقیۃ عن القرون الخالیۃ میں علامہ ابو الریحان خوارزمی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ دولتِ عباسیہ میں ایک شخص جس کا نام بہافریز بن ماہ فروزین تھا نیشاپور کی طرف نکلا اس کا ابتدائی حال یہ ہے کہ وہ سات برس تک غائب رہا چین وغیرہ میں اوقات بسر کرکے واپسی کے وقت چین سے نہایت مہین اور نرم قمیص لایا جو مٹھی میں آسکتی تھی اور رات کے وقت مجوس کے گورستان میں کسی بلند مقام پر چڑھ کر بیٹھ رہا جہاں اس کے علاقے کی زمین تھی۔صبح ایسے وقت اس مقام سے اترا کہ کسان جو اسی کا علاقہ دار تھا وہاں موجود تھا وہ دیکھتے ہی متعجب ہوگیا کہ یہ بات کیا ہے،سات (۷) سال سے غائب رہ کر قبرستان سے لباس فاخرہ پہنے ہوئے نکلنا کیسا؟اس نے اس کو تسکین دے کر کہا کہ کوئی تعجب کی بات نہیں اس مدت میں میں آسمان پر گیا ہوا تھا اور اب وہیں سے آرہا ہوں۔ اس عرصہ میں مجھے جنت اور دوزخ کی سیر بھی کرائی گئی اور خلعت بھی عنایت ہوا جو زیب بدن ہے خوب دیکھ ایسا کپڑا بھی دنیا میں کہیں بن سکتا ہے کسان بے وقوف تو ہوا ہی کرتے ہیں اس کی تصدیق کرلی اور اپنا چشم دید واقعہ لوگوں سے بیان کرنے لگا یہاں تک کہ اور مجوسی اس کے معتقد ہوگئے اس کے بعد اس نے نبوت کا دعویٰ کرکے کہا کہ مجھ پر وحی بھی اترا کرتی ہے اور نئے نئے احکام جاری کیے جس سے فتنۂ عظیم برپا ہوا اور آخر ابو مسلم نے اس کو قتل کردیا۔

دیکھئے حالت ظاہری اور مافوق العادت قمیص پر حسن ظن کرنے کا کیسا اثر ہوا کہ نبوت اور وحی سب مسلّم ہوگئیں۔اب مرزا صاحب جو اپنی بعض عقلی کارروائیاں پیش کرکے فرماتے ہیں کہ وہ مافوق العادت معجزات ہیں کس طرح ایمان لانے کے قابل ہوں۔

مرزا صاحب نے عقلی معجزات کو جو اپنے اجتہاد سے اصلی معجزات کی ایک قسم قرار دی ہے غالباً اس کا منشا اسی قسم کے معجزے ہیں جو بہا فریز جیسے لوگوں سے صادر ہوئے اور لوگوں میں ان کی بات بھی چل گئی مگر ادنیٰ فہم والا سمجھ سکتا ہے کہ جیسے ان لوگوں کے معجزے عقلی تھے ویسے ہی وحی اور الہام بھی عقلی تھے اس لئے کہ خرقِ عادت ایک ایسی چیز ہے کہ ساحروں سے بھی صادر ہوا کرتی ہے۔ گو معجزے اور سحر میں زمین آسمان کا فرق ہے باوجود اس کے ممکن نہیں کہ کسی ساحر کو الہام ہو۔ پھر جب عقلی معجزے دکھانے والوں سے خوارق عادات بھی کھلے طور پر صادر نہیں ہو سکتے جن کا درجہ الہام کے درجے سے بہت ہی پست ہے تو ان کو اعلیٰ درجے کی خصوصیت وحی اور الہام سے کیونکر حاصل ہو سکتی ہے۔

اب غور کیا جائے کہ جس نے کئی سال کی مشقت گوارا کر کے مکر و فریب سے قمیص کو معجزہ قرار دیا ہو اس کی وحی کا کیا حال ہوگا؟ وہ یہ بھی کہتا ہوگا کہ میں خدا کو دیکھتا ہوں اس سے باتیں کرتا ہوں اس نے مجھے اپنا خلیفہ بنایا وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ ان باتوں کے بیان کرنے میں جھوٹوں کو کون سی چیز روکنے والی ہے۔ ایسے لوگوں کو دنیا کمانے کے لئے الہام سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں، نہ اس قدر مال ہے کہ تجارت کے ذریعہ سے لاکھوں روپے حاصل کر سکیں، نہ ایسی عقل ہے کہ کلیں ایجاد کریں۔ وہ چند سادہ لوگوں پر یہ افسوں پڑھ دیتے ہیں کہ خدا کے پاس ہمارے ایسے ایسے مدارج ہیں اور یہ لوگ اس غرض سے کہ ہمارے بھی کچھ کام نکل آئیں گے ان کے دام میں آجاتے ہیں جس سے **خسر الدنیا والآخرۃ** کا پورا پورا مضمون ان پر صادق آجاتا ہے۔

یہ بات یاد رہے کہ جب کسی پر وحی کا اترنا یا الہام کا ہونا تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ حق نہیں رہتا کہ اس کے کسی الہام و وحی سے انکار کیا جائے اس لئے مسلمانوں کو ضرور ہے کہ ہر کس و ناکس کے دعوے الہام و وحی کو تسلیم نہ کریں اور مدعیانِ الہام ہزار کہیں کہ ہمارا

الہام حجت ہے ایک نہ مانیں اور صاف کہہ دیں کہ ہمارے دین میں الہام غیر پر حجت نہیں قرار دیا گیا۔ ہمارا دین ہمارے نبی ﷺ کے وقت ہی میں مکمل ہو گیا ہے۔ ہمارے لئے قرآن و حدیث اور وہ اقوال ائمہ جو مسائل اجتہادیہ ہیں اور جن کو انہوں نے قرآن و حدیث سے استنباط کر کے بیان فرمایا ہے وہ بہت کافی ہیں۔

فتوحات اسلامیہ میں شیخ دحلان رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ کامل وغیرہ سے لکھا ہے کہ پانچویں صدی کے اوائل میں محمد ابن تومرت جس کا مولد و منشا جبل سوس تھا اس نے دعویٰ کیا کہ میں سادات حسینیہ سے ہوں اور مہدی موعود بھی ہوں اور مافوق العادۃ امور دکھلا کر کامیاب ہو گیا۔ لکھا ہے کہ یہ شخص امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اکابر علماء سے تحصیل علوم کر کے رمل و نجوم میں بھی دستگاہ حاصل کیا اور تدریس و تعلیم میں مشغول ہوا۔ اس کا علم و زہد و تقویٰ دیکھ کر شاگردوں اور مریدوں کا مجمع بڑھ گیا ان میں بحسب مناسبت معنوی و طبعی عبد المومن و عبد اللہ ونشریسی وغیرہ اور چند اشخاص معتمد علیہ قرار پائے عبد اللہ ونشریسی سے جو بڑا فاضل شخص تھا، ابن تومرت نے کہا کہ تم اپنے علوم کو چھپا کر رکھو ایک روز ان سے معجزے کا کام لیا جائے گا اس نے پیر کا منشا معلوم کر کے اپنے آپ کو گونگا اور دیوانہ بنالیا۔ میلے کچیلے کپڑے پہن لئے اور ان پر تھوک بہتا ہوا کچھ ایسی حالت بنائی کہ کوئی نزدیک نہ آنے دے۔ چند روز کے بعد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہوئے وہ سب مراکش پہنچے۔ دیکھا کہ عورتوں کی ایک جماعت خچروں پر سوار چلی جارہی ہے ان پر ایسا بلوہ کیا اور خچروں کو مارا کہ ایک عورت جو امیر المسلمین کی بہن تھی گر پڑی۔ بادشاہ کو اطلاع ہوئی اور وہ سب بلائے گئے پھر علماء سے مناظرہ ٹھہرا لیکن وہ ان سب کو قائل کر دیا۔ اس کے بعد بادشاہ کی طرف متوجہ ہو کر ایسی موثر اور پر جوش تقریر کی کہ بے اختیار بادشاہ کے آنسو ٹپک پڑے۔ اس مجلس میں مالک بن وہب بھی موجود تھے جو وزیر سلطنت اور عالم متدین تھے انہوں نے

بادشاہ سے کہا کہ آثار وقرائن سے میں دیکھ رہا ہوں کہ اس شخص کو امر بالمعروف سے کچھ تعلق نہیں مقصود تو کچھ اور ہی معلوم ہوتا ہے بہتر تو یہ ہے کہ اس کو قتل ہی کر ڈالا جائے ورنہ دائم الحبس تو ضرور کر دیا جائے۔ چوں کہ امیر المسلمین کو اس کی تقریر سے حسن ظن ہو چکا تھا اور حاضرین مجلس نے بھی کہا کہ بیچارہ فقیر کیا کر سکتا ہے اور جس نے باشاہ کو اپنی تقریر سے رلا دیا اس کے ساتھ اسی مجلس میں اس قسم کا سلوک کرنا بالکل بے موقع ہے اس لئے بادشاہ نے وزیر کی رائے کو بدظنی پر محمول کر کے اس کو کمال اعزاز سے رخصت کیا اور یہ بھی کہا کہ میرے لئے آپ دعائے خیر کیجئے۔ ابن تومرث اپنی فرودگاہ پر آ کر اپنے مصاحبین سے کہا کہ جب تک مالک بن وہب ہے ہماری یہاں کچھ نہ چلے گی اب یہاں رہنا ہمارے مفید نہیں۔ چنانچہ وہ سوس کی طرف چلا گیا وہاں اس کی پر جوش تقریروں نے وہ اثر دکھایا کہ ہر طرف سے جوق در جوق معتقدین کے آنے لگے جب دیکھا کہ ایک معتد بہ اور کافی مجمع ہو گیا تو اثنائے تقریر میں کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ مہدی ایک ایسا شخص ہوگا کہ زمین کو عدل سے بھر دے گا اور اس کا مقام جہاں سے وہ نکلے گا مغرب اقصیٰ ہے۔ یہ سنتے ہی عبدالمومن وغیرہ دس شخص اٹھ کھڑے ہوئے کہ اس وقت وہ سب صفات مہدی آپ میں موجود ہیں اور ملک بھی مغرب اقصیٰ ہی ہے، اب آپ کے سوا اور کون مہدی ہو سکتا ہے یہ کہہ کر جھٹ سے بیعت کر لی۔ پھر کیا تھا حسن ظن والے جوق در جوق آتے اور بیعت کو نجات وفلاح دارین کا وسیلہ بنا کر جانبازی پر پروانہ وار مستعد ہو جاتے۔ غرض کہ ایک لشکر کثیر لڑنے مرنے والا تیار ہو گیا، جب یہ خبر بادشاہ کو پہنچی تو اس وقت اس کی آنکھ کھلی اور اس وزیر باتدبیر کی پیش بینی کے نظر انداز کرنے پر بہت کچھ پچھتایا مگر اب کیا ہو سکتا تھا، بہر حال اس کے مقابلے پر فوج کثیر روانہ کی گئی مہدی چونکہ رمل و نجوم میں ماہر تھا پیشین گوئی کی کہ فتح ہم ہی کو ہوگی، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بادشاہی فوج کو سخت ہزیمت ہوئی اور بہت سی غنیمت ان

کے ہاتھ آئی پھر تو حسن ظن اور مریدوں کے حوصلے اور بھی بڑھ گئے، ہمیشہ وہ کم عمر نوجوان لڑکوں کو جنگ پر ابھارتا مگر معمر اور تجربے کار لوگ اپنے اپنے متعلقین کو روکتے رہتے تھے جس کی خبر وقتاً فوقتاً اس کو پہنچتی تھی وہ سوچا کہ کبھی نہ کبھی ان روکنے والوں سے ضرور ضرر پہنچے گا اور تعجب نہیں کہ یہ دشمن کے ہاتھ گرفتار کرادیں قرائن سے ان لوگوں کی فہرست مرتب کر کے صرف عبداللہ ونشریسی کو اس سے مطلع کیا، جس کو گونگا اور دیوانہ بنا رکھا تھا۔ ایک روز اس سے کہا کہ اب تمہارے اظہار کمال کا وقت آ گیا اور اس کو تدبیر بتادی چنانچہ جب صبح کی نماز کے لئے مہدی مسجد میں آیا دیکھا کہ ایک شخص نہایت فاخرہ لباس پہنے محراب کے بازو میں کھڑا ہوا ہے، جس کی خوشبو سے مسجد مہک رہی ہے۔ پوچھا یہ کون ہے؟ کہا فدوی ونشریسی ہے۔ کہا یہ حالت کیسی؟ تم تو گونگے اور دیوانے تھے۔ کہا درست ہے لیکن آج رات عجیب اتفاق ہوا ایک فرشتہ آسمان سے میرے پاس اتر آیا اور میرا دل اولاً شق کیا اور پھر دھو کر قرآن اور موطا وغیرہ کتب احادیث وعلوم سے بھر دیا۔ یہ سنتے ہی مہدی موعود رونے لگے کہ خدا کا شکر کس منہ اور کس زبان سے بیان کروں اوروں کو تو دعائیں مانگنے پر کچھ ملتا ہے مگر اس عاجز کی سب خواہشیں بغیر دعا کے وہ پوری کرتا ہے اس عاجز کی جماعت میں خدا نے ایسے لوگوں کو بھی شریک کیا ہے جن پر فرشتے آسمان سے اترتے ہیں اور جس طرح ہمارے مولیٰ ہمارے سیّد روحی فداہ ﷺ کا سینہ مبارک شق کیا گیا تھا اسی طرح اس عاجز کی جماعت میں ایک ذلیل سے ذلیل شخص کا دل فرشتوں نے شق کر کے قرآن وحدیث اور تمام علوم لدنّیہ سے بھر دیا۔ غرض کہ گریہ کو پراثر بنانے والی تقریریں کر کے اس فاضل حکیم الامۃ کی طرف توجہ کی اور کہا بھائی یہ باتیں ایسی نہیں جو بغیر تحقیق کے مان لی جائیں امتحان کی ضرورت ہے چنانچہ مختلف مقامات سے قرآن پڑھنے کو کہا اس نے نہایت تجوید اور ترتیل سے سب سنادیئے، اسی طرح موطا وغیرہ کتب کا امتحان لیا گیا سب میں کامیاب نکلا، لوگوں

کو اس واقعہ سے یقین ہوگیا کہ یہ مافوق العادۃ بات بے شک معجزہ ہے، غرض کہ اس کا ررروائی سے حسن ظن والوں کے اعتقاد اور بھی ضرورت سے زیادہ بڑھ گئے اس کے بعد اس فاضل ونشریسی نے کہا کہ حضور کے طفیل سے حق تعالیٰ نے مجھے ایک بات اور عطا کی ہے۔ پوچھا وہ کیا؟ عرض کیا کہ ایک نور قدوسی کے دل میں ایسا رکھ دیا ہے کہ جنتی اور دوزخی کو دیکھتے ہی پہچان لیتا ہوں اور اس نور کے عنایت کرتے وقت حق تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ اس متبرک جماعت میں دوزخیوں کا شریک رہنا نہایت بے موقع ہے اب تم پہچان کر ایک ایک دوزخی کو قتل کر ڈالو اور چوں کہ آدمی کے قتل کا معاملہ قابل احتیاط تھا اس لئے حق تعالیٰ نے تین فرشتے میری تصدیق کے لئے اتارے ہیں جو فلاں کنویں میں اس وقت موجود ہیں۔ یہ سنتے ہی مہدی موعود اس کنویں کی طرف چلے جو ایک وسیع میدان میں تھا اور مریدوں کا مجمع بھی ساتھ ہے اور ایسی حالت میں چلے جارہے ہیں کہ چہروں کا رنگ فق مردنی چھائی ہوئی ہے کہ دیکھئے آج کون دوزخ کے ابدی عذاب میں جھونکا جاتا ہے اور دنیا میں ذلت سے قتل ہوکر ہمیشہ کے لئے ننگِ خاندان ٹھہرتا ہے۔ ہر ایک کی آنکھیں ڈبڈبا رہی ہیں، زبان سے بات نہیں نکل سکتی، دل کا یہ عالم کہ یاس وہراس سے گلا جاتا ہے وہ میدان اس وقت عرصۂ قیامت بنا ہوا تھا کہ نہ باپ کو بیٹے کی خبر، نہ بھائی کو بھائی کی ہر ایک نفسی نفسی کہہ رہا تھا اور ادھر تمام قبیلوں میں کہرام مچا ہوا ہے کہ دیکھئے کوئی مرد گھر کی آبادی کے لئے واپس بھی آتا ہے یا سب دوزخ ہی کو آباد کریں گے۔ غرض کہ مہدی موعود اس کنوئیں پر پہنچے اور ایک دوگانہ ادا کر کے ان ملائکہ سے جو کنوئیں کی تہ میں عالم کو تہ وبالا کرنے کی غرض سے اترے ہوئے تھے باآواز بلند پوچھا کہ عبداللہ ونشریسی کہتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اس کو دوزخی اور جنتی کی شناخت دے کر حکم دیا ہے کہ دوزخی چن چن کے قتل کئے جائیں کیا یہ بات سچ ہے؟ وہ تینوں مصنوعی فرشتے تو مہدی صاحب کے رازدار تھے جن کو پہلے سے وہ پٹی پڑھائی

جا چکی تھی فوراً پکار کر کہہ دیا کہ سچ ہے! سچ ہے! سچ ہے!!! مہدی صاحب نے دیکھا کہ اگر یہ عالم تحتانی کے فرشتے اوپر آ جائیں تو افشائے راز کا اندیشہ ہے اس لئے ان کو عالم بالا ہی میں بھیج دینا مناسب ہوگا، ونشریسی وغیرہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ یہ کنواں مطہر ملائکہ کے نزول سے متبرک ہو گیا ہے اگر یوں ہی چھوڑ دیا جائے تو مبادا کوئی نجاست اس میں گرے یا کسی قسم کی بے ادبی ہو جس سے قہر الٰہی کا اندیشہ ہے اس لئے اس کو پاٹ دینا مناسب ہے چنانچہ سب کی رائے سے وہ فوراً پاٹ دیا گیا جو چاہِ بابل کی طرح ان بے گناہ مصنوعی فرشتوں کا ہمیشہ کے لئے محبس ٹھہرا، اس کے بعد دوزخیوں کے قتل کی کاروائی شروع ہوئی ونشریسی جو فہرست مذکور سے واقف تھا میدان میں کھڑا ہو گیا، مشتبہین کو چن چن کر بائیں طرف اور موافقین کو داہنی طرف کر دیتا تھا اور اصحاب الشمال فوراً قتل کیے جاتے تھے۔ لکھا ہے کہ کئی روز تک یہ کارروائی جاری رہی ہر روز قبیلے قبیلے کے لوگ بلائے جاتے اور ان میں سے دوزخی دوزخ میں پہنچا دیئے جاتے۔ چنانچہ ستر ہزار آدمی اس طرح مارے گئے جب مشتبہ لوگوں سے میدان خالی ہو گیا تو خالص معتقدوں کو لے کر فتنہ و فساد اور ملک گیری میں مشغول ہوا اور دعوئ مہدویت چوبیس (۲۴) برس تک کرتا رہا پھر مرنے کے وقت عبدالمومن کو اپنا جانشین قرار دیا۔

اہل بصیرت کو اس واقعے سے کئی امور کا ثبوت مل سکتا ہے۔

۱......اس قسم کے مدبر لوگ جن کو مہدویت وغیرہ کا دعویٰ ہوتا ہے پہلے سے اپنے قابو کے مولویوں کو ہمراز و ہم خیال بنا رکھتے ہیں جو سب سے پہلے آمنّا وصدقنا کہہ اپنا مال نثار کر کے خوش اعتقادی کا اعلیٰ درجے کا ثبوت دیتے ہیں جن کے تدین اور تقدس ظاہری کے اعتماد پر غافل اور بھولے لوگ دام میں پھنس جاتے ہیں جیسا کہ فاضل عبداللہ ونشریسی اور عبدالمومن وغیرہ علماء کی جماعت جوامر بالمعروف کے لئے نکلی تھی، اس کی شاہدِ حال ہے۔ ہم حسن ظن سے کہہ سکتے ہیں کہ مرزا صاحب کی جماعت میں مولوی نورالدین صاحب

جن کا لقب حکیم الامۃ ہے اور مولوی عبدالکریم صاحب وغیرہ افراد علم وفضل وخوش اعتقادی وغیرہ میں ونشریسی سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔

۲...... جھوٹوں پر بھی حسن ظن یہاں تک ہوسکتا ہے کہ ان کی تقریر خدااور رسول کے کلام سے بھی زیادہ موثر ہوتی ہے۔ دیکھئے ان لوگوں نے اپنے اپنے کنبے کے مسلمانوں کو یہودیوں کی طرح اپنے ہاتھوں سے قتل کرڈالا، حالانکہ جعلی مہدی کو نہ ماننے والا کسی مذہب میں مرتد واجب القتل نہیں قرار پاسکتا، مرزا صاحب بھی ایسا ہی اپنے منکروں کو کافر کہتے ہیں، ابن تومرث کو تو فقط مہدویت کا دعویٰ تھا، مرزا صاحب تو مہدی بھی ہیں، عیسیٰ بھی ہیں، حارث بھی ہیں اور اور بھی کچھ ہیں۔

۳...... پیشین گوئیاں کرنے والے پہلے سے نجوم ورمل سیکھ رکھتے ہیں جیسا کہ اس مہدی کے حال میں معلوم ہوا تا کہ ان فنون کے ذریعہ سے موقع موقع پر پیشین گوئیاں کردی جائیں، اگر کوئی خبر صحیح نکلی تو معجزہ ہوگیا، ورنہ تاویل کرنی کونسی بڑی بات ہے جیسا کہ آتھم وغیرہ سے متعلق پیشین گوئیوں میں مرزا صاحب نے کی۔

۴...... مرزا صاحب کا بڑا استدلال جس کو بار بار لکھتے ہیں یہ ہے کہ اگر میں جھوٹا ہوتا تو اس قدر مہلت نہ ملتی، اس واقعے سے اس کا جواب بھی ہوگیا کہ مہدی مذکور کو چوبیس برس تک مہلت ملی اور مرزا صاحب کے خروج کو اب تک چوبیس سال نہیں گزرے۔

۵...... مہدی مذکور نے مشتبہ لوگوں کے دوزخی ہونے پر آسمانی حکم پہنچایا تھا اور اس کی تصدیق فرشتوں سے کرائی، مگر مرزا صاحب نے دیکھا کہ اس تکلف کی بھی اس زمانے میں ضرورت نہیں فقط الہام ہی پر کام چل سکتا ہے کیوں کہ اس زمانے میں حسن ظن کا مادّہ پختہ ہوگیا ہے اس لئے اس قسم کے تصنع کی ان کو ضرورت نہ ہوئی، **قُلْ یَاأَیُّهَا الْکُفَّار** والے الہام سے خدا کا حکم پہنچادیا سب مسلمان کافر ہوگئے۔ **نعوذ باللہ من ذلک**،

۶...... اس مسیح مہدی موعود نے مشتبہ لوگوں کو قتل کر کے اپنی جماعت کو ممتاز کرلیا تھا،

مرزا صاحب نے اپنی امت کے معابد مسلمانوں سے علیحدہ کر کے ان کو ممتاز کر لیا۔ اس مہدی نے مسلمانوں کو مارڈالا تھا، مرزا صاحب کہتے ہیں کہ وہ لوگ اللہ کے نزدیک مردے ہیں ان کے پیچھے نماز درست نہیں مطلب یہ کہ اگر قتل نہیں کر سکتے تو کم سے کم وہ لوگ مردے تو سمجھ لئے جائیں۔ غرض مرزا صاحب نے حتی المقدور متقدمین کے طریقے سے انحراف نہ کیا۔

۷...... بے ایمان، جعل سازیوں کو معجزے قرار دیا کرتے ہیں جیسے ابن تومرث نے ونشریسی سے کہا کہ تمہارے علم سے معجزے کا کام لیا جائے گا، مرزا صاحب نے یہیں سے عقلی معجزہ نکالا کہ ایسے بڑے مہدی نے ان کارروائیوں کا نام معجزہ رکھا۔

فتوحات اسلامیہ میں لکھا ہے کہ ۱۲۷۷ھ میں ایک یہودی نے مسیح ہونے کا اور ایک مسلمان نے مہدویت کا دعویٰ کیا تھا چونکہ یہود کی کتابوں میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے خبر دی ہے کہ ایک نبی پیدا ہوں گے جو خاتم الانبیاء ہیں اور ان کے اسلاف نے عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی کریم ﷺ کو نہ مانا اس لئے وہ اس نبی کے منتظر ہیں اس یہودی کو دعویٰ عیسویت میں یہ پیش نظر تھا کہ یہودی نبی معہود سمجھ جائیں اور مسلمان مسیح موعود۔ چنانچہ مسلمانوں کو یہ سمجھایا کہ آنے والے عیسیٰ آخر بنی اسرائیلی ہیں اور میں بھی بنی اسرائیلی ہوں اور اب تک کسی کا دعویٰ عیسویت ثابت نہ ہوا اور میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ میں عیسیٰ موعود ہوں اس لئے میرا دعویٰ قابل تسلیم ہے اور یہود سے کہا کہ آخر ایک نبی کا آنا مسلم اور ضروری ہے جس کی خبر موسیٰ علیہ السلام نے دی تھی اور مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے اور معجزات بھی مجھے دیئے گئے ہیں، چنانچہ بعض امر مافوق العادۃ از قسمِ طلسمات وغیرہ خوارق عادات ظاہر کرتا تھا اور نہایت وجیہہ اور فصیح ہونے کی وجہ سے دور دور سے لوگ اس کے پاس آتے اور اس کی پرزور تقریریں ان پر جادو کا کام کرتیں۔ چنانچہ ایک مجمع کثیر معتقدوں کا اس کے ساتھ ہوگیا جب وہ قسطنطنیہ جانا چاہا تو فتنہ کے خوف سے صدر اعظم نے حکم دیا کہ اس کو گرفتار

کرلیا جائے۔ چنانچہ جہاز ہی میں گرفتار کیا گیا مگر معتقدین کی یہ حالت تھی کہ جوق در جوق آتے اور نذرانے دے دے کر قید خانے میں اس کی پابوسی کے لئے جانے کی اجازت حاصل کرتے۔ خلیفۃ المسلمین سلطان محمد نے اپنے روبرو اس کو بلوا کر کچھ پوچھا جس کا جواب ٹوٹی پھوٹی ترکی میں دیا۔ بادشاہ نے کہا مسیح وقت کو اتنا تو چاہیے کہ ہر زبان میں فصیح گفتگو کرے۔ پھر پوچھا بھلا کچھ عجائب اور خوارق عادات بھی تجھ سے صادر ہوتے ہیں؟ کہا کبھی کبھی۔ کہا تیری مسیحائی میں آزمانا چاہتا ہوں، یہ کہہ کر حکم دیا کہ اس کے کپڑے اتارلو۔ دیکھیں بندوق اس پر کارگر ہے یا نہیں، اگر سچا مسیح ہے تو اس کا کچھ نہ ہوگا۔ یہ سنتے ہی جھک گیا اور کمال عجز سے عرض کی کہ میرے خوارق عادات میں یہ قوت نہیں کہ گولی کے حرق وخرق سے مجھے بچا سکیں۔ بادشاہ نے اس کے قتل کا حکم دیا جب دیکھا کہ نجات کی کوئی صورت نہیں اور مسیحائی نے جواب دے دیا تو بادشاہ کے قدموں پر گر کر توبہ کی اور اسلام کی حقانیت کا اقرار کرکے صدق دل سے مسلمان ہوگیا۔ چنانچہ اس بزرگوار کے اسلام کا یہ اثر ہوا کہ صدہا یہود اس کی مدلل تقریروں سے مشرف باسلام ہوئے۔ اب مہدی صاحب کا حال سنئے وہ بھی قسمت کے مارے گرفتار ہوکر اسی بادشاہ کے پاس آئے بادشاہ نے اسی قسم کے سوالات کئے جواب سے عاجز تو ہوا مگر توبہ کی توفیق نہ ہوئی سعادت وشقاوت خدا کے ہاتھ میں ہے یہودی کے حق میں تو دعویٰ عیسویت باعث نجات ہوا اور مسلمان کے لئے دعویٰ مہدویت باعثِ ہلاک۔ خدا کی قدرت ہے اس واقعہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مہدی بڑا ہوشیار شخص تھا اس نے یہ سوچا کہ بتواتر ثابت ہے کہ امام مہدی صاحب حکومت وفوج ہوں گے اور عیسیٰ علیہ السلام صرف دجال کے قتل کے واسطے آئیں گے اور چونکہ وہ بنی اسرائیل سے ہیں اس مناسبت سے یہودی کا مسیح ہونا موزوں ہے اگر داؤ چل گیا تو سلطنت اپنی ہے یہودی کو اس وقت نکال دینا کونسی بڑی بات ہے غرضیکہ احادیث کے لحاظ سے اس

مہدی کو مسیح جعلی کی تلاش کی ضرورت ہوئی تا کہ یہ کوئی نہ کہے کہ اگر آپ مہدی ہیں تو مسیح کہاں؟ مرزا صاحب نے یہ جھگڑا ہی مٹا دیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ مسیح موعود بھی میں ہوں اور مہدی موعود بھی میں ہی ہوں اور جو احادیث صحیحہ سے اور اجماع سے ثابت ہے کہ مسیح اور ہیں اور مہدی اور سو وہ قابل اعتبار نہیں۔

اب اہل انصاف غور کر سکتے ہیں کہ خلیفۃ المسلمین کی بدگمانی مسلمانوں کے حق میں مفید ثابت ہوئی یا معتقدین کا حسن ظن۔

ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں لکھا ہے کہ مغیرہ ابن سعید عجلی جس کی نبوت کا قائل فرقہ مغیریہ ہے اس کا دعویٰ تھا کہ میں اسم اعظم جانتا ہوں اور اس سے مُردوں کو زندہ کر سکتا ہوں اور اقسام کے نیرنجات وطلسمات دکھا کر لوگوں کو اپنا معتقد بنا لیا کنایۃً اس کا دعویٰ تھا کہ میں نے خدا کو دیکھا ہے۔

عبدالکریم شہرستانی نے الملل والنحل میں لکھا ہے کہ پہلے اس نے یہ دعویٰ کیا کہ میں امام زماں ہوں اس کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا اور منجملہ اور تعلیمات کے مریدوں کو اس کی یہ تعلیم بھی تھی کہ حق تعالیٰ جو فرماتا ہے۔ **اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا**۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امانت خدائے تعالیٰ کی یہ تھی کہ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو امام نہ ہونے دینا یہ بات آسمان وزمین وجبال نے قبول نہ کی پھر وہ امانت انسان پر عرض کی گئی تو عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم ان کو امام نہ ہونے دو اور میں تمہاری تائید میں موجود ہوں اس شرط پر کہ مجھ اپنا خلیفہ بنانا انہوں نے قبول کیا چنانچہ ان دونوں نے اس امانت کو اٹھا لیا سو وہ یہی بات ہے جو حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا**۔ یعنی وہ دونوں ظلوم وجہول ہیں۔ یہ اس کے معارف قرآنیہ تھے جن پر اس کو اور اس کے مریدوں کو ناز تھا کہ کل تفاسیر اس قسم کے معارف سے خالی ہیں۔ جیسا کہ

مرزا صاحب بھی ازالہ الاوہام صفحہ ۳۱۳ میں لکھتے ہیں کہ ابتدائے خلقت سے جس قدر آنحضرت ﷺ کے زمانہ بعثت تک مدت گذری تھی وہ تمام مدت سورۂ والعصر کے اعداد حروف میں بحساب قمری مندرج ہے یعنی چار ہزار سات سو چالیس برس۔ اب بتلاؤ کہ یہ دقائق قرآنیہ اور یہ معارف حقہ کس تفسیر میں لکھے ہیں؟ اس کا یہ بھی قول تھا کہ حق تعالیٰ ایک نور کا پتلا آدمی کی صورت پر ہے جس کے سر پر تاج چمک رہا ہے اور اس کے دل سے حکمت کے چشمے جاری ہیں۔ اس کے معتقدین کا حسن ظن اس کی نسبت اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ جب وہ خلافت بنی امیہ میں مارا گیا تو ان کو یقین تھا کہ وہ دوبارہ پھر زندہ ہو کر آئے گا۔

یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ باوجود ان تمام خرافات کی تصریح کے صرف خدا کو دیکھنے کے باب میں کنائے سے کیوں کام لیا ہوگا، ہمارے مرزا صاحب تو صاف فرماتے ہیں کہ خدا منہ سے پردہ ہٹا کر دیر تک ان سے باتیں کرتا رہتا ہے۔ وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ آخری زمانے کے جدّت پسند مسلمانوں کو اس سے کچھ غرض نہیں کہ کوئی خدا سے باتیں کرے، یا اس کا بیٹا بنے، دل لگی کے لئے کوئی نئی بات ہونی چاہیے۔ **کُلُّ جَدِیْد لَذِیْذٌ**

منہاج السنہ میں لکھا ہے کہ ابو منصور جو فرقہ منصوریہ کا بانی ہے اس کی تعلیم میں یہ بات داخل تھی کہ رسالت کبھی منقطع نہیں ہو سکتی، رسول ہمیشہ مبعوث ہوتے رہیں گے۔ قرآن و حدیث میں جو جنت اور نار کا ذکر ہے وہ دو شخصوں کے نام ہیں اور اسی طرح میتہ، دم، لحم، خنزیر اور میسر حرام نہیں، ان چیزوں سے تو ہمارے نفوس کی تقویت ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْا اِذَا مَا اتَّقَوْا**۔ ایسی چیزوں کو خدا کیوں حرام کرنے لگا؟ دراصل یہ چند اشخاص کے نام ہیں جن کی محبت حرام کی گئی ہے۔ کما قال تعالیٰ **حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرُ** اور کل فرائض کو اس نے ساقط کر کے کہا کہ صلوۃ، صوم، زکوۃ اور حج چند شخصوں کے

نام تھے جن کی محبت واجب ہے غرض کہ کل تکلیفات شرعیہ کو ساقط کر دیا تھا یہاں تک کہ جس کی عورت کو چاہتے وہ لوگ پکڑ لیتے اور کوئی منع نہیں کر سکتا تھا۔

اسلام میں رخنہ اندازیاں کرنے والے قرآن کو ضرور مان لیتے ہیں تا کہ مسلمان لوگ سمجھ لیں کہ یہ بھی مسلمان ہیں پھر اس حسن ظن کے بعد آہستہ آہستہ تفاسیر و احادیث کی بیخ کنی شروع کر دیتے ہیں تا کہ قرآن میں تاویلات کر کے معنی بگاڑنے میں کوئی چیز مانع اور سد راہ نہ ہو۔ دیکھئے اس شخص نے تو آیات موصوفہ کے ماننے میں کچھ بھی تامل کیا مگر ماننے سے نہ ماننا اس کا ہزار درجے اچھا تھا کیونکہ انہیں نصوص قطعیہ سے اس نے استدلال کیا کہ نہ عبادت کوئی چیز ہے، نہ مسلمان کسی بات کے مکلف ہیں سب کو سرے سے مرفوع القلم بنا دیا۔ حسن ظن والوں کا کیا کہنا مسلمان تو کہلاتے ہیں مگر نبی کی وہ بات جس کو کروڑ ہا مسلمانوں نے مان لیا اس کے ماننے میں اقسام کے حیلے اور ایک ایسے شخص کی بات جس کا مسلمان ہونا بھی ثابت نہیں اس کو **آمَنَّا وَصَدَّقْنَا** کہہ کر فوراً مان لیتے ہیں۔

مرزا صاحب ہم لوگوں پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ لکیر کے فقیر ہیں بے شک جو لکیر ہمارے نبی ﷺ نے کھینچ کر حق و باطل میں فرق کر دیا ہے، ہم اسی لکیر پر اڑے ہوئے ہیں ہمارا ایمان اس سے بڑھنے نہیں دیتا مگر حیرت تو یہ ہے کہ مرزا صاحب بھی ایک لکیر کو پیٹ رہے ہیں جو ابو منصور وغیرہ رہزنان دین نے کھینچ دی تھی کہ حدیث و تفسیر کوئی چیز نہیں۔ ابھی تھوڑا زمانہ گذرا ہے کہ سید احمد خان صاحب نے بھی بڑی شد و مد سے لکھا تھا کہ حدیث و تفسیر قابل اعتبار نہیں۔ البتہ مرزا صاحب نے ہر کہ آمد برآن مزید کرد کے لحاظ سے کچھ دلائل اور بڑھا دیئے ہوں گے، مگر لکیر کے فقیر ہونے کے دائرے سے وہ بھی خارج نہیں ہو سکتے۔ غرض کہ اس الزام میں جیسے ہم ویسے مرزا صاحب۔ ہر ایک اپنی اپنی روحانی مناسبت سے مقلد ضرور ہے۔ ابو منصور نے تکالیف شرعیہ کے ساقط کرنے کی جو تدبیر نکالی تھی کہ صوم

وصلوٰۃ اور میتہ وخنزیر وغیرہ اشخاص کے نام تھے اس سے فقط فرقہ منصوریہ ہی متمتع نہیں ہوا بلکہ بعد والوں کو بھی اس سے بہت کچھ مدد ملی چنانچہ سید احمد خاں صاحب اپنی تفسیر وغیرہ میں لکھتے ہیں کہ جبرئیل اس ملکہ اور قوت کا نام ہے جو انبیاء میں ہوتی ہیں ملائکہ اور ابلیس وشیاطین آدمی کے اچھی بری قوتوں کے نام ہیں۔

سرسید کے نظریات

آدم ابوالبشر: جن کا واقعہ قرآن میں مذکور ہے کوئی شخص خاص نہ تھے بلکہ اس سے مراد بنی نوع انسانی ہے۔

جن: کوئی علیحدہ مخلوق نہیں بلکہ وحشی لوگوں کا نام ہے۔

نبی: دیوانوں کی ایک قسم کا نام ہے جو تنہائی میں اپنے کانوں سے آواز سنتے ہیں اور کسی کو اپنے پاس کھڑا ہوا باتیں کرتا ہوا دیکھتے ہیں۔

ہدہد: جس کو سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے پاس بھیجا تھا، وہ آدمی تھا جس کا نام ہدہد تھا اسی طرح موقع موقع پر بحسب ضرورت الفاظ کے مصداق بدل دیتے ہیں۔

مرزا صاحب نے جب اقسام کے چندے اپنے معتقدین پر مقرر کئے مثلاً طبع کتب، خط وکتابت، اشاعت علوم، مناروں کی بنا، مسجد کی تعمیر وغیرہ اور ماہوار اور ایک مشت چندے برابر وصول ہونے لگے۔ دیکھا کہ زکوۃ کی رقم مفت جاتی ہے۔ فرمایا کہ املاک و زیورات وغیرہ میں جن لوگوں پر فرض ہو، ان کو سمجھنا چاہیے کہ اس وقت دین اسلام جیسا غریب، یتیم، بیکس ہے کوئی نہیں اور زکوۃ دینے میں جس قدر تہدید شرع میں وارد ہے وہ بھی ظاہر ہے۔ پس فرض ہے کہ زکوۃ کے روپے سے اپنی تصنیفات خرید کئے جائیں اور مفت تقسیم کئے جائیں۔ غرض کہ اسلام کا نام یتیم وغریب رکھ کر اپنے معتقدین کی ایک رقم معتد بہ پر استحقاق جمادیا۔ اگر مرزا صاحب کا قول صحیح ہے کہ ایک لاکھ سے زیادہ ان کے مرید ہیں

تو یہ رقم سالانہ ایک چھوٹے سے ملک کا محاصل ہے مرزا صاحب کا ناموں کی بدولت جس قدر نفع ہوا وہ نہ ابو منصور کو نصیب ہوا، نہ سید احمد خاں صاحب کو۔

مرزا صاحب کو ابو منصور کی تدبیر نے سب سے زیادہ نفع دیا اس لئے کہ ان کا مقصود صرف عیسیٰ موعود بننا ہے جس کے ضمن میں سب منصوبے بن سکتے ہیں اور قرآن وحدیث سے عیسیٰ ابن مریم مسیح روح اللہ کا آنا ثابت ہے جیسا کہ ازالۃ الاوہام صفحہ ۵۵۶ میں لکھتے ہیں کہ مسیح ابن مریم کے آخری زمانے میں آنے کی قرآن شریف میں پیشین گوئی موجود ہے۔ اور نیز ازالہ الاوہام صفحہ ۵۵۶ میں لکھتے ہیں کہ مسیح ابن مریم کی پیشین گوئی اول درجے کی پیشین گوئی ہے جس کو سب نے باتفاق قبول کرلیا ہے اور کتب صحاح میں کوئی پیشین گوئی اس کے ہم پہلو نہیں، تواتر کا اول درجہ اس کو حاصل ہے، انجیل اس کی مصدق ہے انتہیٰ۔ غرض کہ عیسیٰ علیہ السلام کے آنے پر خوب زور دیا کہ وہ قرآن سے ثابت ہے، صحیح صحیح حدیثوں سے ثابت ہے، انجیل سے ثابت ہے، ساری امت نے اس کو قبول کرلیا ہے، تواتر اس کا اس درجے کا ہے کہ اس سے بڑھ کر نہیں ہوسکتا مگر چونکہ مرزا غلام احمد قادیانی کے نام والا اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا اس لئے وہ ابو منصور کا مجرب نسخہ عمل میں لائے اور جتنے نام آنے والے عیسیٰ علیہ السلام کے احادیث میں وارد ہیں سب اپنے پر رکھ لئے۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ، اور مہدی موعود، حارث، حراث، محدث، مجدد، امام زمان خلیفۃ اللہ وغیرہ۔ دس بیس نام داشتہ آید بکار کے لحاظ سے رکھ لئے اور قادیان کا نام دمشق اور علماء کا نام دابۃ الارض اور پادریوں کا نام دجال رکھ دیا اور ایک مقام میں لکھتے ہیں دجال سے مراد با اقبال قومیں ہیں۔

الحاصل: یہ نام کا کارخانہ کچھ ایسا جمایا کہ ابو منصور بھی زندہ ہوتا تو داد دیتا بلکہ رشک کرتا۔

تقریر سابق سے یہ بات ظاہر ہے کہ حمقاء کو دام میں پھانسنے کے واسطے سوائے اور تدابیر

کے کسی امر کی ترغیب بھی مفید سمجھی جاتی ہے۔ جیسے مغیرہ عجلی اور ابو منصور کو اسم اعظم کے تراشنے کی ضرورت ہوئی جس سے ان کو بہت کچھ کامیابیاں ہوئیں۔ مرزا صاحب نے اسم اعظم کا تو نام نہیں لیا مگر استجابت دعا کا ایسا نسخہ تجویز کیا کہ اس سے بھی زیادہ تر قوی الاثر ہے۔ اس لئے کہ اسم اعظم کی خاصیتیں محدود ہوں گی اور استجابت دعا کی کوئی حد ہی نہیں جب جی چاہا خدا سے تخلیہ کر کے روبرو سے حکم جاری کرا لیا اگر سلطنت چاہیں تو فوراً مل جائے کیونکہ خدا سب کچھ دے سکتا ہے۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ ۱۱۸ میں تحریر فرماتے ہیں جو اس عاجز کو دی گئی وہ استجابت دعا بھی ہے لیکن یہ قبولیت کی برکتیں صرف ان لوگوں پر اثر ڈالتی ہیں جو غایت درجے کے دوست یا غایت درجہ دشمن ہوں، جو شخص پورے اخلاص سے رجوع کرتا ہے یعنی ایسے اخلاص سے جس میں کسی قسم کا کھوٹ پوشیدہ نہیں جس کا انجام بدظنی وبداعتقادی نہیں وہ بے شک ان برکتوں کو دیکھ سکتا ہے اور ان سے حصہ پا سکتا ہے اور وہ بلاشبہ اس چشمے کو اپنی استعداد کے موافق شناخت کر لے گا، مگر جو خلوص کے ساتھ نہیں ڈھونڈھے گا وہ اپنے قصور کی وجہ سے محروم رہے گا انتہی۔ دنیا میں تو ہر شخص کو احتیاجیں لگی ہوئی ہیں اور یہی احتیاج آدمی کو کرستان اور بے ایمان بنا دیتی ہے اس وجہ سے مرزا صاحب نے خیال کیا کہ استجابت دعا کے دام میں پھنسنے والے بہت سے لوگ نکل آئیں گے یہ بھی ان کا ایک عقلی معجزہ ہے اور ابو منصور کے معجزے سے کم نہیں۔ مگر یاد رہے کہ مرزا صاحب دعا تو کر دیں گے لیکن جب قبول نہ ہوگی تو صاف اپنی براءت کر کے فرما دیں گے کہ میں کیا کروں اس میں تمہاری استعداد اور اخلاص کا قصور ہے میں نے پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ ایسے پورے اخلاص سے آئیں کہ جس کا انجام بدظنی وبداعتقادی نہ ہو، اگر اس وقت تمہارا اخلاص کامل بھی ہے تو انجام اس کا بدظنی اور بدگمانی معلوم ہوتا ہے پہلے اس سے توبہ کرو اور اخلاص کو خوب مستحکم کرلو اور اس کا ثبوت عملی طور پر دو۔ یعنی پانچ قسم کا چندہ جو کھولا گیا ہے۔

۱......شاخ تالیف وتصنیف   ۲......شاخ اشاعت اشتہارات

۳......صادرین ووار دین کی مہمانداری   ۴......خط وکتابت

۵......بیعت کرنے والوں کا سلسلہ

جس کا حال رسالہ فتح الاسلام میں لکھا گیا ہے اوراس کے سوابنائے مدرسہ وخریدی اخبارات وغیرہ میں رقم نقد داخل کروتو ممکن ہے کہ دعا بھی قبول ہوجائے۔ مرزاصاحب نے جو تخویف کی ہے کہ غایت درجے کے دشمن کے حق میں بھی بددعا قبول ہوتی ہے بےشک یہ تدبیر عقلاً ضروری تھی تاکہ کم ہمت مخالفت نہ کرسکیں۔مگراس پر بالطبع یہ شبہ ہوتا ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور مولوی ابوالوفا صاحب اور بعض اہل اخبار ایک مدت سے مرزاصاحب کے سخت دشمن ہیں باوجوداس کے ان کی اچھی حالت ہے۔اس قسم کا شبہ مسٹرآتھم کی پیشین گوئی کے وقت بھی ہوا تھا جس کا حال ابھی معلوم ہوا کہ مرزاصاحب نے پیشین گوئی کی تھی کہ پندرہ مہینے میں آتھم حق کی طرف رجوع نہ کرے گا تو مرجائے گا، پھر جب مدت منقضی ہوگئی اور وہ صحیح وسالم قادیان موجود ہوگیا اور ہرطرف سے شورش ہوئی کہ پیشین گوئی جھوٹی ثابت ہوئی اس وقت مرزاصاحب نے اس کا جواب دیا تھا کہ آتھم جھوٹ کہتا ہے کہ رجوع الی الحق اس نے نہیں کی ضرور اس نے رجوع الی الحق کی جب ہی تو بچ گیا۔اسی قسم کا جواب یہاں بھی دیدیں گے کہ مولوی محمد حسین صاحب وغیرہ غایت درجے کے دشمن نہیں، بلکہ دوست اور خیرخواہ ہیں ورنہ اتنی کتابیں کیوں لکھتے۔ ان کی دانست میں تو ہدایت کرنا ہی مقصود ہے جو مقتضا دوستی کا ہے، ہرچند جواب تو ہوجائیگا مگراس سے یہ ثابت ہوگا کہ نہ مرزاصاحب کا کوئی دشمن ہے،نہ کسی کے حق میں بددعا ان کی قبول ہوسکتی ہے،صرف ڈرانے کے لئے وہ الہام بنایا گیا ہے جو عقلی معجزہ ہے۔ یہاں یہ بات بھی یادرکھنے کے قابل ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کواس قسم کی ترغیب

نہیں دی بلکہ صاف فرمادیا کہ امت کی سفارش کی دعا آخرت پر منحصر رکھی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے **عَنْ ابن عَبَّاس** رضی اللہ عنہما **وَلَمْ يَبْقَ نبی الااعطی سواله وَاخِرت شفاعتی لاُمّتیْ وَفِیْ رِوَایة وَاَعْطیت الشَّفاعة فاخرتها لامّتی وَفِیْ رِوَایة فَاخْتَبَات دَعْوَتِی شَفَاعَتِیْ لامّتی**۔ (رواہ البخاری ومسلم واحمد والدارمی وغیرہم کذافی کنزالعمال صفحہ ۱۰۹ ج ۲)

یعنی فرمایا نبی ﷺ نے، کہ ہر نبی نے جو مانگا وہ ان کو دیا گیا اور میرے لئے ایک دعا خاص کی گئی ہے کہ شفاعت امت میں قبول ہے میں نے اس کو قیامت کے لئے رکھ چھوڑا ہے انتہی۔

اس سے ظاہر ہے کہ صحابہ کا ایمان کسی دنیوی غرض پر مبنی نہ تھا، نہ ان کا یہ خیال تھا کہ ایمان لا کر حضرت ﷺ سے ترقی دنیوی کی دعائیں کرائیں گے۔ ان کا مقصود ایمان سے صرف نفع اخروی تھا جس کے لئے اس عظیم الشان دعا کو حضرت ﷺ نے رکھ چھوڑا ہے۔ اہل بصیرت مرزا صاحب کی ان کارروائیوں کو گہری نظر سے اگر دیکھیں تو حقیقت حال منکشف ہوسکتی ہے۔

ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں لکھا ہے کہ بنان ابن سمعان تمیمی نے دعویٰ کیا تھا کہ میں اسم اعظم جانتا ہوں جس کے ذریعے سے زہرہ کو بلالیا کرتا ہوں اس دعوے پر حسن ظن کرکے ایک جماعت کثیرہ اس کے تابع ہوگئی فرقہ بنانیہ اسی کی طرف منسوب ہے۔ یہ لوگ اس کی نبوت کے قائل تھے۔

ملل ونحل میں عبدالکریم شہرستانی نے لکھا ہے کہ بنان کا قول ہے کہ علی میں ایک جزو الٰہی حلول کرکے ان کے جسد کے ساتھ متحد ہوگیا تھا اسی قوت سے انہوں نے باب خیبر اکھاڑا تھا۔ اس نے حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ کو یہ خط لکھا **اسلم تسلم وترتقیٰ من سَلّم فانک لَا تدْری حَیْث یجعَل الله النّبوَة**۔ یعنی تم میری نبوت پر ایمان لاؤ تو سلامت رہوگے اور ترقی کروگے تم نہیں جانتے کہ خدا کس کو نبی بناتا ہے۔ یہ خط عمر ابن عفیف، امام کی خدمت میں لایا۔ آپ نے پڑھ کر اسے فرمایا کہ اسے نگل جا۔ چنانچہ وہ نگلا اور فوراً مرگیا، اس

کے بعد بنان کو بھی خالد بن عبداللہ قسری نے قتل کیا۔ دیکھئے اس کی پرزور تقریریں اور اسم اعظم کی طمع نے ایک فرقے کو حسن ظن پر مجبور کر کے تباہ کیا۔ مدعیان نبوت کے کل دعوے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں کہ مجھے اسم اعظم یاد ہے، میں زہرہ کو بلالیا کرتا ہوں اور چنیں ہوں، چناں ہوں، مگر ظہور ایک کا بھی نہیں اگر وہ اپنے دعوے میں سچا ہوتا تو اسم اعظم سے کسی مردے کو زندہ کر کے یا زہرہ کو لوگوں کے روبرو بلا کر دکھا دیتا۔ اسی طرح مرزا صاحب کو اجابت دے دی گئی تھی تو دعا کر کے کسی اندھے کو بینا کرتے یا اور کوئی خارق دکھا دیتے مگر یہ کہاں ہوسکتا ہے یہ تو عقلی معجزے یعنی عقلی تدابیر ہیں اگر چل گئیں تو کامیابی ہوئی ورنہ خیر عقلاء ان کے کل الہاموں کو اسی پر قیاس کر سکتے ہیں۔

عبدالکریم شہرستانی نے ملل ونحل میں لکھا ہے کہ مقنع نام ایک شخص تھا چند مافوق العادۃ چیزوں کو دکھلا کر الوہیت کا دعویٰ کیا تھا، جب لوگوں کا حسن ظن اس کے ساتھ پختہ ہوگیا تو کل فرائض کو ترک کر دینے کا حکم دیا حسن ظن تو ہو ہی چکا تھا سب نے **آمنا وصدقنا** کہہ کر مان لیا۔ اس کے گروہ کا عقیدہ یہ بھی تھا کہ دین فقط امام زماں کی معرفت کا نام ہے۔

مرزا صاحب کی توجہ جو حدیث **من لم یعرف امام زمانہ** کی طرف مبذول ہوئی غالباً اس کا منشاء اسی فرقے کے اقوال ہوں گے کیوں کہ وہ بھی اپنے نہ ماننے والوں کی تکفیر کرتا ہے۔

ملل ونحل میں عبدالکریم شہرستانی نے لکھا ہے کہ ابوالخطاب اسدی نے اپنے آپ کو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے منتسبین میں مشہور کر کے لوگوں کا اعتقاد امام کے ساتھ خوب مستحکم کیا اور یہ بات ذہنوں میں جمائی کہ امام زمان پہلے انبیاء ہوتے ہیں پھر اللہ ہوجاتے ہیں۔ اور الٰہیت نبوت میں نور ہے اور نبوت امامت میں نور ہے اور تعلیم میں یہ بات بھی داخل تھی کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اس زمانے کے اللہ ہیں یہ نہ سمجھو کہ جس صورت کو تم دیکھتے ہو وہی جعفر ہیں وہ تو ایک لباس ہے جو اس عالم میں اترنے کے وقت خدا نے

پہن لیا ہے۔ حضرت امام کو جب اس کے خرافات اور کفریات پر اطلاع ہوئی تو اس کو نکال دیا اور اس پر لعنت کر کے ان تمام اقوال سے اپنی براءت ظاہر کی مگر اس کو امام سے تعلق ہی کیا تھا اس کو تو ایک فرقہ اپنانا مزد کر کے ان کا مقتدا بننا منظور تھا۔ امام کی براءت کا اس پر کچھ اثر نہ ہوا اور اپنی کارروائیوں میں مشغول رہا۔ یہاں تک کہ منصور کے زمانے میں مارا گیا۔ اس کا قول تھا کہ میرے اصحاب میں ایسے بھی لوگ ہیں کہ جبرئیل ومیکائیل سے افضل ہیں اور قولہ تعالیٰ **وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ** سے یہ بات ثابت کرتا تھا کہ ہر مسلمان پر وحی ہوتی ہے۔ مرزا صاحب بھی امامِ زمان ہونے پر پہلے زور دے کر نبوت اور خالقیت تک ترقی کر گئے پھر وحی بھی اپنے لئے اتار لی۔

اس کے بعد فرقہ خطابیہ کئی فرقوں پر منقسم ہوا۔ ایک معمریہ جس نے ابوالخطاب کے بعد معمر کو امام زمان تسلیم کیا۔ اس کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا کو فنا نہیں اور جنت ودوزخ کوئی چیز نہیں اسی آسائش ومصیبت دنیوی کے وہ نام ہیں جو ہمیشہ دنیا میں ہوا کرتی ہیں اور زنا وغیرہ منہیات اور نماز وغیرہ عبادات کوئی چیز نہیں۔

اور ایک فرقہ ان میں بزیغیہ ہے جس نے ابوالخطاب کے بعد بزیغ کو امامِ زمان تسلیم کیا تھا۔ اس پورے فرقے کا یہ دعویٰ تھا کہ ہم اپنے اپنے اموات کو ہر صبح وشام برابر معائنہ کیا کرتے ہیں اسی طرح خطابیہ کی اور بھی شاخیں ہیں انتہیٰ ملخصاً۔ اب دیکھئے ابوالخطاب پر اوائل میں حسن ظن کیا گیا تھا کہ ایک جلیل القدر امام کا معتقد اور منتسب ہے اس نے ان لوگوں کو کہاں پہنچا دیا۔ امام رضی اللہ عنہ کو خدا کہنے لگے، دوزخ وجنت کا انکار کر دیا، تکلیفاتِ شرعیہ اٹھا دی گئیں پھر طرفہ یہ کہ خود امام عمر بھر اس سے براءت ظاہر کرتے رہے مگر کسی نے نہ مانا۔ فِرَق باطلہ کی یہی علامت ہے کہ اپنے معتقد علیہ کے کلام کے مقابلہ میں اہل حق کی بلکہ خدا اور رسول کی بات بھی نہیں مانتے اور تاویل بلکہ رد کرنے پر مستعد ہو جاتے ہیں۔

مرزا صاحب جو اپنے پر وحی اترنے کے قائل ہیں تعجب نہیں کہ اسی فرقے کے

اعتقاد نے انہیں اس پر جراءت دلائی ہو کیوں کہ صحابہ بھی **وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحل** جانتے تھے مگر کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ہم پر وحی آتی ہے۔

یہ بات توجہ طلب ہے کہ فرقہ بزبغیہ جو ایک کثیر جماعت تھی سب کی سب اپنے مرے ہوئے قرابت داروں کو ہر روز صبح شام کیونکر دیکھ لیتی تھی قرون ثلثہ میں باوجود خیر القرون ہونے کے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا اور نہ اب تک کسی فرقے کا ایسا دعویٰ سنا گیا۔ اہل بصیرت پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ ہر قوم اپنی ترقی اور اپنے ہم مشربوں کی کثرت چاہتی ہے خصوصاً جو فرقہ نیا نکلتا ہے اس کو تو ترقی کی اشد ضرورت ہے ورنہ ان کی بقا محال ہو جائے اسی وجہ سے ہر فرد ان میں جس قسم کا مذہبی کام کر سکتا ہے دل سے اس کی انجام دہی میں ساعی رہتا ہے اور جب اہل رائے ان میں کے کوئی نافع تدبیر سوچتے ہیں تو ہر شخص کا فرض ہو جاتا ہے کہ اس پر عمل کرے جیسا کہ مشاہدے سے ثابت ہے۔ ان لوگوں نے دیکھا کہ کوئی بات ایسی بنائی جائے کہ لوگوں کو بالطبع اس کی رغبت ہو اس لئے یہ تدبیر نکالی کہ جو صدق دل سے ہمارے مذہب میں داخل ہو اس کو یہ بات حاصل ہوگی۔ پھر سادہ لوحوں نے دیکھا کہ اتنی جماعت کثیرہ پر کیوں کر بدظنی کی جائے اس لئے بہت لوگ اس میں داخل ہو گئے ہوں گے۔

غور کیجئے کہ جب دوسری تیسری صدی جس میں بہ نسبت چودھویں صدی کے تدین بدرجہا بڑھا ہوا تھا۔ اس کی ایسے نظائر پیش ہو جائیں تو اس زمانے کی کارروائیوں پر کس قدر بدظنی کی ضرورت ہے۔ اب غور کیا جائے کہ الحکم میں مرزا صاحب کے مریدوں کے خواب خصوصاً امیر علی شاہ صاحب کے خواب جو چھپا کرتے ہیں۔ چنانچہ الحکم نمبر ۱۰۹۷، ۲۳ھ میں لکھا ہے کہ شاہ صاحب موصوف نبی ﷺ کو ہر روز خواب میں دیکھتے ہیں اور حضرت ﷺ ہمیشہ فرمایا کرتے ہیں کہ مرزا صاحب مامور من اللہ، مسیح موعود صادق اور خلیفۃ اللہ ہیں، ان کی تقلید فرض ہے۔ چنانچہ ان کے الہامات کی کتاب چھپنے والی ہے

ابھی۔ کیوں کر قابل وثوق ہوں۔ مرزا صاحب کے تو چند ہی مریدوں نے خواب دیکھے ہوں گے۔

فرقہ بزیغیہ کے لوگ تو کل کے کل ہر روز صبح وشام اپنے اموات کا معائنہ کرلیا کرتے تھے۔

عبدالکریم شہرستانی نے ملل ونحل میں لکھا ہے کہ احمد کیال نام ایک شخص تھا ابتداء میں اہل بیت کی طرف لوگوں کو بلاتا تھا۔ اس کے بعد یہ دعویٰ کیا کہ میں ہی امام زمان ہوں۔ اس کے بعد ترقی کرکے کہا کہ میں قائم ہوں اور ان الفاظ کی تشریح یوں کی کہ جو شخص اس بات پر قادر ہو کہ عالم آفاق یعنی عالم علوی اور عالم انفس یعنی عالم سفلی کے مناہج بیان کرے اور انفس پر آفاق کی تطبیق کر سکے وہ امام ہے۔ اور قائم وہ شخص ہے جو کل کو اپنی ذات میں ثابت کرے اور ہر ایک کلی کو اپنے معین جزئی شخص میں بیان کر سکے۔ اور یہ بات یاد رکھو کہ اس قسم کا مقرر سوائے احمد کیال کے کسی زمانے میں نہیں پایا گیا۔ اس کی بہت سی تصانیف عربی، فارسی زبان میں موجود ہیں۔

ایک تقریر اس کی یہ ہے کہ کل تین عالم ہیں۔ اعلیٰ، ادنیٰ، انسانی۔ عالم اعلیٰ میں پانچ مکان ہیں۔ مکان الاماکن یعنی عرشِ محیط جو بالکل خالی ہے نہ اس میں کوئی موجود رہتا ہے، نہ اس کی کوئی روحانی تدبیر کرتا ہے۔ اس کے نیچے مکان نفس اعلیٰ اور اس کے نیچے مکان نفس ناطقہ اور اس کے نیچے مکان نفس حیوانیہ ہے، سب کے نیچے نفس انسانی کا مکان ہے۔ نفس انسانی نے چاہا کہ عالم نفس اعلیٰ تک چڑھے چنانچہ حیوانیت اور ناطقیت کو اس نے قطع بھی کیا مگر جب مکان نفس اعلیٰ کے قریب پہنچا تو تھک کر متحیر ہو گیا اور متعفن ہو کر اس کے اجزاء مستحیل ہو گئے جس سے عالم سفلی میں گر پڑا پھر اسی عفونت اور استحالہ میں ایک مدت تک پڑا رہا اس کے بعد نفس اعلیٰ نے اپنے انوار کا ایک جزو اس پر ڈالا، جس سے اس عالم کی تراکیب حادث ہوئیں اور آسمان وزمین ومرکبات معاون نبات حیوان اور انسان پیدا ہوئے اور ان تراکیب میں کبھی خوشی، کبھی غم، کبھی سلامتی، کبھی محنت واقع ہوئیں یہاں تک کہ قائم ظاہر ہوا جو اس کو کمال تک پہنچادے اور تراکیب منحل ہو جائیں اور متضادات باطل اور روحانی،

جسمانی پر غالب ہوجائے۔ جانتے ہو وہ قائم کون ہے؟ یہی عاجز احمد کیال ہے۔ دیکھو اسم احمد ان چاروں عالموں کے مطابق ہے ''الف'' مقابلے میں نفس اعلیٰ کے ہے اور ''حا''، نفس ناطقہ کے مقابل اور ''میم''، نفس حیوانیہ کے مقابل اور ''دال''، نفس انسانیہ کے مقابل ہے۔ پھر غور کرو کہ احمد کے چار حرف جیسے عوالم علویہ روحانیہ کے مقابلے میں تھے اسی طرح سفلی جسمانی عالم کے مقابلے میں بھی وہ ہیں۔ ''الف'' انسان پر دلالت کرتا ہے اور ''حا'' حیوان پر اور ''میم'' طائر پر اور ''دال'' مچھلیوں پر اور حق تعالیٰ نے انسان کو احمد کی شکل پر پیدا کیا۔ قد ''الف'' دونوں ہاتھ ''حا'' اور پیٹ ''میم'' اور پاؤں ''دال'' کی شکل پر ہیں، انبیاء اگرچہ پیشوا ہیں مگر اہل تقلید کے پیشواء ہیں جو مثل اندھوں کے ہیں اور قائم اہل بصیرت اور عقلمندوں کا پیش رو ہے انتہی ملخصا۔ اس کے سوا اور بہت معارف وحقائق لکھے ہیں جن کا ذکر موجب تطویل ہے۔ اب دیکھئے جدت پسند طبائع خصوصاً ایسی حالت میں کہ ان معارف کے فہم وتصدیق سے اہل بصیرت میں نام لکھا جائے کس قدر اس کی جانب مائل ہوئے ہوں گے اور کثرت تصانیف اور پرزور تقریروں نے ان کو کس درجے کے حسن ظن پر آمادہ کیا ہوگا کہ مقصود آفرینش اور تمام انبیاء کے افضل ہونا اس کا مان لیا۔ اگرچہ مرزا صاحب بھی انا **ولاغیری** کے مقام میں ہیں اس لئے کہ کوئی شخص سوائے ان کے آدمیت، موسویت، عیسویت، مہدویت، محمدیت، مجددیت، محدثیت، امامت، خلافت کا جامع کسی زمانے میں نہیں پایا گیا جیسا کہ احمد کیال کا دعویٰ تھا کہ کل کو اپنی ذات میں ثابت کرنے والا سوائے احمد کیال کے کسی زمانے میں نہیں پایا گیا مگر پھر بھی ضرورت کے وقت مثلیت اور ظلیت کی پناہ میں آجاتے ہیں، لیکن احمد کیال کبھی ہمت نہیں ہارا اگر اس کے اور حالات سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو بڑا ہی مقرر اور بلند ہمت دکھائی دے گا۔ اس نے دیکھا کہ امام مہدی عیسیٰ، مجدد، محدث وغیرہ کا وجود تو دین میں ثابت ہی ہے ان کے مدعی

بہت پیدا ہوئے اور ہوتے جائیں گے طبیعت آزمائی اگر کرنا ہی ہے تو ایسی انوکھی بات میں کی جائے جس کا جواب نہ ہو۔ چنانچہ ایک بے اصل بنیاد قائم کی ایسی ڈالی کہ کسی نے سنا ہی نہیں پھر اپنے پرزور تقریروں اور باوقعت تصنیفوں سے **آمنا و صدقنا** بہتوں سے کہلوا ہی لیا۔

اگرچہ احمد کیال کو معارف دانی کا بڑا دعویٰ تھا مگر جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بھی معارف کے ایجاد اور اختراع میں کم نہیں۔ مرزا صاحب کی ایک تقریر یہاں لکھی جاتی ہے جس سے موازنہ دونوں کی تقریروں کا ہو جائے گا۔

ازالۃ الاوہام صفحہ ۱۰۵ میں فرماتے ہیں کہ ہر نبی کے نزول کے وقت ایک لیلۃ القدر ہوتی ہے لیکن سب سے بڑی لیلۃ القدر ہمارے نبی ﷺ کو دی گئی اس کا دامن حضرت ﷺ کے زمانے سے قیامت تک پھیلا ہوا ہے اور جو کچھ انسانوں کے دلی اور دماغی قویٰ کی جنبش حضرت ﷺ کے زمانے سے آج تک ہو رہی ہے وہ لیلۃ القدر کی تاثیرات ہیں اور جس زمانے میں حضرت ﷺ کا نائب کوئی پیدا ہوتا ہے تو یہ تحریکیں ایک بڑی تیزی سے اپنا کام کرتی ہیں بلکہ اس زمانے سے کہ وہ نائب رحم مادر میں آئے۔ پوشیدہ طور پر انسانی قویٰ کچھ کچھ جنبش شروع کرتی ہیں اور اختیار ملنے کے وقت تو وہ جنبش نہایت تیز ہو جاتی ہے اور اس نائب کے نزول کے وقت جو لیلۃ القدر مقرر کی گئی ہے وہ اس لیلۃ القدر کی ایک شاخ ہے اس لیلۃ القدر کی بڑی شان ہے جیسا کہ اس کے حق میں یہ آیت ہے **فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ** یعنی اس لیلۃ القدر کے زمانے میں جو قیامت تک ممتد ہے ہر ایک حکمت اور معرفت کی باتیں دنیا میں شائع کر دی جائیں گی اور انواع واقسام کے علوم غریبہ وفنون نادرہ وصناعات عجیبہ صفحہ عالم میں پھیلا دیئے جائیں گے اور انسانی قویٰ میں ان کی مختلف استعدادوں اور مختلف قسم کے امکانوں بسطت علم اور عقل میں جو کچھ لیاقتیں مخفی ہیں سب کو منصہ ظہور لایا جائے گا لیکن یہ سب کچھ ان دنوں میں پرزور تحریکوں سے ہوتا رہے گا کہ جب کوئی نائب رسول اللہ ﷺ دنیا میں پیدا ہوگا۔ اور لیلۃ

القدر میں بھی فرشتے اترتے ہیں جن کے ذریعے سے دنیا میں نیکی کی طرف تحریکیں پیدا ہوتی ہیں اور وہ ظلالت کی پُر ظلمت رات سے شروع کر کے طلوع صبح صداقت تک اس کام میں لگے رہتے ہیں کہ مستعد دلوں کو سچائی کی طرف کھینچتے رہیں۔ یہ آخری لیلۃ القدر کا نشان ہے جس کی بنا ابھی سے ڈالی گئی ہے جس کی تکمیل کے لئے سب سے پہلے خدائے تعالیٰ نے اس عاجز کو بھیجا ہے اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔ **اَنْتَ اَشَدُّ مُنَاسَبَةً بِعِيْسٰى**۔ اور لکھتے ہیں کہ اب فرمائیے کہ یہ معارف حقہ کس تفسیر میں موجود ہیں یہ تقریر کئی ورقوں میں ہے ماحصل اس کا یہ کہ **اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ** سے مرزا صاحب کا نائب رسول ہونا ثابت ہے اور جتنی کلیں امریکہ وغیرہ میں اس زمانے میں نکلی ہیں سب مرزا صاحب کی وجہ سے نکلی ہیں۔

مرزا صاحب کے معارف کی تفسیر میں نہ ہونے سے یہ کیوں کر ثابت ہوگا کہ وہ فی الواقع درج تفاسیر ہونے کے قابل بھی تھے۔ احمد کیال کے معارف تو مرزا صاحب کی تصانیف میں بھی نہیں پائے جاتے تو کیا اس سے اس کی مجذوبانہ زٹل اس قابل سمجھی جائے گی کہ وہ کسی تفسیر میں لکھی جانے کے قابل تھی؟ ہر گز نہیں۔ پھر مرزا صاحب کے معارف کسی تفسیر میں ہونے کی کیا ضرورت۔

ملل ونحل میں شہرستانی نے لکھا ہے کہ فرقہ باطنیہ کا عقیدہ ہے کہ ہر ظاہر کے لئے باطن اور ہر تنزیل کے لئے تاویل ہے اس لئے وہ ہر آیت کے ظاہری معنی کو چھوڑ کر اپنی مرضی کے مطابق ایک معنی گھڑ لیتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ نفس اور عقل اور طبائع کی تحریک سے افلاک متحرک ہوئیں اسی طرح ہر زمانے میں نبی اور وصی کی تحریک سے نفوس اور اشخاص شرائع کے ساتھ متحرک ہوتے رہتے ہیں۔

مرزا صاحب نے اس مضمون کو دوسرا لباس پہنا کر لیلۃ القدر اور نائب رسول کے پیرائے میں ظاہر کیا۔ بات یہ ہے کہ جب کسی چیز کا مادہ اذکیاء کے ہاتھ آجاتا ہے تو مختلف صورتیں اس سے بنالینا ان پر دشوار نہیں ہوتا اسی وجہ سے متقدمین کو متاخرین پر فضیلت ہوتی

ہے کہ انہوں نے ہر قسم کا مادہ متاخرین کے لئے مہیا کر دیا۔ اور اسی میں لکھا ہے کہ کلمات اور آیات کے اعداد سے باطنیہ بہت کام لیتے تھے۔

مرزا صاحب نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ ۱۸۶ میں لکھتے ہیں کہ اس عاجز کے ساتھ اکثر یہ عادت اللہ جاری ہے کہ وہ سبحانہ وتعالی بعض اسرار اعداد حروف بھی میرے پر ظاہر کر دیتا ہے۔ اور اسی کے صفحہ ۳۱۱ میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ قرآن شریف کے عجائبات اکثر بذریعہ الہام میرے پر کھلتے رہتے ہیں اور اکثر ایسے ہوتے ہیں کہ تفسیروں میں ان کا نام ونشان نہیں پایا جاتا۔ مثلاً جو اس عاجز پر کھلا کہ ابتدائے خلقت آدم سے جس قدر آنحضرت ﷺ کے زمانہ بعثت تک مدت گذری تھی وہ تمام مدت سورۂ والعصر کے اعداد حروف میں بحساب قمری مندرج ہے یعنی چار ہزار سات سو چالیس۔ اب بتاؤ کہ یہ دقائق قرآنیہ جس میں قرآن کا اعجاز نمایاں ہے کس تفسیر میں لکھے ہیں انتہی۔

اہل انصاف غور فرمائیں کہ مرزا صاحب کے معارف جن کی بنیاد اختراعات باطنیہ پر ہے، اہل سنت وجماعت کی تفاسیر میں کیوں کر ملیں گے۔ یہاں تو یہ التزام ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ظاہری معنی سے تجاوز نہ ہو۔ چنانچہ مرزا صاحب بھی اپنی ضرورت کے وقت لکھتے ہیں کہ **اَلنَّصُوص یحمل عَلَی الظّواهر کما فِیْ الازَاله** اس قسم کے معارف کا ذخیرہ باطنیہ کی کتابوں میں تلاش کرنا چاہیے چوں کہ اس فرقے نے جدت پسند طبائع کی تحسین وقدردانی کی وجہ سے اس قدر ترقی کی ہے کہ اس کے بہت سے نام اور شاخیں ہوگئیں۔ چنانچہ ملل ونحل میں لکھا ہے کہ باطنیہ کے القاب بہت ہیں ہر ایک قوم میں اس کا جدا نام ہے۔ مثلاً عراق میں باطنیہ کو قرامطہ اور مزدکیہ کہتے ہیں اور خراسان میں تعلیمیہ اور ملحدہ۔ اس وجہ سے ان کی تصانیف بھی بہت ہیں۔ تعجب نہیں کہ ذخیرہ احمد کیال کا مرزا غلام احمد صاحب کے ہاتھ آیا ہو جب ہی تو ایسے انوکھے معارف لکھتے ہیں کیوں کہ

من جدّ وجدَ۔ ملل ونحل میں لکھا ہے کہ باطنیہ موقع موقع پر فلاسفہ کے کلام کے بہت تائید لیا کرتے ہیں اسی وجہ سے یہ فرقہ بہتر (۷۲) فرق اسلامیہ سے خارج سمجھا جاتا ہے انتہی۔

ملل ونحل میں شہرستانی نے لکھا ہے کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی اپنی طرف سے حکم مقرر کیے تو عبداللہ بن وہب راسبی اور عبداللہ بن کواوغیرہ چند اشخاص نے کمال تقویٰ کی راہ سے کہا کہ حق تعالیٰ تو **اِنِ الْحُکْمُ اِلا للہ** فرماتا ہے اور تم لوگ آدمیوں کو حکم بناتے ہو اور یہ نکتہ چینیاں شروع کیں کہ علی کرم اللہ وجہہ نے فلاں لڑائی میں لوگوں کو قتل کیا اور ان کا مال بھی غنیمت بنایا اور ان کے عیال واطفال کو بھی قید کر لیا اور فلاں جنگ میں صرف مال لوٹا اور فلاں جنگ میں غنیمت بھی نہ لی، بہر حال وہ اس قابل نہیں کہ ان کا اتباع کیا جائے، دین میں امام کی کوئی ضرورت نہیں، عمل کے لئے قرآن وحدیث کافی ہیں اور اگر ایسی ہی ضرورت ہو تو مسلمان کسی اچھے متقی شخص کو دیکھ کر اپنا حاکم بنا لیں وہی امام کہلائے گا جس کی تائید مسلمانوں پر واجب ہوگی۔ اور اگر وہ بھی عدل سے عدول کرے اور اس کی سیرت میں تغیر پیدا ہو تو وہ بھی معزول بلکہ قتل کر دیا جائے۔ الغرض ان کی دینداری ودیانت داری کی باتوں نے دلوں پر ایسا اثر ڈالا کہ کمال حسن ظن سے جوق در جوق ان کے ہم خیال ہونے لگے اور سب نے اتفاق کیا کہ عبداللہ بن وہب کے ہاتھ پر بیعت کی جائے۔ چوں کہ یہ شخص بڑا ہی عاقل تھا جانتا تھا کہ آخر یہ دولت اپنے ہی گھر آنے والی ہے۔ اظہار تقدس وتدین کی غرض سے انکار کر کے یہ کہا کہ فلاں شخص اس کام کا اہل ہے۔ ہم سب کو چاہیے کہ اس کا اتباع کریں لیکن لوگوں کا حسن ظن تو اسی پر تھا۔ اس انکار سے اور بھی اعتقاد زیادہ ہوا۔ جب خوب خوشامد اور الحاح کر لیا تو نہایت مجبوری ظاہر کر کے سب سے بیعت لی اور اس فرقہ باغیہ کا سرکردہ بن بیٹھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جب اطلاع ہوئی کہ ان لوگوں کا استدلال آیہ شریفہ **اِنِ الْحُکْمُ اَلا للہ** پر ہے تو فرمایا **کلمة الحق ارید به**

الْبَاطِل یعنی بات تو سچی ہے مگر مقصود اس سے باطل ہے۔ پھر ان کی سرکوبی کے لئے بذاتِ خود نہروان تشریف لے گئے۔ جہاں وہ لوگ جمع تھے اس وقت ان کی بارہ ہزار کی جمعیت ہوگئی تھی۔ لکھا ہے کہ سب کے سب ایسے متقی اور نمازی اور روزہ دار تھے کہ ان کی حالت کو دیکھ کر صحابہ رشک کرتے تھے۔ غرض اس روز وہ سب مارے گئے۔ جس کی خبر خود آنحضرت ﷺ نے علی کرم اللہ وجہہ کو دی تھی لیکن ان میں سے نو، دس آدمی بچ گئے جو متفرق ہو کر عمان، کرمان، سجستان، جزیرہ اور یمن کی طرف بھاگ گئے۔ اس قوم کا تقویٰ تو پہلے ہی سے مشہور ہو چکا تھا کہ وہ کسی گناہ کے مرتکب نہیں ہوتے اس لئے کہ ان کے عقائد میں یہ بات داخل تھی کہ جھوٹ وغیرہ کبائر کا مرتکب کافر مخلد فی النار ہے اور بعض تو اس کے بھی قائل تھے کہ مرتکب صغیرہ بھی مشرک ہے۔ غرض کہ حسن ظن نے پھر از سر نو جوش کیا اور لوگ ان کی حالت ظاہری پر اپنا ایمان فدا کر کے معتقد اور مرید ہونے لگے۔ ہر وقت یہی ذکر کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، اصحاب صفین اور اصحاب جمل رضی اللہ عنہم چناں وچنیں تھے ان کی سخن چینیوں سے صحابہ کبار کے مطاعن ہر ایک کے زبان زد ہوگئے۔ اور یہ عادت ہے کہ کوئی متقی شخص کسی بڑے درجے کے بزرگ پر اعتراض اور طعن کرتا ہے تو جاہلوں کے نزدیک اس طعن کی وقعت اور زیادہ ہو جاتی ہے اس وجہ سے ان بھگوڑوں پر حسن ظن خوب ہی جما۔ جن سے ترقی اس شجرۂ خبیثہ کی یہاں تک ہوئی کہ کئی شاخیں اس کی نکلیں اور اب تک شاخ و برگ اور ٹہنیاں نکلتی جاتی ہیں۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصے میں نافع ابن ارزق کے ساتھ ایک مجمع کثیر ہوگیا اور تیس ہزار سے زیادہ سوار ہمراہ لے کر وہ بصرہ سے اہواز تک قابض ہوگیا۔ اس فرقے کا اعتقاد تھا کہ آیۂ شریف **وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ** عبدالرحمٰن بن ملجم کی شان میں نازل ہوئی ہے اس فرقے نے علاوہ حضرت علی کی تکفیر کے حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت عثمان و حضرت طلحہ و زبیر و عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بھی تکفیر زیادہ کر دی تھی۔

الحاصل خوارج نے تقویٰ میں موشگافیاں اس قدر کیں کہ ادنیٰ جھوٹ اور اس پر اصرار بھی ان کے نزدیک شرک تھا اور بعضوں کا اعتقاد تھا کہ سورۂ یوسف کلام الٰہی نہیں ہے اس لئے کہ عشق کا قصہ بیان کرنا خدا کی شان سے بعید ہے۔ اب دیکھئے کہ جس فرقے کا کلاب النار ہونا صراحتاً احادیث میں وارد ہے کمافی کنزل العمال عن ابی امامۃ ﷺ قال النبی ﷺ الخوارج کلاب النار حم ک ہ۔ کیا کوئی مسلمان ان کو متقی کہہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ دراصل جھوٹ کو شرک کہنا بھی ایک دھوکہ کی ٹٹی تھی ورنہ ابن ملجم قاتل علی ﷺ کا اور آیہ شریفہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِیْ نَفْسَهٗ کی فضیلت کجا۔ نہ ان میں کوئی صحابی تھا جس کو اس آیہ شریفہ کی شان نزول پر اطلاع ہو، نہ کوئی روایت میں وارد ہے کہ ابن ملجم اس کا مصداق تھا۔ باوجود اس کے وہ صاف کہتے تھے کہ آیہ موصوفہ ابن ملجم کی شان میں اتری ہے، کس درجے کا جھوٹ اور خدا پر بہتان ہے۔ پھر جھوٹ کو شرک قرار دینا دھوکا دہی نہیں تو کیا ہے۔ جیسے مرزا صاحب جھوٹ کو شرک قرار دیتے ہیں اور خود اس کے مرتکب ہیں۔ اسی پر قیاس ہوسکتا ہے کہ کل کارروائیاں ان کی اسی قسم کی تھیں۔ یہاں یہ بات بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ جب صحابہ کے مجمع میں جعلی تقدس ظاہر کر کے انہوں نے اپنا کام نکال لیا تو تیرہ سو برس کے بعد چند اشخاص اتفاق کر کے اپنا کام نکالنا چاہیں تو کیا مشکل ہے۔

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ ۲۳۰ میں مسلم شریف کی وہ حدیث جس میں دجال کا پانی برسانا اور مردے کو زندہ کرنا وغیرہ مذکور ہے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ ایسے پر شرک اعتقادات ان کے دلوں میں جمے ہوئے ہیں کہ ایک کافر حقیر کو الوہیت کا تخت وتاج سپرد کر رکھا ہے اور ایک انسان ضعیف البیان کو اتنی عظمتوں اور قدرتوں میں خدائے تعالیٰ کے برابر سمجھ لیا ہے انتہی۔ مطلب اس کا ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ امام مسلم جن کے تدین پر اجماع امت ہے انہوں نے یہ حدیث نقل کر کے تمام مسلمانوں کو مشرک بنا دیا جس سے خود صرف

مشرک ہی نہ بنے بلکہ مشرک بنانے والے اور نبی کریم ﷺ پر (نعوذ باللہ) شرک کا الزام لگانے والے ٹھہرے کیوں کہ اگر اس حدیث کے کوئی دوسرے معنی تھے تو ضرور تھا کہ اس معنی کی تصریح کردیتے تا کہ مسلمان اس حدیث کو دیکھ کر مشرک نہ بنیں۔ پھر یہ روایت صرف مسلم ہی نہیں بلکہ اور بھی اکابر محدثین نے اس کو نقل کیا ہے۔ غرض کہ یہ محدثین اور ان کے بعد کے کل مسلمان لوگ تو مرزا صاحب کے نزدیک قطعی مشرک ہیں اور چونکہ باتفاق محدثین مسلم کی اسنادیں کل صحیح ہیں اس لحاظ سے اس شرک کا سلسلہ بقول مرزا صاحب صدر تک پہنچے گا۔ اس مسلک میں مرزا صاحب کے مقتداء خوارج ہیں جنہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور دیگر اکابر صحابہ کی تکفیر میں کوتاہی نہ کی اور یہ الزام لگایا کہ آدمیوں کو انہوں نے خدا کے برابر کردیا جو صراحتاً شرک ہے۔

اور طرفہ یہ ہے کہ ازالۃ الاوہام صفحہ ۳۳۹ میں لکھتے ہیں۔ غرض جیسا کہ خداتعالیٰ کی یہ شان ہے کہ **اِنَّمَا اَمْرُہٗ اِذَا ارادَ شیئًا اَن یَقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْن**. اسی طرح **کن فیکون** سے بقول ان کے دجال سب کچھ کردکھائے گا انتہی۔ مطلب یہ کہ **کن فیکون** اس کے لئے جائز رکھنا شرک ہے اور خود اس کا رتبہ اپنے لئے تجویز کرتے ہیں کہ مجھے بھی **کُنْ فَیَکُوْن** دیا گیا ہے۔

کتاب المختار میں لکھا ہے کہ معتز باللہ کے زمانے میں ایک شخص جس کا نام فارس بن یحییٰ تھا مصر کے علاقہ میں نبوت کا دعویٰ کر کے عیسیٰ علیہ السلام کا مسلک اختیار کیا تھا اس کا دعویٰ تھا کہ میں مُردوں کو زندہ کرسکتا ہوں اور ابرص اور جذامی اور اندھوں کو شفا دے سکتا ہوں۔ چنانچہ طلسم وغیرہ تدابیر سے ایک مردے کو ظاہراً زندہ بھی کردکھایا۔ اسی طرح برص وغیرہ میں بھی تدابیر سے کام لے کر بظاہر کامیاب ہوگیا۔ چنانچہ کتاب المختار میں اس کے نسخے اور تدابیر بھی لکھی ہیں۔

مثیل مسیح اس کو کہنا چاہیے جس نے مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ظاہراً ان کی نقل بھی پوری کر بتائی۔ چنانچہ اسی وجہ سے بہت لوگ اس کے معتقد ہوئے اور اس کے لئے ایک عبادت خانہ بنادیا جو اب تک موجود ہے۔ مرزا صاحب ایک زمانے سے مثیل مسیح بلکہ خود مسیح

ہیں مگر ایسا بھی کوئی معجزہ نہ دکھایا لیکن اگر غور کیا جائے تو جو کام مرزا صاحب کر رہے ہیں اس سے بھی زیادہ نادر ہے کہ باتوں ہی باتوں میں مسیح بن گئے۔

یہ چند واقعات حسن ظن کی خرابی کے جو مذکور ہوئے مشتے نمونہ از خروارے ہیں اگر تواریخ پر نظر ڈالی جائے تو اس کے نظائر بہت مل سکتے ہیں اور یہ تو اجمالی نظر سے بھی معلوم ہوسکتا ہے کہ بہتر (۷۲) اسلامی فرق باطلہ کا وجود احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور ہر فرقے کے جزئی اختلاف اگر دیکھے جائیں تو صدہا کی نوبت پہنچ جاتی ہے اور ادیان باطلہ کے فرقے تو بے انتہا ہیں اور ظاہر ہے کہ ہر مسئلہ باطلہ کا موجد ایک ہی ہوتا ہے اگر ان موجدوں پر حسن ظن نہ کیا جاتا تو اتنے فرقے ہی کیوں ہوتے۔ ایک شخص کی بات نقار خانے میں طوطی کی آواز تھی اگر حسن ظن والے ہاں میں ہاں نہ ملاتے تو اسے سنتا ہی کون تھا۔ اگر موجد کو اس پر بہت اسرار ہوتا تو اپنے ساتھ قبر میں لے جاتا۔ غرض کہ اس حسن ظن ہی نے جھوٹی نبوت اور امامت کو اس قابل بنایا کہ لوگوں کی توجہ اس طرف ہوئی۔ چنانچہ جہلاء جن کو معنوی مناسبت ان جعلی انبیاء اور اماموں کے ساتھ تھی **آمنا و صدقنا** کہہ کر ان کو مقتدا بنالیا۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے **كَذَالِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَايَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ**۔ اس سے ظاہر ہے کہ اہل باطل کے دل باہم متشابہ ہوتے ہیں۔ مرزا صاحب کی کارروائیوں کو دیکھنے کے بعد کبھی شبہ نہیں رہ سکتا کہ وہ مدعیان نبوت کے قدم بقدم راہ طے کر رہے ہیں جس کا منشاء وہی تشابہ قلبی ہے جن لوگوں نے جھوٹے دعوے کئے تھے وہ جہلاء نہ تھے، قرآن وحدیث کو خوب جانتے تھے، مناظروں میں مستعد تھے، آیات واحادیث وغیرہ سے اپنے بچاؤ کے پہلو نکال لیتے تھے۔ غرض کہ ان کا علم ہی اس تفرقہ اندازی کا باعث ہوا تھا ان کی حالت اس گروہ کی سی ہے جس کی خبر حق تعالیٰ دیتا ہے **وَمَا تَفَرَّقُوْا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَاجَاءَهُمُ الْعِلْمُ** یعنی علم آنے کے بعد جدا جدا فرقے ہوگئے۔ مرزا صاحب کے تبحر میں

کوئی کلام نہیں مگر یہ ضرور نہیں کہ علم ہمیشہ سیدھی راہ پر لے چلے۔ اسی وجہ سے مدعیان نبوت باوجود علم کے گمراہ ہوئے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ** یعنی باوجود علم کے اللہ نے اسے گمراہ کیا۔ ان لوگوں کے مخالف مسلک کوئی آیت یا حدیث پیش کی جائے تو مثل یہود کے اس کی تاویل کر لیتے ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ** یعنی کلمات کو اصلی معنی سے پھیر دیتے ہیں۔ آپ نے دیکھ لیا کہ مرزا صاحب آیتوں اور حدیثوں میں کیسی کیسی تاویلیں کرتے ہیں جن کو تحریف کہنے میں کوئی تامل نہیں ہو سکتا۔ اصل یہ ہے کہ ہوائے نفسانی نے ان لوگوں کو یہود کا مقلد بنا دیا تھا اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ اصلی معنی کسی آیت کے بیان کئے جائیں تو قہقہے اڑاتے تھے۔ **کما قال اللہ تعالیٰ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ آيَاتِنَا شَيْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا** یعنی جب جان لیتا ہے ہماری آیتوں میں سے کسی چیز کو تو ان کی ہنسی بناتا ہے۔

مرزا صاحب نے یہ بھی کیا جیسا کہ عیسیٰ کے زندہ اٹھائے جانے پر استہزاء کرتے ہیں کہ آسمانوں پر ان کے کھانے کا کیا انتظام ہوگا اور مطبخ اور پاخانہ بھی وہاں ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ اگرچہ دعویٰ ان لوگوں کو کمال ایمان کا تھا کیوں کہ نبی سے بڑھ کر کس کا ایمان ہو سکتا ہے مگر وہ سب نمائش ہی نمائش تھی۔ ممکن نہیں کہ خدا اور رسول ﷺ پر ایمان لانے کے بعد کوئی امتی خلاف قرآن وحدیث نبوت کا دعویٰ کرے۔ اس سے ظاہر ہے کہ منشاء اس قسم کے دعووں کا صرف ہوائے نفسانی ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے **اَفَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ** یعنی کیا تم نے دیکھا اس شخص کو جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود ٹھہرا لیا۔ اگر مرزا صاحب خدا کو معبود سمجھتے تو جس طرح اس کے کلام قدیم میں **وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ** مذکور ہے اس کی تصدیق کر کے آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ ہرگز نہ کرتے طرفہ یہ کہ اس نص قطعی کے مقابلے میں بعضوں نے وہ اشعار پیش کئے جن کا مضمون یہ کہ شیخ اپنے مریدوں میں نبی ہوتا ہے، مقام غور ہے کہ مضامین شعریہ جن کی بنیاد مبالغوں اور استعارات پر ہے قطعیات کے مقابلے میں پیش کئے جاتے

ہیں۔ شعراء اپنے ممدوح کو مسیح دوراں، ارسطو زماں، بایزید وقت وغیرہ لکھا کرتے ہیں اس سے یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ وہ فی الواقع مسیح اور بایزید ہے اسی طرح شیخ کو بھی کسی نے نبی نہیں سمجھا ان لوگوں کی عادت ہے کہ باطل کو حق کے ساتھ ملتبس کر دیا کرتے ہیں جس سے حق تعالیٰ منع فرماتا ہے۔ **قال تعالیٰ وَلَاتَلْبِسُوْا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ** یعنی حق کو باطل کے ساتھ خلط نہ کرو اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤ۔ اس کے نظائر مرزا صاحب کے اقوال میں بکثرت موجود ہیں جن میں سے بعض اس کتاب میں بھی لکھے گئے ہیں۔

یہ لوگ قرآن وحدیث کے مقابل اپنے الہام اور وحی پیش کرتے ہیں چنانچہ بہت سے اقوال مرزا صاحب کے اس قسم کے نقل کئے گئے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے **وَمَنْ اَظْلَمَ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْقَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحٰى اِلَيْهِ شَيْئٌ** یعنی اس سے بڑھ کر اور کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے یا دعویٰ کرے کہ میری طرف وحی آتی ہے انتہی۔ مرزا صاحب نے بھی صراحتًا دعویٰ کیا ہے کہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے یہ لوگ بحسب ضرورت باتیں بنا کر لکھ دیتے ہیں کہ یہ الہام اور وحی ہے جو اللہ نے بھیجی جیسا کہ یہود وغیرہ کیا کرتے تھے جن کی نسبت حق تعالیٰ فرماتا ہے **فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتَابَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِمَّا يَكْسِبُوْنَ** یعنی خرابی ہے ان لوگوں کی جو اپنے ہاتھ سے تو کتاب لکھیں پھر لوگوں سے کہیں کہ یہ خدا کے ہاں سے اتری ہے تا کہ اس کے ذریعے سے تھوڑے سے دام حاصل کریں پس افسوس ہے کہ ان پر انہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھا افسوس ہے ان کہ وہ ایسی کمائی کرتے ہیں انتہی۔ ظاہر ہے کہ مقصود ان لوگوں کا بھی وحی اور الہام آسمانی پیش کرنے سے یہی ہے کہ لوگ معتقد ہو کر چندہ یک مشت یا ماہواری دیں جیسا کہ مرزا صاحب وحی کو ذریعہ بنا کر اقسام کے چندے وصول کر رہے ہیں۔

حق تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ آمِنُوْا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَا اُنْزِلَ عَلَیْنَا. یعنی جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو خدائے تعالیٰ نے اتارا ہے اس پر ایمان لے آؤ تو جواب دیتے ہیں جو ہم پر اتارا گیا ہم اس پر ایمان لاتے ہیں انتہی ۔ دیکھ لیجئے حشر اجساد وغیرہ میں نصوص قطعیہ موجود ہیں مگر اپنے الہام اور وحی کے مقابلے میں ان کو کچھ نہیں سمجھتے ان کی بھی یہی حالت ہے جو اس سے ظاہر ہے کہ قرآن وحدیث کے مقابلے میں اپنی وحی پیش کرتے تھے ایسے لوگوں کی نسبت حق تعالیٰ فرماتا ہے اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتَابِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذَالِکَ مِنْکُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ الْقِیَامَۃِ یُرَدُّوْنَ اِلٰی اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔ اُوْلٰئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَۃِ فَلَا یُخَفَّفُ عَنْھُمُ الْعَذَابُ وَلَا ھُمْ یُنْصَرُوْنَ۔ یعنی تم کیا کلام الٰہی کی بعض باتوں کو مانتے ہو اور بعض کو نہیں مانتے تو جو لوگ تم میں سے ایسا کریں ان کا یہی بدلہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں ان کی رسوائی ہو اور قیامت کے دن بڑے سخت عذاب کی طرف لوٹائے جائیں یہی ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی مول لی سوان سے نہ عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے انتہی۔

یہ لوگ قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم قرآن کو مانتے ہیں محمد ﷺ کی نبوت کو مانتے ہیں اور احادیث پر ہمارا ایمان ہے مگر مقصود اس سے کچھ اور ہی ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے یحلفون باللّٰہ اِنَّھُمْ لَمِنْکُمْ وَمَاھُمْ مِّنْکُمْ یعنی وہ قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ وہ بھی تم ہی میں سے ہیں۔ یعنی مسلمان حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ لوگ اسی زمرے کے ہیں جن کا ذکر اس آیت میں ہے مرزا صاحب کی قسموں کا حال بھی اوپر معلوم ہوا۔

اس قسم کھانے سے ان کی یہ غرض ہوتی ہے کہ مسلمانوں میں جو ان سے عام ناراضی پھیلتی ہے وہ کم ہو جائے اس قسم کی کارروائیاں پہلے لوگوں نے بھی کی ہیں چنانچہ حق

تعالیٰ فرماتا ہے **یحلفون باللہ لکم لیرضوکم** یعنی تمہارے سامنے وہ خدا کی قسمیں کھاتے ہیں تا کہ تم کو راضی کرلیں انتہی۔ قسمیں کھا کر ان کا یہ کہنا کہ ہم بھی تمہیں میں کے ہیں یعنی مسلمان، فضول ہے اس لئے کہ اگر ان کا ایمان پورے قرآن وحدیث پر ہوتا تو جھگڑا ہی کیا تھا اور نیا فرقہ بننے کی ضرورت ہی کیا تھی حق تعالیٰ فرماتا ہے **فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا** یعنی اگر تمہاری طرح یہ لوگ بھی انہیں چیزوں پر ایمان لے آئے ہیں جن پر تم ایمان لائے ہو تو بس راہ راست پر آگئے۔ اگر قرآن وحدیث پر مرزا صاحب کا ایمان ہوتا تو تمام امت کی مخالفت کیوں کرتے اور سب کو مشرک کیوں بناتے۔

کبھی یہ لوگ دھمکیاں دیتے ہیں کہ دیکھو ہم انبیاء ہیں ہماری سب باتیں خدا سن لیتا ہے ہمارے معاملے میں دخل نہ دو ورنہ چناں ہوگا اور چنیں ہوگا جیسے مرزا صاحب کی تقریروں میں ہوا ہے اسی قسم کی دھمکیاں اگلے لوگ بھی دیا کرتے تھے مگر حق تعالیٰ فرماتا ہے ان سے ہرگز مت ڈرو کما قال تعالیٰ **اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَاءَهٗ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ.** یعنی وہ شیطان ہے جو مسلمانوں کو ڈراتا ہے اپنے دوستوں سے سو تم ان سے ہرگز مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ اب مسلمانوں کو چاہیے کہ مرزا صاحب کی دھمکیوں کا کچھ خوف نہ کریں۔

اور کبھی جھگڑے اور مناظرے کر کے مسلمانوں کو تنگ کرتے ہیں جیسا کہ قرآن شریف سے ظاہر ہے **اَلَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْ اٰيَاتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ اَتَاهُمْ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قلب مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ** یعنی جو لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کی آیتوں میں بغیر ایسی سند کے جو ان کو پہنچی ہو ان کو بڑی بیزاری ہے اللہ کے ہاں اور ایمانداروں کے ہاں اسی طرح مہر کرتا ہے اللہ ہر متکبر اور سرکش کے دل پر۔ معلوم ہوا کہ مرزا صاحب بلا دلیل کیسے کیسے جھگڑے پیدا کر رہے ہیں۔

یہ لوگ اقسام کے وسوسے دلوں میں ڈالتے ہیں کہ کسی طرح آدمی متزلزل ہوجائے جیسا کہ اس آیۂ شریفہ سے معلوم ہوتا ہے **اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ**۔ مرزا صاحب کے وسوسوں کا کس قدر اثر ہوا کہ جو لوگ قادیانی نہیں ہوئے وہ بھی عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں کلام کرنے لگے جیسے مرزا حیرت صاحب کی تقریروں سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت میں بعض ظاہر بین متزلزل ہو رہے ہیں۔

اگر ان سے کہا جائے کہ نبوت وغیرہ دعاوی کاذبہ کو چھوڑ دو اس لئے کہ اس سے فساد اور مسلمانوں میں تفرقہ پڑ جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس بات کیلئے مامور ہیں کہ مسلمانوں کی اصلاح کریں یہی حالت سابق کے لوگوں کی تھی جن کی خبر حق تعالیٰ دیتا ہے **وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ قَالُوْۤا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ** یعنی جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ملک میں فساد نہ پھیلاؤ تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرتے ہیں سن رکھو وہی ہیں بگاڑنے والے پر نہیں سمجھتے۔ مرزا صاحب سے کتنا ہی کہا جائے کہ حضرت آپ کی عیسویت نے مسلمانوں میں فسادِ عظیم برپا کر رکھا ہے کہ مناظروں سے نوبت جدال وقتال تک پہنچ گئی ہے وہ کام کیجئے کہ مسلمانوں کی جس سے ترقی ہو اور کل مسلمان اتفاق کرکے مخالفین کے حملوں سے اپنے دین کو بچائیں مگر وہ سمجھتے ہی نہیں اور یہی فرماتے ہیں کہ میں اصلاح کے لئے آیا ہوں کیا مسلمانوں کی اصلاح یہی ہے کہ ان میں قتال وجدال رہے اور کفار بے فکری سے ان کی بیخ کنی کریں۔

اگر ان لوگوں کو خوفِ خدا اور آخرت پر ایمان ہوتا تو کبھی اس قسم کے دعاوی باطلہ نہ کرتے حق تعالیٰ فرماتا ہے **وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا** یعنی لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور آخرت پر ایمان لائے حالانکہ وہ ایمان نہیں لائے یہ لوگ (اپنے نزدیک) اللہ کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لا چکے ہیں دھوکا دیتے ہیں۔

معلوم نہیں کہ ان کا خدا پر کیسا ایمان تھا کیا یہ نہ جانتے ہوں گے کہ خدائے تعالیٰ عالم الغیب ہے اور تمام خیالات فاسدہ پر مطلع ہے چنانچہ ارشاد ہے **یَعْلَمُ خَائِنَۃَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ** یعنی خدا آنکھوں کی خیانت جانتا ہے اور بھیدوں کو بھی جانتا ہے جو سینوں میں پوشیدہ ہیں۔ اور فرماتا ہے کہ **وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰہَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ** یعنی اور ایسا نہ سمجھنا کہ خدا ان ظالموں کے اعمال سے غافل ہے اور ارشاد ہے **وَاُمْلِیْ لَھُمْ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ** یعنی ہم ان کو مہلت دیتے ہیں اور میرا کید مستحکم ہے۔ مرزا صاحب جس وقت براہین احمدیہ لکھ رہے تھے گو مسلمانوں کے پیش نظر یہ نظریہ ہو گیا تھا کہ وہ ہمہ تن دین کی تائید میں مشغول ہیں مگر خدائے تعالیٰ ان کے ارادے کو خوب جانتا تھا کہ وہ کیا کرنا چاہتے ہیں اور اب بھی جو کچھ وہ کر رہے ہیں اس سے بھی غافل نہیں مگر مرزا صاحب اس دھوکے میں پڑے ہیں کہ اگر یہ کام خلاف مرضی الٰہی ہوتا تو اس سے روک دیئے جاتے اور اس قدر مہلت نہ ملتی یہی دھوکا ابن تومرت وغیرہ کو ہوا تھا اس لئے کہ مرزا صاحب سے زیادہ ان کو مہلت ملی تھی اور اس مدت میں برابر مسلمانوں میں فتنہ و فساد کرتے رہے مگر آخر کار طعمۂ اجل ہو کر اپنے ٹھکانے کو پہنچ گئے۔

بات یہ ہے کہ جب شیطان کا غلبہ پورے طور سے ہو جاتا ہے تو آدمی خدا کو بھی بھول جاتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے **اِسْتَحْوَذَ عَلَیْھِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰھُمْ ذِکْرَ اللّٰہِ** یعنی شیطان ان پر غالب آ گیا ہے اور اس نے ان کو خدا کی یاد بھلا دی ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ جب کامیابی ہو جاتی ہے اور لوگ بکثرت ان کے پیرو ہو جاتے ہیں تو گمراہی اور زیادہ ہو جاتی ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَاِخْوَانُھُمْ یَمُدُّوْنَھُمْ فِی الْغَیِّ ثُمَّ لَا یُقْصِرُوْنَ** یعنی ان کے بھائی ان کو گمراہی میں کھینچے جاتے ہیں اور کمی نہیں کرتے۔ اگر مرزا صاحب کو ان کے ہم خیال لوگ تائید نہ دیتے تو یہاں تک نوبت ہی نہ آتی۔ مگر یاد رہے کہ یہ تائید باعث زیادتی جرم ہے جس سے سزا میں بھی سختی ہوگی۔ **کما قال**

تعالیٰ اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْا اِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ہم ان لوگوں کو صرف اس لئے ڈھیل دے رہے ہیں کہ وہ اور زیادہ گناہ کریں اور آخر کار ان کو ذلت کا عذاب ہے۔

تشابہ قلبی یا حسن ظن وغیرہ سے جو لوگ ان لوگوں کے دباؤ میں آ گئے ان پر یہ بات صادق آتی ہے جو حق تعالیٰ فرماتا ہے فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فَاسِقِیْنَ یعنی پھر بے وقوف بنالیا اپنی قوم کو پھر اسی کا کہا مانا ان لوگوں نے بے شک وہ فاسق لوگ تھے۔

ان لوگوں کے روبروان کے مخالف مدعی کوئی آیت قرآنی پڑھی جائے تو اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا بلکہ اپنے الہامات اور وحی پر نازاں اور خوش رہتے ہیں ان کی وہی حالت ہے جو حق تعالیٰ فرماتا ہے فَلَمَّا جَاءَ هُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنَاتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ یعنی جب رسول کھلی نشانیاں ان کے پاس لے آئے تو وہ اپنے علم ہی پر خوش رہے۔ کتنے ہی آیات واحادیث اس قوم پر پیش کئے جائیں وہ ایک نہیں مانتے اور اپنے ہی علم پر نازاں ہیں کہ مرزا صاحب کا الہام ہی ٹھیک ہے۔

ف: آیات قرآنیہ کا نزول اگرچہ خاص خاص مواقع میں ہوا ہے مگر علماء جانتے ہیں کہ اَلْعِبْرة لعموم اللَّفْظ لالخصوص الْمعنی یعنی جو مواقع خاصہ نزول کے داعی ہوا کرتے تھے یا جن کے باب میں آیتیں نازل ہوئیں قرآن انہیں کے لئے خاص نہیں بلکہ جہاں جہاں منطبق ہو سکتا ہے وہ سب اس میں داخل ہیں اس لحاظ سے مدعیان نبوت وغیرہ بھی ان آیات کے عموم سے خارج نہیں ہو سکتے۔

اب یہ بات معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ ایسے فتنوں کے وقت مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے پہلے یہ بات معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ حق تعالیٰ نے ایک مخفی راز پر مسلمانوں کو مطلع کر دیا کہ جو لوگ فتنہ انگیزیاں کرتے ہیں ان کو خدائے تعالیٰ نے اسی واسطے پیدا کیا کہ اس قسم کے کام کیا کریں اور انجام کار رسوا ہوں۔ چنانچہ فرماتا ہے قولہ تعالیٰ

وَکَذَالِکَ جَعَلْنَا فِیْ کُلِّ قَرْیَۃٍ اَکَابِرَ مُجْرِمِیْھَا لِیَمْکُرُوْا فِیْھَا وَمَایَمْکُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِھِمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ یعنی اور ایسا ہی ہم نے ہر بستی میں بڑے بڑے فساق پیدا کئے تاکہ ان میں فتنہ انگیزیاں اور مکر کریں اور جتنی مکاریاں وہ کرتے ہیں اپنے حق میں کرتے ہیں اور نہیں سمجھتے انتہی۔ اگر یہ آیۂ شریفہ نازل نہ ہوتی تو اس قسم کے لوگوں کی ترقی سے یہ خدشہ ضرور ہوتا کہ شاید یہ بھی مقبول بارگاہ ہوں جن کو اس قسم کی تائید ہو رہی ہے اس قسم کے لوگوں کی ترقیوں سے مسلمانوں کو یہ خیال چاہیے کہ ہماری ابتلاء اور آزمائش کے لئے حق تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے اور یہ تائید ان کی حقانیت پر دلیل نہیں ہوسکتی کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے قولہ تعالیٰ کُلًّا نُمِدُّ ھٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّکَ وَمَا کَانَ عَطَاءُ رَبِّکَ مَحْظُوْرًا یعنی طالبِ دنیا و طالبِ آخرت ہر ایک کو ہم مدد دیتے ہیں پروردگار کی بخشش بند نہیں۔ آنحضرت ﷺ کی ابتدائی ولادت بابرکت سے آثار نبوت اور ارہاصات شروع تھے اہلِ عرب عمر بھر حضرت ﷺ کی صداقت و صدق دیکھا کئے، یہود اور نصاریٰ اور کاہنوں کے اخبار سے حضرت ﷺ کی نبوت کا حال سنا کئے اور وقتاً فوقتاً معجزات کا مشاہدہ کیا کئے۔ باوجود اس کے حضرت ﷺ کی وفات کے وقت کم و بیش ایک لاکھ اشخاص مسلمان ہوئے اور مسیلمہ کذاب پر دو چار سال ہی میں لاکھ آدمی تک ایمان لائے پھر کیا اس فوری ترقی سے مسیلمہ کی نبوت یا حقانیت ثابت ہوسکتی ہے؟ بات یہ ہے کہ باطل کا شیوع بہت جلد ہو جاتا ہے خصوصاً اس آخری زمانے میں جو گویا فتنوں ہی کے واسطے موضوع ہے۔

حق تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الدُّنْیَا نُؤتِہٖ مِنْھَا وَمَا لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنْ نَّصِیْبٍ یعنی جو کوئی دنیا کی کھیتی کا طالب ہو تو ہم بقدر مناسبت اس کو دنیا دینگے مگر پھر آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ اَلدُّنْیَا زُوْرٌ لَایَحْصَلُ اِلَّا بِالزُّوْرِ کو اپنا مقتدا بنا کر اقسام کے حیلے اور مکاریاں عمل میں لائے جن

سے دنیا کا پورا پورا حصہ حاصل کرلیا مگر افسوس ہے ان پر جنہوں نے دوسروں کی دنیا کے واسطے اپنا دین برباد کیا کیوں کہ ہر ایک کے ہم خیال ہونے کے لئے کئی کئی آیتوں اور احادیث کا ان کو انکار کرنا ضرور پڑا حالانکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **اِنَّمَا الْمُوْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ آمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا** یعنی اہل ایمان وہی لوگ ہیں جو خدا اور رسول پر ایمان لاتے ہیں پھر شک نہیں کرتے۔

مسلمانوں کے دلوں میں منجانب اللہ ایک قسم کی ایسی تسکین ہوتی ہے کہ مخالفین کی باتیں ان کو مشوش نہیں کرتیں۔ **ھوالَّذِیْ اَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُوْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْا اِیْمَانا مَعَ اِیْمَانِھِمْ** یعنی خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں کے دل میں اطمینان اور تسکین اتاری تاکہ پہلے ایمان کے ساتھ اور ایمان زیادہ ہو۔

اہل ایمان اس بات کے مامور ہیں کہ اگر جعلی انبیاء وغیرہم مسلمانوں کو بہکادیں تو بمقتضائے **اَلدِّیْنُ النَّصِیْحۃ** ان کی خرابیوں پر متنبہ کردیں اور جو نہ مانیں تو ان پر غم کھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ رحمت اللعالمین ﷺ کفار کے ایمان نہ لانے پر باقتضائے رحمت طبعی بہت غم کھاتے تھے، جس پر حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ **لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَفْسَکَ اَنْ لَا یَکُوْنُوْا مؤمنین** یعنی شاید کہ تم وائے پیغمبر (ﷺ) اپنے کو ہلاک کرلوگے اس پر کہ وہ ایمان نہیں لاتے انتہی۔ اور نیز ارشاد ہے قولہ تعالیٰ **وَلَا یَحْزُنْکَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِیْ الْکُفرِ مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْا اٰمَنَّا بِاَفْوَاھِھِمْ وَلَمْ تُومِنْ قُلُوْبُھُمْ** یعنی اے رسول خدا! غم نہ کھاؤ ان پر جو کفر میں سعی کرتے ہیں وہ جو کہتے ہیں اپنے منہ سے کہ ہم مسلمان ہیں اور ان کے دل مسلمان نہیں انتہی۔ اور مسلمانوں کو ارشاد ہے **یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَایَضُرُّکُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ** یعنی مسلمانو تم اپنی خبر رکھو جب تم راہِ راست پر ہوتو کوئی بھی بھی گمراہ ہوا کرے اس کا گمراہ ہونا تم کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا انتہی۔

اور حدیث شریف میں ہے **عَنْ عَلِیٍّ** رضی اللہ عنہ **قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ** ﷺ

لَاتَكْرَهُوا الفتنة فِيْ اٰخِرِ الزَّمَان فَاِنَّهَا تبيرُ الْمُنَافقين (ابونعیم کذا فی کنز العمال) یعنی فرمایا نبی ﷺ نے کہ آخری زمانے میں فتنے کو برا نہ سمجھو اس لئے کہ وہ منافقوں کو ہلاک کرے گا۔ مطلب یہ کہ جن لوگوں کے دل میں پہلے ہی سے پورا ایمان نہیں کہ وہ فتنہ پردازوں کی فوراً تصدیق کرلیں گے اور ہلاک ہوں گے اور سچے مسلمان اپنے کمال ایمانی کی وجہ سے ان کے فتنوں سے محفوظ رہیں گے چوں کہ ایسے ایمان والوں کا مسلمانوں میں رہنا کچھ مفید نہیں بلکہ ان کا علیحدہ ہو جانا ہی بہتر ہے اس لئے تخصیص کرکے آخری زمانے والے مسلمانوں کو ارشاد ہوا کہ اس زمانے میں فتنے کو مکروہ نہ سمجھو کیونکہ اس میں ایک بڑی مصلحت یہ ہے کہ خالص مسلمان ممتاز ہو جائیں گے۔

مرزا صاحب براہین احمدیہ میں مسلمانوں کی بہت شکایت فرماتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے ایک لخت ان سے عجز وفروتنی اور حسن ظن اور محبت برادرانہ اٹھالیا اور اسی کے صفحہ ۱۰۶ میں لکھتے ہیں نیک ظنی انسان میں ایک فطرتی قوت ہے مثلاً یہ نیک ظنی ہی کی برکت ہے کہ چھوٹے بچے بآسانی بولنا اور باتیں کرنا سیکھ لیتے ہیں اور ماں باپ کو ماں باپ کرکے جانتے ہیں اگر بدظنی کرتے تو کچھ بھی نہ سیکھتے اور دل میں کہتے کہ شاید ان سکھانے والوں کی کچھ اپنی غرض ہوگی اور آخر میں اس بدظنی سے گونگے رہ جاتے اور والدین کے والدین ہونے میں بھی شک کرتے۔ فی الحقیقت حسن ظن اصلاح تمدن کے لئے ایک بڑی دولت تھی مگر افسوس ہے کہ اس کو زمانے کی رفتار اور مکاروں کی خودغرضیوں نے خاک میں ملا دیا ہر زمانے کے بدمعاشوں کی کارروائیاں اور حسن ظن کرنے والوں کی تباہیوں نے مسلمانوں کو عبرت کا سبق پڑھایا جس سے وہ **الحزم سوء الظن** پر عمل کرنے لگے اور اس کی تو خود مرزا صاحب بھی اجازت دیتے ہیں۔ چنانچہ اس لئے صفحہ ۱۰۶ میں لکھا ہے۔ نیک ظنی انسان میں فطرتی قوت ہے اور جب تک کوئی وجہ بدگمانی کی پیدا نہ ہو اس قوت کو استعمال میں لانا انسان کا طبعی خاصہ

ہے اس سے ظاہر ہے کہ جب کوئی وجہ بدگمانی کی پیدا ہو جائے تو پھر نیک ظنی استعمال میں نہ لا نا چاہیے۔اب دیکھئے کہ مرزا صاحب نے مسلمانوں کو بدگمانی کے کیسے کیسے موقع دیئے ہیں۔

جس طرح اور لوگوں نے نبوت، مہدویت، قائمیت، شاہدیت، کشفیت اور ولایت وغیرہ کے جھوٹے دعوے کر کے دنیوی وجاہت حاصل کی اور اپنے اغراض پورے کئے، مرزا صاحب بھی کر رہے ہیں انہوں نے تو ایک ہی دعویٰ کیا تھا۔ مرزا صاحب ایک دعوے پر قانع نہیں بلکہ فرماتے ہیں کہ میں مجدد ہوں، محدث ہوں، امام زماں ہوں، مہدی موعود ہوں، عیسیٰ موعود ہوں، خلیفۃ اللہ ہوں، حارث حراث ہوں، نبی ہوں، رسول اللہ ہوں، خدا کی اولاد کے برابر ہوں، تمام انبیاء کا مثیل و ہمسر ہوں بلکہ افضل ہوں، **کن فیکون** کا اقتدار رکھتا ہوں، مجھ پر بچی وحی آتی ہے خدا اپنے چہرے سے پردہ اٹھا کر میرے ساتھ باتیں کرتا ہے، میرے معجزات انبیاء کے معجزات سے بڑھ کر ہیں، میری رسالت اور نبوت کا منکر اور میرے قول و فعل پر اعتراض کرنے والا کافر ہے وغیرہ وغیرہ۔ پھر ان دعووں سے اس قدر دنیوی وجاہت حاصل کی کہ اقسام کے چندے کر کے لاکھوں روپے حاصل کئے اور کر رہے ہیں۔

اب اور سنئے تفسیر و حدیث کی توہین کر کے ان کو ساقط الاعتبار کر دیا۔ قرآن میں اقسام کی تحریفات و تصرفات والحاد کئے۔ انبیاء کے الہامات کو جھوٹے کہے اور انبیائے اولوالعزم جیسے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو ساحر بتلایا، سید المرسلین ﷺ کے فضائل خاصہ میں جو آیتیں نازل ہوئیں، ان کو الہام کے ذریعہ سے اپنے پر چسپاں کر لیا جیسے **اِنَّا اَعْطَیْنَاکَ الْکَوْثَرْ، اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا لِیَغْفِرَلَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ، وَمَا اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ، سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا، دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی، یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ. اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ، لَاتَخَفْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی، کُنْتُمْ**

خیرامة اخرجت للناس، انی فضلتک علی العالمین، اِذا جَاءَ نصراللہ، ورَفعنا لک ذکرک، اِنّک عَلیٰ صراط مستقیم، وَجیھا فی الدّنیا والاخرۃ ومِن المقربین، الیس اللہ بکاف عبدہ، محمد رسول اللہ والذین معه اشداء عَلَی الکفار رحماء بینھم، ومَاکان اللہ لیعذبھم وانت فیھم، ولقد لبثت فیکم عمرا من قبله افلاتعقلون، جئنابک علی ھٰؤلاءِ شھیدا، واتخذوُا مِن مقام ابراھیم مصلّی، قل یا ایّھا الکافِرُون لَا اَعْبد ماتعبُدون، قل اعوذ برب الفلق، قل ان کنتم تحبّون اللہ فاتبعُونیْ یُحْبِبْکُم اللہ، واللہ متم نورہ، تَمّت کلمة ربّک۔ وغیرہ جو براہین احمدیہ میں مذکور ہیں اور جو آیات واحادیث ان کے مقصود کے مضر ہیں ان پر سخت حملے کیے۔

اہل اسلام اپنے اپنے ایمان کے مدارج کے موافق خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کیا اب بھی مرزا صاحب کے ساتھ حسن ظن کیا جائے۔

تمت الحصة الاولی